قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ امرأ سمع منا شیئا فبلغہ کما سمع (مشکوٰۃ)

ایضاح البخاری

جلد پنجم

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اعمال کی مستند اور کامیاب شرح، اکابر کی تحقیقات اور تمام شروح کا عطر، تراجم ابواب پر محققانہ کلام زندہ اسلوب کیساتھ پہلی بار اردو زبان میں۔

از افادات

فخر الاسلام، امین شیخ الهند، وارث انور شاہ، جانشین شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

مرتب :- مولانا ریاست علی بجنوری، استاذ دار العلوم دیوبند،

مکتبہ مجلس قاسم المعارف (دیوبند یوپی)

تفصیلات

نام کتاب	ایضاح البخاری جلد پنجم
افادات	فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
طبع اول	محرم ۱۴۲۹ھ، مطابق جنوری ۲۰۰۸ء
ترتیب	ریاست علی بجنوری
کمپوزنگ	محمد امجد الاعظمی
قیمت مجلد	
صفحات	پانچ سو چار (۵۰۴)
تعداد	ایک ہزار

عرض ناشر

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ! قارئین کرام کو معلوم ہے کہ ایضاح البخاری ابتدا میں قسط وار لیتھو پر طبع ہوتی تھی، پھر دس سال پہلے اس کو جلدوں کی صورت میں آفسیٹ پر طبع کیا گیا، اور اب الحمد للہ ان جلدوں کو مندرجہ ذیل خوبیوں کے ساتھ طبع کیا جارہا ہے۔

۱- اس ایڈیشن کی کتابت کمپیوٹر کے ذریعہ کرائی گئی ہے کہ اب اس کو پسند کیا جارہا ہے۔

۲- کتاب کا سائز $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$ کے بجائے $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۸}$ کردیا گیا ہے کہ اس سائز کا ہر طرح کا کاغذ بازار میں ہمہ وقت دستیاب ہے۔

۳- صحیح بخاری کی تمام عربی شروح میں فؤاد عبدالباقی مرحوم کی ترقیم کے مطابق احادیث پر نمبرات ڈالے جارہے ہیں، ایضاح البخاری میں بھی احادیث پر وہی نمبر ڈال دیئے گئے ہیں، اس سے مطالعہ کرنے والوں کو انشاء اللہ سہولت ہوگی۔

۴- ہر حدیث کے بارے میں اس نشاندہی کا اہتمام کیا گیا ہے کہ یہ حدیث جزوی یا کلی طور پر صحیح بخاری میں کہاں کہاں آئی ہے، اگر وہ حدیث گذر گئی ہے تو (گذشتہ:) لکھ کر حدیث نمبر ذکر کیا گیا ہے، اور اگر آئندہ آرہی ہے تو (آئندہ:) لکھ کر نمبرات دیئے گئے ہیں، یہ کام صحیح بخاری کے جدید مصری ایڈیشنوں میں ہو چکا ہے، مطالعہ کرنے والوں کی سہولت کے لیے اس کو ایضاح البخاری میں دے دیا گیا ہے۔

۵- تمام جلدوں کے صفحات برابر کردیئے گئے ہیں اور ہر جلد تقریباً پانچ سو صفحات کی ہے، اس لیے سابقہ مطبوعہ چار جلدوں کے صفحات میں ضروری ردوبدل کیا گیا ہے، اور جلد پنجم ترتیب کے بعد پہلی بار طبع ہورہی ہے۔

۶- کتاب کو تابمقدور بہتر سے بہتر بنانے کی سعی کی گئی ہے، تصحیح کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، کاغذ، طباعت اور جلدوں میں بہتر معیار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

جن احباب نے ان امور کی تکمیل میں تعاون فرمایا، ہم ان کے شکر گذار ہیں، اور بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کرم فرماؤں، مرتب اور ناشر کو اجر جزیل عطا کرے۔ آمین

فہرست مضامین ایضاح البخاری جلد پنجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض مرتب﴾

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ۔ خدا کا فضل وکرم ہے کہ ایضاح البخاری جلد پنجم ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جلد چہارم کی اشاعت کے موقع پر عرض کیا گیا تھا کہ جب ایک جلد کے بقدر مسودہ تیار ہوجائے گا تو اس کو شائع کردیا جائے گا خیال تھا کہ جلد پنجم کی ترتیب میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوگا اور اس میں کتاب الصلوۃ مکمل ہوجائے گی، لیکن افسوس کہ مسودہ کی ترتیب میں بھی تاخیر ہوئی اور کتاب الصلوۃ بھی مکمل نہ ہوسکی۔

حضرت الاستاذؒ کے زمانہ سے، آپ ہی کی اجازت سے دونوں سال کے درسی افادات کے ساتھ، شروح بخاری اور مستند کتابوں سے مضامین کا اضافہ کیا جاتا رہا ہے، اور اب بعض اسباق میں اختصار کی وجہ سے، کتاب کی خصوصیات کی حفاظت کے لیے اس کا تناسب بڑھ گیا ہے، ترتیب کے عمل میں تاخیر اور کتاب الصلوٰۃ کے مکمل نہ ہونے میں اس کا بڑا دخل ہے۔

اب تک ایضاح البخاری $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$ سائز پر طبع کی جارہی تھی، اب اس کا سائز $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۸}$ کردیا گیا ہے، اور اس تبدیلی کے ساتھ جلدوں کے صفحات بھی برابر کردیے گیے ہیں اور ہر جلد پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، اور اس تبدیلی میں جلدوں کے صفحات میں بھی ردوبدل ہوا ہے، چنانچہ جلد پنجم میں جلد چہارم کے مطبوعہ صفحات میں سے بیس صفحات (حدیث ۸۰۳ سے ۸۱۳ تک) شامل کئے گئے ہیں، اس کے بعد حدیث ۸۱۴ سے حدیث ۱۱۴۵ تک کے مضامین ترتیب کے بعد پہلی بار طبع ہورہے ہیں۔

اس طرح اس جلد پنجم میں صفۃ الصلوۃ کے بقیہ ابواب کے بعد، کتاب الجمعہ، ابواب صلوۃ الخوف، کتاب العیدین، ابواب الوتر، ابواب الاستسقاء، ابواب الکسوف، ابواب سجود القرآن، ابواب تقصیر الصلوۃ، اور کتاب التہجد کے چند ابواب آگئے ہیں، انشاء اللہ جلد ششم میں کتاب الصلوۃ کی تکمیل کے بعد دیگر مضامین بھی آجائیں گے۔

قارئین کرام سے دعائے خیر میں یاد رکھنے، غلطیوں پر متنبہ کرنے اور مفید مشوروں سے نوازنے کی درخواست ہے۔

والحمد للہ اولا وآخراً

محرم الحرام ۱۴۲۹ھ ، جنوری ۲۰۰۸ء　　ریاست علی غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿بقية أبواب صفة الصلاة﴾

[۱۲۸] بَابٌ يَهْوِىْ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ يَسْجُدُ

وَقَالَ نَافِعٌ : كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ.

(۸۰۳) حَدَّثَنَا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِيْ أَبُوْبَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، وَأَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ، كَانَ يُكَبِّرُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ وَغَيْرِهَا فِيْ رَمَضَانَ وَغَيْرِهٖ فَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، ثُمَّ يَقُوْلُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ قَبْلَ أَنْ يَّسْجُدَ، ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ حِيْنَ يَهْوِىْ سَاجِداً ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الْجُلُوْسِ فِيْ الاثْنَتَيْنِ وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ، ثُمَّ يَقُوْلُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ: وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ إِنِّىْ لَأَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كَانَتْ هٰذِهٖ لَصَلٰوتَهٗ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا. (گذشتہ: ۷۸۵)

(۸۰۴) قَالَا: وَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ يَقُوْلُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ يَدْعُوْ لِرِجَالٍ فَيُسَمِّيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِىْ رَبِيْعَةَ، وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِىْ يُوْسُفَ وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُوْنَ لَهٗ. (گذشتہ: ۷۹۷)

(۸۰۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ غَيْرَ مَرَّةٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ: سَقَطَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَرَسٍ، وَرُبَّمَا قَالَ، سُفْيٰنُ: مِنْ فَرَسٍ، فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُوْدُهٗ، فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ، فَصَلّٰى بِنَا

قَاعِدًا وَّقَعَدْنَا وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: صَلَّيْنَا قُعُودًا فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْأَمَامُ لِيُؤتَمَّ بِهٖ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا كَذَا جَآءَ بِهٖ مَعْمَرٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ لَقَدْ حَفِظَ كَذَا قَالَ الزُّهْرِيُ: وَلَكَ الْحَمْدُ حَفِظْتُ مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَنَا عِنْدَهٗ: فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ. (گذشتہ: ۳۷۸)

ترجمہ باب، جب سجدہ میں جائے تو تکبیر کہتا ہوا جھکے۔ حضرت نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے، ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فریضہ وغیر فریضہ اور رمضان وغیر رمضان کی ہر نماز میں تکبیر کہتے تھے، چنانچہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللّٰہ اکبر کہتے پھر جب رکوع میں جاتے تو تکبیر کہتے پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہتے پھر سجدہ میں جانے سے پہلے ربنا ولک الحمد کہتے، پھر جب سجدہ کے لئے جھکتے تو اللّٰہ اکبر کہتے پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اللّٰہ اکبر کہتے پھر دوسرے سجدہ میں جاتے تو اللّٰہ اکبر کہتے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللّٰہ اکبر کہتے، پھر جب دو رکعتوں میں قعدہ کر کے اٹھتے تو اللّٰہ اکبر کہتے، اور وہ نماز کی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے تھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے، پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرماتے، قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں تم سب لوگوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہت رکھتا ہوں، بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اسی طرح تھی یہاں تک کہ آپ نے دنیا کو خیر باد کہہ دیا، ابو بکرؓ اور ابو سلمہؓ دونوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللّٰہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد کہہ کر چند لوگوں کے لئے دعا کرتے تھے اور ان کو نام لے کر نامزد فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ: ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کو نجات عطاء فرما۔ اے اللہ! کفار مضر پر اپنی گرفت یا دباؤ کو سخت فرما دے اور ان کو ایسے قحط میں مبتلا کر دے جیسا قحط یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا، (حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ) مشرق میں رہنے والے کفار مضر اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے، علی بن عبد اللہ المدینی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے سفیان نے کئی بار حضرت زہری سے روایت بیان کی کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سے گر گئے۔ اور کبھی سفیان نے عن فرس کے بجائے من فرس کہا۔ تو آپ کی داہنی جانب چھل گئی۔ چنانچہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم بھی بیٹھ گئے اور ایک بار سفیان نے یہ فرمایا کہ ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے

تو فرمایا کہ امام کو امام بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، پھر جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ، اور جب وہ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے تو تم **ربنا لک الحمد** کہو اور وہ جب سجدہ میں جائے تو تم سجدہ کرو۔

سفیان نے علی بن مدینی سے پوچھا کہ معمر نے اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا ہے تو علی بن مدینی کہتے ہیں، میں نے کہا جی ہاں! اس پر سفیان نے فرمایا کہ بے شک معمر نے یاد رکھا، اسی طرح زہری نے ولک الحمد کہا تھا اور مجھے یاد ہے کہ زہری نے **من شقہ الایمن** کہا تھا، پھر جب ہم زہری کے پاس سے نکلے تو ابن جریج نے کہا کہ امام زہری نے **فجحش ساقہ الایمن** کہا تھا جبکہ میں (سفیان) زہری کے پاس تھا۔

مقصد ترجمہ هَوىٰ يَهْوِىْ هَوِيًّا کے معنی ہیں اوپر سے نیچے اترنا، بعض شارحین کے بیان کے مطابق امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ تکبیر، کسی تقدیم و تاخیر کے بغیر ھویّ یعنی جھکنے کے ساتھ ساتھ ہونی چاہئے، اس صورت میں حضرت ابن عمرؓ کے اثر **یضع یدیہ قبل الرکبتین** کا ترجمۃ الباب سے تعلق مشکل معلوم ہوتا ہے، بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ هَوِی کے معنی اور اس کی صورت کے تعین کے لئے یہ اثر ذکر کیا گیا ہے جب کہ بعض شارحین نے یہ فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصد هِوِی یعنی جھکنے کی کیفیت کو بیان کرنا ہے اور یہ کیفیت ایک قولی ہے اور ایک فعلی، قولی تو یہ ہے کہ اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور فعلی کیفیت کا بیان حضرت ابن عمرؓ کے اثر میں موجود ہے۔

اس بات کو آسانی کے ساتھ یوں سمجھنا چاہیئے کہ امام بخاری کا مقصد تکبیر کے مسئلے کو بیان کرنا نہیں بلکہ اصل مقصد جھکنے کی کیفیت کو بیان کرنا ہے، چونکہ تکبیر بھی اس کی ایک کیفیت ہے اس لئے اس کو ذکر فرمایا اور حضرت ابن عمرؓ کے اثر میں جھکنے کی عملی صورت کا بیان تھا اس لئے اس کو ترجمہ کے ساتھ ذکر کر دیا۔

سجدہ میں ہاتھ پہلے رکھنے کا مسئلہ حضرت ابن عمرؓ کے اثر سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا بدن بھاری تھا اور پیروں میں ضعف تھا اور اس وجہ سے ابن عمرؓ نماز کے بعض ارکان کو تمامیت کے ساتھ ادا نہیں کر پاتے تھے مثلاً جلسہ بین السجدتین میں وہ صدورِ قدمین پر بیٹھتے تھے، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا۔

انها ليست سنة الصلوة انما افعل ذلك من اجل انى اشتكى. (موطاء مالک ص ۱۳۰)	یہ طریقہ نماز کی سنت نہیں ہے میں یہ عمل صرف اس لئے کرتا ہوں کہ مجھے شکایت یعنی تکلیف ہے۔

پھر موطا میں یہ بات بھی ہے کہ یہ شکایت پیروں میں تھی، ایک اور موقع پر فرمایا **ان رجلا لا تحملانی**، میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھاتے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ سجدہ کی حالت میں ہاتھ کا پہلے رکھنا بھی اسی مجبوری کے سبب ہوتا ہو۔

لیکن عذر کے تحت کیا جانے والا یہی عمل امام مالکؒ کا مسلک ہے، امام احمدؒ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، ان حضرات کا استدلال ابوداؤد و نسائی وغیرہ کی، حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے ہے جس میں فرمایا گیا ہے اذا سجد احدکم فلایبرک کما یبرک البعیر ولیضع یدیه ثم رکبتیه۔

جبکہ امام اعظمؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کی ایک روایت اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر رکھے جائیں گے پھر ہاتھ اور پھر پیشانی، یہ حضرات کہتے ہیں کہ جو عضوز مین سے قریب ہو اس کو عمل سجدہ میں مقدم رکھا جائے گا، اور جو عضو دور ہو اس کو موخر کیا جائے گا اور سجدہ سے اٹھتے وقت کا عمل اس کے برعکس ہوگا، ان حضرات کا استدلال حضرت وائلؓ ابن حجر کی روایت سے ہے جو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور ترمذی وغیرہ میں ہے، ترمذی کے الفاظ ہیں اذا سجد یضع رکبتیه قبل یدیه واذانهض رفع یدیه قبل رکبتیه اس روایت کو خطابی اور بغوی اور طیبی وغیرہ نے ترجیح دی ہے، دونوں طریقے درست ہیں اور اختلاف افضلیت کا ہے۔

تشریح حدیث اول پہلی روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے کہ رمضان وغیرہ رمضان میں صلوٰۃ مکتوبہ میں تکبیرات کا عدد برابر ہے یعنی ماہ رمضان عبادت کے سلسلے میں دیگر مہینوں سے ممتاز ہے مگر نماز کی تکبیرات کا عدد وہی ہے جو دیگر مہینوں میں ہے اسی طرح رکوع سے اٹھتے وقت کا ذکر سمع الله لمن حمده بھی دیگر ایام کی طرح برقرار ہے اور اس طرح نماز پڑھا کر حضرت ابو ہریرہؓ یہ فرماتے ہیں کہ میری یہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہت قریب ہے یعنی یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ بالکل مطابق اصل ہے، لیکن بقدر استطاعت میں نے آپ کی نماز سے قریب کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے بعد دوسری بات یہ بتائی کہ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ نماز میں ضعفاء مسلمین کے لئے نام بہ نام دعا کی جاتی تھی اور ظالم کفار و مشرکین کے لئے بددعا ہوتی تھی، یہ مسئلہ قنوت کا ہے اس کے جزئیات کتاب الوتر میں آئیں گے، یہاں یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ روایت باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمع الله لمن حمده اور ربنا لك الحمد دونوں کو جمع فرمایا ہے، جو فقہا امام و مقتدی کے درمیان ذکر کی تقسیم کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ جمع قنوت نازلہ کے موقع پر ہے جیسے کہ اس روایت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو رہا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قنوت کلماتِ حمد سے شروع ہوتا ہے، قنوت نہ ہو تو امام کا وظیفہ صرف تسمیع ہے اور مقتدی کا ربنا لك الحمد .

ثم یکبر حین یسجد ، اس سے امام بخاری کا مقصد صراحت کیساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ جب قومہ سے سجدہ میں جاتے تو تکبیر سے سجدہ میں جانے کا عمل شروع فرماتے۔

اللّٰهم انج الولید الخ ۔ یہاں تین صحابہ کے نام لئے گئے ہیں، پہلا نام حضرت ولیدؓ بن ولید کا ہے، یہ حضرت خالدؓ بن ولید کے بھائی تھے، غزوۂ بدر میں بحالت کفر گرفتار ہوئے تھے، جب ان کو فدیہ دیکر رہا کرالیا گیا تو

انہوں نے اسلام قبول کرلیا، ان سے پوچھا گیا کہ اسلام قبول کرنا تھا تو فدیہ ادا کرنے سے پہلے قبول کرلیا ہوتا تو فرمایا کہ اس صورت میں یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ میں نے ڈر کر اسلام قبول کیا ہے، چنانچہ اس کے بعد انہیں مکہ مکرمہ میں بہت تکلیفیں پہنچائی گئیں، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت سے کفار کے ہاتھ سے نکل کر مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور حیاتِ نبوی ہی میں وفات پائی۔

دوسرا نام حضرت سلمہ بن ہشام کا ہے، یہ ابوجہل کے بھائی تھے، قدیم الاسلام تھے اور یہ انھیں لوگوں میں ہیں جنھیں قبول اسلام کی وجہ سے طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں، ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے وہاں سے واپس آئے تو مکہ مکرمہ میں روک لئے گئے اور تکلیفیں دی جاتی رہیں، غزوۂ خندق کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے تھے۔

تیسرا نام عیاش بن ربیعہ کا ہے، یہ ابوجہل کے اخیافی بھائی تھے، قدیم الاسلام تھے، ابوجہل ان کو مکہ مکرمہ میں پا بہ زنجیر رکھتا اور نئی نئی تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا، غزوۂ یرموک میں شہید ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حالات سن کر تکلیف ہوتی تھی، اس لئے نماز میں دعائے قنوت پڑھ کر ان تینوں حضرات کا نام لے کر اور بقیہ کمزور مسلمانوں کا نام لئے بغیر دعا فرماتے تھے۔

تشریح حدیث دوم دوسری روایت گذر چکی ہے اور اس میں امام بخاری کے ترجمۃ الباب کی صراحت نہیں ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں مقتدی کی کیفیت بیان کرنے کے لئے روایت لائے ہیں اور اس کو کئی طرح ثابت کیا جاسکتا ہے، ایک تو **انما جعل الامام لیو تم بہ** سے، کہ جس طرح امام جھکتے ہوئے تکبیر کہتا ہے مقتدی کو بھی کہنی چاہئے دوسرے **اذا سجد فاسجدوا** سے کہ امام سجدہ میں جاتے ہوئے جو کام کرتا ہے وہی مقتدی کو بھی کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تکبیر کا عمل ہے تیسرے **اذا کبر فکبروا** سے، کہ اسکے ذیل میں تمام تکبیرات انتقال آجاتی ہیں، ان میں ایک تکبیر سجدہ میں جاتے وقت کی بھی ہے، جس کی کیفیت پہلی روایت میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

کذا جاء بہ معمر الخ استفہام بہ نغمۂ صوت ہے، سفیان بن عیینہ نے اپنے شاگرد علی بن مدینی سے پوچھا کہ تم نے یہ روایت معمر سے بھی لی ہے تو کیا انہوں نے بھی یہ روایت اسی طرح بیان کی تھی، علی بن مدینی نے کہا کہ جی ہاں! بالکل اسی طرح۔ سفیان کو ان کی بات سے تائید ملی تو انہوں نے معمر کی تعریف کی کہ انہوں نے یاد رکھا، اسی لئے تو معمر کو اثبت الناس فی الزہری کہا گیا ہے پھر سفیان نے یہ فرمایا کہ زہری نے **ولک الحمد** کہا تھا، اس میں تعریض ہے کہ زہری کے بعض تلامذہ بغیر واؤ کے لک الحمد بھی نقل کرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد سفیان نے یہ فرمایا کہ اس روایت میں مجھے تو **شقہ الأیمن** یاد ہے اور تم بھی یہ کہہ رہے ہو کہ معمر نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے، لیکن ہمارے ایک رفیق درس ابن جریج بھی ہیں، ہم نے یہ روایت ایک ساتھ زہری

سے سنی تھی مگر انہوں نے باہر نکل کر ساقه الایمن نقل کیا ہے، اس بات کے درمیان ،،وانا عنده،، کا جملہ بھی آیا ہے، یہ مقولہ ابن جریج کا بھی ہوسکتا ہے اور اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ ابن جریج اپنا تثبت بیان کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں کہ میں زہری کے قریب تھا، لیکن علامہ عینیؒ نے اس احتمال کو مرجوح قرار دیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ سفیان کا مقولہ ہے اور وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ زہری نے شقه الایمن ہی کہا تھا کیونکہ میں زہری کے قریب تھا۔

یہ باتیں نقل الفاظ میں محدثین کرام کی احتیاط بتاتی ہیں ورنہ معنوی اعتبار سے شق اور ساق میں تعارض نہیں ہے، شق عام لفظ ہے کہ چوٹ داہنی جانب تھی اور ساق خاص لفظ ہے کہ یہ چوٹ داہنی طرف پنڈلی میں آئی تھی، مطلب یہ ہوا کہ پہلو پر بھی زخم آیا اور ساق پر بھی بلکہ قدم مبارک بھی اتر گیا تھا اور اسی لئے آپ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے۔ واللہ اعلم

[۱۲۹] بَابُ فَضْلِ السُّجُوْدِ

(۸۰۶) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ، أَخْبَرَهُمَا أَنَّ النَّاسَ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ هَلْ نَرىٰ رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: هَلْ تُمَارُوْنَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُوْنَهُ سَحَابٌ؟ قَالُوْا: لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: فَهَلْ تُمَارُوْنَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ؟ قَالُوْا: لَا، قَالَ: فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ، يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الشَّمْسَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الْقَمَرَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الطَّوَاغِيْتَ وَتَبْقٰى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيْهَا مُنَافِقُوْهَا فَيَأْتِيْهِمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ: هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَأْتِيْهِمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ: أَنْتَ رَبُّنَا فَيَدْعُوْهُمْ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ، فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوْزُ مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهٖ وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا الرُّسُلُ، وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِيْ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ هَلْ رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللّٰهُ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ يُوْبَقُ بِعَمَلِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ يُخَرْدَلُ، ثُمَّ يَنْجُوْ حَتّٰى إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةَ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ أَمَرَ اللّٰهُ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوْا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَيُخْرِجُوْنَهُمْ وَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِآثَارِ السُّجُوْدِ وَحَرَّمَ

اللّٰہُ عَلَی النَّارِ أَنْ تَأْکُلَ أَثَرَ السُّجُوْدِ فَیَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ، فَکُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْکُلُہُ النَّارُ إِلَّا أَثَرَ السُّجُوْدِ، فَیَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتَحَشُوْا فَیُصَبُّ عَلَیْھِمْ مَاءُ الْحَیٰوۃِ فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّۃُ فِیْ حَمِیْلِ السَّیْلِ ثُمَّ یَفْرُغُ اللّٰہُ مِنَ الْقَضَاءِ بَیْنَ الْعِبَادِ وَیَبْقٰی رَجُلٌ بَیْنَ الْجَنَّۃِ وَالنَّارِ وَھُوَ آخِرُ أَھْلِ النَّارِ دُخُوْلًا الْجَنَّۃَ مُقْبِلًا بِوَجْھِہٖ قِبَلَ النَّارِ فَیَقُوْلُ: یَارَبِّ اصْرِفْ وَجْھِیْ عَنِ النَّارِ فَقَدْ قَشَبَنِیْ رِیْحُھَا وَأَحْرَقَنِیْ ذَکَاؤُھَا فَیَقُوْلُ: ھَلْ عَسَیْتَ إِنْ فُعِلَ ذٰلِکَ بِکَ أَنْ تَسْأَلَ غَیْرَ ذٰلِکَ؟ فَیَقُوْلُ: لَا وَعِزَّتِکَ فَیُعْطِی اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ مَایَشَاءُ مِنْ عَھْدٍ وَّمِیْثَاقٍ فَیَصْرِفُ اللّٰہُ وَجْھَہٗ عَنِ النَّارِ فَإِذَا أَقْبَلَ بِہٖ عَلَی الْجَنَّۃِ رَاٰی بَھْجَتَھَا سَکَتَ مَا شَاءَ اللّٰہُ أَنْ یَسْکُتَ ثُمَّ قَالَ: یَارَبِّ قَدِّمْنِیْ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لَہٗ: أَلَیْسَ قَدْ أَعْطَیْتَ الْعُھُوْدَ وَالْمِیْثَاقَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَیْرَ الَّذِیْ کُنْتَ سَأَلْتَ؟ فَیَقُوْلُ: یَارَبِّ لَا أَکُوْنُ أَشْقٰی خَلْقِکَ فَیَقُوْلُ: فَمَا عَسَیْتَ إِنْ أُعْطِیْتَ ذٰلِکَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَیْرَہٗ فَیَقُوْلُ: لَا وَعِزَّتِکَ لَا أَسْأَلُکَ غَیْرَ ذٰلِکَ فَیُعْطِیْ رَبَّہٗ مَاشَاءَ مِنْ عَھْدٍ وَّمِیْثَاقٍ فَیُقَدِّمُہٗ إِلٰی بَابِ الْجَنَّۃِ فَإِذَا بَلَغَ بَابَھَا فَرَأٰی زَھْرَتَھَا وَمَا فِیْھَا مِنَ النَّضْرَۃِ وَالسُّرُوْرِ فَیَسْکُتُ مَاشَاءَ اللّٰہُ أَنْ یَّسْکُتَ فَیَقُوْلُ: یَارَبِّ أَدْخِلْنِی الْجَنَّۃَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: وَیْحَکَ یَاابْنَ آدَمَ وَمَا أَغْدَرَکَ؟ أَلَیْسَ قَدْ أَعْطَیْتَ الْعَھْدَ وَالْمِیْثَاقَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَیْرَ الَّذِیْ أُعْطِیْتَ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِیْ أَشْقٰی خَلْقِکَ فَیَضْحَکُ اللّٰہُ مِنْہُ ثُمَّ یَأْذَنُ لَہٗ فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُ: تَمَنَّ فَیَتَمَنّٰی حَتّٰی إِذَا انْقَطَعَ أُمْنِیَّتُہٗ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: زِدْ مِنْ کَذَا وَکَذَا أَقْبَلَ یُذَکِّرُہٗ رَبُّہٗ حَتّٰی إِذَا انْتَھَتْ بِہِ الْأَمَانِیُّ قَالَ اللّٰہُ: لَکَ ذٰلِکَ وَمِثْلُہٗ مَعَہٗ وَقَالَ أَبُوْسَعِیْدِ الْخُدْرِیُّ لِأَبِیْ ھُرَیْرَۃَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: لَکَ ذٰلِکَ وَعَشَرَۃُ أَمْثَالِہٖ قَالَ أَبُوْھُرَیْرَۃَ: لَمْ أَحْفَظْہُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِلٰی قَوْلِہٖ لَکَ ذٰلِکَ وَمِثْلُہٗ مَعَہٗ قَالَ أَبُوْسَعِیْدٍ: إِنِّیْ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ ذٰلِکَ لَکَ وَعَشَرَۃُ أَمْثَالِہٖ. (آئندہ: ۶۵۷۳، ۷۴۳۷)

ترجمہ باب، سجدے کی فضیلت کا بیان۔ سعید بن المسیب اور عطاء بن یزید لیثی سے روایت ہے کہ ان سے حضرت ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا، کیا جب چودھویں رات کے چاند پر ابر نہ ہو تو اس کے دیکھنے میں تمہیں کچھ شک رہتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر آپ نے فرمایا کیا سورج پر ابر نہ ہو تو اسکے دیکھنے میں تمہیں شک رہتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر آپ نے فرمایا کہ

بالکل اسی طرح بے شک وشبہ تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے۔ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا، پھر ان سے اللہ تعالیٰ یہ کہے گا کہ جو کسی چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کا اتباع کرے، چنانچہ کچھ ایسے ہوں گے جو سورج کا اتباع کرینگے، اور کچھ ایسے ہوگے جو چاند کا اتباع کرینگے، اور کچھ ایسے ہوں گے جو شیاطین یا بتوں کا اتباع کرینگے، اور یہ امت باقی رہ جائے گی جس میں اس کے منافقین بھی ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ (ایک معروف صورت میں) ان کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں تو یہ لوگ عرض کرینگے کہ ہم اسی مقام پر رہیں گے، یہاں تک کہ ہمارا پروردگار ہمارے پاس آئے، جب ہمارا پروردگار آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، پھر ان کے پاس اللہ عزوجل آئیگا اور کہے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں تو یہ لوگ کہیں گے تو ہمارا پروردگار ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان کو بلائے گا اور پل صراط کو جہنم کے بالکل بیچ میں قائم کر دیا جائیگا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام رسولوں میں پہلا رسول میں ہوں گا جو اپنی امت کے ساتھ اس پل صراط سے پار ہوگا اور اس دن پیغمبروں کے علاوہ کوئی شخص زبان سے کچھ نہ کہہ سکے گا اور پیغمبر علیہم السلام بھی اس دن صرف یہ کہتے ہوں گے، اے اللہ نجات عطاء فرما، نجات عطاء فرما۔ اور جہنم میں سعدان کے کانٹوں کے طرح آنکڑے ہوں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے سعدان درخت کے کانٹوں کو دیکھا ہے، صحابہ نے عرض کیا، ہاں دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آنکڑے سعدان کے کانٹوں کے طرح ہوں گے مگر وہ اتنے بڑے ہوں گے کہ ان کی بڑائی خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، یہ آنکڑے لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے بہت تیزی کے ساتھ پکڑلیں گے، کچھ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک کر دئے جائیں گے، کچھ لوگ وہ ہوں گے جو بالکل ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے، پھر نجات پا جائیں گے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ، اہل جہنم میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو اللہ کی عبادت کرتا تھا اس کو نکال لائیں چنانچہ فرشتے ایسے لوگوں کو نکال لائیں گے اور وہ انہیں سجدوں کے نشان سے پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جہنم پر یہ حرام کر دیا ہوگا کہ وہ سجدے کے نشان کو کھا جائے، چنانچہ وہ فرشتے ان لوگوں کو نکال کر لائیں گے، تو سجدوں کے نشان کے علاوہ ابن آدم کے تمام حصۂ جسم کو آگ کھا جائے گی، پھر یہ لوگ جہنم سے اس حال میں نکلیں گے کہ وہ جل کر کوئلہ ہوگئے ہوں گے، پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا تو وہ اس طرح تیزی سے اگیں گے (نشو نما پائیں گے) جس طرح دانہ سیلاب کی کیچڑ میں اگتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہوگا۔ اور ایک شخص جنت اور دوزخ کی درمیان باقی رہ جائے گا اور وہ اہل جہنم میں سے، جنت میں جانیوالا آخری انسان ہوگا، اس کا رخ جہنم کی طرف ہوگا وہ عرض کریگا۔ اے پروردگار میرا منھ دوزخ طرف سے پھیر دے، اس کی ہوا مجھے زہر پلا رہی ہے اور اس کی تیزی مجھے جلائے دیتی ہے، تو اللہ فرمائے گا کہ اگر تیری یہ بات پوری کر دی جائے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس کے علاوہ کوئی اور سوال کرے؟ وہ عرض کریگا، تیری عزت کی قسم! ایسا نہ ہوگا، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے، جتنا اللہ چاہے گا اتنا عہد و پیمان کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کے منھ کو جہنم سے

پھیر دے گا، پھر جب وہ جنت کی طرف منہ کر لے گا تو اس کی رونق کو دیکھے گا اور جتنے دن خدا کو منظور ہے اتنے دن خاموش رہے گا، پھر عرض کرے گا اے پروردگار! مجھے جنت کے دروازے تک بڑھنے کی اجازت دے دے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، کیا تو نے یہ عہد و پیان نہیں کیا تھا کہ اس پہلے سوال کے علاوہ تو کوئی سوال نہیں کرے گا؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میری تمنا یہ ہے کہ میں تیری مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ رہوں، پھر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اگر تیری یہ تمنا پوری کردی جائے تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تو اس کے علاوہ کوئی سوال نہ کرے، تو وہ عرض کریگا، تیری عزت کی قسم! ایسا نہ ہوگا، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے جتنا چاہے گا عہد و پیان کریگا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازے پر پہنچا دے گا، پھر جب وہ دروازے تک پہنچ جائے گا تو اس کی رونق وزینت کو اور اس کی تر وتازگی و مسرت کو دیکھے گا، پھر جتنے دن خدا کو منظور ہے اتنے دن خاموش رہے گا، پھر یہ عرض کرے گا اے پروردگار مجھے جنت میں پہنچا دے تو اللہ عز وجل فرمائے گا، ابن آدم! تجھ پر بڑا افسوس ہے تو کتنا بڑا عہد شکن ہے؟ کیا تو نے یہ عہد و پیان نہیں کیا تھا کہ جو چیز تجھ کو دے دی گئی ہے اسکے علاوہ کسی چیز کا سوال نہیں کرے گا، وہ عرض کریگا، اے پروردگار مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا، پھر اللہ تعالیٰ اس کی بات سن کر ہنس دے گا، پھر اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمادے گا۔ اور اس سے فرمائے گا بتا اور کیا تمنا ہے؟ چنانچہ وہ تمنائیں عرض کرے گا، یہاں تک کہ جب تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ عز وجل فرمائے گا، ایسی اور ایسی تمناؤں کا اور اضافہ کر لے، اس کو اس کا پروردگار یاد دلائے گا، یہاں تک کہ جب تمام تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ عز وجل فرمائے گا، یہ سب تجھ کو عطاء کیا گیا اور اس کے ساتھ اسی کے برابر مزید دیا گیا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ عز وجل اس شخص سے فرمائے گا کہ تجھ کو یہ سب دیا گیا اور اس کے ساتھ اس سے دس گنا دیا گیا، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد نہیں ہے، مجھے تو صرف یہی یاد ہے کہ تجھے یہ سب دیا گیا اور اس کے ساتھ اس جیسا دیا گیا، حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ سب دیا گیا اور اس سے دس گنا دیا گیا۔

مقصد ترجمہ مقصد ترجمہ واضح ہے کہ سجدے کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں، اور روایت باب سے یہ فضیلت پوری طرح سے ثابت ہے کیونکہ روایت میں یہ آیا ہے کہ ابن آدم کے جسم کے تمام حصوں کو جہنم کھا جائے گی مگر اعضاء سجود محفوظ رہیں گے، معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں سجدے کی بڑی فضیلت ہے اور خدا اس کی وجہ سے ابن آدم کو جہنم میں داخلہ کی سزا کے باوجود یہ رعایت دے رہا ہے کہ سجدے کے آثار محفوظ ہیں، پھر انہی آثار سجود کی وجہ سے فرشتے خدا کی عبادت کرنے والوں کو پہچانیں گے اور انہیں جہنم سے نکال کر لائیں گے۔

تشریح حدیث مفصل روایت ہے رؤیت باری کے مسئلہ سے شروع ہوتی ہے، یہ مسئلہ باب فضل صلوۃ العصر (حدیث: ۵۵۴) میں گذر چکا ہے، یہاں صرف اتنی بات ہے کہ صحابۂ کرام کو جب یہ معلوم ہوا کہ تمام

اہل ایمان کو رویت نصیب ہوگی تو انہیں بڑی حیرت ہوئی انسانوں کا جم غفیر بیک وقت کیسے اس نعمت سے مشرف ہوگا؟ تو حضور علیہ السلام نے چاند اور سورج کی مثال دیکر ان کا استعجاب دور فرمادیا۔

رویت باری کی یہ نعمت آخرت میں نصیب ہوگی اس لئے آخرت کا ذکر شروع ہوا تو آپ نے یوم الحشر کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی بیان کیں، کہ قیامت کے دن خدا کی طرف سے یہ حکم دیا جائیگا کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اپنے اپنے باطل معبودوں کیساتھ رہیں، یہ سب لوگ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ (سورۃ الانبیاء آیت ۹۸) بے شک تم، اور اللہ کے علاوہ جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں، معبودان باطل میں تمام بت، شجر، حجر اور ذوی العقول میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو اس عبادت پر راضی تھے جیسے فرعون نمرود وغیرہ، البتہ ذوی العقول میں خدا کے وہ نیک بندے یقیناً مستثنیٰ ہیں جو اس بات پر راضی نہ تھے اور جنھیں انسانوں نے ان کی تعلیمات کے علی الرغم معبود بنالیا تھا جیسے کہ حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ وغیرہ۔

وتبقی ھذہ الامۃ الخ کفار تو حساب وکتاب کے بغیر اپنے معبودین کے ساتھ جہنم میں داخل کردیئے جائیں گے، البتہ یہ امت محمد یہ حساب وکتاب کے لئے باقی رہ جائے گی اور انکے درمیان منافقین چھپے ہوئے ہوں گے، معلوم ہوا کہ منافقین بھی ابتدائی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے، انہیں خیال ہوگا کہ جیسے دنیا میں بات بن گئی تھی، شاید آخرت میں بھی کام چل جائے گا، لیکن آخرت میں تمام حقائق سامنے آجائیں گے، اس موقع کا کچھ حصہ قرآن کریم میں سورۂ حدید میں بیان کیا گیا ہے کہ منافقین اہل ایمان سے درخواست کرینگے، کہ ذرا ٹھہرو ہمیں بھی اپنے نور سے استفادہ کا موقع دو، اہل ایمان کہیں گے اِرْجِعُوْا وَرَآءَ کُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کو تلاش کرلو، وہ پیچھے کی طرف لوٹیں گے تو فَضُرِبَ بَیْنَھُمْ بِسُوْرٍ لَّہٗ بَابٌ بَاطِنُہٗ فِیْہِ الرَّحْمَۃُ وَظَاھِرُہٗ مِنْ قِبَلِہِ الْعَذَابُ (الحدید آیت ۱۳) انکے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا، اور اس دروازے کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور بیرونی حصہ میں عذاب، پھر اس کے بعد قرآن کریم میں فرمایا گیا یُنَادُوْنَھُمْ اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ الآیۃ وہ اہل ایمان کو آواز دیکر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ تو جواب ملے گا کہ ہاں ساتھ تو تھے لیکن یہ تعلق مخلصانہ کہاں تھا؟ تم تو اپنے آپ کو بھی فتنہ میں مبتلا کررہے تھے۔ اور اہل ایمان کے حق میں بھی ہلاکت اور تباہی کے منتظر تھے، دنیا کی امیدوں نے تمہیں مبتلائے فریب کررکھا تھا، حتی جَآءَ اَمْرُ اللّٰہِ وَغَرَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا، اور تم نفس اور شیطان کے فریب سے باہر نہ آسکے۔

فیاتیھم اللہ الخ. اب باری تعالیٰ انتظار میں کھڑی ہوئی امت سے پوچھے گا، تم کیوں کھڑے ہو؟ عرض کرینگے کہ ہمارا معبود خدا ہے جبتک وہ نہیں آئے گا، ہم نہیں جائیں گے، پھر اجنبی صورت میں ایک غیر مانوس تجلّی نمودار ہوگی اور کہا جائے گا انا ربکم میں تمہارا پروردگار ہوں، مگر یہ لوگ پختہ کار ہوں گے، کہیں گے کہ ہم نے دنیا میں اس

طرح کی چیزوں کو نہیں مانا، آج کس طرح معبود کو چھوڑ کر غیر معبود کے ساتھ ہو جائیں، یہ بھی گویا ایک طرح کا امتحان ہوگا، اسی روایت میں بخاری جلد ثانی میں باب الصراط جسر جهنم میں یہ الفاظ آئے ہیں فیاتیهم فی غیر الصورة التی یعرفون فیقولون نعوذ با لله منك ۔ یہ تجلی غیر معروف صورت میں نمودار ہوگی تو اہل ایمان کہیں گے ہم تجھ سے بچ کر اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، اور اس امتحان میں کامیابی کے بعد پھر معروف تجلی فرمائے گا تو اہل ایمان اس کو پہچان کر انت ربنا کہیں گے کہ تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔

اہل ایمان کے ساتھ اس انداز کو اختیار کرنے میں متعدد مصلحتیں ہیں، ایک تو ملائکہ پر ان کا شرف واضح کیا جارہا ہے دوسرے یہ کہ اقوامِ عالم کو دکھلایا جارہا ہے کہ تم نے بھی اگر یہی راہ اختیار کی ہوتی تو تمہیں بھی اس دولت سے سرفراز کیا جاتا مگر تم میں نفاق پیشہ لوگوں نے دھوکا دیا اور کفر پیشہ انسانوں نے شمس وقمر کو معبود بنالیا اور عارضی چمک پر قناعت کر گئے، انہی کو حاجت روا سمجھ بیٹھے، اللہ کے رسول تمہیں صراط مستقیم کی دعوت دیتے رہے، آیات بینات پیش کرتے رہے مگر تمہاری خام نگاہی یا ہٹ دھرمی نے تمہیں قبول حق سے دور رکھا، اس لئے آج اے منافقین وکفار! لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، مَاْوٰكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (حدید آیت ۱۵) تم سے نہ فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کفار سے، تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے، وہی تمہاری رفیق رہے گی اور یہ جہنم پہنچنے کی بری جگہ ہے۔

فیدعوهم ویضرب الصراط الخ یہ سب مناظر پل صراط قائم کئے جانے سے پہلے کے تھے، پھر یہ ہوگا کہ اہل ایمان جب خدا کو پہچان لیں گے تو خدا انکو بلائے گا اور اب جہنم کے بیچ میں پل صراط کو قائم کر دیا جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پہلا رسول ہوں گا، جو اپنی امت کے ساتھ اس پل صراط سے گزروں گا اور دیگر رسول بعد میں اپنی اپنی امتوں کے ساتھ اس پر سے گذرینگے لیکن گذرنے کا یہ وقت اتنا خطرناک اور ہولناک ہوگا کہ سب کی زبانیں بند ہوں گی، صرف پیغمبروں کی زبان پر سلّم سلّم جاری ہوگا کہ اے اللہ! سلامتی سے پار اتار دے۔

وفی جهنم کلالیب الخ کلالیب، کلّوب کی جمع ہے، آنکڑا اور کانٹا، جس سے کنوئیں کا ڈول نکالتے ہیں وغیرہ، ایک تو پل صراط سے گزرنا ہی سخت دشوار ہوگا اور دوسرے یہ کہ جہنم میں لوہے کے بے شمار آنکڑے ہوں گے جو پل صراط کے دونوں طرف ابھرے ہوئے ہوں گے اور گذرنے والوں کو خدا کے حکم کے مطابق تیزی سے پکڑیں گے، یہ آنکڑے انسانوں کے اعمال بد یا خواہشاتِ نفسانی کی مثالی صورت ہوں گے جن کی وجہ سے انسان خدا کے اوامر ونواہی کی پرواہ نہیں کرتا، یہ کانٹے سعدان کے ان کانٹوں کی طرح بے شمار ہوں گے، سعدان ایک پودے کا نام ہے جسے اونٹ بہت پسند کرتا ہے اور جس میں بہت زیادہ کانٹے ہوتے ہیں، وجہ شبہ غالبا کثرت ہی ہے اس لئے کہ انکی مقدار کے بارے میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ سعدان کے کانٹوں سے بہت زیادہ، بہت زیادہ بڑے ہوں گے، اور ان کی اس بڑائی کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، یہ بے شمار کانٹے گذرنے والے گنہگاروں اور فاسق اہل ایمان کو حکم خداوندی

کے مطابق ان کے کردار کے بقدر الجھاتے رہیں گے، کسی کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک کردینگے، یعنی وہ جہنم سے پار نہیں اتر سکے گا، جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور کسی کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کردینگے مگر وہ بالآخر نجات پا جائے گا، بہ ظاہر تو مطلب یہی ہے کہ گذرتے ہوئے خراش آرہی ہے، پارہ پارہ کیا جارہا ہے، لیکن اسی حالت میں پل صراط سے پار کردیا گیا، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت جہنم میں ڈال دیا گیا لیکن بعد میں ایمان کی وجہ سے نجات عطاء کردی جائے گی۔

حتی اذا اراد اللہ الخ بندوں کے بارے میں فیصلے کے بعد، اللہ تعالیٰ بدعملی کی وجہ سے جہنم میں ڈالے گئے جن مخلص اہل ایمان کو اپنی رحمت سے نوازے گا، ان کے بارے میں فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ جاؤ اور خدا کی عبادت کرنے والوں کو نکال لاؤ، فرشتے جہنم سے نکالیں گے تو آثار سجود سے ان کو پہچانیں گے، اس لئے کہ جہنم انسان کے تمام اعضاء کو جلا کر کوئلہ کردے گی مگر جہاں سجدہ کا نشان ہے وہ محفوظ رہے گا، کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اثر السجود سے مراد پیشانی ہے کیونکہ پیشانی ہی اصل ہے مسلم کی ایک روایت میں **الا دارات وجوھھم** (مگران چہروں کے حلقے) سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے تمام اعضاء سجود مراد ہیں، یعنی ہتھیلی، قدم گھٹنے اور پیشانی، یہ سات اعضاء ہیں ہوسکتا ہے کچھ لوگوں کی صرف پیشانی محفوظ رہے اور کچھ لوگوں کے تمام اعضاء کو محفوظ رکھا جائے۔ امام بخاری کا ترجمۃ الباب اسی سے متعلق ہے کہ جہنم سے اعضاء سجود کی حفاظت، سجدہ کی فضیلت کی بنیاد پر ہے۔

فیصب علیھم ماء الحیوٰۃ الخ . جہنم سے نکلنے کے بعد ان پر آبِ حیات ڈالا جائے گا، دوسری روایت میں ہے کہ جنت کے شروع میں ایک نہر ہوگی جس کا نام نہر الحیات ہوگا اس نہر میں ڈالتے ہی یا اس نہر کا پانی ڈالتے ہی یہ لوگ زندہ ہونے لگیں گے اور بڑی تیزی کے ساتھ ان کی حالت تبدیل ہوتی چلی جائے گی۔

ویبقی رجل الخ روایت کے آخر میں اس شخص کا قصہ ہے جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا، اس کا مفصل قصہ حدیث کے ترجمہ سے سمجھا جا سکتا ہے، صوفیاء کرام نے اس واقعہ سے یہ سمجھا ہے کہ جنت کے لئے ریاضت کی ضرورت ہے، جو دنیا میں شریعت کے مطابق ریاضت کرلے گا وہ آخرت میں انشاء اللہ فلاح یاب ہوگا، اور اگر کسی کو وہاں راحت سے سرفراز کرنا مقصود ہوا مگر اس نے دنیا میں ریاضت نہیں کی تھی تو اس سے وہاں ریاضت کرائی جائے گی۔

قال ابو سعید الخ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں **ومثلہ معہ** ہے اور حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ میں نے **وعشرۃ امثالہ** سنا ہے، توجیہ یہ کی گئی ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "**مثلہ**" کی اطلاع دی گئی تھی، پھر جب **عشرۃ امثالہ** کی اطلاع دی گئی اور اس کو آپ نے بیان کیا تو حضرت ابو ہریرہؓ کو علم نہ ہوسکا۔ واللہ اعلم

[۱۳۰] بَابٌ يُبْدِیْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِيْ فِي السُّجُوْدِ

(۸۰۷) حَدَّثَنَا يَحْيَ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلّٰى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ نَحْوَهُ. (گذشتہ: ۳۹۰)

ترجمہ باب، نمازی سجدے میں بازوؤں کو ظاہر کرے اور سجدے میں پہلوؤں کو الگ رکھے۔ حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کشادہ رکھتے یہاں تک کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہوتی۔ لیث کہتے ہیں کہ جعفر بن ربیعہ نے مجھ سے اسی طرح کی روایت بیان کی۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں سجدے کی فضیلت بیان کی تھی، اب آنے والے ابواب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ فضیلت اس سجدے کی ہے جس میں آداب وسنن کی پوری رعایت ہو، جن میں ایک سنت یہ ہے کہ اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھے، نیز پیٹ اور رانوں کے درمیان فصل رکھے، یجافی فی السجود کے معنی ہیں یجافی بطنه عن فخذیه فی السجود۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ باب اور باب اذا لم یتم السجود، بخاری ص ۵۶ پر ابواب قبلہ سے پہلے بھی مذکور ہیں، کچھ حضرات نے اسے ناسخین کی غلطی قرار دیا ہے اور کچھ لوگوں کے نزدیک یہ اوراق میں تبدیلی کے سبب ہوا، لیکن ہم نے اپنا خیال حدیث: ۳۸۹ کے تحت ظاہر کر دیا ہے کہ امام بخاری نے بالقصد ایسا کیا ہے اس لئے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے مراجعت کر لی جائے۔

تشریح حدیث حدیث سے ترجمۃ الباب صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدے میں ہاتھوں کو اس طرح کشادہ رکھتے تھے کہ دیکھنے والے کو بغل کی سفیدی نظر آسکتی تھی، گویا فرّج بین یدیه، یبدی ضبعیه کا مرادف ہے، اسی طرح ترجمۃ الباب کا دوسرا جزو یجافی فی السجود بھی ثابت ہے کیونکہ ہاتھوں کو پہلوؤں اور رانوں سے الگ الگ رکھا جائے گا تب ہی تو سفیدی ظاہر ہوگی۔ گویا امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں سجدے کی جو مسنون ہیئت بیان کی وہ روایت سے ثابت ہے۔

اس ہیئت کے استحباب کی حکمت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے متعدد اہل علم کی باتیں نقل کی ہیں، ایک خیال یہ ہے کہ اس سے چہرے پر بوجھ کم ہو جاتا ہے اور ناک و پیشانی کو زمین پر رکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی،

دوسرے خیال یہ ہے کہ اس ہیئت میں تواضع ہے، کاہلی نہیں ہے، اور زمین پر ناک اور پیشانی کو پوری طرح رکھ دینے کی بات ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ اس ہیئت میں ایک عضو کا دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا، بلکہ ہر عضو گویا مستقل طور پر سجدے میں چلا جاتا ہے یہ حکمت ایک حدیث سے ماخوذ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درندے کی طرح زمین پر ہاتھ نہ بچھاؤ، صرف ہتھیلیوں پر اعتماد کرو، بازوؤں کو الگ رکھو اور اس کے بعد فرمایا **فاذا فعلت ذلك سجد كل عضو منك** جب تم اس طرح سجدہ کرو گے تو گویا تمہارا ہر عضو سجدے میں چلا جائے گا۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی ہے، متعدد روایتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی تفصیلات دی گئی ہیں، مسلم میں حضرت میمونہ کی روایت میں یہ فرمایا گیا ہے **کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجا فی یدیہ فلو ان بھمة ارادت ان تمر لمرت** یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے اتنا دور رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ اس کے درمیان سے گذرنا چاہے تو گذر سکتا تھا، متعدد روایات میں اس ہیئت کے خلاف عمل کرنے سے بہ صیغۂ نہی منع کیا گیا ہے، فرمایا **لا یبسط احدکم ذراعیہ انبساط الکلب،** کوئی نمازی اپنے ذراع (انگلیوں سے کہنی تک کا حصہ) کو زمین پر کتے کی طرح نہ بچھائے، وغیرہ۔

اس لئے حافظ ابن حجر نے یہ فرمایا ہے کہ ان احادیث کا ظاہر تو یہ ہے کہ سجدہ میں کشادگی کی اس ہیئت کو واجب قرار دیا جاتا مگر چونکہ ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ صحابۂ کرام نے سجدے کے طویل ہونے کی صورت میں مشقت کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا **استعینوا بالرکب** اور اس کا یہ مطلب لیا گیا ہے کہ اگر سجدے میں دشواری ہو تو کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھنا بھی جائز ہے مکروہ نہیں، اس لئے اس ہیئت کو واجب قرار دینے کے بجائے مستحب یا مسنون قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

[۱۳۱] بَابٌ يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ

قَالَهُ أَبُوْحُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ باب، سجدے کی حالت میں نمازی اپنے پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے اس کو ابوحمید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

مقصد ترجمہ وتشریح اسی مضمون کی تکمیل کر رہے ہیں کہ جس سجدے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس کا ایک ادب یہ ہے کہ سجدے میں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کر لیا جائے، گویا یہ بھی مطلوب ہے، امام بخاری نے اس باب میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ انہی الفاظ میں **باب فضل استقبال القبلة** (بخاری ص:۵۶) کے ذیل میں گذر چکا ہے مگر وہاں یہ بات ضمناً آئی تھی کہ استقبال قبلہ کی بہت اہمیت ہے، یہاں تک کہ پیروں کی انگلیوں کو

بھی رو بہ قبلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اب یہاں یہی بات اداب سجدہ میں اصالۃ بیان کررہے ہیں۔

قالہ ابو حمید الخ اس روایت کو امام بخاری آئندہ **باب سنۃ الجلوس فی التشھد** میں موصولا ذکر کرینگے، یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ سجدہ میں انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کردینا صراحت کے ساتھ مذکور ہے، فقہاء نے بھی اس کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر انگلیاں مڑسکتی ہوں تو ان کو قبلہ رخ کردیا جائے گویا جہاں تک ممکن ہو استقبال قبلہ کا اہتمام کیا جائے۔ واللہ اعلم

[۱۳۲] بَابٌ إِذَا لَمْ يُتِمَّ سُجُوْدَهُ

(۸۰۸) حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهُ وَلَا سُجُوْدَهُ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ: مَا صَلَّيْتَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ: لَوْمُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (گذشتہ:۳۸۹)

ترجمہ باب، جب نمازی سجدہ کا اتمام نہ کرے۔حضرت ابووائلؓ نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا نہیں کررہا ہے پھر جب وہ نماز پوری کرچکا تو حضرت حذیفہؓ نے اس سے فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔اور ابووائل کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حذیفہؓ نے فرمایا کہ اگر اسی حال میں تم کو موت آتی ہے تو تمہاری موت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہوگی۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مندرجہ بالا آداب اس لئے بیان کئے گئے کہ تمہارا سجدہ مکمل ہو اور بارگاہ خداوندی میں شرف قبول سے نوازا جائے، اگر سجدہ میں ان آداب کی رعایت نہ ہوتو درحقیقت وہ سجدہ ہی نہیں، ہوسکتا ہے کہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے وہ شرف قبول سے محروم رہ جائے، کیونکہ قبولیت کا مدار اتباع سنت پر ہے۔

چند صفحات پہلے اس طرح کا ایک باب **باب اذا لم یتم الرکوع** گزرچکا ہے اور اس کے تحت بھی امام بخاری نے حضرت حذیفہ کی یہی روایت ذکر فرمائی ہے، وہاں یہ بحث بھی گذرچکی ہے کہ اتمام کا کیا درجہ ہے اور اتمام نہ کرنے سے کیا نقصان واقع ہوتا ہے۔روایت کی تشریح بھی گذرچکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۳۳] بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ

(۸۰۹) حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ وَلَا يَكُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا. الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ. (آئندہ:۸۱۰،۸۱۲،۸۱۵،۸۱۶)

(۸۱۰) حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْنَا أَنْ نَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلَا نَكُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا. (گذشتہ: ۸۰۹)

(۸۱۱) حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوْبٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ. (گذشتہ: ۶۹۰)

ترجمہ باب، سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا بیان۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم تھا کہ سات اعضاء پر سجدہ کیا کریں۔ اور یہ کہ بال اور کپڑے کو سمیٹا نہ کریں۔ اور وہ سات اعضاء ہیں پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پیر۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم سات ہڈیوں پر سجدہ کریں اور یہ کہ بالوں اور کپڑوں کو جمع نہ کریں۔ حضرت براء بن عازب نے بیان کیا اور وہ کاذب نہیں تھے، انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی بھی اپنی کمر نہ جھکاتا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے تھے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ سجدہ کا تعلق سات اعضاء سے ہے اور سجدے کی ہیئت مسنونہ ان سات اعضاء پر سجدہ کئے بغیر حاصل نہیں ہوگی، نیز یہ کہ ان اعضاء میں ہر عضو کا جداگانہ سجدہ مطلوب ہے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ دیکھنے والے کو یہ نظر آئے کہ ہاتھ، پیر، گھٹنے، ناک اور پیشانی سب الگ الگ سجدہ کر رہے ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ سجدہ اطمینان سے کیا جائے اور ہر عضو کو سجدہ میں نمایاں کیا جائے، اگر گھٹ کر تنگی کے ساتھ سجدہ کیا جائے تو تمام اعضاء کا سجدہ نمایاں نہ ہو سکے گا، بلکہ بعض اعضاء محض آلہ بن کر رہ جائیں گے مثلاً ہاتھ کا سجدہ اس طرح ہو کہ ہتھیلیاں زمین پر ہوں اور کہنیاں اور ذراعین زمین سے اٹھے ہوئے ہوں، اگر ذراعین کو زمین پر پھیلا دیا جائے تو ان کی حیثیت آلۂ محض کی ہو کر رہ جائے گی اور سجدے کی وہ ہیئت مسنونہ باقی نہ رہے گی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے ہیں۔

رہا یہ مسئلہ کہ ان اعضاء سبعہ پر سجدہ کرنا فرض ہے یا اس میں تفصیل ہے تو امام ابوحنیفہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک پیشانی پر سجدہ کرنا واجب ہے، امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے، بقیہ اعضاء پر سجدہ کرنا سنت موکدہ ہے، حنفیہ

کے یہاں مشہور یہ ہے کہ سجدہ میں پیشانی اور ایک پیر کا زمین پر رکھنا تو سجدہ کا رکن ہے اور بقیہ اعضاء کا زمین پر رکھنا سنت موکدہ ہے، البتہ ظاہر یہ اور امام زفر کے یہاں اعضاء سبعہ پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول بھی یہی ہے، متاخرین میں ابن ہمام بھی اس کے قائل ہیں۔

تشریح حدیث اول و دوم دونوں روایتیں حضرت ابن عباسؓ کی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، حکم یہ ہے کہ نمازی کو ان تمام اعضاء پر سجدہ کرنا چاہیے، پھر ایک جملۂ معترضہ کے بعد ان اعضاء کی تفسیر کی گئی ہے کہ وہ پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں ہیں۔

ولا یکف شعرا الخ اعضاء سبعہ کے اجمال اور بیان کے درمیان جملۂ معترضہ ہے، مقصد یہ بیان کرنا معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ صرف یہی اعضاء نہیں کرتے بلکہ انسان کا ہر عضو اور اس سے متعلق تمام چیزیں سجدہ کرتی ہیں، حد یہ کہ اس کے بال اور کپڑے بھی سجدہ کرتے ہیں، اگر یہ چیزیں سجدہ میں گر جائیں تو گر جانے دو۔ انہیں اس حالت میں اٹھانے اور سمیٹنے کی ضرورت نہیں، اور ان تمام چیزوں کی رعایت ہی سے سجدہ کی ہیئت مسنونہ حاصل ہوگی۔

تشریح روایت سوم تیسری روایت پہلے گذر چکی ہے، اس روایت میں اعضاء سجود میں صرف پیشانی کا تذکرہ ہے کہ سجدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھتے تھے تب ہم سجدہ میں جاتے تھے، مگر یہاں یضع جبھتہ سجدہ سے کنایہ ہے اور سجدہ سے کنایہ ہے تو مقصد یہ ہے کہ جب آپ ہیئت مسنونہ کو اختیار فرماتے ہوئے اعضاء سبعہ کو زمین پر رکھ دیتے تھے تب ہم سجدہ کرتے تھے، اس کے باوجود قابل غور بات یہ ہے کہ اعضاء سبعہ میں سے صرف جبھتہ کا تذکرہ کرنا بتا رہا ہے کہ اگرچہ سجدہ میں اعضاء سبعہ کی ضرورت ہے مگر سجدہ کا دارومدار پیشانی پر ہے، رہا یہ کہ پیشانی سے شرعاً کتنا حصہ مراد ہے تو اس کیلئے امام بخاری نے اگلا باب السجود علی الانف منعقد کیا ہے۔ واللہ اعلم

[۱۳۴] بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الأَنْفِ

(۸۱۲) حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ: عَلَى الْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ، وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَانَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ. (گذشتہ: ۸۰۹)

ترجمہ باب، ناک پر سجدہ کرنے کا بیان۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی پر، اور آپ نے اپنا ہاتھ ناک پر پھیرا، اور دونوں ہاتھوں پر، دونوں گھٹنوں پر اور دونوں پیروں کی انگلیوں پر۔ اور یہ کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو نماز میں نہ سمیٹا کریں۔

مقصد ترجمہ پیشانی کو زمین پر رکھنے کا طریقۂ مسنون بتا رہے ہیں کہ سجدہ میں پیشانی کو پوری طرح زمین پر رکھنا چاہیئے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ناک بھی زمین پر رکھ دی جائے اگر ناک زمین پر نہیں رکھی جائے گی تو پیشانی کا صرف بالائی حصہ ہی زمین پر رکھا جا سکے گا، نیچے کا حصہ زمین سے اٹھا رہ جائے گا جبکہ شرعاً مطلوب یہ ہے کہ جبهة سے خیشوم تک کا پورا محل سجدہ میں مشغول رہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارۂ حسیہ فرما کر بیان کر دیا کہ جبهةٌ سے مراد یہ پورا حصہ ہے اور سجدہ میں اختیاری حالت میں پیشانی اور ناک دونوں کا زمین پر رکھنا مطلوب ہے، البتہ اگر مجبوری ہو کہ مثلاً ناک میں تکلیف ہے تو صرف پیشانی پر سجدہ کرنے میں مضائقہ نہیں، یا اگر پیشانی پر پھوڑا ہے یا اور کسی بھی وجہ سے پیشانی کا زمین پر رکھنا ممکن نہیں تو صرف ناک پر اکتفاء کرنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا لیکن مجبوری نہ ہو تو صرف ناک پر اکتفاء کرنے سے سجدہ نہیں ہوگا، جمہور کا قول یہی ہے، امام ابوحنیفہؒ سے ناک پر اکتفاء کا جواز منقول ہے اور ان کا استدلال اسی روایت سے ہے جس میں آپ نے جبهة کی تفصیل کرتے ہوئے ناک پر ہاتھ پھیر کر دکھایا۔

تشریح حدیث روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ جبهہ کا استعمال فرمایا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ ناک بھی اسی کا ایک حصہ ہے، معلوم ہوا کہ سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک کا زمین پر رکھنا بھی مطلوب ہے، گویا جبهه کا اطلاق شرعاً پیشانی سے لے کر ناک تک کے حصہ پر ہے، اشارۂ حسیہ کر کے بیان کرنے کی ضرورت اسی لئے پیش آئی کے عام طور پر جبہہ سے اس حصہ کو مراد نہیں لیا جاتا ہے اور جب ناک بھی جبهه کا مصداق ہے تو امام ابوحنیفہ کی بات مدلل ہو گئی کہ ناک پر سجدہ کرنے سے حقیقت سجدہ متحقق ہو جائے گی لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اس سے رجوع فرما لیا تھا اور فتوی بھی اس پر نہیں ہے، فتوی یہ ہے کہ اگر مجبوری ہو تو اقتصار علی الانف جائز ہے، مجبوری نہ ہو تو اقتصار علی الانف مکروہ تحریمی ہے۔

[۱۳۵] بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الأَنفِ فِيْ الطِّيْنِ

(۸۱۳) حَـدَّثَـنَا مُوْسٰى، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ يَحْيٰ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلٰى أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ فَقُلْتُ: أَلَاتَخْرُجُ بِنَا إِلَى النَّخْلِ نَتَحَدَّثُ؟ فَخَرَجَ، قَالَ: قُلْتُ حَدِّثْنِيْ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. قَالَ: اعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ،وَاعْتَكَفْنَامَعَهُ.فَأَتَاهُ جِبْرَئِيلُ فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ،فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ وَاعْتَكَفْنَامَعَهُ فَأَتَاهُ جِبْرَئِيلُ فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًاصَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ: مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلْيَرْجِعْ فَإِنِّي أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّي نُسِّيْتُهَاوَإِنَّهَافِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي وِتْرٍ .وَإِنِّي رَأَيْتُ كَأَنِّي أَسْجُدُفِي طِيْنٍ وَمَاءٍ.وَكَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ جَرِيْدَ النَّخْلِ وَمَانَرىٰ فِي السَّمَآءِ شَيْئًا،فَجَآءَتْ قَزَعَةٌ فَأُمْطِرْنَافَصَلّٰى بِنَاالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ عَلٰى جَبْهَةِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرْنَبَتِهٖ تَصْدِيْقَ رُؤْيَاهُ. (گذشتہ:۶۶۹)

ترجمہ باب، کیچڑ میں ناک پر سجدہ کرنے کا بیان۔ حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ کیا آپ ہمارے ساتھ کھجور کے باغ کی طرف چلیں گے تا کہ وہاں کچھ باتیں کریں، چنانچہ وہ چل دئے، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کے بارے میں جو سنا ہے اس کو بیان فرمایئے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، پھر جبرئیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ جس چیز کو تلاش کررہے ہیں وہ آگے آرہی ہے چنانچہ پھر آپ نے عشرۂ اوسط کا اعتکاف کیا اور ہم نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، پھر جبرئیل آئے اور بتایا کہ آپ جس چیز کو تلاش کررہے ہیں وہ آگے آرہی ہے، چنانچہ آپ رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ جس نے نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ لوٹ آئے کیونکہ مجھ کو لیلۃ القدر دکھلا دی گئی ہے اور یہ کہ میں اس کو بھول گیا ہوں اور یہ کہ وہ رمضان کے عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں ہے اور وہ یہ کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں گویا کیچڑ اور پانی میں سجدہ کررہا ہوں اور اس وقت مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور ہم آسمان میں کوئی چیز نہیں دیکھ رہے تھے، اتنے میں ایک بدلی نمودار ہوئی اور پانی برسا، پھر ہم کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، یہاں تک کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور آپ کی ناک کے بانسے پر مٹی اور پانی کا اثر دیکھا اور آپ کے خواب کی تصدیق ہوگئی۔

مقصد ترجمہ ناک پر سجدہ کرنے کی تاکید اور اس کی اہمیت کا بیان مقصود ہے، کہ دیکھئے زمین گلناک ہے اور ناک کو دبانے سے گارے کے ناک میں بھر جانے کا خطرہ ہے لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں ناک کو زمین پر رکھا اور دبایا جس کا اثر پیشانی اور ناک پر دیکھا گیا، اگر ناک کے زمین پر رکھنے کا معاملہ اہم نہ ہوتا تو یہ ایسا موقع تھا کہ آپ ناک زمین پر نہ رکھتے۔

تشریح حدیث روایت میں ذکر کردہ دیگر مضامین اپنی اپنی جگہ آئیں گے، ترجمۃ الباب سے متعلق بات یہ ہے کہ شب قدر کے بارے میں آپ نے یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا آپ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے ہیں اس وقت بارش کی کوئی علامت موجود نہیں تھی، پھر ایک چھوٹا سا بادل اٹھا، بارش ہوئی، مسجد کی چھت بارش سے حفاظت کے لئے ناکافی تھی، اس لئے مسجد میں پانی آیا اور زمین گلناک ہوگئی، آپ نے نماز پڑھائی تو اسی زمین پر سجدہ کیا، پیشانی اور ناک کو زمین پر اس طرح رکھا کہ فراغت کے بعد اس کا اثر دونوں اعضاء پر موجود تھا، آپ کے خواب کی تصدیق ہوگئی اور معلوم ہوا کہ سجدہ میں ناک کو زمین پر رکھنا اہم ہے۔ واللہ اعلم

[۱۳۶] بَابُ عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا

وَمَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ إِذَا خَافَ أَنْ تَنْكَشِفَ عَوْرَتُهُ

(۸۱۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ اَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ عَاقِدُوْا اُزُرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلٰى رِقَابِهِمْ فَقِيْلَ لِلنِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُؤُسَكُنَّ حَتّٰى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ قِيَامًا۔ (گذشتہ:۳۶۲)

ترجمہ باب، کپڑوں میں گرہ لگانے اور ان کو باندھ لینے کا بیان۔ اور اس شخص کی حالت کا بیان جو انکشاف ستر کے اندیشہ سے اپنے کپڑے سمیٹ لے، حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں نماز پڑھتے تھے کہ وہ تہہ بند کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اپنی گردن پر گرہ لگا لیتے تھے اور عورتوں سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ وہ اس وقت تک سجدے سے سر نہ اٹھائیں جب تک کہ مرد پوری طرح نہ بیٹھ جائیں۔

مقصدِ ترجمہ مختلف ابواب میں امام بخاری نے وہ امور ذکر کئے ہیں جن پر سجدے کی صحت یا تمامیت کا دار و مدار ہے کہ فطری سجدہ وہی ہے جس میں تمام آداب کی رعایت کی گئی ہو، اس کے بعد اب چند ابواب اس طرح کے منعقد فرما رہے ہیں جو بظاہر آدابِ سجود کے بجائے، احکامِ ستر سے متعلق معلوم ہوتے ہیں، بعض شارحین نے اس کو ناقلین کی غلطی قرار دیا ہے، لیکن ہمارے خیال میں اسکی ضرورت نہیں، ابوابِ سجود سے تعلق ظاہر ہے، مثلاً اسی باب میں امام بخاریؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر نمازی کے پاس کپڑے ناتمام ہوں تو سجدے کی حالت میں کشفِ ستر کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے، اس لئے کپڑوں کو گرہ لگا کر روکنا درست ہے۔

اس مضمون کو بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک طرف تو ہر حال میں سترِ عورت کی تاکید ہے اور نماز میں اس کی اور زیادہ اہمیت ہے کہ کشفِ ستر کی حالت میں نماز ہی درست نہیں، اور دوسری طرف یہ کہ نماز کی حالت میں کپڑوں کو سمیٹنے سے منع کیا گیا ہے، گویا نمازی دو مشکلات کے درمیان گھرا ہوا ہے، گرہ لگا کر روکتا ہے تو حکم کی خلاف

ورزی ہے، نہیں روکتا ہے تو برہنگی کے سبب نماز کے فساد کا خطرہ در پیش ہے، اس لئے اذا ابتلی الانسان ببلیتین فلیختر اھونھما کے پیش نظر گرہ لگا کر کپڑے کو سمیٹنے کی اجازت ہے، امام بخاری نے ترجمہ رکھ کر بتادیا کہ نماز میں کپڑوں کو روکنے کی ممانعت اضطرار کی حالت میں نہیں ہے اور کپڑے کی تنگی یا چھوٹا ہونے کے سبب مسنون طریقہ پر سجدہ کرنے سے کشفِ ستر کا اندیشہ ہو تو گرہ لگا کر یا باندھ کر کپڑے کو روکنا جائز ہے، روایت گذر چکی ہے۔　　واللہ اعلم

[۱۳۷] بَابٌ لَا يَكُفُّ شَعْراً

(۸۱۵) حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ وَلَا شَعْرَهُ. (گذشتہ:۸۰۹)

ترجمہ باب، نمازی بالوں کو نہ سمیٹے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ آپ اپنے کپڑوں کو اور بالوں کو نہ روکیں۔

مقصد ترجمہ روایات میں آتا ہے اذا سجد الرجل سجد معه سبعة آراب وجهه وكفيه وركبتيه وقدميه، یعنی انسان سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، اور دونوں پاؤں سجدہ کرتے ہیں، بعض روایات میں آتا ہے اليدان تسجدان كما يسجد الوجه جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے اسی طرح ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں، گویا سجدہ کی حالت میں اپنے اپنے طور پر تمام اعضاء شریکِ سجدہ ہوتے ہیں، اس لئے چہرے کے سجدہ کرنے کی حالت میں چہرے کے تمام حصے جن میں سر کے بال بھی شامل ہیں سجدہ کریں گے، اور یہاں لا یکف شعرا میں شعرا سے سر کے بال ہی مراد ہیں، اس لئے امام بخاری اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سجدے کی حالت میں سر کے بالوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ بال بھی سجدہ کرتے ہیں اور اس طرح سجدہ گذار کے سجدے میں تمامیت کی شان میں اضافہ ہوتا ہے۔

تشریح حدیث روایت کئی بار گذر چکی ہے، بخاری کا مقصد حدیث کے آخری جزء سے متعلق ہے کہ پہلے تو آپ نے یہ فرمایا کہ سات اعضاء پر سجدہ کا حکم دیا گیا ہے، پھر مستقل طور پر یہ ہدایت دی گئی کہ کپڑے اور بال کو نہ سمیٹا جائے کہ سمیٹنے سے ان چیزوں کی کیفیتِ سجدہ برقرار نہیں رہتی اور اگر بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھ لیا جائے تو ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے کہ نماز کی حالت میں شیطان بالوں کے اس جوڑے پر بیٹھ جاتا ہے، اس لئے نماز میں بالوں کو سمیٹنے سے منع فرمایا گیا ہے۔　　واللہ اعلم

[۱۳۸] بَابٌ لَا يَكُفُّ ثَوْبَهٗ فِي الصَّلَاةِ

(۸۱۶) حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةٍ، لَا اَكُفُّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا. (گذشتہ:۸۰۹)

ترجمہ باب، نماز میں اپنے کپڑوں کو نہیں سمیٹنا چاہیئے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات اعضاء پر سجدے کا حکم دیا گیا ہے، میں اپنے بالوں کو اور کپڑوں کو نہیں سمیٹتا۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث پہلے بیان کیا تھا کہ ستر کی مجبوری ہو تو گرہ لگا کر کپڑوں کو روکنا درست ہے، اب یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ بے ضرورت کپڑوں کو سمیٹنا اچھا نہیں ہے، کیونکہ کپڑے بھی نمازی کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔

روایت وہی ہے جو پہلے باب میں تھی، الفاظ کا معمولی سا اختلاف ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ کپڑوں یا بالوں کے سلسلے میں دی جانے والی ہدایات کا تعلق آداب سے ہے اسلئے اس کی خلاف ورزی سے کراہت تحریمی نہیں آئے گی، نوویؒ نے صراحت کی ہے کہ بے ضرورت ایسا کرنے سے صرف کراہت تنزیہی لازم آتی ہے، نماز صحیح ہو جائے گی۔

[۱۳۹] بَابُ التَّسْبِيْحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُوْدِ

(۸۱۷) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْصُوْرٌ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ، يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ. (گذشتہ:۷۹۴)

ترجمہ باب، سجدہ کی حالت میں تسبیح اور دعا کا بیان۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں اکثر یہ پڑھا کرتے تھے، سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلي (اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، اور تیری حمد کرتے ہیں، اے اللہ! میری مغفرت فرما) اس طرح آپ معنیٔ قرآن پر عمل کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث اسی طرح کا ایک ترجمہ باب الدعا فی الرکوع پہلے گذرا ہے، وہاں مقصد بیان کیا جا چکا ہے، یہاں بھی وہی مقصد ہے کہ سجدے کی حالت میں تسبیح اور دعا کی

اجازت ہے، تسبیح کے مسنون ہونے پر تو جمہور کا اتفاق ہے، لیکن تسبیحاتِ مسنونہ کے بعد دعاؤں کے اضافہ میں تفصیل ہے، شوافع اور حنابلہ اس کی بھی مطلقاً اجازت دیتے ہیں، حنفیہ کے یہاں نوافل یا انفرادی نماز میں توسّع ہے البتہ نماز باجماعت میں دعاؤں کے اضافہ کے لئے قوم کا نشیط ہونا ضروری ہے، قوم پر بار ہو تو اس کی اجازت نہیں۔

روایت وہی ہے، لیکن اس میں یتأوّل القرآن کے الفاظ زائد ہیں، مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بحالت رکوع وسجود تسبیح واستغفار کرنا قرآن کریم کی ہدایت پر عمل کرنے کے طور پر تھا، قرآن کریم میں سورۂ نصر میں آیت فسبح بحمدربك واستغفره میں تسبیح واستغفار کا امر فرمایا گیا ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں اسی امر پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

[۱٤٠] بَابُ الْمَكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

(۸۱۸) حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَان قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ اَنَّ مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَذَاكَ فِیْ غَيْرِ حِيْنِ صَلٰوةٍ فَقَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَامَ هُنَيَّةً ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ هُنَيَّةً ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ هُنَيَّةً فَصَلّٰى صَلٰوةَ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ شَيْخِنَا هٰذَا، قَالَ اَيُّوْبُ كَانَ يَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ اَرَهُمْ يَفْعَلُوْنَهٗ كَانَ يَقْعُدُ فِی الثَّالِثَةِ اَوِ الرَّابِعَةِ. (گذشتہ:۶۷۷)

(۸۱۹) قَالَ فَاَتَيْنَا النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَمْنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ لَوْ رَجَعْتُمْ اِلٰى اَهَالِيْكُمْ صَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِیْ حِيْنِ كَذَا صَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِیْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ. (گذشتہ:۶۲۸)

(۸۲۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الزُّبَيْرِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَيْلٰى عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ سُجُوْدُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُكُوْعُهٗ وَقُعُوْدُهٗ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ. (گذشتہ:۷۹۲)

(۸۲۱) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِنِّیْ لَا آلُوْ اَنْ اُصَلِّیَ بِكُمْ كَمَا رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ بِنَا، قَالَ ثَابِتٌ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ اَرَكُمْ تَصْنَعُوْنَهٗ كَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامَ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ قَدْ نَسِیَ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى يَقُوْلَ

الْقَائِلُ قَدْ نَسِيَ. (گذشتہ: ۸۰۰)

ترجمہ | باب، دونوں سجدوں کے درمیان ٹھہرنے کا بیان۔ حضرت ابوقلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث نے اپنے اصحاب سے کہا، کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ بتلاؤں؟ ابو قلابہ کہتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ بات کہی تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور وقت تھا، پھر وہ کھڑے ہوئے پھر رکوع میں گئے پھر اللہ اکبر کہا پھر اپنا سر اٹھایا، اور تھوڑی دیر کھڑے رہے، پھر سجدے میں گئے پھر اپنا سر تھوڑی دیر کیلئے اٹھایا، پھر سجدے میں گئے پھر اپنا سر تھوڑی دیر کے لئے اٹھایا، پھر انہوں نے ہمارے اس شیخ عمرو بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی، ایوب سختیانی نے کہا کہ عمرو بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کیا کرتے تھے جو میں اور لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھتا تھا، وہ تیسری رکعت کے آخر، یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت مالک بن حویرث نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس مقیم رہے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ جاؤ تو فلاں نماز، ایسے وقت اور فلاں نماز ایسے وقت پڑھنا، اور جب نماز کا وقت ہو جایا کرے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے، اور تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرے، حضرت براء سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ، اور رکوع اور دونوں سجدوں کے درمیان سجدہ قریب قریب برابر ہوتا تھا۔ حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اس طرح نماز پڑھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تھے، ثابت البنانی نے کہا کہ حضرت انس بن مالک نماز میں ایک ایسا کام کیا کرتے تھے جو میں تم لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھتا، جب وہ رکوع سے سر اٹھاتے تو کھڑے ہو جاتے حتی کہ کہنے والا (دل میں) کہتا کہ بھول گئے ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنا ٹھہرتے کہ کہنے والا کہتا کہ بھول گئے ہیں۔

مقصد ترجمہ | مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ جس طرح رکوع اور سجود کے درمیان قومہ حد فاصل ہے اور اس میں سکون واعتدال مطلوب ہے، اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ کی بھی اہمیت ہے، اگر درمیان میں یہ جلسہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ سجدہ کتنا ہی طویل ہو اس کا عدد ایک ہی رہ جائے گا، پھر یہ کہ اس جلسہ میں بھی سکون واعتدال مطلوب ہے تاکہ دونوں سجدے بالکل الگ الگ معلوم ہوں، حتی کہ امام احمدؒ کے یہاں اس جلسہ میں ذکر بھی مشروع ہے کہ اللھم اغفرلی تین بار پڑھا جائے، ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس ذکر کا ایک بار پڑھنا واجب ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں اس جلسہ میں کوئی ذکر مشروع نہیں ہے، جن روایات میں یہ ذکر آیا ہے حنفیہ اس کو نوافل پر محمول کرتے ہیں، امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ مُکث دیا ہے جس کا مفہوم ٹھہرنا ہے اس طرح وہ اس موقع پر اعتدال کی اہمیت بیان کرنا چاہتے ہیں، گویا یہ مسئلہ، تعدیلِ ارکان کا ہے جس کی تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں۔

تشریح احادیث امام بخاری نے اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے تین روایات ذکر کی ہیں، جو مختلف ابواب میں پہلے گذر چکی ہیں پہلی روایت حضرت مالک بن حویرث کی ہے جو (نمبر ۷۷۶) میں گذر چکی ہے اس میں امام بخاری کا مقصد **ثم سجد ثم رفع رأسه هنية** سے متعلق ہے کہ پہلے سجدے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سر اٹھایا، دونوں سجدوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ ٹھہرنے کا عمل ثابت ہو گیا، روایت بیان کرنے کے بعد حضرت ابو قلابہؒ نے بتایا کہ حضرت مالک بن حویرث کی نماز کا طریقہ، بالکل وہی تھا جو ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ کا ہے، پھر عمرو بن سلمہ کے بارے میں ایوب سختیانی نے بتایا کہ ان کی نماز میں ایک عمل دیگر صحابۂ کرام کی نماز سے بالکل مختلف تھا اور وہ یہ کہ **کان یقعد فی الثالثة او الرابعة** کہ وہ تیسری رکعت کے آخر یا چوتھی رکعت کے آغاز سے پہلے بیٹھا کرتے تھے، یہ مسئلہ جلسۂ استراحت کا ہے جو ایک باب کے بعد آرہا ہے۔ اس کو راوی نے یہاں **فی الثالثة او الرابعة** کہہ کر شک کے ساتھ بیان کیا ہے۔ **فی الثالثة** کی تعبیر تو بالکل صحیح ہے کہ یہ جلسہ تیسری رکعت کے اختتام پر تھا، رہا الرابعۃ کا لفظ تو بعض محدثین نے تو اس کو غیر صحیح قرار دے دیا ہے، لیکن اس کو درست مانا جائے تو مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ چوتھی رکعت شروع کرنے سے پہلے یہ جلسۂ استراحت تھا، نیز یہ کہ ایوب سختیانی کے بیان کے مطابق اس کا ثبوت صرف حضرت مالک بن حویرث کے یہاں ہے دیگر صحابۂ کرام کے یہاں نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسری روایت حضرت براء بن عازب کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع، سجود، قومہ، اور جلسہ بین السجدتین تقریبا برابر ہوتا تھا، اس سے بھی دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں ٹھہرنے اور اعتدال اختیار کرنے کی بات ثابت ہو گئی، یہ روایت (نمبر ۷۹۲ پر) گذر چکی ہے۔

تیسری روایت حضرت انسؓ کی ہے، یہ روایت (نمبر ۸۰۰ پر) گذر چکی ہے، روایت میں مذکور ہے کہ حضرت انس بن مالک نے پہلے تو یہ فرمایا کہ میں کسی کوتاہی کے بغیر بالکل اسی طرح نماز پڑھاؤں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، پھر انہوں نے جو نماز پڑھائی اس میں دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اتنا توقف کیا کہ بھولنے کا گمان ہونے لگا، اس سے امام بخاری کا مقصد یعنی اس جلسہ میں ٹھہرنا اور اعتدال اختیار کرنا ثابت ہو گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ حضرت ثابت البنانی نے جو تابعی ہیں، اپنا یہ مشاہدہ نقل کیا کہ حضرت انس کا یہ عمل ایسا عمل ہے کہ میں تم میں سے کسی کو اس پر عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں سجدوں کے درمیان اتنا توقف حضرت انسؓ کے علاوہ کسی کے یہاں نہیں تھا، اگر چہ حافظ ابن حجرؒ نے یہاں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سنت کے ثبوت کے بعد، سنت پر عمل کرنے والے، مخالفت کرنے والوں کی پرواہ نہیں کرتے، لیکن حضرت ثابت البنانی کے مشاہدہ سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ جلسہ میں اتنا ٹھہرنا، صحابۂ کرام اور تابعین کا عام معمول نہیں تھا، اور یہ چیز صحابۂ کرام کے تعامل و توارث کے مطابق نہیں ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴۱] بَابٌ لَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُوْدِ

وَقَالَ اَبُوْ حُمَيْدٍ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا

(۸۲۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ . (گذشتہ:۲۴۱)

ترجمہ باب، سجدے کی حالت میں اپنی دونوں کلائیوں کو زمین پر نہیں بچھانا چاہیئے، ابوحمید نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر اس طرح رکھا کہ نہ کلائیوں کو زمین پر بچھایا اور نہ ان کو پہلو سے ملنے دیا حضرت انسؓ بن مالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سجدہ میں ٹھیک طریقہ اختیار کرو اور تم میں سے کوئی شخص اپنی کلائیوں کو کتے کی طرح زمین پر نہ بچھائے۔

مقصد ترجمہ مقصد واضح ہے کہ سجدہ کی حالت میں کلائیوں کو زمین پر پھیلانے اور بچھا دینے کی اجازت نہیں، ترجمہ منعقد کرنے کی وجہ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ سجدے کی تفصیلات میں یہ بات ذکر میں آئی تھی کہ یدین بھی سجدہ کرتے ہیں اور ید کا اطلاق پنجہ سے بازو تک ہوتا ہے، اس لئے جب سجدہ میں وضع ید مطلوب ہے تو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ جیسے ہتھیلیوں کا زمین پر رکھنا سنت ہے، اسی طرح کلائیوں کو بھی زمین پر رکھنا درست ہوگا، امام بخاری نے ترجمہ منعقد کر کے بتادیا کہ کلائیوں کو زمین پر بچھانے کی اجازت نہیں، پھر امام بخاری نے حضرت ابوحمید کی تعلیق سے اس بات کی وضاحت کردی کہ سجدہ کی حالت میں نہ کلائیوں کو زمین پر رکھا جائے گا اور نہ اس طرح سمیٹا جائے گا کہ وہ پہلو سے مل جائیں، یہ تعلیق چند ابواب کے بعد مسنداً آرہی ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ سجدے کی حالت میں اعتدال اختیار کرو، اعتدال کے لغوی معنیٰ درمیانی راہ اختیار کرنا ہیں لیکن عملی طور پر نماز کے ارکان میں اس کا مفہوم ایک نہیں، رکوع میں اعتدال کا مفہوم یہ ہے کہ حرکتِ انتقال ختم ہوجائے یا کمر اور گردن محاذات میں رہیں، اور سجدے میں اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہیں ایک افتراش، یعنی کلائیوں کو زمین پر بچھا دینا اور ایک قبض، یعنی کلائیوں کو سمیٹ کر پہلو سے ملا دینا، اور ان دونوں صورتوں کے درمیان اعتدال یہ ہے کہ کلائیوں کو اس طرح رکھا جائے کہ وہ نہ زمین سے ملنے پائیں اور نہ پہلو سے، پھر ایک تشبیہ کے ذریعہ کلائیوں کی قباحت بیان کی کہ کتے کی طرح ذراعین کو زمین پر نہیں پھیلانا چاہیے، مطلب یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوق ہے، اس کو احسنِ تقویم کی صفت سے سرفراز کیا گیا ہے، اس لئے اس کو سجدے میں ایسی ہیئت سے اجتناب کرنا چاہیے جو خسیس مخلوق سے مشابہت پیدا کردے، روایت نمبر ۵۳۲ پر تفصیل اور الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴۲] بَابُ مَنِ اسْتَوىٰ قَاعِدًا فِيْ وِتْرٍ مِّنْ صَلَاتِهٖ ثُمَّ نَهَضَ

(۸۲۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ قَالَ أَخْبَرَنِيْ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيُّ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَاِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِّنْ صَلَاتِهٖ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا ۔

ترجمہ باب، اس شخص کا حکم جو نماز کی طاق رکعتوں میں پہلے اچھی طرح بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو جائے حضرت مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جب آپ اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو اس وقت تک کھڑے نہ ہوتے جب تک کہ سجدے سے سر اٹھا کر سیدھے نہ بیٹھ جاتے۔

مقصد ترجمہ مقصد ہے جلسۂ استراحت کے لئے ثبوت پیش کرنا، جو پہلی اور تیسری رکعت کے اختتام پر کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ سجدے سے اٹھ کر سیدھے کھڑے نہ ہوں، بلکہ پہلے پوری طرح بیٹھ جائیں، پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوں، اس کے وجوب کا کوئی قائل نہیں، شوافع اور بعض محدثین کے نزدیک یہ مستحب ہے جمہور جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام اوزاعی وغیرہ شامل ہیں اس کے استحباب کے قائل نہیں، امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں، مگر عمل میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں، جمہور صدورِ قدمین پر کھڑے ہونے کے قائل ہیں، امام بخاری کے ترجمۃ الباب کے الفاظ سے صاف طور پر ان کا مسلکِ مختار معلوم نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ وہ جلسۂ استراحت کے قائل ہوں اور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے جلسۂ استراحت کو ترجیح دینے والوں کا استدلال نقل کر دیا ہو کیونکہ ترجمہ میں وہ بـــاب من استوی قاعدا الخ فرما رہے ہیں اور ان کو فیصلہ کن رجحان کا حامل قرار دینا دشوار ہے۔

تشریح حدیث حضرت مالک بن حویرث کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اس نماز میں آپ ہر طاق رکعت پر سجدے سے سر اٹھا کر پہلے سیدھے ہو کر بیٹھتے تھے یعنی جلسۂ استراحت کرتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے، اس روایت سے جلسۂ استراحت کا ثبوت ظاہر ہے، لیکن یہ فیصلہ اس روایت سے نہیں ہوسکتا کہ اس جلسہ کو نماز میں مشروع اور مستحب ہونے کی وجہ سے اختیار کیا گیا یا کسی عذر کے سبب، اس فیصلہ کے لئے اس سلسلے کی دیگر روایات کو بھی دیکھنا ضروری ہے، اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ صحابۂ کرام کے تعامل سے کس بات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ یہ سمجھ رہے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن حویرث سے فرمایا تھا صـلـوا کـمـا رأیتمونی اصلی، اس لئے وہ نماز کے بارے میں کوئی بات نقل فرمائیں تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

حکم کی تعمیل سمجھنا چاہیئے، اس لئے ان کی روایت سے جلسۂ استراحت کا استحباب معلوم ہوگیا۔

جمہور یہ سمجھ رہے ہیں کہ جس جلسۂ استراحت کو حضرت مالک بیان کررہے ہیں وہ آپ کا عام معمول نہیں تھا اس لئے کہ دیگر صحابۂ کرام بالعموم اس کو نقل نہیں کررہے ہیں، ابھی باب المکث بین السجدتین میں مالک بن حویرث کے اسی جلسۂ استراحت کے بارے میں ایوب سختیانی تابعی کا یہ تبصرہ گذر چکا ہے کہ حضرت مالک بن حویرث کے علاوہ دیگر صحابہ وتابعین کے یہاں یہ عمل نہیں تھا، حضرت نعمان بن ابی عیاش سے بھی اس طرح کی بات منقول ہے فرماتے ہیں، ادرك غير واحد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فكان اذا رفع رأسه من السجدة في اول ركعة وفي الثالثة قام كما هو ولم يجلس، کہ میں نے کتنے ہی صحابۂ کرام کو دیکھا ہے مگر وہ سب پہلی اور تیسری سے سر اٹھاتے تو اسی طرح کھڑے ہوجاتے اور بیٹھتے نہیں تھے، اس لئے یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مالک جس جلسۂ کو نقل فرماتے ہیں وہ کسی عذر کی بنیاد پر رہا ہوگا، کیونکہ حضرت مالک آخری ایام میں حاضر ہوئے ہیں جس زمانہ میں آپ نے لا تبادروني بالركوع ولا بالسجود فاني قد بدنت فرمایا ہے کہ رکوع وسجود میں مجھ سے آگے نہ بڑھ جانا کہ میرا جسم بھاری ہوگیا ہے، چونکہ جسم کی بدانت بھی ایک عذر ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ نماز میں یہ جلسہ بھی عذر ہی کی وجہ سے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ نماز کی وضع استراحت کی اجازت نہیں دیتی۔

امام طحاویؒ نے اسی طرح کی بات ارشاد فرمائی ہے کہ پہلے ان روایات سے استدلال کیا جن میں صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تفصیل نقل کرتے ہیں، مگر جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں کرتے، بلکہ بعض روایات میں صراحت ہے کہ آپ جلسہ نہیں کرتے تھے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ جن روایات میں جلسہ کا ذکر ہے وہ عذر کی بنیاد پر ہوگا۔ پھر انہوں نے یہ فرمایا کہ اگر یہ جلسہ سنت یا مستحب ہوتا تو اس کے لئے کوئی ذکر بھی مشروع ہونا چاہیئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے جمہور کے نزدیک سجدے کے فوراً بعد صدورِ قدمین پر کھڑا ہوجانا چاہیئے اور اس طرح کھڑے ہونے کی بھی روایات ہیں، ابوداؤد میں حضرت وائل بن حجر کی روایت میں اذا نهض نهض على ركبتيه واعتمد على فخذيه مذکور ہے کہ جب آپ کھڑے ہوتے تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھکر کھڑے ہوجاتے اور ران کا بھی سہارا لیتے تھے۔

لیکن فریقین کے ان چند دلائل کے ساتھ یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہیئے کہ اگرچہ یہ جلسہ مشروع نہیں، لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کی وجہ سے یا بیانِ جواز کے لئے ایسا کیا ہے اس لئے اس سلسلے میں فقہاء کا ایک امر مباح کا اختلاف ہے، اگر نمازی نماز میں جلسۂ استراحت کرلیتا ہے تو اس پر سجدۂ سہو نہیں آئے گا۔　　　واللہ اعلم

[۱۴۳] بَابُ كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْاَرْضِ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ

(۸۲۴) حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ اَسَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ قَالَ جَاءَ نَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فَصَلّٰى بِنَا فِيْ مَسْجِدِنَا هٰذَا فَقَالَ اِنِّيْ لَاُصَلِّيْ بِكُمْ وَمَا اُرِيْدُ الصَّلٰوةَ لٰكِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ، قَالَ اَيُّوْبُ فَقُلْتُ لِاَبِيْ قِلَابَةَ وَكَيْفَ كَانَتْ صَلٰوتُه' قَالَ مِثْلَ شَيْخِنَا هٰذَا يَعْنِيْ عَمْرَوبْنَ سَلْمَةَ قَالَ اَيُّوْبُ وَكَانَ ذٰلِكَ الشَّيْخُ يُتِمُّ التَّكْبِيْرَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَه' عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ قَامَ. (گذشتہ:۶۷۷)

ترجمہ باب، جب رکعت سے کھڑا ہوتو زمین پر کس طرح سہارا دے۔ حضرت ابوقلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث ہمارے یہاں آئے اور ہم لوگوں کو ہماری اسی مسجد میں نماز پڑھائی چنانچہ انہوں نے یہ فرمایا کہ میں تم لوگوں کو نماز پڑھاؤں گا اور میرا ارادہ نماز کا نہیں ہے، لیکن میرا (اصل) ارادہ یہ ہے کہ میں تم کو یہ دکھاؤں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، ایوب نے کہا کہ میں نے حضرت ابوقلابہ سے کہا اور ان کی نماز کیسی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے ان شیخ یعنی عمرو بن سلمہ کی نماز کی طرح تھی، ایوب نے کہا اور ان شیخ کا عمل یہ تھا کہ وہ تکبیر کا اتمام کرتے تھے اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تھے تو بیٹھ جاتے تھے اور زمین پر سہارا لیتے تھے پھر کھڑے ہوتے تھے۔

مقصد ترجمہ یہ مسئلہ سجدے سے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھوں کا سہارا دیتے ہوئے کھڑے ہونے کا ہے، گویا یہ جلسۂ استراحت سے بالکل علیحدہ چیز ہے، مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ نمازی سجدہ سے اٹھ کر قیام کی طرف چلے تو کس چیز کا سہارا لے، پیر کے پنجوں کا سہارا زمین پر ہو، یا ہاتھ گھٹنوں پر ہوں اور گھٹنوں کا سہارا زمین پر ہو، یا ہاتھوں کو زمین پر سہارا دیتا ہوا اٹھے، ترجمہ کے الفاظ کیف یعتمد الخ میں تمام کیفیات کی گنجائش ہے، پھر یہ کہ پنجوں پر زور دے کر کھڑا ہونے، یا گھٹنوں کا سہارا زمین پر دینے کی صورت میں جلسۂ استراحت کی ضرورت نہیں رہتی اور اگر زمین پر ہاتھوں کا سہارا دینے کی صورت اختیار کی جائے تو اس میں پہلے جلسۂ استراحت ہوگا، ذیل میں دی گئی روایت سے امام بخاری کا مختار بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سجدے کے بعد جلسۂ استراحت کرے پھر زمین پر ہاتھوں کا سہارا دیتے ہوئے قیام کرے لیکن جلسۂ استراحت کے متعلق سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جلسہ کے بعد نمازی کھڑا ہوگا تو تکبیر کہتا ہوا کھڑا ہوگا یا بلا تکبیر کے، اگر تکبیر کہتا ہے تو تکبیر کا عدد بڑھ جائے گا، اور اگر نہیں کہتا تو یکبر فی کل خفض ورفع کی خلاف ورزی ہوتی ہے، شوافع نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ تکبیر کو ممتد کر دیا جائے لیکن اس میں سراسر تکلف ہے، غور کیجئے کہ

سجدے سے اٹھنا ہے، پھر جلسۂ استراحت کرنا ہے، پھر ہاتھوں کو زمین پر سہارا دیتے ہوئے کھڑا ہونا ہے تو ایک تکبیر میں اتنا امتداد پیدا کرنا تکلف سے خالی نہیں ہوسکتا۔

تشریح حدیث وہی حضرت مالک بن حویرث کی روایت ہے جو کئی بار گذر چکی ہے، امام بخاری کا مقصد ثابت ہے کہ سجدۂ ثانیہ سے اٹھ کر پہلے سیدھا بیٹھ جائے، پھر زمین پر ہاتھ کا سہارا دیتا ہوا قیام کرے، امام شافعیؒ کے یہاں یہی طریقہ مستحب ہے، لیکن یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ اسی روایت کو جمہور نے بیانِ جواز یا حالتِ عذر پر محمول کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ اور راجح قول کے مطابق امام احمدؒ سجدے کے بعد پنجوں کے بل کھڑے ہونے کے قائل ہیں، ان حضرات نے روایات سے بھی استدلال کیا ہے اور تعاملِ صحابہ سے بھی، روایات میں ایک صحیح روایت مسیء فی الصلاۃ کی ہے جو بخاری ہی میں گذر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہلی رکعت کے ارکان وآداب تلقین فرمائے، پھر ارشاد فرمایا ثم ارفع حتی تستوی قائما، پھر سجدے سے سر اٹھاؤ حتی کہ سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔ دوسری روایت ترمذی کی ہے امام ترمذی نے باب کیف النهوض من السجود میں پہلے حضرت مالک بن حویرث کی روایت ذکر کی ہے اور اس پر لکھا ہے والعمل علیه عند بعض اهل العلم کہ بعض اہل علم کا عمل اس کے مطابق ہے، پھر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ذکر کی ہے جس میں کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ینهض فی الصلاة علی صدور قدمیه آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے، پھر یہ لکھا ہے علیه العمل عند اهل العلم، کہ اہل علم کا عمل اس کے مطابق ہے، مصنف بن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا عمل اسی کے مطابق نقل کیا ہے، مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابۂ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق منقول ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴۴] بَابٌ يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ

وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يُكَبِّرُ فِي نَهْضَتِهِ

(۸۲۵) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلّٰى لَنَا اَبُوْ سَعِيْدٍ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ وَحِيْنَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۸۲۶) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيْرٍ عَنْ مُطَرِّفٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ الْحُصَيْنِ صَلٰوةً خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَكَانَ اِذَا سَجَدَ كَبَّرَ وَاِذَا رَفَعَ كَبَّرَ وَاِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ

عِمْرَانُ بِيَدِيْ فَقَالَ لَقَدْ صَلَّى بِنَا هٰذَا صَلٰوةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ لَقَدْ ذَكَّرَنِيْ هٰذَا صَلٰوةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (گذشتہ:۷۸۴)

ترجمہ باب، دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے ہوئے تکبیر کہنے کا بیان۔ اور ابن زبیر کھڑے ہوتے ہوئے تکبیر کہتے تھے سعید بن حارث سے روایت ہے کہ ہمیں حضرت ابوسعید خدریؓ نے نماز پڑھائی تو انہوں نے سجدے سے سر اٹھاتے وقت اور سجدے میں جاتے وقت اور دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اٹھتے وقت جہراً تکبیر کہی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح تکبیر کہتے ہوئے سنا ہے۔ مطرف سے روایت ہے کہ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب سجدے میں جاتے تو اللہ اکبر کہتے، جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو حضرت عمران نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ انہوں نے ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھائی یا یہ فرمایا کہ انہوں نے مجھکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد دلا دی۔

مقصد ترجمہ ینھض من السجدتین میں سجدتین سے مراد رکعتین ہیں، گویا جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے، یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دو رکعتوں کے بعد تشہد کے لئے بیٹھنا ہوتا ہے، تشہد کے بعد اٹھیں گے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھیں گے، یہ نہیں کہ خاموشی کے ساتھ اٹھ جائیں اور کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہیں، اس ترجمہ میں امام بخاریؒ مالکیہ پر تعریض کر رہے ہیں کہ ان کے یہاں یہ تکبیر قاعدۂ اولیٰ سے اٹھتے ہوئے نہیں ہے بلکہ تیسری رکعت کے لئے سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد ہے، امام مالکؒ نے موطا میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ قیام کی حالت میں تکبیر کہتے تھے، مدونہ میں بھی لا یکبر حتی یستوی قائما دیا گیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ بعض مالکیہ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جس طرح تکبیر افتتاح قیام کی حالت میں ہے اسی طرح دوسرے شفعہ کی یہ تکبیر بھی بحالتِ قیام ہونی چاہیئے؛ کیونکہ نماز ابتداء دو ہی رکعت فرض کی گئی تھی، پھر رباعی نماز میں دو رکعت کا اضافہ کیا گیا، اس لئے مزید علیہ کی طرح مزید میں بھی قیام کی حالت میں تکبیر ہونی چاہیئے۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں بتادیا کہ تکبیر کا وقت تشہد سے کھڑے ہونے کی حالت میں ہے، جمہور کا مسلک یہی ہے اور اس کے ثبوت کے لئے بخاری نے پہلے تعلیقاً حضرت ابن زبیرؓ کا عمل پیش کیا کہ وہ کھڑے ہوتے ہوئے تکبیر کہتے تھے یہ تعلیق مصنفِ ابن ابی شیبہ میں بہ سندِ صحیح موصولاً مذکور ہے، پھر دو روایتیں پیش کر دیں۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسی طرح کا ایک ترجمہ حدیث ۷۸۸، ۷۸۹ پر گذر چکا ہے اور بعض شارحین نے امام بخاری پر تکرار کا اعتراض بھی کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں جگہ بخاری کا مقصد الگ الگ ہے، ترجمۂ سابق کا مقصد یہ بیان کیا گیا تھا کہ تکبیراتِ انتقال کا عمل ایک زمانہ میں زاویۂ خمول میں چلا گیا تھا اس لئے امام بخاری

نے وہاں تکبیرات انتقال کو ثابت کیا، نیز یہ کہ اس ترجمہ میں عموم تھا یعنی کسی بھی رکعت کے آخری سجدے سے اٹھتے ہوئے تکبیر کا ثبوت، اور اس ترجمہ میں بخاری کا مقصد مالکیہ کی تردید ہے جو دو رکعتوں کے اختتام پر تشہد سے اٹھتے ہوئے تکبیر کے قائل نہیں بلکہ سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد تکبیر کے قائل ہیں، اس لئے تکرار کا شبہ درست نہیں۔

تشریح حدیث مقصد کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے جو دو روایات ذکر کی ہیں وہ کئی بار گذر چکی ہیں، پہلی روایت میں حین قام من الرکعتین کا مطلب یہی ہے کہ حضرت ابوسعید نے دونوں رکعتوں سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہی، اور نماز کے بعد اس عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، اور دوسری روایت میں اذا نھض من الرکعتین کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں رکعتوں سے اٹھتے ہوئے حضرت علیؓ نے تکبیر کہی، پھر حضرت عمران نے ان کی نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح قرار دیا، خلاصہ یہ ہوا کہ بخاری کا ترجمۃ الباب دونوں روایات سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴۵] بَابُ سُنَّةِ الْجُلُوْسِ فِي التَّشَهُّدِ

وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِيْ صَلَاتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ وَكَانَتْ فَقِيهَةً

(۸۲۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ يَرَىٰ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ إِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِيَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ إِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ رِجْلَايَ لَا تَحْمِلَانِّي.

(۸۲۸) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي حَبِيْبٍ وَيَزِيْدِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا صَلٰوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَا كُنْتُ أَحْفَظَكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَىٰ حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ وَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ

قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرىٰ وَنَصَبَ الْاُخْرىٰ وَقَعَدَ عَلىٰ مَقْعَدَتِهٖ وَسَمِعَ اللَّيْثُ يَزِيْدَ بْنَ اَبِیْ حَبِيْبٍ وَيَزِيْدُ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَلْحَلَةَ وَابْنُ حَلْحَلَةَ مِنِ ابْنِ عَطَآءٍ، وَقَالَ اَبُوْ صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَه، وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيىٰ بْنِ اَيُّوْبَ قَالَ حَدَّثَنِیْ يَزِيْدُ بْنُ اَبِیْ حَبِيْبٍ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ حَدَّثَه، كُلُّ فَقَارٍ .

ترجمہ باب، تشہد میں بیٹھنے کے مسنون طریقہ کا بیان۔ اور ام الدرداءؓ نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ فقہ جاننے والی خاتون تھیں۔ عبداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھتے تھے کہ جب وہ نماز میں بیٹھتے ہیں تو چارزانو ہو کر بیٹھتے ہیں، عبداللہ کہتے ہیں چنانچہ میں نے یہی طریقہ اختیار کیا اور میں اس وقت نوعمر تھا، پھر یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے مجھے اس چیز سے منع کیا اور فرمایا کہ نماز میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے داہنے پیر کو کھڑا کر لو اور بائیں پیر کو موڑ لو، اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ تو چارزانو بیٹھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے پیر میرا بوجھ نہیں اٹھا پاتے۔ محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے، پھر یہ کہ ہمارے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر آیا تو حضرت ابوحمید الساعدی نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو تم میں سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، میں نے دیکھا کہ جب آپؐ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر جما دیتے پھر اپنی کمر کو موڑ کر بالکل ہموار کر لیتے پھر اپنا سر اٹھا کر بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ کمر کا ہر مہرہ اپنی جگہ آ جاتا اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو اپنے ہاتھوں کو زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ کلائیوں کو زمین پر بچھاتے اور نہ ان کو پہلو سے ملاتے اور اپنے پیر کی انگلیوں کے کناروں کو قبلہ رخ کر دیتے، پھر جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر پر بیٹھتے اور داہنے پیر کو کھڑا رکھتے، پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر کو آگے بڑھا دیتے اور دوسرے پیر کو کھڑا رکھتے اور اپنے سرین پر بیٹھ جاتے۔ اور لیث نے یزید بن ابی حبیب سے، اور یزید نے محمد بن حلحلہ سے اور ابن حلحلہ نے ابن عطا سے سنا ہے، اور ابوصالح نے لیث سے **کل فقار مکانہ** نقل کیا ہے، اور عبداللہ بن مبارک نے اس روایت کو یحییٰ بن ایوب سے بیان کیا، یحییٰ نے کہا کہ مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے حدیث بیان کی کہ محمد بن عمرو بن حلحلہ نے اس حدیث میں **کل فقار** بیان کیا۔

مقصد ترجمہ دو مسئلے بیان کرنا چاہتے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تشہد میں جلوس کی مسنون ہیئت کیا ہے؟ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مرد وعورت کا حکم ایک ہے، یا دونوں میں فرق ہے؟ پہلے مسئلے کو بیان کرنے کے لئے عنوان دیا ہے **سنة الجلوس فی التشهد** لیکن اپنے مسلکِ مختار کی تصریح نہیں کی، البتہ ذیل میں ذکر کردہ روایات کی مدد سے کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔

اس مسئلے میں چاروں ائمہ کے اقوال الگ الگ ہیں، مالکیہ کے یہاں قعدۂ اولیٰ وثانیہ دونوں میں تورک پسندیدہ ہے، احناف کے یہاں دونوں میں افتراش اولیٰ ہے، شوافع اور حنابلہ دونوں قعدوں میں فرق کے قائل ہیں، امام احمدؒ کے یہاں دوتشہد والی نماز کے پہلے تشہد میں افتراش اور دوسرے میں تورک ہے اور اگر ایک ہی تشہد والی نماز ہے جیسے فجر یا جمعہ تو امام احمدؒ اس میں افتراش کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ کے یہاں ایک تشہد والی نماز ہو یا دوتشہد والی جس تشہد میں سلام ہے اس میں تورک ہے، حاصل یہ نکلے گا کہ فجر اور جمعہ میں امام احمدؒ کے یہاں افتراش ہوگا اور امام شافعیؒ کے یہاں تورک، اور ظہر وعصر میں کوئی فرق نہ ہوگا کہ پہلے تشہد میں دونوں ائمہ کے یہاں افتراش ہوگا اور دوسرے میں تورّک۔

امام بخاری اس مسئلے میں شوافع کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ انہوں نے ترجمہ کے ذیل میں دوروایتیں ذکر کی ہیں جن میں پہلی روایت میں صرف افتراش کا عمل ہے، اور دوسری روایت میں قعدۂ اولیٰ وثانیہ میں فرق مذکور ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے دوسری روایت کو اسی تشریح کے لئے ذکر کیا ہے کہ افتراش کا عمل قعدۂ اولیٰ میں ہے اور قعدۂ اخیرہ میں صرف تورک کا عمل رہا ہے۔

وکانت ام الدرداء الخ یہ ترجمۃ الباب کا دوسرا مسئلہ ہے کہ تشہد میں عورت کے بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟ امام بخاری نے بتلایا کہ عورت اور مرد کی ہیئت جلوس میں فرق نہیں ہے، ثبوت یہ ہے کہ حضرت ام الدرداء جوفقیہہ اور سمجھدار خاتون تھیں مردوں کی طرح بیٹھا کرتی تھیں یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی موصولا مذکور ہے مگر اس میں **وکانت فقیھۃ** نہیں ہے امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر میں مکحولؒ سے اس کو موصولا ذکر کیا ہے اور اس میں **وکانت فقیھۃ** کا اضافہ ہے، اس لئے بعض اہل علم کا یہ خیال ہے کہ یہ امام بخاری کا قول ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ جزم کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ مکحولؒ کا کلام ہے، اور چونکہ مکحول نے ام درداءؓ کبریٰ صحابیہ، یعنی خیرہ بنت حدرد کا زمانہ نہیں پایا، اس لئے ام درداء سے مراد ام درداء صغریٰ ہیں جو تابعیہ ہیں اور جن کا نام **ھجیمہ** ہے۔

بہرحال اس اثر میں یہ آیا کہ ام درداء تابعیہ تشہد میں مردوں کی طرح بیٹھا کرتی تھیں، اس اثر کے ذریعہ امام بخاریؒ نے اپنا رجحان ظاہر کردیا کہ وہ بھی بعض دیگر ائمہ کی طرح مرد وعورت کی ہیئت جلوس میں فرق کے قائل نہیں، بعض حضرات نے حنفیہ کا مسلک بھی یہی نقل کیا ہے، لیکن عام طور پر فقہاءِ حنفیہ نے فرق بیان کیا ہے کہ عورتوں کو ستر کے پیشِ نظر تورک اختیار کرنا چاہیئے، مراسیلِ ابوداؤد میں حضرت یزید بن حبیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوعورتوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ سجدہ میں جاؤ تو **ضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ لیست فی ذلک کالرجل** یعنی سجدے کی حالت میں جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا دیا کرو اس لئے کہ عورتوں کا حکم اس سلسلے میں مردوں کی طرح نہیں ہے، معلوم ہوا کہ عورتوں کو نماز میں ستر کا لحاظ رکھنا چاہیئے اس لئے تشہد کی حالت میں عورتوں

کے لئے ستر کی وجہ سے افتراش کے بجائے تورّک پسندیدہ ہے۔

تشریح حدیث اول پہلی روایت میں آیا کہ حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ جو اپنے والد ہی کے ہم نام ہیں بچپن میں اپنے والد حضرت ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ وہ تشہد کی حالت میں تربع کا طریقہ اختیار کرتے ہیں یعنی چار زانو ہو کر بیٹھتے ہیں، صاحبزادے کہتے ہیں کہ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تو والد نے منع فرمایا، میں نے عرض کیا کہ آپ بھی تو اسی طرح بیٹھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں معذور ہوں، میں نے یہ طریقہ مجبوراً اختیار کیا ہے ان رجلای لا تحملانی میرے پیر میرا بوجھ برداشت نہیں کرتے، مجبوری نہ ہو تو سنة الصلاة ان تنصب الخ صحابۂ کرام من السنة وغیرہ کہیں تو وہ بات حکماً مرفوع ہوتی ہے، مطلب یہ ہوا کہ تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا رکھو اور بائیں پیر کو موڑ لو، اس روایت میں بس اسی قدر ہے یعنی یہ تصریح نہیں کہ بائیں پیر کو موڑ کر اس پر بیٹھا جائے گا، اس لئے فریقِ ثانی فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ پیر موڑ لو اور زمین پر بیٹھ جاؤ، لیکن نسائی شریف کی حضرت ابن عمر ہی کی روایت میں بہ سندِ صحیح اس کی بھی تصریح ہے، من سنة الصلاة ان تنصب القدم الیمنیٰ واستقباله باصابعه القبلة والجلوس علی الیسریٰ (نسائی: ج:۱ص:۱۸۷) کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا کر لو اور اس کی انگلیوں کو موڑ کر روبہ قبلہ کر دو اور بائیں پیر پر بیٹھ جاؤ، نسائی کی روایت سے اجمال کی تفصیل ہو گئی اور افتراش کی صورت متعین ہو گئی۔

نیز یہ کہ اگر حضرت ابن عمر کے تربع کی صورت اختیار کرنے کے لئے پیش کردہ عذر پر غور کیا جائے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ افتراش کا عمل دونوں قعدوں میں مطلوب ہے، امام طحاوی نے ادھر توجہ کی ہے غور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر پیروں کے بوجھ نہ اٹھانے کی وجہ سے تربع اختیار کر رہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ وہ ہے جس میں پیروں پر بوجھ ہو اور ظاہر ہے کہ تورک میں کسی پیر پر بھی بوجھ نہیں ہوتا، سارا بوجھ زمین پر ہوتا ہے، البتہ افتراش کا طریقہ ایسا ہے کہ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھا جاتا ہے تو سارا بوجھ بائیں پیر پر ہوتا ہے، نیز یہ کہ داہنے پیر کی انگلیوں کو روبہ قبلہ کرنا ہوتا ہے اس لئے قدرے بوجھ اس پر بھی ہو سکتا ہے، اس لئے حضرت ابن عمر جب یہ عذر پیش فرما رہے ہیں کہ میرے دونوں پیر بوجھ نہیں اٹھاتے تو اس کا ظاہر یہی ہے کہ وہ ترکِ افتراش کا عذر بیان کر رہے ہیں، ترکِ تورک کا نہیں، اس طرح انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ افتراش کا عمل دونوں قعدوں میں مسنون ہے۔

تشریح روایتِ دوم دوسری روایت حضرت ابوحمید ساعدی کی ہے جس میں قعدۂ اولیٰ وثانیہ کی ہیئت جلوس میں فرق بیان کیا گیا ہے، امام بخاریؒ نے یہ روایت پیش کر کے اپنا رجحان ظاہر کیا ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ ثانیہ میں تورک سنت ہے، گویا امام بخاریؒ نے لفظ سنة تو ابن عمر کی روایت سے لیا اور دونوں

قعدوں میں فرق بیان کرنے کے لئے حضرت ابوحمید کی روایت ذکر فرمائی، امام بخاریؒ کے علاوہ بعض دیگر محدثین نے بھی ابن عمر کی روایت کو صرف قعدۂ اولیٰ سے متعلق کرنے کے لئے اس پر کیف الجلوس فی التشھد الأول کا ترجمہ منعقد کیا ہے، مگر یہ ان کا اپنا ذوق ہے روایت میں اس کا کوئی اشارہ نہیں، ان کے اختیار کردہ ذوق کی تشریح وتائید کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے حضرت ابن عمر وغیرہ کی روایت کے عموم سے، ابوحمیدؓ کی روایت کی بنیاد پر تشہد ثانی کو مستثنیٰ کرلیا ہے مگر حنفیہ نے ایسا نہیں کیا وہ حضرت ابن عمر وغیرہ کی عام روایات کو عموم پر برقرار رکھتے ہوئے، حضرت ابوحمید کی روایت کو عذر یا بیانِ جواز پر محمول کرتے ہیں، اور اس کی متعدد وجوہ ہیں۔

(ا) پہلی بات تو یہ ہے کہ تشہد اول وثانی کا فرق کئے بغیر علی الاطلاق افتراش کی روایت کرنے والے متعدد صحابہ ہیں، جن میں حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ، حضرت وائل بن حجرؓ، حضرت رفاعہ بن رافعؓ وغیرہ ہیں ان کی روایات میں افتراش کو تشہد اول سے خاص کرنے کا کوئی اشارہ نہیں، بلکہ مضبوط قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تشہد ثانی میں بھی افتراش مطلوب ہے مثلاً ابھی گذرا کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ان رجلای لا تحملانی سے امام طحاویؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ الفاظ ترکِ تورّک کا عذر نہیں بنتے، ترکِ افتراش کا عذر بنتے ہیں، اور اس سلسلے میں دونوں قعدوں کا حکم یکساں ہے، نیز یہ کہ موطا امام مالک کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا تعلق قعدۂ ثانیہ سے ہے، موطا کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر کے برابر میں نماز پڑھی اور چوتھی رکعت میں وہ چہار زانو ہوکر بیٹھ گیا، نماز سے فراغت کے بعد ابن عمر نے اس کو منع کیا، اس شخص نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ بھی تو ایسا کرتے ہیں، ابن عمر نے جواب دیا انی اشتکی، یعنی میرا عمل تو بیماری اور مجبوری کی وجہ سے ہے، معلوم ہوا کہ یہ گفتگو چوتھی رکعت کے بعد یعنی تشہد ثانی کے سلسلے میں ہوئی ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی مسلم شریف کی روایت ہے، کان یقول فی کل رکعتین التحیۃ وکان یفرش رجلہ الیسریٰ وینصب رجلہ الیمنیٰ، حضرت عائشہؓ علی الاطلاق ہر دو رکعت کے بعد التحیات اور افتراش کا عمل بیان کررہی ہیں، جس میں بہ ظاہر تشہد ثانی بھی داخل ہے، علامہ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی میں تحریر فرمایا ہے ان اطلاقہ یدل علی ان ذلک کان فی التشھدین بل ھو فی قوۃ قولھا وکان یفعل ذلک فی التشھدین الخ روایت کا اطلاق دلالت کررہا ہے کہ یہ عمل افتراش دونوں تشہد میں تھا، بلکہ کان یقول فی کل رکعتین التحیۃ سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ نے گویا یہ فرمادیا کہ آپ کا یہ عمل دونوں تشہد میں تھا، نیز علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں مطلق روایات کو، حضرت ابوحمید کی روایت سے مقید کرنے پر یہ لکھا انہ یبعد ھذا الجمع ...... من أن مقام التصدی لبیان صفۃ صلوتہ صلی اللہ علیہ وسلم یابی الاقتصار علی ذکر ھیئۃ احد التشھدین واغفال الآخر مع کون صفتہ مخالفۃ لصفۃ المذکور لا سیما

حدیث عائشة الخ تطبیق کا یہ طریقہ بعید ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ صلوۃ کے بیان پر پوری توجہ دی جارہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف ایک تشہد کی ہیئت تو بیان کردی جائے اور دوسرے کی کیفیت کو پہلے تشہد کی ہیئت سے مختلف ہونے کے باوجود بالکل ترک کردیا جائے، خصوصاً حضرت عائشہ کی روایت میں تو یہ تاویل بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ ہر دو رکعت کے بعد ذکرِ مشروع اہتمام سے بیان کررہی ہیں، اور اس کے ساتھ ہیئت جلوس بھی بیان کررہی ہیں تو اس ہیئت کو ایک قعدہ سے خاص کرنا اور دوسرے قعدہ کے بارے میں کچھ بیان نہ کرنا بعید معلوم ہوتا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابوحمید کی روایت اگرچہ وہ متعدد صحابہ کے سامنے بیان کی گئی ہے فعل کی حکایت ہے، قولی روایت نہیں، اور افتراش کی روایت کرنے والے صحابہ، فعل کی بھی حکایت کررہے ہیں، اور قولی روایات بھی ذکر کررہے ہیں، حضرت ابن عمر کا ارشاد من سنة الصلاة الخ مرفوع قولی کے حکم میں ہے، اور حضرت رفاعہ بن رافع کی روایت میں جو ابوداؤد میں ہے، یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افترش فخذك الیسریٰ ثم تشهد، بائیں پیر کو بچھالو پھر تشہد پڑھو، اور حضرت رفاعہ کی مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا فاذا جلست فاجلس علی رجلك الیسریٰ کہ جب بیٹھو تو بائیں پیر پر بیٹھو، ظاہر ہے کہ فعلی روایات کی وجہ سے قولی روایات کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ افتراش کا یہ عمل خیر القرون میں متوارث رہا ہے، دیکھئے امام ترمذی نے کیف الجلوس فی التشهد میں پہلے حضرت وائل بن حجر کی روایت ذکر کی، جس سے افتراش کا عمل ثابت ہوتا ہے، اور اس روایت کو حسن صحیح قرار دے کر لکھا والعمل علیه عند اکثر اهل العلم وهو قول سفیان الثوری وابن المبارك واهل الکوفة، یعنی اہل علم کی اکثریت کا عمل اس کے مطابق ہے، پھر ترمذی نے حضرت ابوحمید کی روایت نقل کی، اس کو بھی حسن صحیح قرار دیا، اور تحریر فرمایا وبه یقول بعض اهل العلم وهو قول الشافعی الخ یعنی بعض اہل علم کا عمل اس کے مطابق ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ بعض قابلِ قبول روایات میں تورّک سے ممانعت بھی کی گئی ہے، حضرت سمرہ کی روایت مستدرکِ حاکم میں ہے نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الاقعاء والتورك، حضرت انس سے بھی اسی طرح کی رویت ہے، بعض محدثین نے ان روایات کی تصحیح بھی کی ہے۔

ان وجوہ کی بنیاد پر حنفیہ نے حضرت ابوحمید کی روایت کو عذر یا بیانِ جواز پر محمول کیا ہے، اعذار حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے ہیں، رکوع وسجود میں مقتدیوں کو پیش قدمی سے روکنے کے لئے آپ نے انی قد بدنت کا عذر بیان فرمایا ہے، خود تشہد کی ہیئتِ جلوس کے سلسلے میں مسلم شریف میں حضرت ابن زبیر کی روایت ہے جعل قدمه الیسریٰ بین فخذه وساقه کہ تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں پیر، اپنی ران اور پنڈلی کے درمیان کرلیا،

اس ہیئت کو سب نے عذر ہی پر محمول کیا ہے، اس لئے حنفیہ نے یہی بہتر سمجھا کہ دونوں تشہد کی ہیئت جلوس میں افتراش کو معمول، اور تورّک کو عذر پر محمول کیا جائے، تاہم یہ ذہن میں رہنا چاہیئے کہ یہ مسئلہ بھی اولیٰ وغیر اولیٰ کا ہے، اور اسی لئے بعض علماء کا مسلک تخییر ہے کہ نمازی افتراش اور تورّک میں سے کسی بھی ہیئت کو اختیار کر سکتا ہے۔

حدیثِ ابوحمیدؓ کے بارے میں چند باتیں یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوحمید ساعدی کی یہ وہی روایت ہے جس کو سنن میں رفع یدین کے سلسلے میں بڑے اہتمام سے پیش کیا جاتا ہے، اور جو عبدالحمید بن جعفر کے طریق سے محمد بن عمرو ابن عطاء کے، حضرت ابوحمید سے سماع کی تصریح کے ساتھ آئی ہے، سنن کی اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابوحمید نے دس صحابہ کی موجودگی میں یہ بیان کیا، اور وہ سب ان کے بیان کی تصدیق پر متفق ہو گئے، اور ان دس میں ایک حضرت ابوقتادہ بھی تھے، عبدالحمید بن جعفر کی اس روایت میں رکوع کے وقت رفع یدین بھی ہے، اور تشہد اول وثانی کی ہیئت جلوس میں فرق بھی ہے، امام بخاری نے اس روایت کو جزء رفع الیدین میں ذکر فرمایا ہے اور اس سے استدلال کرنے میں قوت صرف فرمائی ہے۔

لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی روایت کو امام بخاریؒ یہاں ذکر کرتے ہیں، تو عبدالحمید کے طرق سے تو لا نہیں سکتے کہ وہ صحیح بخاری کے مقررہ معیار سے فروتر ہے اور جن طرق سے ذکر فرماتے ہیں، ان میں رفع یدین نہیں ہے، دس صحابہ کا تذکرہ نہیں ہے حضرت ابوقتادہ کا ذکر نہیں ہے صرف تشہد اول اور ثانی کی ہیئت جلوس کا فرق ہے۔

امام طحاوی کا اعتراض پھر یہ کہ روایت بھی امام طحاوی کے نزدیک متصل نہیں ہے، کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق محمد بن عمرو بن عطاء کا سماع حضرت ابوحمید ساعدی سے ثابت نہیں ہے، طحاوی نے فرمایا کہ پہلی بات یہ ہے کہ عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک نے محمد بن عمرو سے یہ روایت نقل کی ہے تو اس میں محمد بن عمرو اور ابوحمید کے درمیان عباس بن سہل کا اضافہ ہے، دوسری بات یہ کہ محمد بن عمرو بن عطاء جن دس صحابہ کی موجودگی بیان کر رہے ہیں ان میں ایک نام حضرت ابوقتادہ کا ہے، جب کہ ابوقتادہ کی وفات حضرت علی کے عہد خلافت میں ۳۸ھ میں ہوگئی ہے، اور محمد بن عمرو بن عطاء کی وفات ۱۲۰ھ میں اسی سال سے کچھ زائد عمر میں ہوئی ہے، گویا حضرت ابوقتادہ کے انتقال کے وقت، محمد بن عمرو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، یا ان کی عمر بہت ہی کم تھی، اس لئے حضرت ابوقتادہ کی موجودگی میں حضرت ابوحمید سے ان کا یہ روایت سننا ممکن ہی نہیں، پھر یہ کہ طحاوی اس تنقید میں تنہا نہیں ہے، ابن القطان، حافظ تقی الدین وغیرہ طحاوی کے ہم خیال ہیں۔

بیہقی اور حافظ ابن حجر نے ان باتوں کا جواب دیا ہے کہ حضرت ابوقتادہ کے سن وفات میں مختلف اقوال ہیں، بعض علماء نے ۵۴ھ میں وفات بیان کی ہے، اور اس صورت میں محمد بن عمرو کی ملاقات ممکن ہے، اسی طرح سند میں جو محمد بن عمرو اور ابوحمید کے درمیان، عباس بن سہل کا اضافہ ہے اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ سماع کی تصریح کرنے

والا ثقہ راوی، اگر اپنے اور شیخ کے درمیان کسی اضافہ کو بیان کرے تو وہ المزید فی متصل الاسانید کی قسم سے ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری اور تہذیب التہذیب میں تو حضرت ابوقتادہ کی وفات کا ۵۴ھ میں ہونا راجح قرار دیا ہے، لیکن تلخیص الحبیر کی کتاب الجنائز میں انہوں نے بھی حضرت علی کے عہد خلافت میں وفات کو ترجیح دی ہے، لکھتے ہیں، قد قیل ان ابا قتادة مات فی خلافة علی وهو الراجح (تلخیص الحبیر ج:۱، ص:۱۶۰) کہا گیا ہے کہ ابوقتادہ کی وفات حضرت علی کے عہد خلافت میں ہوئی ہے اور یہی راجح ہے۔

امام طحاوی کی تنقید اپنی جگہ، مگر امام بخاریؒ کے نزدیک محمد بن عمرو بن عطاء کا سماع، حضرت ابوحمید سے ثابت ہے، انہوں نے اپنی تاریخ میں یہی لکھا ہے، اور جو روایت بخاری میں ذکر فرمائی ہے اس میں بہ ظاہر اتصال ہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ محمد بن عمرو یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر آیا تو حضرت ابوحمید نے یہ فرمایا الخ معلوم ہوا کہ انہوں نے براہِ راست سنا ہے، درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

وسمع اللیث الخ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں جو عنعنہ آ رہا ہے، اس سے شبہ نہ ہونا چاہیے سند متصل ہے کہ ان رواۃ کا سماع ثابت ہے، لیث بن سعد کا سماع یزید سے، یزید بن ابی حبیب کا سماع محمد بن حلحلہ سے، اور ابن حلحلہ کا سماع محمد بن عمرو بن عطاء سے ثابت ہے، یہاں تک امام بخاریؒ نے نیچے کے رواۃ کا اتصال سند بتا دیا، لیکن جس حصہ سے بحث کا تعلق تھا کہ محمد بن عمرو بن عطاء کا سماع، حضرت ابوحمید سے ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں فرماتے، ایک قدم اور آگے بڑھا لیتے تو بات صاف ہو جاتی لیکن امام بخاری نے ایسا نہیں کیا۔

وقال ابو صالح الخ یحییٰ بن بکیر کی اصل روایت جو متن میں دی گئی ہے، اس میں کل فقار مکانه ہے ہندوستانی نسخہ کے مطابق اس متابعت میں بتانا چاہتے ہیں کہ ابو صالح نے بھی اس طرح کل فقار مکانه نقل کیا ہے، لیکن اس جگہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ہماری روایت میں کل قفار (بتقدیم القاف علی الفاء) ہے لیکن شاید وہ تصحیف شدہ نسخہ ہے۔

وقال ابن المبارك الخ اس متابعت میں ایک تو نسخہ کا فرق بیان کر رہے ہیں، کہ ابن مبارک نے اپنی سند سے کل فقار یعنی مکانه کے بغیر یا دوسرے نسخہ کے مطابق کل فقاره، یعنی لفظ فقار کو ضمیر کی طرف مضاف کر کے نقل کیا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس متابعت میں عَنْ کے بجائے تحدیث کی صراحت ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴۶] بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ التَّشَهُّدَ الْأَوَّلَ وَاجِبًا

لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَرْجِعْ

(۸۲۹) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ هُرْمُزٍ مَوْلٰى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَقَالَ مَرَّةً مَوْلٰى رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ

قَالَ وَهُوَ مِنْ اَزْدِشَنُوْءَ ةَ وَهُوَ حَلِيْفٌ لِبَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وَلَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهُ' كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ. (آئندہ: ۸۳۰، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۳۰، ۶۶۷۰)

ترجمہ باب، پہلے قعدہ میں تشہد کو واجب یعنی فرض نہ کہنے والوں کی دلیل کا بیان۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوگئے اور تشہد پڑھنے کے لئے دوبارہ نہیں بیٹھے۔ زہری نے کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن ہرمز نے بیان کیا۔ جو بنو عبدالمطلب کے مولیٰ تھے اور کبھی زہری نے کہا کہ وہ ربیعہ بن الحارث کے مولیٰ تھے۔ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن بحینہ جو قبیلۂ ازدشنوءہ میں سے تھے، اور بنی عبد مناف کے حلیف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے۔ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی اور آپ پہلی دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوگئے اور تشہد کے لئے نہیں بیٹھے، پھر جب آپ کھڑے ہوگئے تو لوگ آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے حتی کہ جب آپ نماز سے فارغ ہونے لگے اور لوگ آپ کے سلام کا انتظار کرنے لگے تو آپ نے بیٹھے ہوئے اللہ اکبر کہا اور سلام سے پہلے دو سجدے کئے، پھر سلام پھیرا۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ چار رکعت یا تین رکعت والی نماز میں تشہد اول واجب یعنی کہ فرض نہیں ہے، اس لئے واجب اصطلاحی کا لفظ تو صرف امام اعظم کے یہاں ہے، دوسرے حضرات کے یہاں نہ یہ اصطلاح ہے اور نہ وہ اس سے واقف ہیں، اگر واجب کا لفظ ان کے یہاں آتا ہے تو اس سے اکثر فرض کے معنی مراد ہوتے ہیں، تو ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہوا کہ تشہد اول فرض نہیں ہے، امام بخاری نے ترجمہ کے ساتھ دلیل بھی بیان فرمائی کہ اگر تشہد اول فرض ہوتا تو چھوٹ جانے کی صورت میں اسکو ادا کرنے کے لئے لوٹنا ضروری تھا، جیسے رکوع وسجود چھوٹ جائے تو لوٹنا ضروری ہوتا ہے، لیکن آپؐ نہیں لوٹے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرض نہیں ہے۔

تشریح حدیث روایت سے ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں دو رکعت پر کھڑے ہوگئے تھے، بعض روایات میں آتا ہے کہ مقتدیوں نے تسبیح کہہ کر متوجہ بھی کیا، لیکن آپ نہیں لوٹے اور نہ لوٹنا، تشہد کے فرض نہ ہونے کی دلیل ہے، جیسا کہ بخاری نے ترجمۃ الباب میں بیان کیا، پھر روایت میں یہ آیا کہ آپ نے نماز کے آخر میں سجدہ سہو کیا، سجدۂ سہو کرنا فرض نہ ہونے کی دوسری دلیل ہے کہ اگر تشہد فرض ہوتا تو سجدۂ سہو سے اس کا تدارک نہیں ہوسکتا تھا۔

احناف اسی درمیانی درجہ۔ کہ اس کے سہوا چھوٹ جانے سے اعادہ کی ضرورت نہ ہو، اور سجدۂ سہو سے نقصان کا تدارک ہوجائے۔ کے لئے واجب کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کیونکہ فرض کے ترک کی صورت میں اعادہ

ضروری ہوتا ہے سجدۂ سہو سے اس کا تدارک نہیں ہوتا، اور سنت چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں دیگر ائمہ کے یہاں واجب کی اصطلاح نہیں ہے، اس لئے انہیں اس حقیقت کے بیان کے لئے طرح طرح کی باتیں کہنی پڑی ہیں، کسی نے سنت کی تقسیم کی اور سنن موکدہ کے ترک پر سجدۂ سہو کا حکم لگایا وغیرہ مگر مضمون واضح نہ ہوسکا۔ واللہ اعلم

[۱۴۷] بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْأُولٰى

(۸۳۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فَقَامَ وَعَلَيْهِ جُلُوْسٌ فَلَمَّا كَانَ فِيْ آخِرِ صَلٰوتِهٖ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ. (گذشتہ:۸۲۹)

ترجمہ باب، قعدۂ اولی میں تشہد پڑھنے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن مالک بن بُحینہ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، تو آپ دو رکعت پر کھڑے ہوگئے جب کہ آپ کو اس جگہ تشہد کے لئے بیٹھنا تھا، پھر جب نماز کا آخر ہوا تو آپ نے بیٹھے بیٹھے (سہو کے) دو سجدے کئے۔

مقصد ترجمہ پہلے یہ بیان کیا تھا کہ تشہد اول فرض نہیں ہے، اب یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ فرض نہ ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نمازی کو قعدۂ اولی پر تشہد پڑھنے یا نہ پڑھنے کا اختیار ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ فرض نہ ہونے کے باوجود یہ مطلوب اور مشروع ہے۔

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں صرف التشهد في الاولى کے الفاظ استعمال کئے جس سے تشہد کی اہمیت معلوم ہوگئی، حکم کی صراحت نہیں کی، لیکن اس کے ذیل میں جو روایت دی اس سے معلوم ہوا کہ اس کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہے، یہ تقریباً وہی بات ہے جسے حنفیہ کی اصطلاح میں واجب کہتے ہیں، حنفیہ کا مسلک فقہ کی کتابوں میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ تشہد اول و آخر، دونوں واجب ہیں، اسی کو مسلک مختار بتایا گیا ہے، دوسرا قول یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ تشہد اول سنت ہے اور ثانی واجب،

روایت گذر چکی ہے، امام بخاری کا مقصد فقام وعليه جلوس سے ثابت ہے کہ قعدہ تشہد ہی کی خاطر ہوتا تھا، قعدہ رہ گیا تو تشہد رہ گیا، اور اس کی تلافی کے لئے سجدۂ سہو کی ضرورت ہوئی، یہ روایت حنفیہ کے مذہب کی دلیل بن رہی ہے، جو ترک واجب پر سجدۂ سہو کے قائل ہیں، دیگر ائمہ کے یہاں بھی تشہد اول کے چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو کا حکم اسی روایت کی بنیاد پر دیا گیا ہے، مگر وہ واجب کی اصطلاح استعمال نہیں کرتے، ان کے مسلک کی تفصیلات، انہی کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ واللہ اعلم

[۱۴۸] بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْاٰخِرَةِ

(۸۳۱) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَالْتَفَتَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ فَاِنَّكُمْ اِذَا قُلْتُمُوْهَا اَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. (آئندہ:۸۳۵،۱۲۰۲،۶۲۳۰،۶۲۶۵،۶۳۲۸،۷۳۸۱)

ترجمہ باب، قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ (پہلے) جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو (سلام کے وقت) کہتے تھے، جبرئیل ومیکائیل پر سلام فلاں اور فلاں پر سلام، پھر (ایک موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ بے شک اللہ تو خود ''سلام'' ہے، اس لئے تم میں سے کوئی انسان جب نماز پڑھے تو یوں کہا کرے التحیات للہ والصلوات الخ کہ تمام قولی عبادتیں، اور تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں ہوں آپ پر، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر، اس لئے کہ جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام، زمین وآسمان میں اللہ کے ہر ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

مقصد ترجمہ اس ترجمہ کے الفاظ بھی بعینہ وہی ہیں جو پچھلے ترجمہ کے تھے، اس لئے بہ ظاہر یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ امام بخاری قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مشروعیت بیان کرنا چاہتے ہیں، لیکن بعض شارحین نے فرق کر دیا ہے، مثلاً قسطلانی نے پچھلے ترجمہ کے بارے میں تو وہی بات کہی جو عام شارحین کی رائے ہے یعنی باب مشروعیة التشهد فی الأولیٰ لیکن اس ترجمہ کے بارے میں انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے دوسری بات کہی، باب وجوب التشهد فی الاخرة پھر یہ کہ وجوب کے لئے انہوں نے روایت باب میں آئے ہوئے الفاظ فلیقل سے استدلال کیا اور فرمایا بصیغة الامر المقتضیته للوجوب، اور چونکہ وجوب ان حضرات کے یہاں فرض کے معنی میں ہے اس لئے قسطلانی کی تشریح کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاریؒ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کو، قعدۂ اولی کے تشہد سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔

حنفیہ کے یہاں پہلا تشہد بھی حنفیہ کی اصطلاح کے مطابق واجب ہے، کیونکہ سجدۂ سہو سے تدارک وجوب کی علامت تھا، اور دوسرا تشہد بھی واجب ہے، اس لئے فلیقل یعنی صیغۂ امر کا تقاضا بھی وجوب ہے، یہ تو ہوا تشہد کا مسئلہ، جہاں تک قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ ثانیہ کا مسئلہ ہے، تو حنفیہ کے یہاں قعدۂ اولیٰ واجبات میں سے ہے اور قعدۂ ثانیہ ارکان میں سے ہے، لیکن امام بخاری نے صرف تشہد کے لئے ترجمہ منعقد کیا ہے، اس لئے قعدہ کی بحث ان کے ترجمۃ الباب سے زائد ہے۔

رہا یہ کہ امام بخاری نے اپنے مقصد کو ثابت کرنے کے لئے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس میں قعدۂ اخیرہ کا ذکر نہیں، اس کے لئے یہ کہنا پڑے گا کہ یا تو امام بخاری روایتِ باب کے عموم سے استدلال کر رہے ہیں، کیونکہ اذا صلی احدکم فلیقل التحیات الخ میں قعدۂ اولی یا ثانیہ کی تخصیص نہیں ہے، یا پھر ان کے پیش نظر اسی روایت کا دوسرا طریق ہے جو باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشهد میں مذکور ہے کیونکہ اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ تشہد کے بعد اپنے لئے دعا کرے، ظاہر ہے کہ دعا کی جگہ تشہد اخیر ہی ہے۔

تشریح حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں ہوتے تو سلام پڑھنے کے لئے السلام علی جبرئیل وغیرہ پڑھتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو سلام پڑھنے کی اجمالی تعلیم دی گئی تھی، تفصیل نہیں بتائی گئی تھی، اس لئے صحابہ اپنے طور پر اس اجمالی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے پہلے اللہ پر سلام پڑھتے السلام علی اللہ قبل عبادہ، پھر خصوصی ملائکہ وغیرہ پر سلام پڑھتے اور السلام علی جبرئیل و میکائیل وغیرہ کہتے ایک دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد روئے انور صحابہ کی طرف کیا اور اللہ تعالیٰ پر سلام پڑھنے یعنی اللہ کو سلامتی کی دعا دینے کے بارے میں نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو جو کہنا چاہیئے تھا اس کے برعکس ہو گیا، اللہ کو ہماری دعائے سلامتی کی کیا ضرورت ہے، وہ تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، ازلی اور ابدی ہے سب کو سلامتی عطا کرنے والا، رحمتوں سے نوازنے والا ہے، اسی لئے اس کا نام ''سلام'' ہے، اس لئے نماز میں اس طرح کہنا چاہیئے، پھر آپ نے تشہد پڑھنے کا طریقہ بتایا۔

کلماتِ تشہد کے معنی التحیات للہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد میں الگ الگ تین کلمات ہیں، التحیات، الصلوات اور الطیبات، جنھیں واو عاطفہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، تینوں کلمات کے معانی بھی الگ ہیں، التحیات سے تعظیم کی جملہ انواع، گویا تمام قولی عبادتیں مراد ہیں، الصلوات سے تمام فعلی عبادات، اور الطیبات سے تمام مالی عبادتیں مراد ہیں، ان الفاظ کی تشریح میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، ان کے لئے مطولات کو دیکھئے۔

السلام علیك الخ بارگاہِ خداوندی میں تحیات پیش کرنے کے بعد، پیغمبر علیہ السلام پر سلام پیش کرنے کے لئے کلمات تلقین کئے گئے کہ اے نبی! آپ پر سلام، اور آپ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں علامہ طیبیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ السلام علیك میں الف لام عہد کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور جنس کے لئے بھی، عہد کے لئے ہو تو مطلب یہ ہے کہ جو سلام انبیاء ورسل پر بھیجا جا تا رہا ہے، ہم وہی سلام آپ پر بھیجتے ہیں، یا جو سلام سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ میں مذکور ہے ہم وہ سلام آپ پر بھیجتے ہیں، اور اگر جنس کے لئے ہو تو مطلب یہ ہے کہ وہ سلام جس کی حقیقت مشہور ومعروف ہے وہ سلام ہم آپ پر بھیجتے ہیں، بہر صورت اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں حاضری اور تحیات پیش کرنے کا شرف، پھر خدا کی طرف سے الطاف وعنایات، یہ سب چیزیں حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت اور آپ کے اتباع کی برکت سے حاصل ہوئی ہیں، اس لئے آپ کی ذاتِ پاک کو مخاطب کر کے سلام پیش کرو،

السلام علینا الخ خدا کے لئے تحیات اور پیغمبر علیہ السلام کے لئے سلام کے بعد اجازت دی گئی کہ اب خصوصی طور پر اپنے لئے سلام کی دعا کر لی جائے اور اپنے ساتھ تمام صالحین کو دعاؤں میں شامل کر لیا جائے، اور اس کے لیے یہ کلمات تلقین کئے گئے کہ ہم پر اور اللہ کے تمام صالح بندوں پر سلام نازل ہو۔

فانکم اذا الخ یہ جملہ معترضہ ہے، جس میں تلقین کردہ الفاظ عباد اللہ الصالحین کی جامعیت بیان کی گئی ہے کہ جب ان الفاظ میں دعا کی جائے گی، تو انبیاء وصدیقین کے ساتھ زمین وآسمان کے تمام صالحین اس کے عموم میں شامل رہیں گے، عبد صالح کے مشہور معنیٰ یہ ہیں کہ جو بندہ حقوق اللہ، اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام کرے اس لئے کہ صلاح فساد کی ضد ہے، حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے نقصان پیدا ہوتا ہے، اور اس کو پوری طرح ملحوظ رکھنا کمال ہے، یہ ایک مشکل کام ہے، پیغمبروں نے اس کو اپنی دعاؤں میں شامل کیا ہے حضرت یوسفؑ کی دعا ہے توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

اشھد ان لا إلہ الخ جملۂ معترضہ کے بعد پھر تشہد کے کلمات مذکور ہیں، جن میں اللہ کی توحید اور پیغمبر علیہ السلام کے لئے عبدیت ورسالت کی شہادت ہے، اور انہی آخری کلمات کی وجہ سے اس دعا کو تشہد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

تشہد کی تعیین میں امام بخاریؒ کا رجحان تشہد کی یہ دعا بیس سے زائد صحابۂ کرام سے منقول ہے اور ان میں الفاظ کا معمولی فرق بھی ہے، اور سب کا اتفاق ہے کہ ان میں سے ہر دعائے تشہد کا پڑھنا جائز ہے، لیکن ائمہ کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہوا ہے کہ کس تشہد کا پڑھنا اولیٰ ہے، امام شافعی کے یہاں حضرت ابن عباس کے تشہد کو ترجیح دی گئی ہے، امام مالکؒ نے حضرت عمر سے منقول تشہد کو اختیار فرمایا

ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں حضرت ابن مسعود کے تشہد کو ترجیح دی گئی ہے، امام بخاریؒ نے اس موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود کے تشہد کو نقل کر کے اپنار جحان ظاہر فرمادیا کہ وہ بھی اس کی ترجیح کے قائل ہیں۔

ابن مسعودؓ کے تشہد کی وجوہِ ترجیح اس تشہد کی ترجیح کے سلسلے میں دس سے زیادہ وجوہ بیان کی گئی ہیں علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے تفصیلی گفتگو کی ہے ان میں سے چند باتیں یہ ہیں

(۱) محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ تشہد کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت اصح حدیث فی الباب ہے، حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ بزارؒ سے سوال کیا گیا کہ تشہد کے بارے میں اصح الحدیث کونسی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے، کہ وہ بیس سے زیادہ طرق سے مروی ہے، اس روایت کو اصح قرار دینے والوں میں امام ذہلی، علی بن مدینی، امام ترمذی، ابن المنذر، ابوعلی طوسی، خطابی، بغوی، اور نووی وغیرہ کے نام مذکور ہیں، امام ترمذی نے اس کو اصح حدیث بھی کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے والعمل علیه عند اکثر اهل العلم من الصحابة و التابعین۔

(۲) صحاح ستہ کے جملہ ائمہ نے الفاظ و معنٰی کی یکسانیت کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے، "متفق علیه" روایت محدثین کے یہاں صحیح کی سب سے اعلیٰ قسم ہے، اور شیخین کے ساتھ اگر دیگر ائمہ بھی بعینہ انہی الفاظ میں روایت ذکر کریں، تو یہ بہت مضبوط اور نادر الوقوع بات ہے اور اس سے زیادہ بہتر وجہ ترجیح کیا ہوسکتی ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کرنے والے رواۃ کی تعداد بہت زیادہ ہے، مگر اس کے باوجود الفاظ کا کوئی اختلاف نہیں، جبکہ دیگر صحابۂ کرام سے نقل کرنے والوں کی تعداد بھی اتنی نہیں ہے اور ان کے یہاں الفاظ میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

(۴) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ۔ اپنے ہاتھ میں ابن مسعود کا ہاتھ پکڑ کر۔ اس کی تعلیم دی، اور ایک ایک کلمہ الگ الگ کر کے یاد کرایا، پھر اسی طرح حضرت ابن مسعود اپنے تلامذہ کو یاد کراتے رہے، اس لئے ضبط اور اتقان کے لحاظ سے اس تشہد کی بہت اہمیت ہے۔

(۵) "ثنا" کے معنی کا لحاظ کیا جائے تو اس تشہد میں الصلوات و الطیبات کو واو عاطفہ کے ذریعہ الگ کیا گیا ہے، اس طرح ہر جملہ "ثنا" کے بیان میں مستقل حکم رکھتا ہے اس لئے اس کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۶) یہ تشہد صرف فعل کی حکایت نہیں، بلکہ اس کا ثبوت بصیغۂ امر ہے، کہیں "فلیقل" کہہ کر، اور کہیں "قولوا" کہہ کر اس کو نقل کیا گیا ہے، اس لئے بھی اس کو ترجیح حاصل ہے، صرف انہی پر انحصار نہیں ترجیح کے سلسلے میں اور وجوہ بھی بیان کی گئی ہے، حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ وغیرہ نے ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

[۱۴۹] بَابُ الدُّعَاءِ قَبْلَ السَّلَامِ

(۸۳۲) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنَا عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ فِي الصَّلَاةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مَا اَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ . (آئندہ: ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹)

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ سَمِعْتُ خَلَفَ بْنَ عَامِرٍ يَقُوْلُ فِي الْمَسِيْحِ وَالْمِسِّيْحِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ وَهُمَا وَاحِدٌ اَحَدُهُمَا عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْاٰخَرُ الدَّجَّالُ .

(۸۳۳) وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَعِيْذُ فِيْ صَلَاتِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ . (گذشتہ: ۸۳۲)

(۸۳۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ اَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمْنِيْ دُعَاءً اَدْعُوْ بِهٖ فِيْ صَلَاتِيْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ، اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ . (آئندہ: ۶۳۲۶، ۷۳۸۸)

ترجمہ باب، سلام سے پہلے دعا کا بیان۔ حضرت عائشہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ۔ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (سلام سے پہلے) یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور مسیح دجال کی آزمائش سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور زندگی اور موت کی آزمائش سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، پھر کسی کہنے والے نے آپ سے کہا کہ آپ قرض سے بہت زیادہ پناہ طلب کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ انسان مقروض ہوتا ہے تو جب کوئی بات کہتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ محمد بن یوسف فریری نے (امام بخاری سے نقل کرتے ہوئے) کہا کہ میں نے خلف بن عامر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مَسِیح اور مِسِّیح میں کوئی فرق نہیں اور وہ دونوں ایک ہیں، ان میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرا دجال ہے۔ زہری سے روایت ہے کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے حدیث بیان کی

کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ اپنی نماز میں دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایسی دعا سکھا دیں جسے میں نماز میں پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا یہ پڑھا کرو **اللّٰهم انی ظلمت الخ** اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے، اس لئے اپنے فضل سے مجھے گناہوں سے مغفرت عطا فرمادے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

مقصد ترجمہ نماز میں دعا کی مشروعیت اور محل دعا کی تعیین کرنا چاہتے ہیں کہ وہ تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے، عام طور پر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے، کرمانی نے وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا کہ نماز میں جتنے ارکان ہیں شریعت میں ان سب کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے، قیام میں قراءت ہے، قومہ میں تسمیع وتحمید ہے، رکوع وسجود میں تسبیحات ہیں، بین السجدتین بھی **اللهم اغفرلی** منقول ہے جسے بعض ائمہ کے یہاں ضروری سمجھا گیا ہے، ادھر یہ کہ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا مانگتے تھے، تو ظاہر ہے کہ یہ دعا تمام ارکان اور ان میں مقررہ وظیفہ کے ادا کرنے کے بعد ہوگی، چنانچہ بخاری نے ترجمہ میں **الدعاء قبل السلام** کہہ کر اس کا محل متعین کر دیا۔

اور اس سے زیادہ بے تکلف بات یہ ہے کہ نماز میں دعا کے سلسلے میں جو روایات مطلق یعنی بلا تعیین محل آئی ہیں، امام بخاریؒ ترجمۃ الباب کے ذریعہ ان کے محل کی تعیین کرنا چاہتے ہیں کہ اس دعا کی جگہ تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے۔ حدیث کے اطلاق کو، ترجمہ کے ذریعہ مقید کرنا بھی امام بخاری کا ایک طریقہ ہے۔

تشریح حدیث اول حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے **اللهم انی اعوذ الخ** دیکھئے روایت میں نماز میں کی جانے والی دعا کا ذکر آیا، مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ اس دعا کا محل کیا ہے؟ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں بیان فرما دیا کہ اس کا محل تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے، اس محل کی تعیین بعض روایات میں صراحت کے ساتھ آئی ہے، فقہاء کے نزدیک اس موقع پر دعا مانگنا مستحب ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس دعا میں یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دعا کلام الناس میں سے نہ ہو، بلکہ یہ قرآن کریم یا ادعیہ ماثورہ میں سے ہونی چاہیئے، یہ مسئلہ اگلے باب میں آرہا ہے، روایت باب میں دعا کے کلمات یہ ہیں۔

اللهم انی اعوذبك من عذاب القبر، سب سے پہلے عذاب قبر سے تعوذ ہے، اس کے بعد مسیح دجال کے فتنہ سے، ان دونوں میں یہ ربط ہے کہ حضرت اسماءؓ کی روایت میں آیا ہے **انکم تفتنون فی قبورکم مثل او قریبا من فتنة الدجال** کہ قبر میں تمہاری آزمائش اسی طرح، یا اسی کے قریب قریب ہوگی جس طرح دنیا میں دجال کے ظہور کی آزمائش ہوگی، گویا یہ دونوں آزمائشیں حد درجہ خطرناک اور ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اللہ حفاظت

فرمائے۔ معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں، لیکن یہ روایت اور اس سلسلے میں آنے والی دسیوں روایات کا تواتر ان کی تردید کے لئے کافی ہے۔

من فتنة المسيح الدجال، یہاں مسیح کے ساتھ دجال صفت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، تاکہ مسیحؑ بن مریم سے امتیاز ہوجائے، مسیح دجال کا فتنہ حضرت آدم سے قیامت تک پیش آنے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہوگا، دجال خدائی کا دعویٰ کرے گا، اور اللہ تعالیٰ استدراج کے طور پر اس کو بڑے بڑے خوارق عطا فرمائے گا، جنت اور جہنم جیسی چیزیں اس کے ساتھ ہوں گی وہ آسمان کو بارش کا حکم دے گا تو آسمان بارش برسائے گا، زمین کو پیداوار کا یا خزانوں کو باہر نکالنے کا حکم دے گا تو زمین اس کے حکم کی تعمیل کرے گی، وہ ایک انسان کو آرے سے دو ٹکڑے کرادے گا پھر اس کو زندہ ہونے کا حکم دے گا تو وہ زندہ ہوجائے گا، وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے علاوہ بہت کم وقت میں ساری دنیا میں گھوم جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ ہے کہ اس فتنہ میں مسلمانوں کی سب سے بڑی آزمائش ہوگی مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دعویٰ الوہیت کے دجل وفریب سے بچنے کے لئے ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو بالکل بدیہی ہیں مثلاً یہ کہ آپ نے فرمایا کہ دجال اعور یعنی یک چشم ہوگا وان ربكم ليس باعور اور اللہ تعالیٰ اس عیب سے کیا ہر عیب سے پاک ہے، یا مثلاً یہ کہ آپ نے فرمایا ان احدا منكم لن يرى ربه حتى يموت کہ اس دنیا میں کسی انسان کو پروردگار کی رؤیت ہو ہی نہیں سکتی، گویا آپ نے فرمایا کہ اس دنیا میں کسی کا نظر آنا، دعویٰ الوہیت میں دجل کی کھلی علامت ہے، لیکن دجال کے استدراجی کرشموں کے سامنے ان باتوں پر غور کرنا صرف خدا کے باتوفیق بندوں کے لئے ممکن ہوگا، اس لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس فتنے سے بچنے کے لئے نماز میں خدا کی پناہ طلب فرماتے تھے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا ظہور نہیں ہونا تھا اس لئے یہ کہا جائے گا کہ آپ امت کو تعلیم دینے کے لئے تعوذ فرماتے تھے تاکہ فتنہ دجال سے مسلمان پوری طرح باخبر رہیں اور یہ کہ جب نسلاً بعد نسلٍ ان دعاؤں کا اہتمام کیا جائے گا تو ہر دور کے مسلمان اس سے واقف رہیں گے اور جب اس کے ظہور کا وقت آئے گا تو مسلمان اس کو پہچان لیں گے، یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ آپ کے تعوذ کا مطلب اپنی امت کے لئے پناہ طلب کرنا ہے، اور اعوذ بك الخ کے معنی اعوذ بك لامتى الخ ہیں، یعنی اے اللہ! میں مسیح دجال کے فتنے سے اپنی امت کے لئے پناہ طلب کرتا ہوں۔

اعوذبك من فتنة المحيا الخ، میں زندگی اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، فتنة المحيا سے مراد زندگی میں پیش آنے والی تمام آزمائشیں ہوسکتی ہیں مثلاً یہ کہ دنیا میں مبتلا ہوکر آخرت سے غافل ہوجائے، خواہشات کے تابع ہوجائے، گناہوں میں مشغول ہوجائے، راہِ ہدایت سے ہٹ جائے وغیرہ اور بعض علماء سے منقول ہے کہ صبر ورضا حاصل نہ ہو تو ہر مصیبت فتنہ ہے اور فتنة الممات سے مراد ہیں موت کے بعد کے احوال،

جن میں منکر نکیر کی آزمائش، عذابِ قبر اور قبر کے ہولناک وخطرناک حالات سب ہی شامل ہیں۔ **فتنة الممات** سے مراد موت کے وقت پیش آنے والی آزمائش بھی ہوسکتی ہے، جس میں۔ خدا محفوظ رکھے۔ سوءِ خاتمہ کا اندیشہ بھی رہتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ زندگی کے آخر میں پیش آتا ہے اس لئے یہ درحقیقت **فتنة المحيا** کا مصداق ہے، البتہ موت کے قرب کی وجہ سے مجازاً اس کو **فتنة الممات** کا مصداق بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

واعوذبك من المأثم والمغرم، **مأثم** سے مراد ہے گناہ اور **مغرم** سے مراد ہے قرض، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ سے استعاذہ، جبکہ آپ معصوم ہیں، امت کی تعلیم کے لئے ہے، رہا قرض سے استعاذہ تو اس سے مراد ہر طرح کا قرض بھی ہوسکتا ہے، کہ کوئی قرض احتیاج اور ذلت سے خالی نہیں ہوتا لیکن عام طور پر وہ قرض مراد لیا گیا ہے جو ناجائز ضرورت کے لئے لیا جائے یا ضرورت جائز سہی لیکن اس کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو اور اس کی وجہ روایت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی پوچھنے والے نے۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والی خود حضرت عائشہ ہیں۔ پوچھا کہ قرض سے اس درجہ پناہ مانگنے کی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا کہ اس کے بڑے نقصانات ہیں، مقروض، ادائیگی کے سلسلے میں کوئی بات کہتا ہے یا تاخیر کی صورت میں عذر پیش کرتا ہے تو اس میں بھی جھوٹا ہوجاتا ہے، یا ادائیگی کا کوئی وقت مقرر کر کے وعدہ کرتا ہے تو وعدہ پورا نہیں کرپاتا، اور کذب بیانی اور وعدہ خلافی منافقین کی نشانیاں ہیں، نہ قرض کی ضرورت پیش آتی نہ منافقین کی خصلتوں میں مبتلا ہونے کی نوبت آتی، اس لئے قرض سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی۔

قال محمد بن يوسف الخ محمد بن یوسف فربری، امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں، اور صحیح بخاری کے راویوں میں ہیں، امام بخاریؒ ان سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے خلفؒ بن عامر ہمدانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مَسِیح (بفتح المیم وتخفیف السین) اور مِسِّیح (بکسر المیم وتشدید السین) میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی یہ کہ لفظ مَسِیح کا مصداق حضرت عیسیٰ ہوں اور مِسِّیح کا مصداق دجال ہو، ایسا نہیں ہے بعض حضرات نے یہ فرق کیا ہے، ابوداؤد نے اسی کو نقل کیا ہے، لیکن خلف بن عامر۔ جو حفاظِ حدیث میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ لقب دونوں کے لئے کسی فرق کے بغیر استعمال کیا جاتا ہے بخاری نے تو صرف اتنا ہی نقل کیا لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ امتیاز پیدا کرنے کے لئے جب اس لفظ کو دجال کے لئے بولتے ہیں تو صفت کا اضافہ کر کے **مسيح دجال** بولتے ہیں۔

مَسِیحْ، فَعِیلٌ کے وزن پر صیغۂ صفت ہے، اور یہ لفظ مسیح بن مریم اور مسیح دجال دونوں کا لقب ہے، لیکن اس لقب سے یاد کرنے کی وجہیں الگ الگ ہیں، حضرت عیسیٰ کو اس لقب سے یاد کرنے کی مشہور وجہ جسے ابن عباسؓ نے بیان کیا یہ ہے کہ وہ جس بیمار پر ہاتھ پھیر دیتے تھے وہ صحت مند ہوجاتا تھا، گویا **مسيح** بمعنی **ماسح** ہوا، وجہ تسمیہ میں اور بھی دسیوں اقوال ہیں، جنھیں مجد الدین شیرازی نے شرح مشارق میں ذکر کیا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ **مسيح**، **ماشيح** کا معرب ہے، اور ماشیح عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں مبارک، گویا یہ **جعلني مبارکا** کا عبرانی ترجمہ ہوا اور دجال پر اس لفظ کے اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ وہ **ممسوح العين** ہوگا، اس صورت میں **مسيح** بمعنی **ممسوح**

ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ مسیح، مسح فی الارض سے ماخوذ ہے، چونکہ حضرت عیسیٰ بھی پوری سرزمین میں گھوم جائیں گے، اور دجال بھی مکہ اور مدینہ کے علاوہ ساری زمین کی سیاحت کرے گا، اس لئے دونوں پر لفظ مسیح، بمعنی ماسح بولا جاتا ہے، لیکن دجال کی زمین کی سیاحت، انسانوں کے لئے باعثِ فتنہ ہوگی، اور حضرت عیسیٰ کی سیاحت باعث خیر و برکت اور موجب رحمت ہوگی۔

تشریح حدیث دوم دوسری روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نماز میں پڑھنے کے لئے کوئی دعا تعلیم فرمانے کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع دعا بتادی، اس روایت میں بھی دعا کے محل کی تعیین نہیں ہے لیکن بخاری نے ترجمہ کے ذریعہ محل بتادیا، کہ یہ تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے، دعا کے کلمات یہ ہیں،

اللّٰھم انی ظلمت الخ اے اللہ! میں نے اپنی جان پر گناہوں میں مبتلا ہو کر بہت ظلم کیا ہے، معلوم ہوا کہ انسان، خواہ صدیقیت کے درجہ پر فائز ہو مگر اس کے اعمال کا تقصیر سے خالی ہونا ضروری نہیں۔

ولا یغفر الذنوب الخ ظلمت اور **فاغفرلی** کے درمیان جملۂ معترضہ ہے، جس میں توحید کے اقرار کے ساتھ، اپنے لئے حصولِ مغفرت کی قوی امید کا اظہار ہے کہ گناہوں کی مغفرت اے پروردگار! صرف تیرا کام ہے اور میں صرف تیری ذات سے امید وابستہ کئے ہوں۔

فاغفرلی مغفرة من عندك الخ یعنی ہم جس مغفرت کی دعا کر رہے ہیں وہ ہمارے کسی عمل کا تقاضا نہیں، بلکہ یہ تو محض آپ کے فضل و کرم اور لطف و احسان کی بات ہے، اگر ہمارا کوئی عمل خیر بھی ہے تو وہ بھی آپ ہی کی توفیق سے ہے، اس لئے مغفرت کی دعا، اپنی کسی اہلیت کی بنیاد پر نہیں، محض آپ کے فضل و کرم پر نظر کرنے کی وجہ سے ہے، اور جو عطا آپ کے فضل و کرم کے تقاضے میں نصیب ہوگی ظاہر ہے کہ وہ آپ کے شایانِ شان اور زیادہ سے زیادہ ہوگی۔

انك انت الغفور الرَّحیم ، بے شک تو مغفرت کرنے والا، اور رحم فرمانے والا ہے دعا میں دو کلمات تھے پہلے اغفر پھر ارحم، ان دونوں کے مطابق آخر میں خدا کی دو صفات ذکر کیں، گویا ترتیب کے ساتھ دعا کے مطابق صفاتِ خداوندی لا کر دعا کی قبولیت کی امید کی طرف اشارہ کردیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ ایک جامع دعا ہے جس میں پہلے اپنی تقصیرات کا اعتراف ہے، پھر توحید کا اقرار ہے پھر مغفرت کی دعا ہے کہ اے خدا! جہنم سے نجات عطا فرما، پھر رحمت کی دعا ہے کہ اے پروردگار! جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرما۔　　واللہ اعلم

[۱۵۰] بَابُ مَا يُتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ

(۸۳۵) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِيْ شَقِيْقٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا اِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ عِبَادِهٖ، اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، فَاِنَّكُمْ اِذَا قُلْتُمْ ذٰلِكَ اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ فِي السَّمَآءِ اَوْ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهٗ اِلَيْهِ فَيَدْعُوْ. (گذشتہ:۸۳۱)

ترجمہ باب، اس دعا کا بیان جس کا تشہد کے بعد انتخاب کیا جاتا ہے اور وہ واجب نہیں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام اور فلاں اور فلاں پر سلام، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں مت کہا کرو کہ اللہ پر سلام اس لئے کہ اللہ تو خود سلام (یعنی سب کو سلامت رکھنے والا) ہے، لیکن یوں کہا کرو کہ تمام قولی عبادتیں، تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں صرف اللہ کے لئے ہیں، اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں، اور ہم پر سلام ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو، اس لئے کہ جب تم یہ کہو گے تو یہ سلام آسمان میں، یا زمین آسمان کے درمیان پائے جانے والے ہر بندے تک پہنچ جائے گا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر یہ کہ نمازی دعاؤں میں سے اس دعا کو منتخب کرلے جو اس کو سب سے زیادہ پسند ہو، پھر وہ دعا مانگے۔

مقصد ترجمہ مقصد واضح ہے کہ تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دعائیں مطلوب ہیں مگر نہ دعا کا عمل واجب ہے اور نہ اس کے لئے کسی خاص دعا کی تعیین ضروری ہے، نمازی کو اختیار ہے کہ دعا کرے یا نہ کرے اور دعا کرے تو ادعیۂ ماثورہ میں سے جس دعا کو اپنی حالت کے مناسب سمجھے اختیار کرلے، امام بخاری نے دعا کے واجب نہ ہونے کی صراحت اس لئے کی کہ روایت میں لیختر من الدعاء آیا ہے اور یہ امر کا صیغہ ہے جس کا تقاضا وجوب ہے، اس سے یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شاید دعا ضروری ہو، بخاری نے لیس بواجب کہہ کر بتادیا کہ یہاں صیغۂ امر وجوب پر نہیں استحباب پر محمول ہے۔

نماز میں کی جانے والی دعا کیسی ہو؟ اس مستحب دعا میں حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں یہ شرط ہے کہ وہ الفاظ قرآن سے مشابہ ہو یا ادعیہ ماثورہ میں سے ہو، انسانوں کی اپنی تالیف نہ ہو، جبکہ شوافع اور مالکیہ کے یہاں ہر طرح کی گنجائش ہے، ان حضرات کا استدلال اسی روایت باب سے ہے جس میں ثم لیتخیر من الدعاء اعجبه الیه آیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اپنی پسند کی ہر دعا کی جاسکتی ہے ادعیۂ ماثورہ میں سے ہو یا انسان کی اپنی تالیف ہو، لیکن ہم کہتے ہیں کہ لیتخیر میں بھی دعائے ماثورہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ تخیر کے معنی پسند کرنے اور منتخب کرنے کے ہیں، دیکھئے اہلِ جنت کو عطا کی جانے والی نعمتوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے سورۂ واقعہ میں ہے وفاکهة مما یتخیرون اہلِ جنت کو جنت میں وہ میوے ملیں گے جنہیں وہ پسند اور منتخب کرلیں، یعنی انہیں طرح طرح کے میوے بہ کثرت دیئے جائیں گے اور اہل جنت اپنی پسند کے مطابق ان میں سے انتخاب کرلیں گے، بالکل اسی طرح شریعت نے قرآن کریم کے الفاظ اور مرفوع وغیر مرفوع آثار میں ہر طرح کی اور ہر ضرورت کی دعائیں تلقین کردی ہیں، نمازی کو چاہیئے کہ مناسب حال دعاؤں کا انتخاب کرلے۔ تخیر کے یہ معنی اس لئے راجح ہیں کہ حضرت معاویہ بن حکم کی روایت میں۔ جو مسلم، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ نمازوں میں انسان کے تالیف کردہ کلام کی بالکل اجازت نہیں، فرمایا گیا ان صلاتنا هذه لا یصلح فیها شئ من كلام الناس، یعنی نماز میں کلام الناس کے کسی بھی حصہ کو شامل کرنا درست نہیں ہے جن لوگوں نے ہر طرح کے کلام کی اجازت دی ہے علامہ عینیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے مسلم کی روایت کو بالکل ترک کردیا ہے جبکہ ہمارے مسلک میں دونوں روایتوں کو جمع کرکے تطبیق کی صورت اختیار کی گئی ہے۔

نماز میں درود شریف یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ امام بخاریؒ نے تشہد کے بعد دعا کا مسئلہ رکھ دیا، تشہد اور دعا کے درمیان جو الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ ہے اس کے لئے کتاب الصلاة میں کوئی باب منعقد نہیں کیا حالانکہ امام شافعیؒ نے تو اس کو فرض قرار دیا ہے اور سنتِ موکدہ تو سب کے یہاں ہے، یہ عذر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ بخاری کے پاس اپنی شرط کے مطابق روایت نہیں ہے، جلد ثانی میں ابواب الدعوات میں باب الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے گا اور اس کے تحت حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت ابوسعید خدری کی روایتیں آئیں گی، یہ روایات صحیح بخاری میں دیگر مقامات پر بھی مذکور ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ امام بخاری نے یہاں یہ مسئلہ کیوں نہیں دیا؟ شارحین نے عام طور پر سکوت اختیار کیا ہے، حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ مجھے اس بات پر حیرت ہے اور کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔

بس ان کے طرزِ عمل سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اس کو ضروری نہیں سمجھتے، ان کا طرز یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کو صراحت کے ساتھ ترجمۃ الباب میں نہیں لیا، بلکہ صلوٰۃ کو دعا کے عموم میں شامل کردیا اور اس کو لیس بواجب

کہہ دیا، دعا کے عموم میں صلوٰۃ کو شامل کرنے کی بات یوں واضح ہے کہ انہوں نے کتاب الدعوات میں باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کیا ہے، البتہ اگر امام بخاریؒ اس باب کے تحت کعب بن عجرہ والی روایت بھی ذکر کر دیتے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی، مگر دقیق اشارات میں اپنے مدعا کو بیان کرنا امام بخاریؒ کے یہاں عام بات ہے۔ واللہ اعلم

[۱۵۱] بَابُ مَنْ لَمْ يَمْسَحْ جَبْهَتَه، وَانْفَه، حَتّٰى صَلّٰى

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ رَاَيْتُ الْحُمَيْدِيَّ يَحْتَجُّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْ لَا تُمْسَحُ الْجَبْهَةُ فِي الصَّلٰوةِ

(۸۳۶) حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهٖ. (گذشتہ:۶۶۹)

ترجمہ باب، ان لوگوں کی دلیل کا بیان جو نماز میں پیشانی اور ناک کو صاف نہیں کرتے یہاں تک کہ نماز پڑھ لیں، ابوعبداللہ بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے حمیدی کو دیکھا کہ وہ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے تھے کہ نماز میں پیشانی کو صاف نہ کیا جائے۔ حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوسعید خدری سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے حتی کہ میں نے آپ کی پیشانی پر مٹی کا اثر دیکھا۔

مقصد ترجمہ پہلے اسی روایت پر ایک ترجمہ منعقد کر کے یہ مسئلہ بیان کر چکے ہیں کہ سجدے کی حالت میں پیشانی اور ناک کا زمین پر رکھنا ضروری ہے، اب دوسرا مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ سجدے میں پیشانی کو زمین پر رکھا اور اس پر مٹی لگ گئی تو نماز کے دوران اس کو صاف کیا جائے یا باقی رکھا جائے؟ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں صاف نہ کرنے کی رائے رکھنے والوں کا استدلال پیش کر دیا، اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی اور مسئلہ ایسا ہے کہ حالات کے اختلاف سے حکم بدل جائے گا، مثلاً اگر پیشانی پر اتنی مٹی لگ گئی ہو کہ سجدے میں تکلف پیدا ہو جائے یعنی پیشانی کا زمین پر رکھنا مشکل ہو جائے تو صحت سجدہ کے لئے صاف کرنا نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ بسا اوقات ضروری ہو جائے گا، اور اگر مٹی اتنی زیادہ نہیں ہے تو یہ عبادت میں تذلل کی نشانی ہے اس لئے صاف کرنا اچھی علامت نہیں اس سے کبر کی بو آتی ہے، اور اگر خواہ مخواہ صاف کر رہا ہے تو یہ فعل عبث ہے اور نماز میں ایسا کرنا قابل اعتراض ہے۔ البتہ اگر صاف کرنے کی بنیاد کبر نہیں بلکہ طبیعت ہی ایسی پائی ہے کہ وہ اس طرح کی چیزوں سے بے چین ہو جاتی ہے اور سکون واطمینان جو نماز میں مطلوب ہے باقی نہیں رہتا تو ایسی صورت میں شرعاً صاف کرنے کی اجازت ہے انہی اختلاف احوال کی وجہ سے بخاری

نے ترجمہ میں ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً اس سلسلے میں تنگی نہیں ہے ہاں یہ بات ہے کہ اگر مٹی سجدے میں حارج نہ ہو اور طبیعت اس طرح کی چیزوں سے بے چین نہ ہوتی ہو تو صاف نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

پھر امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حمیدی - جو امام شافعی کے شاگرد اور امام بخاریؒ کے استاد ہیں - نے اس روایت سے نماز کی حالت میں پیشانی صاف نہ کرنے پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ کہ امام بخاریؒ اس رائے سے متفق ہیں یا نہیں، تو اس میں دونوں باتوں کا احتمال ہے۔

اسی طرح روایت سے بھی پیشانی صاف نہ کرنے پر استدلال مضبوط نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ نے پیشانی کو صاف کیا ہو لیکن مٹی کا کچھ اثر پھر بھی باقی رہ گیا ہو، اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے رویائے صادقہ کی تصدیق کے لئے صاف نہ کیا ہو، ہوسکتا ہے کہ آپ کو نماز میں استغراق کی وجہ سے مٹی لگنے کا احساس ہی نہ ہوا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ روایت گذر چکی ہے۔

[۱۵۲] بَابُ التَّسْلِيْمِ

(۸۳۷) حَدَّثَنَا مُوْسیٰ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِيْنَ يَقْضِیْ تَسْلِيْمَهٗ وَمَكَثَ يَسِيْرًا قَبْلَ اَنْ يَقُوْمَ، قَالَ اِبْنُ شِهَابٍ فَاُرٰی - وَاللّٰهُ اَعْلَمُ - اَنَّ مَكْثَهٗ لِكَیْ تَنْفُذَ النِّسَآءُ قَبْلَ اَنْ يُدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ. (آئندہ: ۸۴۹، ۸۵۰)

ترجمہ باب، سلام پھیرنے کا بیان، حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو آپ کے سلام کو ختم کرتے وقت ہی عورتیں کھڑی ہو جاتیں اور آپ اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر یونہی بیٹھے رہتے تھے ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں واللہ اعلم کہ آپ کا ٹھہرنا اس لئے ہوتا تھا کہ عورتیں اس سے پہلے نکل جائیں کہ قوم کے نماز پڑھ کر لوٹنے والے مردان کو پاسکیں۔

مقصد ترجمہ تشہد اخیر اور دعا کے بعد سب سے آخر میں ہے "سلام" کا مسئلہ، کہ نماز سے خروج سلام کے ذریعہ ہوتا تھا، امام بخاری نے یہاں اس کا حکم بیان نہیں کیا کہ سلام واجب ہے یا سنت؟ عنوان میں صرف التسلیم ہے اور حدیث باب میں صرف یہ کہ نماز کے آخر میں آپ کے سلام پھیرتے ہی عورتیں اٹھ جایا کرتی تھیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاری یہاں صرف یہ کہہ کر گذر گئے کہ عہد رسالت کا معمول نماز میں داخل ہونے کے لئے التکبیر، اور نماز سے خروج کے لئے التسلیم تھا، رہا یہ کہ یہ سلام واجب ہے یا سنت یا پہلا واجب ہے اور دوسرا

سنت، تو ہمیں اس سے بحث نہیں، یہ فقہاء کے مدارک اجتہاد کی بات ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے یہاں پہلے تو یہ فرمایا کہ امام بخاری نے دلائل کے تعارض کی بنیاد پر سلام کا حکم بیان نہیں کیا، پھر فرمایا کہ وجوب کا حکم حدیثِ باب سے مواظبت کی بنیاد پر نکالا جاسکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ جب امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں کوئی اشارہ نہیں دیا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ سلام کا حکم بیان کرنا نہیں چاہتے۔

سلام کی تعداد اور حکم ''سلام'' کے بارے میں پہلا اختلاف یہ ہے کہ جمہور امام و مقتدی سب کے لئے دو سلام کے قائل ہیں اور امام مالکؒ کے یہاں امام کے لئے ایک ہی سلام ہے، دو سلام کے ثبوت کے لئے روایات بہ کثرت اور صحیح موجود ہیں، اور ایک سلام کی روایات بھی ہیں مگر دو سلام کی روایات سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں، دوسرا اختلاف ''سلام'' کے حکم میں ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ سلام واجب بمعنی فرض ہے اور نمازی سلام کے بغیر نماز سے باہر آتا ہے تو اس کی نماز باطل ہے، ان حضرات کی دلیل تحلیھا التسلیم وغیرہ ہیں، حنفیہ کے یہاں سلام فرض نہیں بلکہ ان کی اصطلاح کے مطابق واجب ہے یا فتح القدیر وغیرہ میں یہ ہے کہ پہلا سلام واجب اور دوسرا سنت ہے، ان حضرات کی ایک دلیل تو مسیء فی الصلاۃ کی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا ذکر نہیں فرمایا، اگر سلام فرض ہوتا تو اس کا ضرور ذکر کیا جاتا، کیونکہ مقامِ ضرورت میں بیان میں تاخیر کرنا درست نہیں، دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تشہد والی روایت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد تمت صلوتك، اس میں سلام سے پہلے ہی نماز کی تمامیت بیان کی گئی ہے، تیسری دلیل یہ کہ حضرت علیؓ وغیرہ سے روایت ہے اذا جلس قدر التشهد ثم احدث فقد تمت صلوته، مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد نماز کی تمامیت کا حکم دیا گیا ہے، ان آخری دو روایتوں پر گفتگو بھی کی گئی ہے اور اس کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور اتنی بات بالکل صاف ہے کہ فرضیت کے ثبوت کے لئے جس قطعیت کی ضرورت ہے وہ ان روایات کے ہوتے ہوئے حاصل نہیں، ثبوتِ فرضیت میں شبہ پیدا ہونے کی وجہ سے حنفیہ نے وجوب کا قول کیا ہے اور شاید دلائل کی قوت کی بنیاد پر امام بخاری بھی یہاں، حکم بیان کئے بغیر صرف باب التسلیم کہہ کر گذر گئے ہیں، روایت چند ابواب کے بعد آئے گی اور وہیں کچھ عرض کیا جائے گا۔

[۱۵۳] بَابٌ يُسَلِّمُ حِيْنَ يُسَلِّمُ الْإِمَامُ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَحِبُّ إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ أَنْ يُسَلِّمَ مَنْ خَلْفَهٗ

(۸۳۸) حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُوْدٍ هُوَ ابْنُ الرَّبِيْعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَسَلَّمْنَا حِیْنَ سَلَّمَ. (گذشتہ: ۴۲۴)

ترجمہ باب، امام کے سلام پھیرتے وقت سلام پھیرنے کا بیان، اور حضرت ابن عمر اس بات کو مستحب جانتے تھے کہ جب امام سلام پھیرے تو اس کے پیچھے اقتدا کرنے والے بھی سلام پھیر دیں، حضرت عتبان بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو جب آپ سلام پھیرتے تو اس وقت ہم بھی سلام پھیر دیتے۔

مقصد ترجمہ ترجمہ کا مقصد ہے کہ امام کے سلام کے ساتھ ساتھ مقتدی کا سلام ہونا چاہیئے، ترجمہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کی نظر میں تعقیب پر مقارنت کو ترجیح ہے، اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کا اثر پیش کیا ہے کہ ابن عمر اس بات کو پسند کرتے تھے کہ جب امام سلام پھیرے تو مقتدیوں کو بھی سلام پھیر دینا چاہیئے، ان الفاظ میں مقارنت کے ساتھ تعقیب کی بھی گنجائش ہے، لیکن تعقیب مراد لیں تب بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعقیب ذاتی بھی ہو سکتی ہے اور زمانی بھی، امام کا سلام سبب ہے اور مقتدیوں کا مسبب، اس لئے تعقیب ذاتی کے ساتھ مقارنت زمانی ممکن ہے، امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ مقارنت اولی ہے، جبکہ شوافع کا مذہب تعقیب ہے کہ امام کے پہلا سلام پھیر دینے کے بعد مقتدیوں کو سلام پھیرنا چاہیئے، امام صاحبؒ سے یہ بھی ایک روایت ہے، اور یہ صاحبین کا قول ہے، مگر مختار نہیں۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی تشہد والی روایت میں **إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلوتك یا إن شئت أن تقوم فقم** آیا ہے اور اس سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ تشہد سے فراغت کے بعد نماز سے خروج کے لئے امام کے انتظار کی ضرورت نہیں، اس شبہ کو ختم کرنے کے لئے بخاری نے ترجمہ منعقد کر دیا کہ سلام میں بھی مقتدی کو امام کا اتباع ضروری ہے اور جس طرح مقتدی جلسۂ اخیرہ میں درود و دعا وغیرہ سے فراغت کے باوجود سلام میں امام کا منتظر رہتا ہے، اسی طرح اگر امام نے سلام پھیر دیا اور مقتدی ابھی دعا میں مشغول تھا تو یہ درست نہیں کہ وہ دعاؤں کو پورا کرنے میں مشغول رہے بلکہ اسے امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہیئے۔

تشریح حدیث یہاں یہ روایت بہت مختصر ہے، مفصل روایت گذر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی، یہاں بخاری کا مقصد سلمنا حین سلم سے متعلق ہے کہ جس وقت آپ نے سلام پھیرا ہم نے بھی پھیر دیا، ان الفاظ میں اگر چہ تعقیب کی بھی گنجائش ہے مگر الفاظ کا تبادر امام بخاری کے موافق ہے اور بخاری اپنے موقف پر استدلال کے لئے تبادر سے بھی کام لے لیتے ہیں۔ واللہ اعلم

[۱۵۴] بَابُ مَنْ لَمْ يَرُدَّ السَّلَامَ عَلَى الْإِمَامِ وَاكْتَفَى بِتَسْلِيمِ الصَّلٰوةِ

(۸۳۹) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ وَزَعَمَ اَنَّهٗ عَقَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ فِيْ دَارِهِمْ. (گذشتہ:۷۷)

(۸۴۰) قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيَّ ثُمَّ اَحَدَ بَنِيْ سَالِمٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ بَنِيْ سَالِمٍ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّيْ اَنْكَرْتُ بَصَرِيْ، وَاِنَّ السُّيُوْلَ تَحُوْلُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَسْجِدِ قَوْمِيْ فَلَوَدِدْتُّ اَنَّكَ جِئْتَ فَصَلَّيْتَ فِيْ بَيْتِيْ مَكَانًا اَتَّخِذُهٗ مَسْجِدًا فَقَالَ اَفْعَلُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَغَدَا عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ مَعَهٗ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ فَاسْتَاْذَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنْتُ لَهٗ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتّٰى قَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ فَاَشَارَ اِلَيْهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِيْ اَحَبَّ اَنْ يُصَلِّيَ فِيْهِ فَقَامَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِيْنَ سَلَّمَ. (گذشتہ:۴۲۴)

ترجمہ باب، جس نے امام کے سلام کا مستقل جواب نہ دیا اور صرف نماز کے سلام کو کافی سمجھا۔ امام زہریؒ سے روایت ہے کہ مجھ سے محمود ابن ربیع نے حدیث بیان کی، اور محمود بن ربیع وثوق سے کہتے تھے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب یاد ہیں اور انہیں وہ کلی بھی یاد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر کے ڈول (کے پانی) سے ان کے منہ پر ڈال دی تھی۔ محمودؒ بن ربیع نے کہا کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری سے۔ جو قبیلۂ بنو سالم کے ایک فرد تھے۔ سنا، انہوں نے فرمایا کہ میں اپنی قوم یعنی بنو سالم کو نماز پڑھایا کرتا تھا، تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اپنی نظر میں کمزوری محسوس کرتا ہوں اور پانی کے نالے میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں، میری خواہش ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر کسی جگہ پر نماز پڑھ دیں تا کہ میں اس جگہ کو مسجد بنالوں۔ آپ نے فرمایا ان شاء اللہ میں یہ کام کروں گا، پھر یہ کہ آپ، اور آپ کے ساتھ ابو بکر، دوسرے روز، دن چڑھنے کے بعد میرے یہاں تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، میں نے اجازت دے دی، تو آپ آنے کے بعد بیٹھے بھی نہیں حتی کہ یہ فرمایا کہ آپ اپنے گھر میں کس جگہ مجھ سے نماز پڑھوانا چاہتے ہیں، حضرت عتبان نے اس جگہ کی طرف اشارہ کر دیا جہاں وہ نماز پڑھوانا چاہتے تھے، چنانچہ آپ کھڑے ہو گئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی پھر آپ نے سلام پھیرا اور جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیرا۔

مقصد ترجمہ ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ نماز کے اندر صرف دو سلام ہیں، ایک داہنی طرف، دوسرا بائیں طرف، کیونکہ پچھلے باب میں مقتدی کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ سلام میں امام کے ساتھ رہے اور امام کے دو ہی سلام ہیں تو مقتدی کے بھی دو ہی رہیں گے، اس طرح بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام کے لئے مستقل سلام نہیں رکھا گیا، جمہور کا مسلک یہی ہے۔

اس ترجمہ میں غالباً مالکیہ پر تعریض ہے کیونکہ ان کے یہاں جو مقتدی امام کے بالکل پیچھے ہو اس کے لئے دونوں سلام کے درمیان ایک تیسرا سلام بھی ہے جو خاص امام کی نیت سے کہا جائے گا، بخاری نے بتایا کہ یہ تیسرا سلام مانتے ہیں تو امام کی موافقت باقی نہ رہے گی بلکہ مقتدی امام سے بڑھ جائے گا کہ امام کے دو ہی سلام ہوں گے اور مقتدی کے تین ہو جائیں گے، جبکہ روایت میں سلمنا حین سلم کے علاوہ کوئی سلام مذکور نہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد حضرت گنگوہیؒ نے ایک اور بات ارشاد فرمائی کہ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر مقتدی سلام کرتے وقت، محض نماز سے خروج کی نیت کرے، امام کو نیت میں شامل نہ کرے تو نماز صحیح ہو جائے گی، اور جب امام ہی کو شامل نہیں کیا تو دوسرے مقتدیوں اور فرشتوں وغیرہ کو تو کیا شامل کرے گا؟ مقصد یہ ہوا کہ السلام علیکم الخ تو کہہ رہا ہے مگر وہ اس بات سے خالی الذہن ہے کہ وہ کس کو سلام کہہ رہا ہے، نیت میں خروج من الصلاۃ کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے تو بخاری کہتے ہیں کہ صحتِ صلوۃ کے لئے یہ بھی کافی ہے۔

سلام میں نیت کا مسئلہ ''سلام'' کی مشروعیت نماز سے خروج کے لئے ہے، فرمایا گیا تحلیلها التسلیم، لیکن سلام ایک دعا بھی ہے، حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت میں ہے امرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نرد علی الامام وان نتحاب وان یسلم بعضنا علی بعض (ابوداؤد) ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم سلام میں امام کے جواب کی نیت کریں اور ایک دوسرے سے محبت کریں اور ایک دوسرے کو سلام کی نیت کریں، یعنی نماز کے آخر میں جو سلام ہوتا ہے اس کا اصل مقصد تو نماز سے خروج ہے، کسی کو مخاطب کر کے سلام کرنا اس کا اصل مقصد نہیں ہے، لیکن یہ دعائیہ کلمہ ہے اس لئے حدیث میں فرمایا گیا کہ مقتدی اور امام کو ایک دوسرے پر سلام کی نیت کرنی چاہیئے، نیت کرنے سے یہ نماز سے خروج کے ذریعہ کے ساتھ دعا بھی بن جائے گا، چنانچہ فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ امام و مقتدی کو دائیں طرف اور بائیں طرف سلام کرتے وقت، اس طرف کے تمام نمازیوں کی، فرشتوں کی اور جنات وغیرہ کی نیت کرنی چاہیئے، اور مقتدی کے لئے یہ اور زائد ہے کہ امام جس طرف ہو اس طرف سلام کرتے وقت امام کو بھی نیت میں شامل کرلے۔

امام بخاری نے ترجمہ منعقد کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ مقتدی اور امام کا سلام میں ایک دوسرے کی نیت کرنا ضروری نہیں، یہ سنت یا مستحب کے درجہ کی بات ہے، اگر ان میں سے کوئی کسی کو نیت میں شامل نہیں کرتا اور محض

تحلیلها التسلیم کی حقیقت پر مشتمل سلام کرتا ہے تو یہ بھی نماز کی صحت کے لئے کافی ہے۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاری نے دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت محمود بن ربیع سے ہے، اور یہ روایت کتاب العلم میں متی یصح سماع الصغیر کے تحت گذر چکی ہے اور یہاں دوسری روایت کی تمہید کے طور پر ذکر میں آ گئی ہے اور دوسری روایت بھی جسے محمود بن الربیع، حضرت عتبان بن مالک سے نقل کر رہے ہیں باب المساجد فی البیوت کے تحت اس سے زیادہ مفصل طور پر گذر چکی ہے۔

یہاں امام بخاری کا مقصد بالکل آخری جز سلمنا حین سلم سے متعلق ہے، ہمارے بیان کردہ مقصد کے مطابق استدلال اس طرح ہوگا کہ روایت کا حاصل یہ ہے کہ ہمارا سلام آپ کے ساتھ ہوا تو جب آپ کے دو سلام تھے تو ہمارے تین سلام کیسے ہو سکتے تھے؟ کیونکہ اگر ایک تیسرا سلام تلقاء امام مانا جائے تو امام نے تو یہ سلام کہا نہیں پھر ہم مقتدی کیوں کہتے؟ بلکہ مقصد پر استدلال کا بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ حضرت عتبان کی روایت میں جو باتیں نقل کی گئی ہیں وہ سب متعارف اور مشہور ہیں کہ نماز سے خروج کے لئے سلام بھی مشہور بات ہے اور مقتدی کا امام کے ساتھ ساتھ رہنا بھی متعارف چیز ہے، البتہ اگر امام کا جواب دینے کے لئے مقتدی پر تیسرا سلام ہوتا تو وہ ایک اہم اور نئی بات تھی اور اس کو نقل میں لیا جانا ضروری تھا، ایسی اہم بات کے ذکر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات پیش ہی نہیں آئی۔

اور حضرت گنگوہیؒ کے بیان کردہ مقصد کے لئے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ سلمنا حین سلم میں امام کو نیت میں شامل کرنے کی بات مذکور نہیں، اس لئے اگر کسی نے سلام پھیرتے وقت امام کو نیت میں شریک نہیں کیا تو محض نماز سے خروج والے سلام سے بھی نماز درست ہو جائے گی۔

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ فقہاء نے سلام کے وقت، مقتدی اور امام کے ایک دوسرے کو نیت میں شامل کرنے کو سنت قرار دیا ہے اور چونکہ عام مسلمان اس سنت سے واقف نہیں ہیں اور عملی طور پر اس کی طرف توجہ نہیں ہے، اس لئے درمختار وغیرہ میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے **صار هذا کالشریعة المنسوخة لا یکاد ینوی احد شیئا الا الفقهاء**، یعنی سلام میں نیت کرنے کی سنت عملی طور پر اتنی کم ہو گئی ہے جیسے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہو سلام کے وقت فقہاء کے علاوہ کوئی کسی طرح کی نیت نہیں کرتا۔　　　　واللہ اعلم

[۱۵۵] بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

(۸۴۱) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو اَنَّ اَبَا مَعْبَدٍ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ اَعْلَمُ اِذَا انْصَرَفُوْا بِذٰلِكَ اِذَا سَمِعْتُه‘ . (آئندہ:۸۴۲)

(۸۴۲) حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ قَالَ عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ كَانَ اَبُوْ مَعْبَدٍ اَصْدَقَ مَوَالِی ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ عَلِيٌّ وَاسْمُه‘ نَافِذٌ . (گذشتہ:۸۴۱)

(۸۴۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ الْفُقَرَآءُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ مِنَ الْاَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّی وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ اَمْوَالٍ يَحُجُّوْنَ بِهَا وَيَعْتَمِرُوْنَ وَيُجَاهِدُوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ فَقَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِمَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ اَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ اَحَدٌ بَعْدَكُمْ وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ اَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانِيْهِمْ اِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَه‘ تُسَبِّحُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ خَلْفَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا فَقَالَ بَعْضُنَا نُسَبِّحُ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَنَحْمَدُ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَنُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ تَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلَاثٌ وَّثَلٰثُوْنَ . (آئندہ:۶۳۲۹)

(۸۴۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اَمْلٰى عَلَيَّ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِیْ كِتَابٍ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه‘ لَا شَرِيْكَ لَه‘، لَه‘ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ، مِنْكَ الْجَدُّ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بِهٰذَا وَقَالَ الْحَسَنُ جَدٌّ غِنًى، وَعَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ عَنْ وَرَّادٍ بِهٰذَا .

(آئندہ:۱۴۷۷، ۲۴۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲)

ترجمہ باب، نماز کے بعد ذکر کا بیان۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تھے تو بلند آواز سے ذکر کرتے تھے، اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں جب ذکر کی آواز سنتا تھا تو اسی سے مجھے لوگوں کا نماز سے فارغ ہونا معلوم ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے کو تکبیر کی آواز سن کر پہچان لیتا تھا۔ علی بن عبداللہ نے کہا

کہ مجھ سے سفیان نے بیان کیا کہ مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا کہ ابو معبد، ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلاموں میں سب سے سچے تھے، علی نے کہا اور ان کا نام نافذ تھا، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نادار صحابۂ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دولت مند لوگ، بلند درجات اور دائمی نعمتوں کے حصول میں آگے نکل گئے، کہ وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں، اور ان کو فاضل مال و دولت حاصل ہے جس سے وہ حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتادوں کہ اگر تم اس پر عمل کروگے تو ان لوگوں کو پکڑ لوگے جو تم سے آگے نکل گئے ہیں اور تمہارے بعد کوئی تم کو نہ پا سکے گا، اور تم جن لوگوں کے درمیان ہو ان میں سب سے بہتر شمار کئے جاؤگے اِلّا یہ کہ کوئی اسی جیسا عمل اختیار کرلے، ہر نماز کے بعد سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، اور اللّٰہ اکبر تینتیس مرتبہ پڑھا کرو، سُمَیّ کہتے ہیں کہ پھر ہمارے درمیان اختلاف ہوا اور ہم میں سے بعض نے یہ کہا کہ ہم سبحان اللّٰہ، تینتیس مرتبہ، الحمد للّٰہ، تینتیس مرتبہ اور اللّٰہ اکبر چونتیس مرتبہ پڑھیں تو میں ابو صالح کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے فرمایا کہ تم سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، اللّٰہ اکبر، اس طرح پڑھو کہ ان میں سے ہر ایک کی تعداد تینتیس ہوجائے۔ ورّاد جو حضرت مغیرہ بن شعبہ کے کاتب تھے، کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت مغیرہؓ نے، حضرت معاویہؓ کے نام ایک خط میں یہ لکھوایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے۔ لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ الخ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور تیرے سامنے مالدار کی مالداری یا آبرو والے کی آبرو، یا کوشش کرنے والے کی کوشش، نفع دینے والی نہیں، اور شعبہ نے بھی عبدالملک سے ایسی ہی روایت بیان کی، اور حسن بصری نے فرمایا کہ جد کے معنی ہیں مالداری، اور شعبہ نے حکم بن عتیبہ سے، اور انہوں نے قاسم بن مخیمرہ سے اور انہوں نے ورّاد سے اس روایت کو بیان کیا۔

مقصد ترجمہ اصل مقصد نماز کے بعد ذکر کی مشروعیت بیان کرنا ہے، ترجمہ کے الفاظ میں کوئی قید نہیں، اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ امام بخاریؒ نماز کے بعد صرف ذکر کی مشروعیت ثابت کررہے ہیں، اس سے بحث نہیں کہ یہ ذکر ہمیشہ ہوتا تھا یا کبھی کبھی، جہراً ہوتا تھا یا سراً، اس لئے کہ جب یہ بات بھی طے نہیں کہ ذکر ہمیشہ ہوتا تھا تو جہر کا معاملہ تو بعد کا ہے، ابن حزم کا مسلک یہ ہے کہ ذکر بالجہر ہونا چاہیئے باقی تمام ائمہ وفقہاء ذکر خفی کو ذکر جہری پر ترجیح دیتے ہیں، حضرت سعدؓ بن مالک سے روایت ہے خیر الذکر الخفی (مسند احمد ج:۱، ص:۱۷۲) اور اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اگر جہر کی کوئی مصلحت نہ ہو تو ذکر خفی ہی بہتر ہے، چنانچہ امام شافعی نے فرمایا کہ جہر دائمی طور پر نہیں ہوا، بلکہ صفت ذکر کی تعلیم کی غرض سے کبھی کبھی ایسا کیا گیا، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ اگر تعلیم کی ضرورت نہ ہو تو امام ومقتدی

کے لئے ذکر خفی بہتر ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت پہلے امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباس کی دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد جہر کے ساتھ ذکر ہوتا تھا، اور ابن عباس کو ذکر کی آواز سن کر ہی نماز کے ختم ہونے کا علم ہوتا تھا، اس روایت میں ذکرِ جہری کے ثبوت کے لئے عام لفظ رفع الصوت بالذکر، ہے جس سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ظاہر ہے، اور دوسری روایت میں ایک خاص لفظ بالتکبیر ہے کہ مجھے نماز کے اختتام کا علم تکبیر سے ہوتا تھا، اگر تکبیر سے مطلقِ ذکر مراد لیا جائے تو دونوں روایت کا مفہوم ایک ہی ہو جائے گا، اور امام بخاری کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے، مگر بعض حضرات نے سمجھا ہے کہ نماز کے بعد تسبیح و تحمید سے پہلے اللہ اکبر کہا جاتا تھا، اور اگر ایسا ہے تب بھی نماز کے بعد ذکر جہری کا جواز معلوم ہو گیا۔

جماعت میں ابن عباسؓ کی شرکت ابن عباس نے فرمایا کہ مجھے نماز کے اختتام کا علم تکبیر یا ذکر سے ہوتا تھا، اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ابن عباس بچے تھے، پابندی سے جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے، بچوں کے لئے شرکت ضروری بھی نہیں ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ شریکِ جماعت ہوں، لیکن صغیر ہونے کی وجہ سے بالکل پیچھے ہوں اور وہاں تک آواز نہ پہنچتی ہو لیکن روایت میں ایک لفظ ہے اذا انصرفوا کہ لوگ جب نماز سے واپس ہوتے تو میں تکبیر کی آواز سن کر سمجھتا کہ نماز ختم ہوگئی ہے، اس لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جماعت میں شریک نہیں، لیکن اس سے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ یہ ابن عباسؓ کا معمول تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی صف مستقل قائم کر رکھی ہے اور سات سال کے بچوں کو نماز کی تاکید اور دس سال کے بچوں کو تادیبِ ضربی کی ہدایت ہے، نیز یہ کہ صحابۂ کرام دور دور سے نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں جیسے بنوسلمہ، اور ابن عباسؓ تو بالکل قریب ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شریکِ جماعت نہ ہوں اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ روایتِ باب سے جو شریک نہ ہونا معلوم ہو رہا ہے وہ محض اتفاق ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے ہوں تو اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے ایسی صورت میں نماز کے اختتام کا علم تکبیر یا ذکر وغیرہ سے ہوتا تھا۔

قال علی الخ　امام بخاریؒ نے اپنی سند سے ابو معبد کے بارے میں عمرو بن دینار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ابن عباسؓ کے موالی میں سب سے زیادہ سچے تھے، اس نقل سے امام بخاری کا اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں اس روایت کے بارے میں جو بات منقول ہے وہ روایت کی صحت میں قادح نہیں ہے، مسلم میں عمرو بن دینار سے منقول ہے کہ میں نے ابو معبد سے اس روایت کو ذکر کیا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا لم احدثك بهذا، حالانکہ ابو معبد نے یہ روایت مجھ سے پہلے بیان کی تھی۔

محدثین کے یہاں یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ اگر ایک ثقہ راوی، دوسرے ثقہ راوی سے روایت کر رہا ہو، اور ان

میں سے اصل یعنی استاد، فرع یعنی شاگرد سے روایت کے بیان کرنے کا انکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی تین صورتیں ہیں اگر استاد کا انکار بہ صیغۂ جزم ہے اور وہ صراحت کے ساتھ شاگرد کی تکذیب بھی کر رہا ہے تو یہ روایت قابلِ رد ہے، اور اگر انکار بہ صیغۂ جزم نہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں لا اذکرہ، تو یہ روایت قابلِ قبول ہے اور اگر یہ صورت ہے کہ انکار تو بہ صیغۂ جزم ہے لیکن تکذیب کی صراحت نہیں جیسا کہ زیرِ بحث روایت میں ہے تو اس سلسلے میں اختلافِ رائے ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ اختلاف نقل کر کے، ایسی روایت کے قابلِ قبول ہونے کو ترجیح دی ہے۔

تشریح روایتِ سوم تیسری روایت میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ فقراء صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم ناداری کی وجہ سے بہت زیادہ پیچھے رہ گئے ہیں، اور مالدار حضرات مالی عبادت کی وجہ سے بہت زیادہ ترقی کر رہے ہیں، کیونکہ غیر مالی عبادات جیسے نماز، روزہ وغیرہ میں وہ برابری کے ساتھ ہمارے شریک ہیں اور مالی عبادات میں ہم ان کے ساتھ شریک نہیں، ان کے پاس فاضل اموال ہیں اس لئے وہ حج، عمرہ، صدقات اور جہاد وغیرہ میں حصہ لیتے ہیں اور ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔

نادار صحابہ نے اس طرح کی بات کہی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی بات بتائے دیتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو جو لوگ تم سے آگے نکل گئے ہیں تم ان کو پکڑ لو گے اور تمہارے بعد آنے والے تمہیں نہیں پکڑ سکیں گے، البتہ یہ بات ہے کہ جو عمل تم کو بتایا جا رہا ہے اگر کوئی دوسرا بھی اسی عمل کو اختیار کر لے گا تو یہ عمل جس طرح تمہارے لئے ترقی کا ذریعہ ہے دوسروں کے لئے بھی ترقی کا ذریعہ بن جائے گا۔ پھر آپ نے یہ عمل تلقین فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر پڑھا کرو۔

اب آگے تفصیل میں اختلاف ہو گیا کہ روایت میں جو تینتیس کا عدد ہے، اس کو تینوں اذکار پر تقسیم کیا جائے گا اور ہر ذکر کی تعداد صرف گیارہ رہے گی، یا ہر ذکر کی تعداد تینتیس اور تینوں اذکار کا مجموعہ ننانوے ہوگا۔ روایت سے بہ ظاہر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ اختلاف صحابہ میں ہوا، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، مسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے کہ فاختلفنا بیننا کے قائل نیچے کے راوی حضرت سمی ہیں اور انہوں نے اپنے شیخ حضرت ابو صالح سے رجوع کیا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ تینوں تسبیحات کا مجموعہ تینتیس نہیں بلکہ ہر تسبیح تینتیس مرتبہ ہے اور تینوں تسبیحات کا مجموعہ ننانوے ہوگا۔

پھر یہ کہ روایات میں ننانوے کے علاوہ پوری سو کی تعداد بھی منقول ہے، بعض روایات میں تسبیح و تحمید تینتیس تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر چونتیس مرتبہ مذکور ہے، کسی روایت میں یہ ہے کہ یہ تینوں اذکار ۳۳، ۳۳ مرتبہ ہی ہیں اور سو کی تعداد پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر** مذکور ہے، اور ایک روایت میں ایک صحابی کے خواب کی توثیق کرتے ہوئے یہ تینوں اذکار ۲۵، ۲۵

مرتبہ اوراس کے ساتھ لا الہ الا اللہ ۲۵ مرتبہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ان تمام روایات میں اذکار کا عدد ۹۹ یا ۱۰۰ ہے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی اسی روایت میں جو بخاری کی کتاب الدعوات میں آئے گی تسبحون عشرا وتحمدون عشرا وتکبرون عشرا، آیا ہے گویا ہر ذکر کی تعداد صرف دس اور مجموعہ کی تعداد صرف تیس ہوتی ہے،اس روایت کے بارے میں یہ سمجھا گیا ہے کہ کسی راوی نے ۳۳ کے عدد کو تینوں اذکار پر تقسیم کیا تو ہر ذکر کی تعداد گیارہ ہوئی، پھراس نے کسر کو حذف کر دیا تو ہر ذکر کا عدد دس ہو گیا۔　　واللہ اعلم

پھر یہاں یہ بات بھی زیر بحث آتی ہے کہ اگر تسبیحات واذکار کو مقرر کردہ تعداد سے زیادہ پڑھ لیا جائے تو بیان کردہ ثواب حاصل ہوگا یا ختم ہو جائے گا، بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ خاص عدد کے تعین کی حکمت وخصوصیت کا تقاضا تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ثواب باقی نہ رہے، لیکن اس سے زیادہ قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ مقرر کردہ تعداد کے پورا کرنے پر بیان کردہ ثواب حاصل ہو گیا تو اضافہ سے اس کو باطل نہ ہونا چاہیئے۔　　واللہ اعلم

تشریح روایتِ چہارم چوتھی روایت میں یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، جس زمانہ میں حضرت معاویہؓ کی جانب سے کوفہ کے امیر تھے، اس وقت امیر معاویہؓ نے ان کے نام تحریر فرمایا کہ آپ مجھے وہ حدیث لکھ کر بھیجیں جو آپ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بعد دعا کے سلسلے میں سنی ہے تو انہوں نے اپنے کاتب ورّاد سے یہ روایت لکھوا کر ارسال فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد الخ .

لا الہ الا اللہ الخ　اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور ہر طرح کی بادشاہت صرف اسی کی ہے، الملک میں ''الف لام'' استغراق کا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ موجود ہے اور جس کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ سب اسی کے محکوم ہیں اور اس کا کوئی نظیر وشریک ممکن نہیں، گویا نقلاً وعقلاً توحید کو بیان کر دیا۔

اللّٰھم لا مانع الخ　اور جب وہ اس شان کا حامل ہے تو عطا کرنا یا عطا نہ کرنا اسی کا کام ہے، جو وہ عطا کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز کو وہ روک لے اس کو کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

ولا ینفع ذا الجد منک الجد،　مال داری کی مالداری تیری بارگاہ میں نفع بخش نہیں ہے یعنی تیری بارگاہ میں تو صرف عمل صالح نفع بخش ہوتا ہے، الجد کو عام روایات میں بفتح الجیم نقل کیا گیا ہے، جس کے کئی معنی ہیں، امام بخاریؒ نے حسن بصری سے اس کا ترجمہ غنی نقل فرمایا ہے، دوسرا ترجمہ حظ اور نصیب ہے، اور تیسرا ترجمہ ابوالاب یعنی دادا ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ اے پروردگار! کسی کی مالداری، یا کسی کا نصیب، یا کسی کا شفیق دادا، تیرے یہاں کسی کو نفع پہنچانے والا نہیں، تیرے یہاں نفع پہنچانے والی چیز اعمال صالحہ ہیں۔

قرطبی نے ابن عمر اور شیبانی سے الجِد بالکسر نقل کیا ہے، جد کے معنی کوشش کے ہیں، اس صورت میں مفہوم ہوگا

کہ اے پروردگار! تیری بارگاہ میں حسنِ قبول میسر نہ ہو تو کسی کی کوئی کوشش نفع بخش نہیں گویا اللہ کوششوں کو اور عبادت میں کی جانے والی محنتوں کو اپنے فضل وکرم سے قبول کی شان عطا فرما دے تو اس کا احسان ہے ورنہ محض انسان کی جدوجہد پر کامیابی کا انحصار نہیں ہے، یہ وہی مضمون ہے جو لا یدخل احدا منکم الجنة عمله میں بیان فرمایا گیا ہے۔　　واللہ اعلم

[۱۵۶] بَابٌ يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ

(۸۴۵) حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمٰعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلٰوةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ.
(آئندہ: ۱۱۴۳، ۱۳۸۶، ۲۰۸۵، ۲۷۹۱، ۳۲۳۶، ۳۳۵۴، ۳۶۷۴، ۴۶۷۴، ۶۰۹۶، ۷۰۴۷)

(۸۴۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ أَنَّهٗ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى أَثَرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.　　(آئندہ: ۱۰۳۸، ۴۱۴۷، ۷۵۰۳)

(۸۴۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيْرٍ سَمِعَ يَزِيْدَ بْنَ هَارُوْنَ قَالَ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَخَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَلَمَّا صَلّٰى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَرَقَدُوْا وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوةَ.　　(گذشتہ: ۵۷۲)

ترجمہ باب، سلام کے بعد امام کو نمازیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہیئے۔ حضرت سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھاتے تو ہماری طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے، حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں بارش کے بعد جو رات میں ہوئی تھی فجر کی نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کی طرف آپ نے رخ کیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار عزوجل نے کیا کہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ علم والا ہے، آپؐ نے فرمایا اللہ کہتا ہے کہ آج صبح میرے بندوں سے میں سے کچھ بندے مجھ پر ایمان لانے والے ہوئے اور کچھ کافر ہوئے، یعنی

جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں ستارے کے ایسی اور ایسی جگہ پہنچنے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے، تو وہ میرا انکار کرنے والے اور ستاروں پر ایمان لانے والے ہیں، حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں نماز (عشاء) کو آدھی رات تک مؤخر فرمادیا، پھر آپ تشریف لائے، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اپنا رخ ہماری طرف کیا اور فرمایا کہ بے شک لوگ نماز پڑھ چکے ہیں اور سو چکے ہیں اور یہ کہ تم جبتک نماز کے انتظار میں رہو گے برابر نماز ہی میں شمار کئے جاؤ گے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ سلام کے بعد امام کو قوم کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہیئے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے اور اس میں مختلف مصلحتیں ہیں، ایک مصلحت یہ ہے کہ امام کو قوم کی طرف پشت کرنے کی اجازت محض امامت کی بنیاد پر دی گئی تھی، امامت ختم ہوگئی تو اب رخ قوم کی طرف کر لینا مناسب ہے، یہ بات تو قوم کے لئے تکلیف دہ ہے کہ ان کا کوئی فرد ان سے منہ پھیر لے، دوسرے یہ کہ امامت کے سبب امام کو یہ فخر حاصل ہوا تھا، یعنی قوم نے بارگاہِ خداوندی میں عرض پیش کرنے کے لئے اپنا نمائندہ بنایا تھا، عرض پیش کرنے کے بعد سب برابر ہو گئے اس لئے یہ صورت پسند کی گئی کہ سلام کے فوراً بعد امام کو اپنا رخ قوم کی طرف کر کے بتا دینا چاہیئے کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، تیسرے یہ کہ اگر امام اپنی جگہ اسی طرح بیٹھا رہے گا تو آنے والے کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ امام ابھی تشہد میں ہے اور وہ اس خیال سے اقتداء میں نماز شروع کر دے تو اس کا عمل بھی ضائع ہوگا اور اس کو ندامت بھی ہوگی۔ اس لئے شریعت نے تعلیم دی کہ امام کو سلام کے بعد رخ بدل دینا چاہیئے۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے تین روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی اور تیسری روایت گذر چکی ہے، دوسری روایت استسقاء کے ابواب میں آئے گی، تینوں روایات کے مضامین الگ الگ ہیں کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ضرورت کے مطابق باتیں بیان فرمائی ہیں مگر تینوں روایات میں یہ بات صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کی طرف رخ فرمایا اور پھر ضروری امر کی طرف متوجہ کیا ہے، لیکن نماز کے بعد اور کیا کیا صورتیں اختیار کرنے کی گنجائش ہے اس کے لئے امام بخاریؒ نے کئی ابواب منعقد فرمائے ہیں، دوسری صورتیں اگلے ابواب میں آرہی ہیں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ جن فرائض کے بعد کچھ اذکار مشروع ہیں، ان میں امام کو نماز کے بعد قوم کی طرف رخ کر کے، یا داہنی یا بائیں طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہیئے اور جن فرائض کے بعد اذکار نہیں ہیں وہاں مستقبل قبلہ بیٹھ کر دعا مانگنی چاہیئے اور دعا کے بعد جگہ سے ہٹ جانا چاہیئے۔　　واللہ اعلم

[۱۵۷] بَابُ مَكْثِ الْإِمَامِ فِي مُصَلَّاهُ بَعْدَ السَّلَامِ

(۸۴۸) قَالَ لَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي مَكَانِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ الْفَرِيضَةَ وَفَعَلَهُ الْقَاسِمُ وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ لَا يَتَطَوَّعُ الْإِمَامُ فِي مَكَانِهِ وَلَمْ يَصِحَّ.

(۸۴۹) حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَلَّمَ يَمْكُثُ فِي مَكَانِهِ يَسِيرًا، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَنُرَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ لِكَيْ يَنْفُذَ مَنْ يَنْصَرِفُ مِنَ النِّسَاءِ. (گذشتہ: ۸۳۷)

(۸۵۰) وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَتَبَ إِلَيْهِ قَالَ حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةُ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ مِنْ صَوَاحِبَاتِهَا قَالَتْ كَانَ يُسَلِّمُ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ فَيَدْخُلْنَ بُيُوتَهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَنْصَرِفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَتْنِي هِنْدُ الْفِرَاسِيَّةُ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَتْنِي هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ أَنَّ هِنْدًا بِنْتَ الْحَارِثِ الْقُرَشِيَّةَ أَخْبَرَتْهُ وَكَانَتْ تَحْتَ مَعْبَدِ بْنِ الْمِقْدَادِ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي زُهْرَةَ وَكَانَتْ تَدْخُلُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَتْنِي هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ وَقَالَ ابْنُ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ الْفِرَاسِيَّةِ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَهُ ابْنُ شِهَابٍ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ حَدَّثَتْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (گذشتہ: ۸۳۷)

ترجمہ باب، سلام کے بعد امام کے اپنی جگہ پر ٹھہرنے کا بیان۔ اور ہم سے آدم بن ابی ایاس نے نقل کیا کہ ہم سے شعبہ نے بہ روایت ایوب سختیانی حضرت نافع سے نقل کیا کہ حضرت ابن عمر جس جگہ فرض نماز پڑھتے تھے اسی جگہ دیگر نمازیں پڑھتے تھے اور یہی عمل قاسم بن محمد کا تھا اور حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً منقول ہے "امام اپنی جگہ نوافل نہ پڑھے" اور اسکی سند صحیح نہیں ہے زہری نے ہند بنت الحارث سے اور انہوں نے حضرت ام سلمہ سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیر دیتے تھے تو تھوڑی دیر اپنی جگہ ٹھہرے رہتے تھے، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ ہمارا ظن

غالب۔ واللہ اعلم یہ ہے کہ آپ کا یہ عمل اس لئے تھا کہ جو عورتیں واپس ہونا چاہتی ہیں وہ نکل جائیں۔ جعفر بن ربیعہ نے بیان کیا کہ ابن شہاب زہری نے ان کو یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھ سے ہند بنت الحارث الفراسیہ نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہؓ نے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں اور ہند بنت الحارث ان کی صحبت میں رہنے والی تھیں۔ بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تو عورتیں لوٹ جایا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر واپس ہونے سے پہلے اپنے گھروں میں آجایا کرتی تھیں ابن وہب یہ روایت یونس ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے ہند فراسیہ نے یہ حدیث بیان کی۔ عثمان بن عمر بہ روایت یونس زہری سے نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے ہند قرشیہ نے حدیث بیان کی۔ زبیدی نے کہا کہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی کہ مجھ سے ہند بنت الحارث القرشیہ نے حدیث بیان کی، اور وہ معبد بن مقداد کی اہلیہ تھیں جو بنو زہرہ کے حلیف تھے اور ہند کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آنا جانا تھا۔ اور شعیب نے زہری سے نقل کیا کہ مجھ سے ہند قرشیہ نے حدیث بیان کی۔ اور ابن ابی عتیق نے بیان کیا کہ زہری نے ہند فراسیہ سے نقل کیا۔ اور لیث بن سعد نے کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن سعید نے اور ان سے ابن شہاب زہری نے بیان کیا اور ان سے قریش کی ایک عورت نے بیان کیا اور اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں مذکور تھا کہ سلام کے بعد امام کو مختلف مصلحتوں کے پیش نظر نمازیوں کی طرف رخ کر لینا چاہیئے، اب اس باب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ امام نے جس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائی ہے، اسی جگہ امام ذکر کے لئے، یا تعلیم کے لئے یا نوافل وغیرہ کے لئے ٹھہر سکتا ہے یا اس کو ان کاموں کے لئے جگہ کا تبدیل کرنا ضروری ہے؟ اس سلسلے میں مذہب یہ ہے کہ جگہ بدلنا اگرچہ ایک رائے کے مطابق بہتر ہے لیکن ضروری کسی کے نزدیک نہیں ہے، نہ امام کے لئے نہ مقتدی کے لئے، البتہ امام کے لئے، مقتدی کی بہ نسبت جگہ کا تبدیل کر دینا مؤکد ہے اس لئے کہ امام کے اسی جگہ ٹھہرنے سے آنے والے کو دھوکا ہو سکتا ہے۔

امام بخاریؒ کا مسلک مختار بھی بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جگہ بدلنا ضروری نہیں، چنانچہ وہ اس کے ثبوت کے لئے پہلے ابن عمر اور قاسم بن محمد کا عمل نقل کرتے ہیں کہ یہ حضرات فریضہ ادا کرنے کی جگہ پر نوافل پڑھ لیا کرتے تھے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ جو حضرت ابو ہریرہؓ سے فریضہ کی جگہ نوافل پڑھنے کی ممانعت والی روایت مرفوعاً منقول ہے اس کی سند صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن اسمعیل ہیں جنھیں ابو حاتم نے مجہول قرار دیا ہے اور ان سے نقل کرنے والے لیث بن ابی سلیم ہیں جنھیں ضعیف قرار دیا گیا ہے، امام بخاریؒ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن عمر اور قاسم بن محمد کے موقوف عمل کو، مرفوع روایت کے مقابل ترجیح دینے کی وجہ بیان کر دیں پھر یہ کہ جو وجہ انہوں نے بیان کی وہ ان کے مقرر کردہ معیار کے مطابق بالکل درست ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ والی روایت ضعیف ہے، لیکن یہ مضمون دوسرے صحابہ کی روایات میں بھی آیا ہے، جو اس کی مؤید ہیں مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علیؓ سے حسن سند

کے ساتھ یہ مضمون منقول ہے، ابوداؤد میں یہی مضمون حضرت مغیرہ بن شعبہ سے منقطع سند کے ساتھ منقول ہے، اور مسلم شریف کی حضرت معاویہؓ کی صحیح روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے **اذا صلیت الجمعة فلا تصلها بصلاة حتی تتکلم او تخرج فان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امرنا بذلك** (مسلم ج:۱، ص:۲۸۸) جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس کو کسی دوسری نماز سے نہ ملاؤ یہاں تک کہ درمیان میں بات چیت کر دیا باہر نکل جاؤ۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فریضہ اور نفل کے درمیان وصل نہ ہونا چاہیئے جگہ بدلنی چاہیئے یا وقت بدلنا چاہیئے، فصل زمانی ہونا چاہیئے یا فصل مکانی، عملی طور پر یہی ہوگا کہ اگر فریضہ کی ادائیگی کے بعد ذکر و شغل، تعلیم و تعلم کی وجہ سے دیر ہوگئی تو اسی جگہ نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں لیکن اگر فرض کے بعد فوراً نماز پڑھنا چاہتا ہے تو جگہ بدلنے کی اہمیت ہے، پھر یہ کہ جگہ کی تبدیلی کے لئے مصلّی چھوڑ دینا ضروری نہیں، اسی مصلے پر جگہ بدل دی جائے، دائیں بائیں یا آگے پیچھے اس طرح ہو جائے کہ محلّ فریضہ تبدیل ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے۔

تشریح احادیث پہلی روایت کی تشریح، مقصد ترجمہ کے ذیل میں آگئی، دوسری روایت میں حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد تھوڑی دیر اپنی جگہ ٹھہرتے تھے تاکہ نماز میں شرکت کے لئے آنے والی عورتوں کو نکلنے کا موقع مل جائے۔ کیونکہ اگر آپ فوراً کھڑے ہو جاتے تو باقی لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور مسجد سے نکلنے میں مرد و عورت کا اختلاط ہو جاتا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھہرنا ایک ضرورت کی بنا پر تھا، یہ معنی نہیں ہیں کہ اتنی دیر بیٹھنا بذات خود پسندیدہ یا مطلوب تھا، نیز یہ کہ یہاں فریضہ کی جگہ نفل پڑھنے کا مسئلہ بھی نہیں آیا اور نہ اس کو امام بخاریؒ نے اصل مقصد کے طور پر ذکر کیا تھا، اصل مقصد تو **مکث الامام فی مصلاہ بعد السلام** تھا اور اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ امام کسی مصلحت سے اگر اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو جائز ہے جگہ بدلنا ضروری نہیں۔ اور اپنی جگہ ٹھہرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسی جگہ نفل نماز شروع کر دے جیسا کہ بخاری نے ابن عمر اور قاسم بن محمد کا عمل نقل کر دیا۔

قال ابن ابی مریم الخ۔ یہ تیسری روایت ہے اس میں بھی حضرت ام سلمہؓ سے وہی مضمون دوسرے الفاظ میں آرہا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیر دینے کے بعد، آپؐ کے مسجد سے نکلنے سے پہلے عورتیں مسجد سے نکل جایا کرتی تھیں، معلوم ہوا کہ آپؐ سلام کے بعد توقف فرماتے تھے اور آپ کے ساتھ صحابۂ کرام بھی اپنی جگہ ٹھہرے رہتے تھے۔

قال ابن وهب الخ۔ یہاں سے ایک معمولی بات بیان کرنا چاہتے ہیں جس کی محدثین کے ذوق کے مطابق قدرے اہمیت ہے، بات یہ ہے کہ ہند بنت الحارث کی نسبت کے بارے میں روایات میں یہ اختلاف ہے کہ وہ

فراسیہ میں یا قرشیہ، چنانچہ بعض حضرات نے نظر بہ ظاہر یہ کہا ہے کہ دونوں میں سے ایک یعنی فراسیہ صحیح ہے اور قرشیہ، فراسیہ ہی کی تصحیف ہے، گویا فراسیہ سے قراشیہ ہوا کہ ف اور ق میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اور اس زمانہ میں نقطوں کا رواج بھی نہیں تھا، پھر قراشیة سے الف گر گیا تو قرشیة ہو گیا۔

امام بخاریؒ اس طرح کے کسی بھی خیال کی تردید کرتے ہیں کہ نقلا دونوں نسبتیں صحیح ہیں، اور اس کے لئے انہوں نے متعدد موصول اور معلق سندیں پیش کر دیں، پھر حافظ ابن حجر نے اس پر مفصل گفتگو کی کہ فراسیة بنوفراس کی طرف نسبت ہے اور بنوفراس کنانہ کی شاخ ہیں اور قرشیة کا مطلب ہے قریش کی طرف نسبت، اب علم الانساب کے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ قریش کا سلسلہ بھی کنانہ سے متصل ہے تو ان کے نزدیک دونوں نسبتوں میں غیریت نہیں ہے ایک ہی ذات میں فراسیة اور قرشیة دونوں نسبتیں جمع ہو سکتی ہیں، اور علم الانساب کے جو لوگ قریش کا سلسلہ کنانہ کے بجائے فہر سے متصل مانتے ہیں، ان کے نزدیک دونوں نسبتوں میں مغایرت ہے مگر نقلا جب دونوں صحیح ہیں تو یہ کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے ایک نسبت، نسب کے اعتبار سے ہو اور دوسری نسبت بر بنائے عقد محالفت ہو جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں رواج تھا یعنی ہوسکتا ہے کہ ان کے آباء واجداد بنوفراس سے ہوں اور قریش سے ان کا تعلق حلف یعنی خصوصی عہد و پیمان کا رہا ہو یا اس کا عکس ہو غرض یہ ہے کہ دونوں نسبتوں میں سے کسی کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم

[۱۵۸] بَابُ مَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ فَذَكَرَ حَاجَتَهٗ فَتَخَطَّاهُمْ

(۸۵۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ اَخْبَرَنِي ابْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ اِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَآئِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ فَقَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ. (آئندہ: ۱۲۲۱، ۱۴۳۰، ۶۲۷۵)

ترجمہ باب، جس شخص نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر اس کو اپنی ضرورت یاد آئی اور وہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا گذر گیا۔ حضرت عقبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ میں عصر کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیر دیا تو آپ عجلت کے ساتھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے ازواج مطہرات کے حجروں میں سے کسی حجرے میں داخل ہوئے، لوگوں کو آپ کی اس عجلت سے گھبراہٹ ہوئی پھر جب آپ حجرے سے باہر آئے اور آپ نے دیکھا کہ لوگوں کو آپ کی عجلت پر بڑی حیرت ہوئی ہے تو ارشاد فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ ہمارے یہاں سونے کا ایک ٹکڑا رکھا رہ گیا ہے تو مجھے یہ بات ناگوار ہوئی کہ یہ چیز میرے لئے روک نہ بن جائے تو میں

نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ جس طرح امام کا نماز کے بعد ضرورۃً اپنی جگہ بیٹھا رہنا درست ہے، اسی طرح ضرورت ہو تو فوراً مسجد سے باہر نکلنا بھی درست ہے، مثلاً نماز کے بعد دعا مانگنے کی بات ہے، بخاری بتانا چاہتے ہیں کہ امام یا مقتدی کو ہر حال میں اس کا پابند نہیں کیا جا سکتا، نماز کے بعد ہر شخص آزاد ہے بلکہ اگر ضرورت شدید ہو تو کاندھوں کو پھلانگ کر گذرنے کی بھی اجازت ہے، مثلاً امام یا مقتدی کو بول و براز کا شدید تقاضا ہے، ضعفِ مثانہ یا استطلاقِ بطن وغیرہ کے سبب روکنا ممکن نہیں آلودگی کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں تخطی رقاب کی نوبت بھی آجائے تو اس کی اجازت ہے۔

اصل مقصد کے ساتھ تخطی رقاب کا مسئلہ بھی بیان کر دیا، شاید مقصد یہ ہو کہ حضرت معاذ بن انس جہنی سے ترمذی میں روایت ہے من تخطى رقاب الناس يوم الجمعة اتخذ جسرا الى جهنم (ترمذی: ص: ۶۸) روایت کو اگرچہ ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن یہ بھی فرمایا ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک روایت پر عمل ہے اور روایت میں بیان کردہ وعید کی وجہ سے بات بہت اہم ہے اس لئے بخاری شاید یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ وعید اس صورت میں ہے جب اس طرح گذرنے کو لوگ اپنے لئے باعثِ اذیت یا توہین آمیز سمجھیں اور اس طرح کا احساس نہ ہو جیسے مثلاً شاگرد، اساتذہ کے گذرنے کو یا مریدین اپنے مشائخ کے گذرنے کو اپنے لئے باعثِ تحقیر نہیں باعثِ فخر سمجھیں گے تو اس طرح گذرنے کی اجازت ہے۔

تشریح حدیث روایت سے امام بخاریؒ کا مقصد پوری طرح ثابت ہے کہ آپ نے مدینہ طیبہ میں عصر کی نماز پڑھائی، نماز کے فوراً بعد آپ صحابۂ کرام کی گردنوں سے گذرتے ہوئے ازواج مطہرات کے کسی حجرے میں تشریف لے گئے، صحابۂ کرامؓ پیغمبر علیہ السلام کے خلافِ معمول کسی صورت کو اختیار کرنے پر پریشان ہو جاتے تھے، اس لئے واپس تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کی پریشانی اور تعجب کو دور فرمانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ گھر میں صدقہ میں آیا ہوا سونے کا ٹکڑا رکھا رہ گیا تھا، مجھے نماز میں گرانی اور ناگواری محسوس ہو رہی تھی کہ صدقہ کا مال گھر میں رکھا رہ گیا اور یہ بات توجہ الی اللہ سے مشغول کرنے والی تھی اس لئے انتظار کی تاخیر برداشت کئے بغیر فوراً جانے کی ضرورت ہوئی اور اب اس کو تقسیم کر دینے کا حکم دے کر واپس آیا ہوں۔

معلوم ہوا کہ اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو نماز کے فوراً بعد مسجد سے نکلنا جائز ہے، نیز یہ کہ نماز میں اگر امورِ خیر میں سے کوئی بات یاد آجائے اور انسان نماز ہی میں اس سلسلے میں کوئی ارادہ بھی کرلے تو یہ کمالِ صلوۃ کے منافی نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مالِ صدقہ کی تقسیم میں تاخیر نقصان کا سبب ہے۔　واللہ اعلم

[۱۵۹] بَابُ الْاِنْفِتَالِ وَالْاِنْصِرَافِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشِّمَالِ

وَكَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَنْفَتِلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ وَيَعِيْبُ عَلٰى مَنْ يَتَوَخّٰى اَوْ مَنْ تَعَمَّدَ الْاِنْفِتَالَ عَنْ يَمِيْنِهٖ

(۸۵۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمٰنَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَا يَجْعَلْ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهٖ يَرٰى اَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهٖ.

ترجمہ باب، نماز کے بعد دائیں اور بائیں طرف مڑ کر بیٹھنے یا لوٹنے کا بیان اور حضرت انس بن مالک دائیں اور بائیں دونوں طرف مڑ کر بیٹھتے تھے اور جو شخص صرف داہنی طرف مڑنے کا اہتمام یا قصد کرتا اس کو برا جانتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا کوئی حصہ مقرر نہ کرے، یہ سمجھے کہ نماز کے بعد داہنی طرف ہی لوٹنا لازم ہے، بے شک میں نے بہت مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف لوٹتے ہوئے دیکھا ہے۔

مقصد ترجمہ ترجمہ میں دو لفظ ہیں انفتال اور انصراف، فتل وجهه عن فلان، فلاں سے رخ پھیر لیا، انفتال اسی کا باب انفعال ہے، معنی ہوئے بیٹھے بیٹھے رخ پھیر لینا اور انصراف، صَرَفَ کا باب انفعال ہے، اس کے معنی ہیں رده الى المكان الذى جاء منه، جس جگہ سے آیا تھا اسی جگہ لوٹا دینا، اس لئے انصراف کے معنی ہوئے لوٹ جانا اس فرق کے باوجود قرب لغوی کے سبب دونوں الفاظ کا ایک ہی معنی میں استعمال آسان ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے یہ بیان کرنے کے لئے کہ انصراف یہاں انفتال ہی کے معنی میں ہے دونوں الفاظ کو ترجمہ میں جمع کر دیا ہو اور مقصد یہ ہو کہ جن نمازوں کے بعد اذکار ہیں ان میں امام کو دائیں یا بائیں جانب میں سے کسی بھی طرف رخ کر کے بیٹھنا درست ہے اور دونوں عمل حضور ﷺ سے کثرت کے ساتھ ثابت ہیں، اور اگر امام بخاریؒ کی دقت نظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں الفاظ میں فرق کرنا ہو تو یہ بھی آسان ہے چنانچہ بعض حضرات نے تو یہ فرق کیا کہ امام کا اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مقتدیوں کی طرف رخ کرنا انفتال ہے اور امام کا کسی ضرورت کے لئے دائیں بائیں متوجہ ہونا انصراف ہے، اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے،

اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے بیان کے مطابق تو زبردست فرق ہے کہ وہ انصراف کو انصراف عن المسجد پر محمول فرماتے تھے، گویا امام یا مقتدی کو نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلنے کے لئے اختیار ہے کہ داہنی طرف سے نکلے یا بائیں طرف سے، پھر یہ کہ لفظ انصراف کا ان معنی میں استعمال روایات میں موجود ہے جیسا کہ کچھ ہی پہلے **ينصرف النساء فيدخلن بيوتهن قبل ان ينصرف رسول الله ﷺ** گذرا ہے۔

ترجمہ کا ثبوت مقصد کو ثابت کرنے کے لئے پہلے تو امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ کا اثر ذکر فرمایا ہے کہ وہ نماز کے بعد کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب مڑ کر بیٹھتے تھے اور اگر کوئی صرف داہنی جانب کا التزام کرتا تو وہ اس کو برا سمجھتے تھے، جب کہ مسلم شریف میں حضرت انسؓ ہی سے منقول ہے: اما انا فاکثر ما رایت رسول الله ﷺ ینصرف عن یمینه، بہر حال میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو زیادہ تر داہنی طرف مڑ کر بیٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ کے ذکر کردہ اثر کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت انسؓ ان لوگوں پر نکیر فرما رہے ہیں جو بائیں جانب مڑنے کی گنجائش ہی نہیں سمجھتے اور صرف داہنی جانب مڑنے کو لازم اور واجب سمجھتے تھے۔

اس کے بعد امام بخاریؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی جس میں انہوں نے فرمایا کہ صرف داہنی طرف مڑ کر بیٹھنے کو ضروری سمجھنا اپنی نماز میں شیطان کو حصہ دار بنانا ہے اس لئے کہ رأیت رسول الله ﷺ کثیرا الخ میں نے بہت مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو بائیں طرف مڑتے دیکھا ہے۔ یہاں حضرت ابن مسعودؓ نے بائیں طرف مڑنے کے لئے کثیرا کا لفظ اختیار فرمایا ہے اور مسلم شریف کی حضرت انس کی روایت میں داہنی طرف مڑ کر بیٹھنے کے لئے اکثر ما رایت الخ مذکور ہے، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ بائیں طرف مڑ کر بیٹھنے کی بات داہنی طرف مڑ کر بیٹھنے سے اگرچہ کم تھی لیکن فی نفسہ یہ بھی اتنی بار ہوا کہ وہ اس کو کثیرا کہہ رہے ہیں اور جب شریعت میں دونوں جانب کو اختیار کرنے کی آزادی ہے تو اپنے طور پر کسی سمت کو لازم کر لینا بدعت قرار دیا جائے گا بدعت کی روح ہی التزام ما لا یلزم ہے، اسی لئے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنے طور پر سمت کو معین کر لیا تو اس نے اپنی نماز میں شیطان کو حصہ دار بنا دیا۔ واللہ اعلم

[۱۶۰] بَابُ مَا جَآءَ فِي الثُّوْمِ النِّيِّ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ الثُّوْمَ اَوِ الْبَصَلَ مِنَ الْجُوْعِ اَوْ غَيْرِهٖ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا

(۸۵۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَطَآءٌ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ يُرِيْدُ الثُّوْمَ فَلَا يَغْشَانَا فِيْ مَسْجِدِنَا قُلْتُ مَا يَعْنِيْ بِهٖ قَالَ مَا اُرَاهُ اِلَّا نِيْئَهٗ وَقَالَ مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اِلَّا نَتْنَهٗ. (آئندہ: ۷۳۵۹،۵۴۵۲،۸۵۵)

(۸۵۴) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِيْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ يَعْنِي الثُّوْمَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا.

(آئندہ: ۵۵۲۲،۵۵۲۱،۴۲۱۸،۴۲۱۷،۴۲۱۵)

(۸۵۵) حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ

زَعَمَ عَطَاءٌ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ زَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ اَكَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا اَوْ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِیْ بَيْتِهٖ وَاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اُتِیَ بِقِدْرٍ فِيْهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيْحًا فَسَاَلَ فَاُخْبِرَ بِمَا فِيْهَا مِنَ الْبُقُوْلِ فَقَالَ قَرِّبُوْهَا اِلٰى بَعْضِ اَصْحَابِهٖ كَانَ مَعَهٗ فَلَمَّا رَاٰهُ كَرِهَ اَكْلَهَا فَقَالَ كُلْ فَاِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَا تُنَاجِیْ . (گذشتہ:۸۵۴)

وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ اُتِیَ بِبَدْرٍ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَعْنِیْ طَبَقًا فِيْهِ خَضِرَاتٌ وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَاَبُوْ صَفْوَانَ عَنْ يُوْنُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ فَلَا اَدْرِیْ هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِیِّ اَوْ فِی الْحَدِيْثِ.

(۸۵۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ مَا سَمِعْتَ نَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ فِی الثُّوْمِ فَقَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّا وَلَا يُصَلِّيَنَّ مَعَنَا . (آئندہ:۵۴۵۱)

ترجمہ باب، کچے لہسن اور پیاز اور گندنا کو استعمال کرنے کا بیان۔ اور نبی کریم ﷺ کے اس قول کا بیان کہ جو لہسن یا پیاز کو بھوک یا بغیر بھوک کے استعمال کرے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اس درخت - مراد تھی لہسن - کو کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے، راوی کہتا ہے کہ میں نے جابرؓ سے پوچھا اس سے کیا مراد تھی؟ تو فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ صرف کچا لہسن مراد ہے اور مخلد بن یزید نے ابن جریج سے نقل کیا کہ صرف لہسن کی بدبو مراد ہے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے غزوۂ خیبر میں فرمایا کہ جو شخص اس درخت کو یعنی لہسن کو کھائے تو وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے الگ رہے یا ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ اور یہ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ہانڈی لائی گئی جس میں ترکاریوں میں کچھ سبزیاں تھیں تو آپ نے ان میں بو محسوس فرمائی تو ان کے بارے میں پوچھا، چنانچہ آپ کو ان سبزیوں کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے فرمایا، کہ اس کو فلاں صحابی کو دیدو جو آپ کے ساتھ تھے، جب ان صحابی نے اس کو دیکھا تو انہوں نے بھی اس کا کھانا ناپسند کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کو کھالو، اس لئے کہ میں اس ذات سے مناجات کرتا ہوں جس سے تم مناجات نہیں کرتے، احمد بن صالح نے ابن وہب سے اس روایت میں یہ الفاظ نقل کئے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک بدر پیش کیا گیا۔ ابن وہب نے کہا کہ بدر سے مراد ہے بڑی تھالی - جس میں سبزیاں تھیں - اور لیث اور ابو صفوان نے یونس سے اس روایت میں ہانڈی کا قصہ بیان نہیں کیا تو راوی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ (ہانڈی کا قصہ) زہری کا کلام ہے یا حدیث کا جز ہے حضرت انس بن مالکؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ نے حضور ﷺ سے لہسن

کے بارے میں کیا سنا ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اس درخت کو کھائے تو وہ ہم سے قریب نہ ہو اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔

سابق سے ربط صفة الصلوٰة کے آخری ابواب چل رہے ہیں، لیکن یہاں سے آخر تک چند ابواب بہ ظاہر احکام المساجد سے متعلق معلوم ہوتے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے آخر میں متفرق احکام جمع کر دیئے ہیں، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے یہاں اچھا ربط قائم کیا ہے کہ امام بخاریؒ کے صفة الصلوٰة کے ابواب، الصلاة في الجماعة پر مبنی ہیں کہ انہوں نے کتاب الاذان کے بعد کوئی اور عنوان کتاب کے طور پر ذکر نہیں کیا، کتاب الاذان میں پہلے اذان واقامت کے ابواب ذکر کئے، پھر امامت اور صف بندی کے ابواب آئے، پھر جماعت اور پھر صفة الصلاة کے ابواب منعقد فرمائے، اور یہ سب ابواب ایک دوسرے سے مربوط ہیں، پھر یہ کہ جماعت کی فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں سب کو حاضر ہونا چاہیئے، تاہم حاضر ہونے والوں کو عوارض بھی پیش آتے ہیں اس لئے آخر میں اہلِ عوارض سے متعلق ابواب دےئے ہیں کہ مثلاً کسی نے لہسن یا بدبودار چیز استعمال کی تو وہ جماعت میں حاضری کی سعادت سے محروم کر دیا گیا، بچوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان پر جماعت میں حاضری ضروری نہیں، اسی طرح عورتوں کو بھی ہر حال میں شرکت کی اجازت نہیں وغیرہ۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ بدبودار چیز کھا کر منہ صاف کئے بغیر مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، اس لئے کہ اس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے اور یہ بارگاہ خداوندی کے آداب کے خلاف ہے، کچا لہسن پیاز اور گندنا، ان تینوں چیزوں کو امام بخاریؒ نے صراحت کے ساتھ ترجمہ میں ذکر فرمایا ہے، حقہ، بیڑی، سگریٹ کا بھی یہی حکم ہے، سماک اور لحام یعنی مچھلی اور گوشت کا کام کرنے والے، اگر ان کے جسم اور کپڑوں میں تکلیف دہ بو بسی ہوئی ہو تو ان کا بھی یہی حکم ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو مسجد سے نکال دینے کی اجازت ہے، وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسجد، خانہ خدا ہے، ہمیں اس سے کیوں نکالتے ہو؟

وقول النبی ﷺ من اكل الثوم الخ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ لہسن وغیرہ کا استعمال بھوک یا ضرورت کی بنا پر ہوا ہو یا بے ضرورت، حکم یہی ہے، لیکن یہاں من الجوع وغيره کے الفاظ حضور ﷺ کے نہیں ہیں۔ البتہ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے نهى النبي ﷺ عن اكل البصل والكراث فغلبتنا الحاجة فاكلنا منه الخ کو حضور ﷺ نے پیاز اور گندنا کے کھانے سے منع فرمایا تھا، مگر ہمیں ضرورت میں انہیں استعمال کرنا پڑا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو ان چیزوں کو استعمال کرے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے، اس روایت میں جو فغلبتنا الحاجة ہے وہ امام بخاریؒ کے من الجوع وغيره کی بنیاد بن سکتا ہے۔ تاہم امام بخاریؒ کا قول النبی ﷺ کی صراحت کے بعد من الجوع وغيره کا اضافہ کرنا ان کے نزدیک روایت بالمعنی کے جواز کا اشارہ ہے جب کہ صحیح بخاری میں ان کی یہ عادت نہیں ہے۔

تشریح احادیث اس باب کے تحت امام بخاری نے چار روایات ذکر کی ہیں، تمام روایات میں یہ مضمون ہے کہ حضور ﷺ نے لہسن یا بدبودار چیزوں کے استعمال کے بعد منہ کو صاف کئے بغیر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے، لیکن استعمال کی اجازت بھی دی ہے، گویا یہ چیزیں حرام نہیں ہیں۔ حضرت جابرؓ کی پہلی روایت میں **قلت ما یعنی به؟** مذکور ہے، قلت کے فاعل اگر ابن جریج ہیں تو جواب دینے والے عطاء ہوں گے، بعض شارحین نے یہ فرمایا ہے کہ فاعل عطاء ہیں اور جواب دینے والے حضرت جابرؓ ہیں، سوال کا منشا بہرحال یہی ہے کہ حضور ﷺ کے اس شدت کے ساتھ منع کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ان چیزوں کا استعمال حرام ہے؟ یا یہ مطلب ہو کہ آپ کا یہ ارشاد صرف کچے کے بارے میں ہے یا پکانے کے بعد بھی یہی حکم ہے؟ تو جواب دیا کہ یہ حکم صرف کچے کے بارے میں ہے، جب کہ مخلد بن یزید نے ابن جریج سے **نتنه** نقل کیا ہے، یعنی اگر بدبو کا ازالہ نہیں کیا تو یہ حکم ہے اور اگر پکا کر بو ختم کر دی جائے یا منہ کی صفائی کا اہتمام کیا جائے تو یہ حکم نہیں ہے، ابوداؤد میں حضرت علیؓ کی روایت میں **نهی عن اکل الثوم الا مطبوخا** آیا ہے، اسی طرح حضرت معاویہ بن قرہ کی روایت میں **ان کنتم لا بد اکلیهما فامیتوهما طبخا** ہے، کہ اگر لہسن اور پیاز کھانے کی مجبوری ہے تو پکا کر ان کی بو کو ختم کر دینا چاہیئے، اس سے ان اہل ظاہر کی بھی تردید ہوگئی جنھوں نے ان چیزوں کے استعمال کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

دوسری روایت حضرت ابن عمرؓ کی ہے اس کا مضمون بھی وہی ہے، البتہ اس میں اتنی بات زائد ہے کہ آپ کا یہ ارشاد غزوۂ خیبر کے موقع کا ہے جو ۷ھ میں ہوا ہے اور خیبر میں چونکہ کوئی مسجد نہیں تھی اس لئے **لا یقرب مسجدنا** میں مسجد سے مراد وہ جگہ ہوگی جو اس موقع پر نماز کے لئے مقرر کی گئی تھی، گویا لہسن پیاز وغیرہ استعمال کرنے کے بعد عارضی مسجد میں بھی حاضری کی اجازت نہیں یا پھر **مسجدنا** کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے شخص کو مسلمانوں کی مسجد میں آنے کا حق نہیں۔

تیسری روایت حضرت جابرؓ کی ہے، اس کا مضمون بھی واضح ہے اور اس میں **فلیعتزل مسجدنا** کے بعد **ولیقعد فی بیته** ہے کہ اس کو اپنے گھر میں بیٹھے رہنا چاہیئے۔

وان النبی ﷺ اتی بقدر الخ سعید بن عفیر کی سند سے یہ دوسری روایت ہے، اس کی تفصیل دیگر روایات میں یہ ہے کہ ابتداء ہجرت میں رسول اکرم ﷺ حضرت ابوایوب انصاری کے یہاں مقیم تھے، اس زمانہ میں آپ کے سامنے جو کھانا پیش کیا جاتا تھا، اس میں سے بچے ہوئے کھانے کو حضرت ابوایوب تبرک کے طور پر پیغمبر علیہ السلام کی انگلیوں کے نشانات کو دیکھ کر استعمال کرتے تھے، ایک مرتبہ آپؐ کے پاس سے کھانا واپس ہوا تو اس میں آپ کی انگلیوں کے نشانات نہیں تھے، معلوم ہوا کہ آپ نے وہ کھانا استعمال نہیں کیا تھا، اس میں لہسن تھا، حضرت ابوایوب نے پوچھا أحرام هو؟ آپؐ نے فرمایا **لا ولکن اکرهه** حرام نہیں ہے لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا اور ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ

اناجی من لا تناجی، میری ملائکہ سے مناجات ہوتی رہتی ہے تمہاری نہیں ہوتی، اس لئے تم استعمال کر سکتے ہو۔

بخاری کی اس روایت میں یہ بات دوسرے انداز سے آئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے سامنے ایک ہانڈی پیش کی گئی جس میں مختلف سبزیاں تھیں، ہانڈی کے تذکرے سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبزیاں پکائی ہوئی تھیں، آپ نے اس کو استعمال نہیں کیا اور فرمایا کہ اسے ابوایوبؓ کو دے دیا جائے، انہیں بھی پیغمبر علیہ السلام کے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے تردد ہوا تو آپ نے فرمایا کل الخ آپ اس کو کھا سکتے ہیں کہ فرشتوں سے مناجات کیوجہ سے میں اس کو استعمال نہیں کرتا، اور تمہیں یہ عذر نہیں ہے۔

اسی روایت میں احمد بن صالح، اتی ببدر نقل کر رہے ہیں اور بدر کا مطلب طبق بتا رہے ہیں گویا بڑی تھالی کو گولائی میں چاند سے تشبیہ دے کر بدر کہا گیا ہے، اس تعبیر کا تقاضا یہ ہے کہ پیش کردہ سبزیاں کچی تھیں۔

چوتھی روایت حضرت انسؓ کی ہے کہ کسی نے ان سے لہسن کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے وہی بات بیان فرمائی جو دیگر روایات میں ہے، ان تمام روایات میں کراث کا ذکر نہیں ہے جب کہ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں اس کو شامل کیا ہے، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ بعض روایات میں اس کی بھی صراحت ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت اوپر ذکر کی گئی ہے، یا پھر یہ کہ اس روایت میں اتی بقدر فیہ خضرات من بقول آیا ہے، خضرات کے عموم میں اس کو داخل مان لیا جائے، یا پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لہسن اور پیاز کی ممانعت بدبو کی وجہ سے ہے اور ہر بدبودار چیز کا یہی حکم ہے اور کراث اسی میں داخل ہے۔ واللہ اعلم

[۱۶۱] بَابُ وُضُوْءِ الصِّبْيَانِ وَمَتٰى يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْغُسْلُ وَالطُّهُوْرُ وَحُضُوْرِهِمُ الْجَمَاعَةَ وَالْعِيْدَيْنِ وَالْجَنَائِزَ وَصُفُوْفِهِمْ

(۸۵۷) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمٰنَ الشَّيْبَانِيَّ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى قَبْرٍ مَنْبُوْذٍ فَأَمَّهُمْ وَصَفُّوْا عَلَيْهِ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَمْرٍو مَنْ حَدَّثَكَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ . (آئندہ: ۱۲۴۷، ۱۳۱۹، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۶، ۱۳۳۶، ۱۳۴۰)

(۸۵۸) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ قَالَ ثَنِي صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ . (آئندہ: ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۹۵، ۲۶۶۵)

(۸۵۹) حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ اَخْبَرَنِیْ كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِیْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ فَلَمَّا كَانَ فِیْ بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوْءً خَفِيْفًا ـ يُخَفِّفُهٗ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهٗ جِدًّا ـ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّیْ فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَحَوَّلَنِیْ فَجَعَلَنِیْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ صَلّٰی مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰی نَفَخَ فَاَتَاهُ الْمُنَادِیْ يُؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ مَعَهٗ اِلَی الصَّلٰوةِ فَصَلّٰی وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قُلْنَا لِعَمْرٍو اِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهٗ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهٗ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُوْلُ اِنَّ رُؤْيَا الْاَنْبِيَآءِ وَحْیٌ ثُمَّ قَرَأَ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ. ﴿صافات: ۱۰۲﴾ (گذشتہ:۱۱۷)

(۸۶۰) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَالِكٌ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ جَدَّتَهٗ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ فَاَكَلَ مِنْهُ فَقَالَ قُوْمُوْا فَلِاُصَلِّیَ بِكُمْ فَقُمْتُ اِلٰی حَصِيْرٍ لَّنَاقَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهٗ بِمَآءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْيَتِيْمُ مَعِیْ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَرَآئِنَا فَصَلّٰی بِنَا رَكْعَتَيْنِ. (گذشتہ:۳۸۰)

(۸۶۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰی حِمَارٍ اَتَانٍ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ بِالنَّاسِ بِمِنًی اِلٰی غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَیْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِی الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَیَّ اَحَدٌ. (گذشتہ:۷۶)

(۸۶۲) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ اَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ح وَقَالَ عَيَّاشٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الْعِشَآءِ حَتّٰی نَادَاهُ عُمَرُ قَدْ نَامَ النِّسَآءُ وَالصِّبْيَانُ قَالَتْ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ يُصَلِّیْ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ غَيْرَكُمْ وَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ يَوْمَئِذٍ يُصَلِّیْ غَيْرَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ. (گذشتہ:۵۶۶)

(۸۶۳) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِیٍّ قَالَ حَدَّثَنِیْ يَحْيٰی قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ شَهِدْتَ الْخُرُوْجَ مَعَ

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِيْ مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ يَعْنِي مِنْ صِغَرِهِ اَتَى الْعَلَمَ الَّذِيْ عِنْدَ دَارِ كَثِيْرِ بْنِ الصَّلْتِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ اَتَى النِّسَآءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ اَنْ يَتَصَدَّقْنَ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تَهْوِيْ بِيَدِهَا اِلٰى حَلْقِهَا تُلْقِيْ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ اَتٰى هُوَ وَبِلَالٌ الْبَيْتَ . (گذشتہ:۹۸)

ترجمہ | باب، بچوں کے وضوء کرنے کا بیان اور یہ کہ ان پر غسل کرنا اور پاکی حاصل کرنا کب واجب ہوتا ہے، اور ان کے جماعت، عیدین، جنازے اور ان کی صفوں میں شریک ہونے کا بیان۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص (صحابی) نے حدیث بیان کی جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک اکیلی قبر پر گیا تھا کہ آپؐ نے امامت فرمائی اور حاضرین نے صف بندی کی، سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے شعبیؒ سے پوچھا کہ اے ابوعمرو! آپ سے یہ کس نے بیان کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباسؓ نے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ، حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ آدمی پر واجب ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے پاس ایک رات گذاری، پس نبی کریم ﷺ سو گئے پھر جب رات کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو رسول اللہ ﷺ اٹھ گئے پھر آپ نے لٹکے ہوئے مشکیزے سے ہلکا وضو کیا۔ عمرو بن دینار اس وضو کو ہلکا اور بہت زیادہ ہلکا بیان کرتے تھے۔ پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے پھر میں بھی اٹھ گیا، پھر میں نے بھی تقریباً آپؐ ہی جیسا وضو کیا پھر میں آیا اور آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، پھر آپ نے مجھے گھما دیا اور مجھے اپنے داہنی طرف کر لیا پھر آپ نے جتنی خدا کی مشیت تھی اتنی نماز پڑھی پھر آپ لیٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے پھر مؤذن نے آکر نماز کی اطلاع دی، آپ اس کے ساتھ نماز کے لئے چلے گئے پھر آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا، سفیان کہتے ہیں کہ ہم نے عمرو بن دینار سے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا تو عمرو بن دینار نے جواب دیا کہ میں نے عبید بن عمیر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی انی اری فی المنام انی اذبحك بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ اسحاق کی دادی ملیکہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے تیار کردہ کھانے پر مدعو کیا تو آپؐ نے کھانا کھایا پھر فرمایا تم کھڑے ہو جاؤ تا کہ میں نماز پڑھا دوں چنانچہ میں ایک بوریے کی طرف اٹھ کر گیا جو بہت زیادہ استعمال کی وجہ سے کالا ہو گیا تھا اور اسکو میں نے پانی سے دھویا، پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور ایک یتیم لڑکا میرے ساتھ کھڑا ہوا اور بڑی بی ہمارے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور حضور ﷺ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مادین گدھی پر سوار ہو کر آیا اور میں اس وقت جوانی کے قریب تھا اور رسول اللہ ﷺ منی میں لوگوں کو کسی دیوار کو سترہ بنائے بغیر نماز پڑھا رہے تھے اور میں نمازیوں کی صف کے کچھ حصے کے سامنے سے گذر کر

سواری سے اترا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں شریک ہو گیا اور کسی نے میرے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھی، یہاں تک کہ حضرت عمر نے آپ کو آواز دے کر عرض کیا کہ عورتیں اور بچے سو گئے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ پھر حضور ﷺ حجرہ سے نکلے اور فرمایا کہ بے شک زمین پر بسنے والوں میں تمہارے علاوہ کوئی بھی اس نماز کو پڑھنے والا نہیں ہے اور اس زمانہ میں اہل مدینہ کے علاوہ کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عابس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا۔ اوران سے ایک شخص نے کہا تھا کہ۔ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کے دن عورتوں کا نکلنا دیکھا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں دیکھا ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ مجھ پر خاص عنایت نہ ہوتی تو میں۔ مراد یہ تھی کہ کم سنی کی وجہ سے۔ اس چیز کو نہیں دیکھ سکتا تھا، آپ پہلے اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن الصلت کے گھر کے قریب تھا پھر آپ نے خطبہ دیا پھر آپ عورتوں میں آئے پھر ان کو وعظ سنایا اور ان کو نصیحت کی اور ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ عورتیں اپنے ہاتھوں سے اپنی انگوٹھیاں نکال کر حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں پھر آپ اور حضرت بلال اپنے گھر واپس آ گئے۔

مقصد ترجمہ اس باب میں امام بخاریؒ نے نابالغ بچوں سے متعلق متعدد مسائل جمع کر دئے ہیں، ابن حجرؒ کے بیان کردہ ربط کے مطابق یہ جماعت میں تاکیدی طور پر شریک نہ ہونے والے اہل عوارض سے متعلق دوسرا باب ہوا، ورنہ اصل یہ ہے کہ صفۃ الصلوۃ کے آخر میں امام بخاریؒ نے بچے کھچے متفرق مسائل ذکر فرما دیئے ہیں جس طرح فقہاء بعض مباحث کے آخر میں مسائل شتّٰی کے عنوان سے مسائل جمع کر دیتے ہیں اور ان کے درمیان مناسبت نہیں دیکھی جاتی، اسی طرح ان ابواب کو سمجھنا چاہیئے۔

پہلا مسئلہ ہے وضوء الصبیان، بات یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کی ضرورت ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغ، یہ دوسری بات ہے کہ بلوغ سے پہلے نماز فرض نہیں لیکن بچوں کو جو سات سال کی عمر میں نماز کی ہدایت اور دس سال کی عمر میں نماز کی تاکید کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ بچے اس کے مطابق نماز پڑھیں گے تو انہیں نماز کے لئے وضو کرنا ہوگا، تاکہ انہیں نماز کے ساتھ وضو کا بھی عادی بنایا جا سکے اور وہ اس میں تساہل نہ کریں۔

مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ نابالغ بچوں کی نماز بھی شرعاً معتبر ہے اور اس کے لئے کیا گیا وضو بھی قابل اعتبار اور صحیح ہے، اور سنت سے ثابت ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں، بعض حضرات نے حنفیہ کی طرف یہ منسوب کر دیا ہے کہ بچوں کے یہ اعمال ان کے یہاں صحیح یا معتبر نہیں ہیں مگر یہ ان کی ناواقفیت ہے، ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ بچوں کے یہ اعمال معتبر ہیں اصول فقہ کی اہلیت کی بحث میں اس مسئلہ کی تنقیح کی گئی ہے کہ حنفیہ کے یہاں بچوں کا ایمان بھی معتبر ہے اور ان کی نماز اور دیگر اعمال خیر بھی معتبر ہیں، البتہ ایمان میں چونکہ فرض اور نفل کا تنوع نہیں ہے اس لئے بچہ اگر ایمان قبول کرتا

ہے تو وہ صحیح بھی ہوگا اور فرض کی ادائیگی قرار پائے گا اور نماز میں چونکہ فرض اور نفل کا تنوع ہے اس لئے بچہ کی نماز نفل قرار دی جائے گی، البتہ صحتِ نماز کے لئے جو شرائط ہیں ان سب کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ باوضو ہو، رو بہ قبلہ ہو اور اس کی نماز شرائط و ارکان کی جامع ہو وغیرہ۔

پھر یہ کہ اس عملِ خیر کا ثواب بھی بچے ہی کو ملے گا، یہ غلط مشہور ہے کہ بچہ کی نماز کا ثواب والدین کو ملتا ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ثواب ملے گا، اسی طرح آج کل یہ رسم ہوگئی ہے کہ بچوں سے قرآن پڑھوا کر ثواب پہونچواتے ہیں، یہ بھی از روئے اصول غلط ہے، قرآن کی تلاوت کا ثواب بچے کو تو ملے گا لیکن وہ دوسروں کو نہیں پہنچا سکتا، جس طرح بچہ اپنے مال کو کسی کو دینے کا حق نہیں رکھتا اور اگر بچہ دینا چاہے تو لینے والے کے لئے لینا جائز نہیں، البتہ اگر والدین بچہ کو سخاوت کا عادی بنانے کے لئے اپنا مال بچے سے دلوائیں تو اور بات ہے اور ایسا کرنا درست ہے۔

ومتی یجب علیھم الخ ۔ یہ دوسرا مسئلہ پہلے مسئلہ پر متفرع ہے کہ نماز کے لئے وضو صحیح ہے لیکن وضو اور غسل کا وجوب یہ بلوغ ہی سے شروع ہوتا ہے، البتہ بچوں کو ان چیزوں کی عادت ڈالنے کے لئے بلوغ سے پہلے ہی ان چیزوں کا حکم دیا جاتا ہے۔

وحضورھم الجماعۃ الخ اور یہ کہ نابالغ بچے نماز کے لئے جماعت میں، عیدین میں اور جنازے میں شریک ہوں گے اور وہ جو ایک روایت میں **جنبوا صبیانکم المساجد** آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچے اتنے چھوٹے ہوں کہ ان سے مسجد میں آلودگی کا اندیشہ ہو تو انہیں مسجد میں نہیں لانا چاہیئے لیکن اگر بچے اتنے بڑے ہوں کہ آلودگی وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو مسجد میں شریک جماعت ہونا چاہیئے۔

وصفوفھم ، مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں بچے زیادہ ہوں تو مردوں کی صف کے بعد ان کی مستقل صف ہوگی اور اگر بچہ ایک ہی ہو تو اسے مردوں کی صف کے ساتھ کنارے پر لیا جائے گا جنازے میں بچے مردوں کی صف کے ساتھ کھڑے ہوسکتے ہیں، ان مسائل کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھنی چاہیئے۔ نابالغ بچوں سے متعلق یہ چند مسائل امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں جمع کردئے ہیں جو ذیل میں دی گئی روایات سے ثابت ہیں۔

تشریح احادیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے سات روایات ذکر کی ہیں، ہر روایت سے ترجمۃ الباب کا کوئی نہ کوئی جز ثابت ہوتا ہے، پہلی روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسی قبر پر گئے جو دوسری قبروں سے الگ تھی، اور وہاں آپ نے صف بنا کر نماز پڑھائی اور ابن عباسؓ اس میں شریک ہوئے جو نابالغ تھے، بچوں کا نماز جنازہ میں شریک صف ہونا ثابت ہوگیا۔

دوسری روایت سے ترجمہ کا دوسرا جز **متی یجب علیھم الغسل والطھور** ثابت ہوا کہ غسل و وضو کا وجوب بالغ ہونے پر ہے، نابالغ بچوں پر نہیں ہے۔

تیسری روایت میں آیا کہ حضرت ابن عباس نے وضو کیا پھر حضور علیہ السلام کے پیچھے نیت باندھ لی معلوم ہوا کہ نابالغ بچوں کا وضو بھی معتبر ہے اوران کی نماز میں شرکت بھی درست ہے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے صرف ان کی جگہ تبدیل فرمائی گویا بقیہ امور کی توثیق ہوگئی۔

چوتھی روایت میں یہ آیا کہ حضور علیہ السلام نے نماز پڑھائی اور حضرت انسؓ اور یتیم نے اقتدا کی یتیم کا لفظ نابالغ ہونے پر دلالت کرتا ہے اس سے نابالغ بچوں کا شریک صف ہونا ثابت ہوگیا۔

پانچویں روایت میں آیا کہ ابن عباسؓ عید کی نماز میں سوار ہوکر پہنچے، اور صف کے کچھ حصے کے سامنے سے گذر کر نماز میں شریک ہوگئے، ابن عباسؓ اس وقت نابالغ اور مراہق تھے اس لئے بچوں کا نماز عید میں شریک ہونا ثابت ہوگیا، یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔

چھٹی روایت میں آیا کہ عشاء کی نماز میں تاخیر ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ عورتیں اور بچے سو گئے ہیں ظاہر یہی ہے کہ یہ عورتیں اور بچے مسجد میں موجود تھے، یہ روایت بھی گذر چکی ہے۔

ساتویں روایت میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ حضور علیہ السلام کی خصوصی عنایات کے سبب صغرسنی کے باوجود نمازِ عید میں شریک تھے اور انہوں نے بتایا کہ مجھے سب یاد ہے کہ آپؐ اس نشان کے پاس پہنچے جس کے قریب کثیر بن الصلت کا گھر بن گیا ہے، پھر آپ نے خطبہ دیا وغیرہ، معلوم ہوا کہ بچے نمازِ عید میں شریک ہوتے تھے غرض یہ ہے کہ ان تمام روایات سے ترجمہ کے تمام اجزاء ثابت ہوگئے۔　　واللہ اعلم

[۱۶۲] بَابُ خُرُوْجِ النِّسَآءِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ

(۸۶۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْعَتَمَةِ حَتّٰى نَادَاهُ عُمَرُ نَامَ النِّسَآءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَا يَنْتَظِرُهَا اَحَدٌ غَيْرُكُمْ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ وَلَا يُصَلّٰى يَوْمَئِذٍ اِلَّا بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ .　　(گذشتہ:۵۶۶)

(۸۶۵) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى عَنْ حَنْظَلَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا اسْتَاذَنَكُمْ نِسَآءُكُمْ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاْذَنُوْا لَهُنَّ تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .　　(آئندہ:۸۷۳،۸۹۹،۹۰۰،۵۲۳۸)

(۸۶۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ

الزُّهرِيّ قَالَ حَدَّثَتْنِي هِنْدٌ بِنْتُ الْحَارِثِ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ اَخْبَرَتْهَا اَنَّ النِّسَآءَ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُنَّ اِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَاِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ الرِّجَالُ .

(۸۶۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ اَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَآءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ . (گذشتہ:۳۷۲)

(۸۶۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِيْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِي الْاَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ اَبِي كَثِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّي لَاَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُطَوِّلَ فِيْهَا فَاَسْمَعُ بُكَآءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمِّهٖ . (گذشتہ:۷۰۷)

(۸۶۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَحْدَثَ النِّسَآءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَآءُ بَنِي اِسْرَائِيْلَ فَقُلْتُ لِعَمْرَةَ اَوَ مُنِعْنَ قَالَتْ نَعَمْ .

ترجمہ باب، عورتوں کے رات کو اور اندھیرے میں مسجد میں آنے کا بیان۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر فرمادی تو حضرت عمرؓ نے آواز دے کر عرض کیا کہ عورتیں اور بچے سو گئے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ باہر نکلے اور فرمایا کہ اس نماز کا اہل زمین میں سے تمہارے علاوہ اور کوئی انتظار نہیں کر رہا ہے اور اس زمانہ میں مدینہ کے علاوہ اور کہیں نماز نہیں پڑھی جاتی تھی اور اہل مدینہ عشاء کی نماز شفق ڈوبنے سے ایک تہائی رات تک کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں جانے کے لئے تم سے اجازت طلب کریں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ عبیداللہ بن موسیٰ کی شعبہ نے بروایت عن الاعمش عن مجاهد عن ابن عمر متابعت کی ہے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے ہند بنت الحارث سے بیان کیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں عورتیں جب فریضہ کا سلام پھیرتیں تو فوراً کھڑی ہو جاتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے مرد۔ جب تک اللہ کو منظور ہوتا۔ اپنی جگہ ٹھہرے رہتے، پھر جب حضور ﷺ کھڑے ہوتے تو مرد کھڑے ہو جاتے۔ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھتے تو عورتیں اپنی چادروں کو لپیٹے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹتیں، اندھیرے میں ان کی پہچان نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابو قتادہؓ انصاری سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز میں اس حال میں کھڑا ہوتا ہوں کہ میرا ارادہ نماز کو طول دینے کا ہوتا ہے پھر میں بچے کا رونا سن لیتا ہوں تو بچے کی ماں کو مبتلائے مشقت کرنا برا سمجھتے ہوئے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو پالیتے جو عورتوں نے آپ کے بعد ایجاد کر لی ہیں تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا، یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں!

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اگر عورتیں نماز کے لئے مسجد میں جانا چاہیں تو رات کے وقت عشاء کی نماز میں اور غلس کے وقت فجر کی نماز میں شرکت کی اجازت ہے، صورت یہ ہے کہ ابتداء میں عورتیں تمام نمازوں میں آیا کرتی تھیں، عیدین میں بھی ان کی حاضری ثابت ہے، لیکن یہ وہ مضمون ہے کہ جس کی شریعت میں کسی بھی موقع پر ہمت افزائی نہیں کی گئی اور نہ اس سلسلے میں ترغیب کے لئے کہیں کچھ ارشاد فرمایا گیا بلکہ اس چیز کو بالکل اسی طرح سمجھنا چاہیئے جس طرح قراءتِ فاتحہ کے مسئلے میں **لا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب** کی تشریح میں بتایا گیا تھا کہ اس سے مقتدی کے لئے اباحتِ مرجوحہ کے طور پر گنجائش نکلتی ہے، اسی طرح عورتوں کی مسجد میں حاضری محض اباحت مرجوحہ ہے جیسا کہ محمد بن جریر طبری نے کہا ہے **اطلاق الخروج لهن الی المساجد اباحة لا ندب** (قسطلانی ج:۲، ص:۱۵۱) چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے ابوداؤد میں روایت ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے **صلاة المرأة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها** (ابوداؤد ج:۱، ص:۸۴) یہی وجہ ہے کہ شریعت میں جہاں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دی گئی وہیں عورتوں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی گئیں، مثلاً:

(الف) یہ پابندی عائد کی گئی **اذا شهدت احداکن المسجد فلا تمس طیبا** . مسجد میں جاتے وقت خوشبو کا استعمال جائز نہیں، خوشبو کی ممانعت میں، شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی تمام چیزیں شامل ہیں، جیسے زینت کا سامان، اچھا لباس، زیورات وغیرہ، اور یہ ضروری قرار دیا گیا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بالکل سادہ لباس میں حاضر ہوں، جب کہ عورت کی فطرت یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلنے کے لئے بہت اہتمام کرتی ہے اور نکلنے کے لئے سادگی کی قید لگانا، اس کو روک دینے کے مرادف ہے۔

(ب) پھر یہ پابندی کہ تمام اوقات میں نکلنے کی اجازت نہیں، دن میں پورا پردہ نہیں ہوسکتا اس لئے صرف رات کے وقت اور فجر کی نماز میں اجازت دی گئی۔

(ج) پھر یہ پابندی کہ جن نمازوں میں حاضری کی اجازت ہے ان میں بھی شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، شوہر منع کر دے تو رکنا ہوگا، روز روز اجازت لینا بھی زبردست رکاوٹ ہے، ماحول میں یا تعلقات میں ذرا بھی

کشیدگی ہو تو اجازت لینے کی ہمت ہی نہیں ہوگی۔

(د) پھر یہ کہ شوہر کو اجازت دینے کا پابند نہیں کیا گیا، فاذنوا لھن فرمایا گیا ہے، یہاں امر وجوب کے لئے نہیں، اس لئے مطلب یہ ہے کہ اگر مصلحت ہو تو اجازت دے دی جائے، مصلحت نہ ہو تو شوہر کو اجازت نہ دینے کا حق ہے۔

اب ایک طرف یہ پابندیاں ہیں جو عورت کے مزاج کے خلاف ہیں اور دوسری طرف گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیبات ہیں، آخر مردوں کے لئے جماعت میں شرکت کی تاکید اسی لئے تو ہے کہ اس میں ثواب زائد ہے اور جب عورتوں کے لئے گھر کی نماز افضل ہے تو انہیں مسجد میں جانے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے مسئلہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ عورتوں کے لئے مسجد میں حاضری کی اباحت اصلیہ کو محفوظ رکھتے ہوئے اجازت تو دی گئی مگر اس پر اتنی پابندیاں عائد کر دی گئیں کہ اس اباحت پر عمل دشوار ہو گیا۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں ان تمام پابندیوں کی رعایت نہیں کی صرف باللیل والغلس کی قید کا ذکر کیا ہے اور ذیل میں دی گئی روایات میں بعض میں یہ قید ہے، بعض میں نہیں ہے، اس کا مطلب شارحین نے یہی سمجھا ہے کہ امام بخاریؒ مطلق روایات کو بھی مقید کرنا چاہتے ہیں کہ رات کی ظلمت اور غلس کے اندھیرے سے ستر کا فائدہ ہوتا ہے اس لئے وہ صرف ان دو اوقات میں اجازت دے رہے ہیں، لیکن ہمارے دور کی برقی روشنی نے اس اندھیرے کو بھی کافور کر دیا، اس لئے ان دو اوقات کی حاضری بھی محل نظر بن گئی۔

تشریح احادیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے چھ روایات ذکر کی ہیں جن میں سے اکثر روایات گذر چکی ہیں، پہلی روایت پچھلے ہی باب میں گذری ہے، اس روایت سے ترجمۃ الباب کی باللیل کی قید ثابت ہے کہ عشاء کی نماز میں تاخیر ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا نام النساء والصبیان معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز میں عورتیں حاضر تھیں۔

دوسری روایت سے بھی باللیل کی قید ثابت ہے، فرمایا گیا کہ اگر عورتیں رات کے وقت مسجد جانے کی اجازت لیں تو انہیں اجازت دے دو، معلوم ہوا کہ شوہر کو روکنے کا بھی حق ہے، کیونکہ اگر شوہر کو شرعاً روکنے کا حق نہ ہوتا تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں تھی، معلوم ہوا کہ شریعت نے اباحت مرجوحہ کے طور پر عورت کو مسجد میں حاضری کا جو حق دیا ہے اسے بھی شوہر کی اجازت پر محول کیا ہے، پھر روزانہ اجازت لینا، خصوصاً اگر ماحول خراب ہو یا شوہر کا مزاج برہم ہو تو اس وقت اجازت طلب کرنا مشکل ہے، عورت خیال کرے گی کہ چھوڑیئے اور ہمارے لئے جو گھر میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے اسی پر عمل کر لیجئے۔

تیسری، چوتھی اور پانچویں روایتیں گذر چکی ہیں، تیسری روایت میں اللیل یا الغلس کا ذکر نہیں ہے، گویا روایت مطلق ہے اور مطلب بہ ظاہر یہ تھا کہ عہد رسالت میں فریضہ کے فوراً بعد عورتوں کے اٹھ جانے اور صحابہ کرامؓ کے

علیہ السلام کے ساتھ ٹھہرے رہنے کا معمول تمام نمازوں میں تھا لیکن بخاری نے ترجمۃ الباب میں قید ذکر کر کے دیا کہ یہ عشاء اور فجر کی بات ہے۔

چوتھی روایت میں حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ عورتوں کر شرکت فجر کی نماز میں تھی، ایک طرف چادر سے ستر کا تمام اور دوسری طرف غلس، پہچاننا ممکن نہ تھا۔

پانچویں روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عورتیں نماز میں شرکت کرتی تھیں اور بچوں کے رونے کی بنیاد پر عورتوں کی رعایت سے اختصار ہوتا تھا، اب یہ ہر نماز میں ہوتا تھا یا عشاء وفجر میں ہوتا تھا، بخاری نے ترجمۃ الباب میں قید ذکر کر کے اپنا ذوق بیان کر دیا۔

چھٹی اور آخری روایت میں حضرت عائشہؓ نے عورتوں کے لئے مسجد میں حاضری کی اباحت مرجوحہ پر عمل درآمد کو اور زیادہ مشکل کر دیا کہ عورتوں کی جانب سے جس قسم کے احوال اب دیکھنے میں آرہے ہیں، اگر عہد نبوی میں یہ باتیں پیش آگئی ہوتیں تو عورتوں کو شرکت سے بالکل روک دیا جاتا، پھر یہ احوال، بعد کے زمانوں میں بد سے بدتر ہو گئے تو اب شرکت کی اجازت پر عمل کرنے کا کیا موقع ہے؟ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ جس زمانہ میں یہ فرما رہی ہیں وہ خیر القرون ہی کا حصہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بہت کم وقت گذرا ہے، اور اس زمانہ کے منکرات بعد کے زمانہ کے مقابلہ پر برائے نام ہیں کہ بعد کے زمانہ کی ایجاد کردہ منکرات، اس دور خیر القرون سے ہزار گنا زائد ہیں، اس لئے حضرت عائشہؓ کی روایت سے فتنہ کے زمانہ میں عورتوں کی مسجد میں حاضری سے مطلقاً ممانعت پر استدلال کیا گیا ہے۔

قلت لعمرة الخ یحیٰی بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ کیا بنواسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں منع کر دیا گیا تھا، عمرہ نے جس تثبت سے یہ بات کہی ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی بلکہ یہ بات حضرت عائشہؓ یا کسی اور سے ان کے علم میں آئی ہے، چنانچہ مسند عبدالرزاق میں موقوفاً حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بنواسرائیل کی عورتیں مردوں کو متوجہ کرنے کے لئے لکڑی کی کھڑاؤں استعمال کرتی تھیں تو انہیں مسجد سے روک دیا گیا اور ان پر حیض مسلط کر دیا گیا۔　　　　واللہ اعلم

[۱۶۳] بَابُ صَلٰوةِ النِّسَآءِ خَلْفَ الرِّجَالِ

(۸۷۰) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَآءُ حِيْنَ يَقْضِيْ تَسْلِيْمَهٗ وَيَمْكُثُ هُوَ فِيْ مَقَامِهٖ يَسِيْرًا قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ قَالَ نَرٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ لِكَيْ تَنْصَرِفَ النِّسَآءُ قَبْلَ اَنْ يُّدْرِكَهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الرِّجَالِ .

(۸۷۱) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اِسْحٰقَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِيْ

بَيْتِ اُمِّ سُلَيْمٍ فَقُمْتُ وَيَتِيْمٌ خَلْفَهٗ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا . (گذشتہ: ۳۸۰)

ترجمہ باب، مردوں کے پیچھے عورتوں کے نماز پڑھنے کا بیان۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو آپ کے سلام پھیرتے ہی عورتیں کھڑی ہو جاتی تھیں اور آپ کھڑے ہونے سے پہلے تھوڑی دیر اپنی جگہ پر ٹھہرے رہتے تھے، ابن شہابؒ نے فرمایا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہ آپ کا یہ عمل اس لئے تھا کہ عورتیں اس سے پہلے لوٹ جائیں کہ مردان کو راستے میں پاسکیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سلیمؓ کے گھر میں نماز پڑھائی تو میں اور یتیم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ام سلیم ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔

مقصد ترجمہ ترجمۃ الباب کے الفاظ ہیں صلاۃ النساء خلف الرجال، ان کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ عورتیں مسجد میں حاضر ہوں تو انہیں مردوں سے آگے کھڑے ہونے کی یا ان کی صف میں اختلاط کی اجازت نہیں، ان کی صف مردوں سے پیچھے ہوگی، بلکہ مردوں کے بعد بچوں کی صف ہوگی، اور سب سے پیچھے عورتوں کی صف ہوگی، یہاں امام بخاریؒ کا مقصد اسی مسئلہ کو بیان کرنا ہے۔

علامہ سندھیؒ نے ارشاد فرمایا کہ الفاظ ترجمہ میں ایک اور احتمال بھی ہے کہ مردوں کی اقتداء میں عورتوں کا نماز پڑھنا درست ہے، جن نسخوں میں یہ باب مکرر ہے وہاں احتمال کے درجہ میں بیان کردہ مضمون کو مقصد ترجمہ قرار دینا راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح احادیث اس باب کے تحت مذکور دونوں روایتیں گذر چکی ہیں، پہلی روایت میں ہے کہ سلام کے بعد حضور ﷺ اپنی جگہ ٹھہرے رہتے تھے اور عورتیں فوراً مسجد سے نکل جایا کرتی تھیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عورتیں سب سے پیچھے ہوں، اس لئے کہ اگر وہ آگے ہوں یا درمیان میں ہوں تو تخطی اور اختلاط کی نوبت آئے گی، عورتوں کا فوراً اور پہلے نکلنا ان کے پیچھے ہونے کی دلیل ہے، دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ ام سلیم کو پیچھے کھڑا کیا گیا، حالانکہ وہ تنہا تھیں، اس کے باوجود انہیں صف میں شامل نہیں کیا گیا، معلوم ہوا کہ عورتوں کو سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔

[۱۶۴] بَابُ سُرْعَةِ انْصِرَافِ النِّسَآءِ مِنَ الصُّبْحِ وَقِلَّةِ مَقَامِهِنَّ فِي الْمَسْجِدِ

(۸۷۲) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوْسٰى قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ بِغَلَسٍ فَيَنْصَرِفْنَ نِسَآءُ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ اَوْ لَا يَعْرِفُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا . (گذشتہ: ۳۷۲)

ترجمہ باب، صبح کی نماز کے بعد عورتوں کے جلد واپس ہونے اور مسجد میں کم ٹھہرنے کا بیان۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے، پھر مسلمانوں کی عورتیں گھروں کو واپس

ہوتیں، اندھیرے کی وجہ سے ان کو پہچانا نہ جاتا تھا یا وہ عورتیں ایک دوسرے کو پہچان نہ پاتی تھیں۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ عورتیں نماز میں شریک ہوں تو انہیں سلام کے بعد ٹھہرے رہنے کی اجازت نہیں، انہیں فوراً مسجد سے واپس آجانا چاہیئے، اس حکم میں فجر اور عشاء کے درمیان فرق نہیں ہے، لیکن امام بخاریؒ نے ترجمہ میں من الصبح کی قید کا اضافہ کر دیا، حافظ ابن حجرؒ اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ فجر کے بعد جتنی دیر ٹھہریں گی اتنا ہی روشنی اور اسفار میں اضافہ ہوگا جو مصلحتِ ستر کے منافی ہے، جبکہ عشاء کے بعد ٹھہرنے سے تاریکی ہی بڑھتی ہے جو نقصان دہ نہیں ہے، روایت گذر چکی ہے۔

[١٦٥] بَابُ اِسْتِيْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِالْخُرُوْجِ اِلَى الْمَسْجِدِ

(٨٧٣) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا اسْتَاذَنَتْ امْرَأَةُ اَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا ۔ (گذشتہ:٨٦٥)

ترجمہ باب، بیوی کا اپنے شوہر سے مسجد جانے کے لئے اجازت طلب کرنے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں حاضری کے لئے جو گنجائش دی گئی ہے، وہ شوہر کی اجازت پر موقوف ہے، لیکن روایتِ باب میں مسجد کی قید نہیں، اور اس کا تقاضا ہے کہ عورت کو کہیں بھی جانے کے لئے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے۔ لیکن امام بخاریؒ بسا اوقات ترجمۃ الباب میں دوسرے طرق کو ملحوظ رکھتے ہیں، ابن عمرؓ کی اسی روایت میں جو باب خروج النساء الی المساجد میں گذری الی المسجد کی قید مذکور ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے ترجمہ کو مقید کر دیا۔

تشریح حدیث روایت گذر چکی ہے، روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت لیں تو انہیں روکنا نہیں چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ مردوں کو روکنے کا حق ہے لیکن اس حق کو استعمال کرنا مصلحت کے خلاف ہے، زن وشوہر کے معاملات بڑے نازک ہوتے ہیں، عورت کا شیشۂ دل ٹوٹ گیا اور دلوں میں یگانگت نہ رہی تو معاشرت میں دشواری ہوگی، اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تم سے اجازت لیں تو تم منع نہ کرنا، لیکن پابندیاں اتنی عائد کر دی گئیں اور گھر میں نماز پڑھنے کی اتنی ترغیب دی گئی جو منع کرنے کے برابر ہے، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں مرد وزن کو جو دو طرفہ ہدایات دی گئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ عورت اجازت طلب کرے تو تم منع نہ کرنا، ہم منع کئے دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

[۱۶۶] بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ

(۸۷۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اِسْحٰقَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِيْ بَيْتِ اُمِّ سُلَيْمٍ فَقُمْتُ وَيَتِيْمٌ خَلْفَهٗ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. (گذشتہ:۳۸۰)

(۸۷۵) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَآءُ حِيْنَ يَقْضِي تَسْلِيْمَهٗ وَهُوَ يَمْكُثُ فِيْ مَقَامِهٖ يَسِيْرًا قَبْلَ اَنْ يَقُوْمَ قَالَتْ نُرٰى واللّٰه اعلم اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ لِكَيْ يَنْصَرِفَ النِّسَآءُ قَبْلَ اَنْ يُدْرِكَهُنَّ الرِّجَالُ.

مقصد ترجمہ یہ باب مکرر ہے اور ہمارے ہندوستانی نسخہ میں نہیں ہے، لیکن جن نسخوں میں ہے ان کی علامہ سندھیؒ نے تکرار سے بچتے ہوئے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ یہاں امام بخاریؒ کا مقصد مردوں کے پیچھے عورتوں کی اقتداء کا جواز بیان کرنا ہے، اور وہ دونوں روایات سے ثابت ہے کہ پہلی روایت میں ام سلیم کی اقتداء کا ذکر ہے، اور دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ عورتیں، حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھتی تھیں، اور سلام کے فوراً بعد وہ مسجد سے اپنے گھروں کو روانہ ہو جایا کرتی تھیں۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۱۱] ﴿كِتَابُ الْجُمُعَة﴾

[۱] بَابُ فَرْضِ الْجُمُعَةِ

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. فَاسْعَوْا فَامْضُوْا. (جمعہ:۹)

(۸۷۶) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْاَعْرَجَ مَوْلٰى رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ الْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ. (گذشتہ:۲۳۸)

ترجمہ باب، جمعہ کی فرضیت کا بیان۔ کیونکہ اللہ تعالی نے (سورۂ جمعہ میں) فرمایا کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو ذکر خداوندی کی طرف چلے جاؤ اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو، یہی چیز تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، فاسعوا کے معنی ہیں نکل کھڑے ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم دنیا میں سب امتوں کے بعد آنے والے، قیامت کے دن سب سے آگے رہنے والے ہیں مگر یہ کہ یہود ونصاریٰ کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی، پھر یہ کہ جمعہ کا دن، ان کا وہ دن ہے جو ان کے لئے مقرر کیا گیا تھا، پھر وہ اختلاف میں مبتلا ہو گئے پھر اللہ نے ہمیں اس دن کے لئے ہدایت عطا فرمائی، پس تمام امتیں اس میں ہمارے تابع ہو گئیں کہ یہود کا دن کل ہے یعنی سنیچر اور نصاریٰ کا کل کے بعد یعنی اتوار۔

مقصد ترجمہ مقصد ہے جمعہ کی فرضیت کا بیان اور اس کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے سورۂ جمعہ کی آیت ذکر فرمائی ہے **يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ الآية**، اس آیت میں تمام اہل ایمان کو خطاب عام ہے، لیکن بعض اہل ایمان کو بالاجماع مخصوص قرار دیا گیا ہے جیسے معذورین اور عورتیں، اور جب آیت عام مخصوص منہ البعض ہو گئی تو دلائل کی بنیاد پر بعض دیگر افراد کو خارج کرنا بھی جائز ہو گیا، ابوداؤد میں روایت ہے **الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة الاعلى اربعة عبد مملوك او امرأة او صبى او مريض** (مشکوۃ ص:۱۲۱) پھر یہ کہ جو اہل ایمان حاضری سے مستثنیٰ ہیں ان کا استثناء بھی عفو ورخصت کے طور پر ہے ممانعت کے طور پر نہیں۔ اس لئے اگر وہ عزیمت پر عمل کرتے ہوئے حاضر ہوں گے تو ان کا جمعہ صحیح قرار دیا جائے گا اور فریضۂ ظہر ان سے ساقط ہو جائے گا، بہر حال جمعہ کی نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت پر سب کا اتفاق ہے، اور امام بخاریؒ کی پیش کردہ آیت متعدد وجوہ سے فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔

(۱) پہلی بات ہے **اذا نودی للصلوٰة** کہ جب نمازِ جمعہ کے لئے اذان دے دی جائے تو اہتمام کے ساتھ شرکت کے لئے تیار ہو جاؤ، اذان چونکہ صرف فرائض کے لئے مشروع ہے غیر فرائض کے لئے نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ فرائض میں سے ہے۔

(۲) دوسری بات ہے **فاسعوا الی ذکر اللّٰہ**، ذکر اللہ سے مراد ہے خطبۂ جمعہ، ان الفاظ میں اذان سننے والوں پر خطبۂ جمعہ میں شرکت کے لئے اہتمام کے ساتھ جانے کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور جب خطبہ میں شرکت کے لئے حاضری کو لازم قرار دیا گیا ہے تو اصل نماز جمعہ۔ جس کے لئے خطبہ کو مشروع کیا گیا ہے۔ کی فرضیت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

(۳) تیسری بات ہے **ذروا البیع**. بیع وشراء کا تذکرہ، کثرت کے پیش نظر یا واقعہ نزول کی وجہ سے ہے ورنہ حکم عام ہے کہ بیع وشراء اور دیگر مباح پیشے جو انسانی ضروریات مین شامل ہیں ان سب کو اذان کے بعد ترک کر دیا جائے اور ہر اس چیز کو چھوڑ دیا جائے جو شہودِ جمعہ سے مانع ہو سکتی ہے، اور یہ صرف جمعہ کی خصوصیت ہے، معلوم ہوا کہ

جمعہ کا معاملہ دوسری نمازوں سے اہم ہے اور جمعہ مؤکد ترین فریضہ ہے۔

(۴) اور چوتھی بات ہے ذلکم خیر لکم کہ اذان جمعہ کے بعد تمام امور سے خیریت کو ختم کر کے، صرف شہودِ جمعہ میں خیریت کو منحصر کر دیا گیا ہے، اگر کوئی مباح کاروبار کرتا ہے یا گھر میں بیٹھ کر عبادت کرتا ہے تو اس وقتِ خاص میں ان چیزوں میں کوئی خیر نہیں ہے، خیر کا شہود جمعہ میں انحصار، جمعہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔

شہود جمعہ پر لفظِ خیرٌ کے اطلاق سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ عمل ضروری نہیں صرف پسندیدہ ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں ضروری چیزوں اور واجبات پر بھی خیرٌ کا اطلاق کیا گیا ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا وابراھیم اذ قال لقومه اعبدوا الله واتقوه ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (عنکبوت آیت ۱۶) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو عبادت اور تقوی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور اس کے بعد ذلکم خیر لکم فرمایا، ظاہر ہے کہ عبادت اور تقوی صرف تحسینات کی قسم نہیں بلکہ واجبات سے ہیں، اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا کہ اگر دس سال تک بھی پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے پھر فرمایا فاذا وجد الماء فلیمسه بشره فان ذلك خیر کہ اس کے بعد اگر پانی میسر آجائے تو اس کا استعمال کیا جائے کہ یہی خیر ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں پانی کا استعمال ضروری ہے صرف پسندیدہ نہیں، اسی طرح شہودِ جمعہ پر خیر کے اطلاق کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ ضروری اور فرض ہے۔

لفظ خیر کی وضاحت میں یہ بات درمیان میں آگئی ورنہ بیان یہ کرنا تھا کہ امام بخاریؒ کی پیش کردہ آیت سے جمعہ کی فرضیت پر متعدد انداز سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور یہی امام بخاریؒ کا مقصد ہے۔

فاسعوا فامضوا، یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سعی سے مراد دوڑ کر آنا نہیں اس لئے کہ عام نمازوں میں بھی اس کی ممانعت ہے اور سکون ووقار کے ساتھ حاضری کی تاکید کی گئی ہے تو جمعہ کے لئے بدرجۂ اولیٰ یہی حکم ہے، اس لئے فاسعوا کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے بعد کسی بھی کام میں مشغول رہنا جائز نہیں اہتمام کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرنا ضروری ہے۔

تشریح حدیث نحن الآخرون السابقون الخ یہ اسی صحیفہ کی پہلی روایت ہے جس سے امام بخاریؒ اپنی کتاب میں کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو نشاندہی کے لئے پہلے نحن الآخرون السابقون نقل کرتے ہیں، تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۲۳۸، کی طرف رجوع کیا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں ظہور کے اعتبار سے سب سے آخر میں آئے ہیں، مگر قیامت میں سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے اور تمام چیزوں میں دیگر امم سے مقدم رکھے جائیں گے، صرف اتنی بات ہے کہ ان اہل کتاب کو کتابیں، یعنی توریت وانجیل وغیرہ ہم سے پہلے دے دی گئی ہیں اور وہ اس تقدمِ زمانی کو اپنے لئے باعث فخر اور وجہِ ترجیح سمجھ رہے ہیں، ہم بھی اس تقدم کو وجہِ شرف تسلیم کر لیتے اگر ان کو آخرِ وقت تک باقی رکھا جاتا، لیکن جب وہ کتابیں

اور شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں تو اس تقدم زمانی کو وجہ شرف کے طور پر بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن ان کے سامنے بھی پیش ہوا تھا، لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور جمعہ کو چھوڑ کر کسی نے ہفتہ کو اور کسی نے اتوار کو اختیار کر لیا اور خداوند کریم نے ہمیں ہدایت دی کہ ہم نے اس کی توفیق سے جمعہ کو عبادت کے خاص دن کے طور پر اختیار کر لیا۔

ثم هذا يومهم الذى فرض الخ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ یہ دن معین کر کے ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اختلاف کیا کہ یہ معین دن لازم ہے یا اس میں تبدیلی کی بھی گنجائش ہے چنانچہ بعض آثار میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جمعہ کا دن معین کر کے اس کی فضیلت سے آگاہ کیا تھا لیکن یہود نے اختلاف کر کے ہفتہ کو افضل کہا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی **دعهم وما اختاروا** کہ ان کے اختیار کردہ دن ہی کو رہنے دیجئے، اسی طرح نصاریٰ نے اس کے بعد والے دن کو اختیار کر لیا لیکن اس کی تفصیل کا ہمیں علم نہیں۔

اور دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جمعہ کا دن معین کر کے نہیں بتایا گیا تھا بلکہ یہ کہا گیا تھا کہ وہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے خاص کر لیں، بات گویا مجمل تھی لیکن خدا کے نزدیک اس کام کے لئے جمعہ کا دن پسندیدہ تھا، چنانچہ یہود نے اپنے اجتہاد سے ہفتہ کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا، اس صورت میں چونکہ یہ امر اجتہادی تھا اس لئے تعین کی غلطی میں وہ گنہگار تو نہیں ہوں گے لیکن مقصد خداوندی کو پانے میں ناکام ضرور کہلائیں گے۔

فهدانا الله له الخ اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی تعیین کو ہمارے اجتہاد پر محول نہیں فرمایا بلکہ معین کر کے ہدایت دی اور اس کے مطابق یہ کہنا ہوگا کہ حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ میں جمعہ کے قیام کا حکم دے دیا گیا تھا، لیکن آپ حالات کے سازگار نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تعمیل پر قادر نہ ہو سکے۔ اور دوسرے معنی یہ کہ اللہ نے عبادت کے لئے دن کی تعیین کو اجتہاد پر محول فرمایا تھا اور مسلمان بہ توفیق خداوندی صحیح دن کے انتخاب میں کامیاب ہوئے، مسند عبدالرزاق میں بہ سند صحیح ایک مرسل روایت ہے کہ اہل مدینہ، حضور ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے جمع ہوئے اور باہم یہ مشورہ ہوا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مقرر کر رکھا ہے اسی طرح ہمیں بھی کوئی دن معین کرنا چاہیئے، چنانچہ اتفاقِ رائے سے طے ہوا کہ جمعہ کے دن کو منتخب کیا جائے، پھر وہ سب حضرت اسعد بن زرارہ کی خدمت میں پہنچے اور انہوں نے جمعہ کی نماز قائم کی۔

فالناس لنا فيه تبع الخ مسلمانوں کو صحیح دن کی تعیین میں کامیابی ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ پیچھے رہ گئے کہ مسلمانوں کا دن جمعہ ہوا، یہود کا اس سے اگلے دن سبت ہوا اور نصاریٰ کا سب سے بعد میں اتوار کا دن ہوا، کیونکہ ان تینوں ایام کو مسلسل رکھا جائے تو جمعہ سب سے پہلے واقع ہوگا۔

امام بخاریؒ کا استدلال ثم هذا يومهم الذى فرض عليهم فاختلفوا فيه فهدانا الله له سے متعلق

ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ ان پر بھی فرض کیا تھا اور امت محمدیہ پر بھی، لیکن وہ مرادِ خداوندی کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے محروم رہے اور ہم خدا کی توفیق سے اس میں کامیاب ہو گئے۔ فللّٰہ الحمد۔ واللہ اعلم

[۲] بَابُ فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُوْدُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، اَوْ عَلَى النِّسَآءِ

(۸۷۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا جَآءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔ (آئندہ:۸۹۴،۹۱۹)

(۸۷۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اَسْمَآءَ قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَيْنَا هُوَ قَائِمٌ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِذْ جَآءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَنَادَاهُ عُمَرُ اَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهٖ؟ قَالَ اِنِّيْ شُغِلْتُ فَلَمْ اَنْقَلِبْ اِلٰى اَهْلِيْ حَتّٰى سَمِعْتُ التَّاذِيْنَ فَلَمْ اَزِدْ اَنْ تَوَضَّاْتُ قَالَ وَالْوَضُوْءَ اَيْضًا؟ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُ بِالْغُسْلِ۔ (آئندہ:۸۸۲)

(۸۷۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔ (گذشتہ:۸۵۸)

ترجمہ باب، جمعہ کے دن غسل کرنے کی فضیلت کا بیان۔ اور یہ کہ بچوں پر یا عورتوں پر جمعہ کی نماز میں حاضری ضروری ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے آئے تو اس کو غسل کرنا چاہیئے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس درمیان میں کہ حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے مہاجرین اولین میں سے ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمر نے ان کو آواز دے کر فرمایا کہ یہ کونسا وقت ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں ایک کام میں مشغول ہو گیا اور ابھی گھر بھی نہیں لوٹ پایا تھا کہ جمعہ کی اذان سن لی تو میں صرف وضو کر کے حاضر ہو گیا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اور صرف وضو پر اکتفا کر کے آ گئے جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا، ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔

مقصد ترجمہ ترجمہ میں تین باتیں ہیں، ایک یہ کہ نمازِ جمعہ کے لئے غسل کا کیا حکم ہے؟ دوسرے یہ کہ بچوں پر نماز جمعہ میں حاضری ضروری ہے یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ عورتوں کی نماز جمعہ میں حاضری کا کیا حکم ہے؟ پہلے مسئلہ سے متعلق امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں فضل کا لفظ استعمال کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا افضل اور سنت ہے واجب نہیں، ظاہر یہ اور ایک قول میں امام مالکؒ اس کے وجوب کے قائل ہیں، مشہور قول کے مطابق جمہور اس کی سنیت کے قائل ہیں، دوسرے اور تیسرے مسئلہ میں امام بخاریؒ نے حکم بیان نہیں کیا، ترجمۃ الباب میں سوال قائم کر دیا، سوال اس لئے قائم کیا کہ جمعہ مسلمانوں کا مخصوص دن ہے تو آیا عورتوں اور بچوں کو بھی اس میں حاضری کا مکلف کیا گیا ہے یا نہیں؟ پہلی اور تیسری روایت کے اشارے سے معلوم ہوا کہ عورتوں اور بچوں پر حاضری ضروری نہیں۔

تشریح حدیث اول اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے تین روایات ذکر کی ہیں، پہلی روایت ترجمۃ الباب کے پہلے جز سے متعلق ہے جس میں فرمایا گیا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز میں شرکت کے لئے آئے تو اس کو غسل کرنا چاہیئے یعنی غسل کی تاکید ہے اور صیغہ ہے امر کا، اور امر میں اصل وجوب ہے۔ بہ ظاہر، ظاہر یہ اور امام مالکؒ کے قول کی تائید ہو رہی ہے، اسی طرح اس باب کی تیسری روایت میں **غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم** آیا ہے، اس روایت میں بھی وجوب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مگر بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محض صیغۂ امر سے وجوب کا فیصلہ نہ کریں کیونکہ امر گو اصالۃً وجوب ہی کے لئے ہے لیکن اگر قرائن ہوں تو اس کو اباحت اور ندب وغیرہ کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور ان قرائن کے ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ حضرات صحابہؓ نے اس کا کیا مطلب سمجھا ہے، دوسری روایت میں حضراتِ صحابہؓ کے قول و عمل سے اس کی وضاحت آ رہی ہے۔

تشریح حدیث دوم دوسری روایت میں آیا کہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ مہاجرین اولین میں سے ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے، مہاجرین اولین سے کیا مراد ہے؟ کسی نے کہا شرکاء بدر مراد ہیں، کسی نے کہا اصحابِ بیعتِ رضوان مراد ہیں، کسی نے کہا وہ صحابہ مراد ہیں جنھوں نے قبلتین کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی ہیں وغیرہ۔ یہاں آنے والے صحابی، حضرت عثمان غنیؓ ہیں، تاخیر سے آنے پر حضرت عمرؓ نے خطبہ کے دوران ہی ٹوک دیا **اية ساعة هذه** ؟ یہ آنے کا کیا وقت ہے؟ یعنی آپ جیسے خصوصی اور اہل منقبت صحابہ کو تو **تبکیر الی الجمعة** کی فضیلت معلوم ہے، آپ کو بہت پہلے آنا چاہیئے تھا، عین خطبہ کے دوران آ رہے ہیں! حضرت عثمانؓ نے فوراً معذرت کی کہ میں نے قصداً تاخیر نہیں کی، آج اتفاق سے یہ صورت پیش آ گئی کہ میں بازار چلا گیا اور وہاں ایسی مصروفیت رہی کہ وقت کا اندازہ نہ ہوا یہاں تک کہ کانوں میں اذان کی آواز آ گئی، مجھے خود خیال ہے کہ تاخیر ہو گئی، چنانچہ اذان سننے کے بعد میں گھر نہیں گیا اور بھی کوئی کام نہیں کیا، فوراً وضو کر کے حاضر ہو گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا

والوضوء ایضا؟ ایک تو تاخیر سے آئے اور دوسرے یہ کہ صرف وضو پر اکتفاء کیا، غسل نہیں کیا۔ دونوں باتوں پر ناگواری کا اظہار تو کیا لیکن غسل کا حکم نہیں دیا۔ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر غسل ضروری ہوتا جیسا کہ وضو ضروری ہے تو اول تو حضرت عثمان غنیؓ ہی فریضۂ غسل کو کیوں ترک فرماتے؟ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ ان کے نزدیک غسل ضروری نہیں تھا یا انہیں کوئی عذر تھا تو حضرت عمرؓ کو کہنا چاہیئے تھا کہ جایئے اور غسل کر کے آیئے، غسل کے بغیر نماز کیسے ہوگی؟

یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ غسل کے لئے جاتے ہیں تو خطبہ نکل جائے گا، کیونکہ فریضۂ غسل کی ادائیگی کے لئے حضرت عمرؓ تھوڑی دیر کے لئے خطبہ کو موقوف کر سکتے تھے، حضور ﷺ نے بھی ایک بار خطبہ کو موقوف کر کے ایک صحابی کو سنت یا تحیۃ المسجد پڑھنے کا موقع دیا تھا۔ اور اگر حضرت عمرؓ خطبہ کو موقوف کر کے، غسل کا حکم دیتے تو غسل کی فرضیت بھی سب کے علم میں آجاتی، اور بالفرض خطبہ موقوف نہ بھی کرتے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ خطبہ رہ جاتا، شرائطِ صلوۃ کو پورا کرنا، خطبہ سننے سے مقدم ہے، مثلاً کوئی باوضو نہیں ہے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ صحتِ صلوۃ کے لئے وضو شرط اور ضروری ہے، خطبہ میں شرکت خواہ نہ ہو سکے لیکن بے وضو نماز پڑھنے کی اجازت تو نہیں دی جائے گی۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ **فلیغتسل** اور **غسل یوم الجمعة واجب** کو صحابہ کرام نے وجوب پر محمول نہیں کیا اور امام بخاریؒ نے گویا دو خلفاء راشدین کے قول و عمل سے یہ ثابت کردیا کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں ہے، ورنہ نہ یہ ممکن تھا کہ اس کو حضرت عثمانؓ ترک فرمادیں، اور نہ یہ ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ اس سے صرفِ نظر کرلیں اور غسل کر کے آنے کا حکم نہ دیں۔ پھر یہ کہ خلفاء راشدین کی یہ گفتگو دیگر صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوئی تو انہوں نے بھی اس بات سے اتفاق کیا تو یہ ایک طرح کا اجماع ہوگیا کہ صحتِ جمعہ کے لئے غسل شرط اور واجب نہیں ہے۔

وجوب پر محمول نہ کرنے کے دیگر قرائن

وجوب پر محمول نہ کرنے کے اور بھی قرائن ہیں، مثلاً ایک روایت میں **من توضأ یوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل** فرمایا گیا ہے، ترمذی نے اس روایت کی تحسین کی ہے، اس میں نماز جمعہ کے لئے وضو کو **فبها ونعمت**، یعنی **بالسنة اخذ ونعمت الخصلة هذه** کہا گیا ہے کہ اس نے سنت پر عمل کیا اور یہ بہترین بات ہے، گویا وضو کافی ہے البتہ غسل افضل ہے، اس طرح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں **من توضأ فأحسن الوضوء ثم أتى الجمعة فاستمع وانصت غفرله ما تقدم الخ** آیا ہے، اس میں بھی غسل کا ذکر نہیں، صرف وضو اور استماع وانصات پر مغفرت کا وعدہ ہے، ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل کا امر وجوبی نہیں ہے، اور اگر وجوبی تھا تو ابتداء میں تھا، ابوداؤد میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون واضح ہے کہ کچھ اہلِ عراق نے حضرت ابن عباسؓ سے یہی سوال کیا **أترى الغسل یوم الجمعة واجباً؟** کیا جمعہ کے لئے غسل واجب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا **لا ولكنه أطهر وخیر لمن اغتسل ومن لم یغتسل فلیس علیه بواجب** فرمایا نہیں! البتہ بہتر ہے اور کوئی غسل

نہ کرے تو مضائقہ نہیں اس لئے کہ غسل واجب نہیں ہے پھر فرمایا کہ میں اس کی تفصیل بتادوں، صحابۂ کرامؓ میں بہت سے لوگ مزدوری کا کام کرتے تھے، اونی لباس پہننے پر مجبور تھے، مسجد بھی تنگ تھی، چھت بہت نیچی تھی، ایک گرم دن میں رسول اللہ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ لوگوں کے پسینے کی بو ایک دوسرے کے لئے تکلیف دہ ہو رہی ہے تو آپ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن لوگ غسل کر کے اور خوشبو وغیرہ استعمال کر کے آیا کریں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پھر اللہ نے مسلمانوں کو وسعت عطا کی، لباس بھی بہتر ہوگیا، مزدوری کی بھی ضرورت نہیں رہی، مسجد میں بھی توسیع ہوگئی اور وہ تکلیف دہ صورتِ حال ختم ہوگئی۔

حضرت ابن عباسؓ کے بیان سے معلوم ہوا کہ غسل کی ابتدائی ایام میں بہت اہمیت تھی، پھر اتنی ضرورت نہ رہی، اب اس کو خواہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ابتدائی ایام میں غسل کا حکم تھا، پھر اس کو منسوخ کر دیا گیا، یا یہ کہہ لیا جائے کہ حکم جس علت پر مبنی تھا وہ علت باقی نہ رہی تو حکم بدل گیا۔　　　واللہ اعلم

تشریح حدیث سوم تیسری روایت میں **غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم** آیا، روایت کو وجوب پر محمول نہ کرنے کی بحث تو گذر گئی، یہاں امام بخاریؒ شاید اس سے ترجمۃ الباب کے دوسرے اور تیسرے مسئلہ پر استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ بچوں اور عورتوں پر غسل واجب نہیں، بچوں پر وجوب نہ ہونے کی بات بالکل واضح ہے کہ جمعہ کے غسل کی تاکید بلوغ کے بعد ہے بچوں سے اس کا تعلق نہیں رہا عورتوں کا مسئلہ تو اس کے لئے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ **محتلم** کا ترجمہ ہے بالغ مرد، یہ لفظ اپنے مفہوم سے عورتوں کو خارج کر رہا ہے، امام بخاریؒ کے استدلال کے لئے اتنا اشارہ بھی کافی ہے، پھر یہ کہ بخاری ہی میں گذر چکا ہے کہ عورتوں کو صرف رات میں مسجد میں حاضری کی اجازت دی گئی ہے اس لئے جمعہ میں شرکت کی اجازت نہیں اور جب جمعہ میں شرکت کی اجازت نہیں تو اس کے لئے کئے جانے والے غسل سے ان کا کیا تعلق؟ یہ مسئلہ امام بخاریؒ مستقل باب میں بیان کریں گے کہ جو حضرات شرکتِ جمعہ سے مستثنیٰ قرار دئے گئے ہیں ان کے لئے غسل کا کیا حکم ہے؟　　　واللہ اعلم

[۳] بَابُ الطِّيْبِ لِلْجُمُعَةِ

(۸۸۰) حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ اَخْبَرَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ اَشْهَدُ عَلٰى اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ اَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَاَنْ يَسْتَنَّ وَاَنْ يَمَسَّ طِيْبًا اِنْ وَجَدَ، قَالَ عَمْرٌو اَمَّا الْغُسْلُ فَاَشْهَدُ اَنَّهُ وَاجِبٌ وَاَمَّا الْاِسْتِنَانُ وَالطِّيْبُ فَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ وَاجِبٌ هُوَ اَمْ لَا وَلٰكِنْ هٰكَذَا فِي الْحَدِيْثِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ هُوَ اَخُوْ

مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَلَمْ يُسَمَّ اَبُوْ بَكْرٍ هٰكَذَا رَوىٰ عَنْهُ بُكَيْرُ بْنُ الْاَشَجِّ وَسَعِيْدُ بْنُ اَبِىْ هِلَالٍ وَعِدَّةٌ وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ يُكْنىٰ بِاَبِىْ بَكْرٍ وَاَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ. (گذشتہ:۸۵۸)

ترجمہ باب، جمعہ کے دن خوشبو لگانے کا بیان۔ عمرو بن سلیم انصاری نے بیان کیا کہ میں ابوسعید خدری پر گواہی دیتا ہوں، انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ پر گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہر بالغ مرد پر غسل کرنا واجب ہے اور یہ کہ وہ مسواک کرے اور اگر میسر ہو تو خوشبو کا استعمال کرے، عمرو بن سلیم کہتے ہیں، رہا غسل تو اس کے بارے میں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ واجب ہے لیکن مسواک کرنا اور خوشبو لگانا تو اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ واجب ہیں یا نہیں؟ لیکن حدیث میں تو اسی طرح آیا ہے، امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ابوبکر بن منکدر محمد بن منکدر کے بھائی ہیں اور ان ابوبکر کا نام ذکر نہیں کیا گیا، اور ان سے بکیر بن اشج، سعید بن ہلال اور متعدد لوگوں نے روایت کی ہے اور محمد بن منکدر کی کنیت ابوبکر اور ابوعبداللہ بھی تھی۔

مقصد ترجمہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نماز جمعہ کے لئے خوشبو استعمال کرنا چاہیئے، حافظ ابن حجرؒ اور عینیؒ فرماتے ہیں کہ بخاری نے جزم کے ساتھ اس کا حکم بیان نہیں کیا کہ یہ واجب ہے یا سنت، لیکن ابھی گذرا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک غسل بھی واجبات میں سے نہیں ہے، پھر وہ خوشبو کو کیسے واجب کہہ سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اس کی افضلیت بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے اور یہ کہ اس کو مسواک، اور اگر میسر ہو تو خوشبو کا استعمال بھی کرنا چاہیئے، روایت میں تین چیزوں کا تذکرہ ہے اور ان میں سے غسل کے بارے میں واجب علی کل محتلم کی تصریح ہے، خوشبو کے بارے میں ان وجد کا اضافہ ہے کہ اگر میسر آئے تو اس کا استعمال کیا جائے، معلوم ہوا کہ اس کا حکم غسل سے الگ ہے۔

عمرو بن سلیم کہتے ہیں کہ میں غسل کے بارے میں تو کہہ سکتا ہوں کہ وہ واجب ہے، کیونکہ روایت میں واجب کی صراحت ہے مگر میں مسواک اور خوشبو کے بارے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ واجب ہیں یا نہیں، کیونکہ اول تو عطف میں معطوف اور معطوف علیہ کا تمام چیزوں میں اشتراک ضروری نہیں، دوسرے یہ کہ سیاق بھی بدلا ہوا ہے کہ غسل کے بارے میں الغسل یوم الجمعۃ واجب فرمایا گیا اور مسواک اور خوشبو کے بارے والاستنان والطیب کہہ کر عطف نہیں کیا گیا، بلکہ وان یستن وان یمس طیبا ان وجد فرمایا گیا، یعنی جملہ فعلیہ - گوکہ اس کو اَنْ مصدریہ داخل کر کے مصدر کے حکم میں کر دیا گیا ہے- کی صورت میں لایا گیا ہے، اگر یہ تینوں چیزیں ایک ہی درجہ کی ہوتیں تو سیاق کو تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ غسل کا تعلق اصل نظافت سے ہے جو مجمع میں حاضری کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتا

ہے جب کہ مسواک اور خوشبو اصل نظافت سے زائد چیزیں ہیں، اس لئے غسل کی تاکید یقیناً ان دونوں سے زائد ہے۔ اس لئے عمرو بن سلیم نے روایت میں غسل کے لئے واجبٌ کی تصریح کی بنیاد پر اس کو واجب کہہ دیا اور ان دونوں کے بارے میں تردد کا اظہار فرمادیا، اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ امام بخاریؒ اور دیگر ائمہ نے غسل کے لئے استعمال کئے گئے لفظ واجب کو، واجب اصطلاحی کے معنی میں نہیں سمجھا بلکہ قرائن اور صحابۂ کرامؓ کے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق صرف مؤکد کے معنی میں سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

[٤] بَابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ

(۸۸۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ صَالِحِ السَّمَّانِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا اَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ .

ترجمہ باب، جمعہ کی فضیلت کا بیان۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کیا پھر مسجد گیا تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی پیش کی، اور جو دوسری ساعت میں گیا تو اس نے گائے کی قربانی پیش کی اور جو تیسری ساعت میں گیا تو اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی پیش کی اور جو چوتھی ساعت میں گیا تو گویا اس نے مرغی کی قربانی پیش کی اور جو پانچویں ساعت میں گیا تو گویا اس نے انڈے کی قربانی پیش کی، پھر جب امام آجاتا ہے تو ملائکہ خطبہ سننے کے لئے آجاتے ہیں۔

مقصد ترجمہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جمعہ کا دن تمام ایام میں سب سے افضل ہے، اس کے لئے شریعت نے طرح طرح کا اہتمام کرنے کی تلقین کی ہے کہ جمعہ کا دن آئے تو ہر مسلمان کو، غسلِ جنابت کی طرح اہمیت سے غسل کرنا چاہیئے، مسواک کرنی چاہیئے، خوشبو کا استعمال کرنا چاہیئے، عمدہ لباس پہننا چاہیئے اور ان چیزوں سے فارغ ہو کر نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد جانا چاہیئے، یعنی یہ دربارِ خداوندی کا دن ہے، اس لئے اس میں حاضری دے کر اپنے آپ کو خدا کے فضل و کرم اور انعام کا مستحق بنانا چاہیئے، ان تمام باتوں سے یوم جمعہ کی فضیلت ثابت ہوئی۔

تشریح حدیث من اغتسل یوم الجمعة غسل الجنابة ، غسل الجنابة مفعولِ مطلق برائے بیان نوع ہے اور اکثر شارحین کے نزدیک حکم میں نہیں صرف کیفیت میں تشبیہ مقصود ہے کہ جس طرح انسان

غسلِ جنابت میں، پاکی حاصل کرنے کا پوری طرح اہتمام کرتا ہے، اسی طرح غسلِ جمعہ میں تمام شرائط اور آداب وسنن کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے، جب کہ بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد واقعی غسل جنابت ہے کہ انسان جمعہ کی شب میں زوجہ کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے تا کہ خود اس کی طبیعت غلط وساوس میں مبتلا نہ ہو اور وہ سکونِ خاطر کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرے۔

ثم راح فکانها الخ بعض روایات میں فی الساعة الاولی کا اضافہ ہے کہ جس نے اول ساعت میں غسل کر کے حاضری دی تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی پیش کی اور جس نے دوسری ساعت میں حاضری دی تو بقرہ، تیسری ساعت میں بڑے سینگ کا مینڈھا، چوتھی ساعت میں مرغی اور پانچویں ساعت مین انڈا پیش کیا، یہ کل پانچ ساعتیں ہوئیں، نسائی وغیرہ کی روایت میں مینڈھے اور مرغی کے درمیان بطخ کا اضافہ ہے، ایک روایت میں مرغی اور انڈے کے درمیان عصفور کا اضافہ ہے، اس طرح ساعات کی تعداد چھ ہو جائے گی۔

ساعات سے کیا مراد ہے ساعة کے ایک مشہور معنی تو گھنٹے کے ہیں جو ساٹھ منٹ کا ہوتا ہے، لیکن عہد رسالت میں یہ لفظ ان معنی میں مشہور نہیں تھا، دوسرے معنی گھڑی یعنی جزء مخصوص من الزمن کے ہیں جیسے قرآن کریم میں ہے ویوم تقوم الساعة یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعة (سورۂ روم آیت ۵۵) جس دن قیامت قائم ہوگی تو گنہگار قسم کھائیں گے کہ ہم (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔

یہاں کیا مراد ہے؟ اگر پہلے معنی مراد لیں تو اول تو یہ لفظ عہد رسالت میں اس معنی میں رائج نہیں، لیکن اگر یوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة (ابوداؤد ونسائی بروایت جابرؓ) کے پیش نظر جمعہ کے دن کو بارہ ساعتوں پر تقسیم کریں تو روایتِ باب میں ذکر کردہ پانچ ساعتیں زوال سے پہلے واقع ہوں گی، اور پانچ ساعتوں کے فوراً بعد اول وقت میں امام کے منبر پر آنے کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام چھٹی ساعت کے آغاز میں یہ عمل کرے گا، اس لئے جمعہ کا زوال سے پہلے قائم کرنا لازم آئے گا جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہے اس اشکال کے کئی جوابات دیے گئے ہیں۔

مثلاً یہ کہ ابن حجر نے یہ فرمایا کہ روایات میں اول نہار میں حاضری کا ذکر نہیں، اس لئے پہلی ساعت تو غسل اور دیگر اہتمام کے لئے ہوگی اور حاضری کی ساعتیں، ساعتِ دوم سے شروع ہوں گی جسے جانے والوں کے اعتبار سے ساعتِ اولی کہا گیا ہے، اس لئے امام کے منبر پر آنے کا عمل چھٹی ساعت کے بعد ہوگا، جو زوال کے بعد آئے گی، یا مثلاً دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نسائی وغیرہ کی روایت میں درجات تقرب پانچ نہیں، چھ ہیں، اس لئے امام کے منبر پر آنے کا عمل چھٹی ساعت کے بعد ہوگا وغیرہ۔

لیکن جب عہد رسالت میں لفظِ ساعت ان معنی میں معروف نہیں ہے، تو پھر ان معنی کو مراد لینا، پھر اشکالات کا جواب دینا تکلف سے خالی نہیں اور اس کے ساتھ دوسری بات یہ ہے کہ موسم کے اختلاف سے دن چھوٹا اور بڑا ہوتا ہے

مثلاً گرمیوں کے موسم میں جب دن ۱۴ گھنٹے سے زیادہ کا ہو جاتا ہے تو گھنٹہ کے یہ معنی (۶۰ منٹ) کیسے مراد لئے جاسکتے ہیں، پورے دن کو ۱۲ حصوں پر تقسیم کر کے وقفة من الزمن والے معنی ہی مراد لینا ہوں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ساعة سے دوسرے معنی جزء مخصوص من الزمن مراد لیا جائے، تو اس صورت میں سوال یہ ہوگا کہ ساعة سے مراد کتنا وقفہ ہوگا؟ اور یہ ساعات کب سے شروع ہوں گی تو امام مالکؒ نے یہ فرمایا کہ روایت میں ثم راح کا لفظ آرہا ہے اور رواح کے معنی زوال کے بعد جانے کے ہیں، اس لئے زوال کے بعد سے امام کے منبر پر آنے تک کے وقت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر حصہ کو ایک ساعت قرار دیا جائے مثلاً زوال کے بعد سے امام کے منبر پر آنے تک کا وقفہ اگر ۳۰ منٹ کا ہے تو ہر ساعت چھ منٹ کی ہو جائے گی، ہمارے مشائخ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مسوّٰی شرح موطا میں ان معنی کو ترجیح دی ہے لیکن روایت میں صرف لفظ رواح ہی نہیں، غدا بھی ہے، تبکیر بھی ہے اور یہ الفاظ قبل الزوال جانے کے معنی میں صریح ہیں، پھر یہ کہ لفظ رواح اہل حجاز کی لغت میں مطلق ذہاب کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور آخری بات یہ ہے کہ مجاز کا باب بہت وسیع ہے، خطابی نے معالم السنن میں فرمایا ہے کہ لفظ رواح کے حقیقی معنی اگرچہ زوال کے بعد جانے کے ہیں، لیکن قبل الزوال جانے پر بھی اس کا اطلاق درست ہے، کیونکہ نمازی اگرچہ زوال سے پہلے جارہا ہے لیکن اس کا اصل مقصد یعنی نماز جمعہ، یہ تو رواح کے وقت ہی پڑھی جائے گی، جیسے حج کے ارادے سے نکلنے والوں کو حج سے پہلے حجاج، اور غزوہ کی نیت سے نکلنے والوں کو عملِ جہاد شروع کرنے سے پہلے غزاة کہا جاتا ہے، اسی طرح نمازِ جمعہ کے لئے صبح کے وقت نکلنے والوں کے لئے ثم راح کا لفظ استعمال کرنا بھی درست ہے۔

اس لئے جمہور کے یہاں یہ ساعات زوال سے پہلے شروع ہو جاتی ہیں، چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ پہلی ساعت، طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک ہے، دوسری ساعت آفتاب کے نیزے کی مقدار میں بلند ہونے تک ہے، تیسری ساعت دھوپ کے پوری طرح پھیلنے تک ہے، چوتھی ساعت دھوپ کی اتنی تیزی تک ہے کہ پاؤں جلنے لگیں اور پانچویں ساعت زوال تک ہے، امام غزالی کی اس تعیین پر حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے یہ فرمایا کہ اپنی رائے سے اس طرح کی تقسیم ایک طرح کی جسارت ہے، اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے تقسیم کرنے کے بجائے روایتِ باب کے مطابق طلوعِ فجر سے زوال آفتاب تک کے پورے وقت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، اگر یہ وقت چھ گھنٹے کا ہے تو ایک ساعت ایک گھنٹہ بارہ منٹ کی ہو جائے گی اور اگر یہ وقت کسی جگہ یا کسی موسم میں مثلاً سات گھنٹے کا ہے تو ایک ساعت ایک گھنٹہ چوبیس منٹ کی ہو جائے گی۔ اور نسائی وغیرہ کی روایت کے مطابق عمل کرنا ہو جس میں چھ درجات کا ذکر ہے تو پورے وقت کو چھ پر تقسیم کر دیا جائے۔

ترجمۃ الباب کا ثبوت روایتِ باب میں تو اتنا ہی ہے کہ جمعہ کے دن ساعت اول سے ساعتِ خامسہ تک آنے والوں کو بیان کردہ تفصیل کے مطابق ثواب دیا جاتا ہے، دیگر روایات میں یہ ہے کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے آنے والوں کے ناموں کے اندراج کے لئے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، یکتبون الاول فالاول، وہ آنے والوں کے نام، آمد کی ترتیب کے مطابق لکھتے رہتے ہیں، مع ولدیت لکھتے ہیں اور ہدیہ کے خانے میں لکھتے ہیں کہ یہ اونٹ لے کر آیا ہے، یہ بقرہ لے کر آیا ہے وغیرہ، سلاطینِ دنیا کے درباری آداب میں بھی اس طرح ہے کہ آنے والے بقدر حیثیت ہدیہ پیش کرتے ہیں اور انہیں انعام دیا جاتا ہے۔

دربارِ خداوندی کا امتیاز یہ ہے کہ یہاں لے کر آنے کا حکم نہیں ہوا، بس یہ حکم ہوا کہ ہماری بندگی کرنے والے صرف حاضر ہو جائیں، ہم حاضر ہونے والوں کو آمد کی ترتیب کے مطابق، قربانی اور مالی عبادت کا ثواب دیں گے، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ترجمہ کا ثبوت اس طرح ہے کہ جمعہ کی نماز یعنی عبادتِ بدنیہ میں حاضر ہونے والا، گویا مالی عبادت بھی پیش کر رہا ہے، بدنی عبادت کے ساتھ، مالی عبادت کو بھی شامل کرنا صرف جمعہ کی خصوصیت ہے اور کسی نماز میں یہ بات نہیں ہے اس لئے جمعہ کی فضیلت ثابت ہوگئی۔ واللہ اعلم

[۵] بَابٌ

(۸۸۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى هُوَ ابْنُ اَبِىْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِىْ سَلْمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِمَ تَحْتَبِسُوْنَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ تَوَضَّأْتُ فَقَالَ اَلَمْ تَسْمَعُوْا النَّبِىَّ ﷺ قَالَ اِذَا رَاحَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ. (گذشتہ:۸۷۸)

ترجمہ باب، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اسی درمیان میں کہ عمر بن خطاب جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ تم لوگ نماز سے کیوں رک جاتے ہو؟ ان صاحب نے جواب دیا، اور کوئی بات نہیں مگر یہ کہ میں نے اذان کی آواز سنی تو وضو کر کے حاضر ہو گیا، تو اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے جائے تو اس کو غسل کرنا چاہیے۔

باب بلا ترجمہ کا مقصد باب ہے اور ترجمہ نہیں ہے، شارحین کی عام رائے یہ ہے کہ یہ باب، کالفصل من الباب السابق کی قبیل سے ہے یعنی فضل الجمعۃ کا تتمہ ہے، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ اور کبار تابعین کی موجودگی میں، جمعہ کے لئے سویرے نہ پہنچنے پر حضرت عثمانؓ کو متنبہ کیا، اس سے تبکیر الی الجمعۃ کی فضیلت معلوم ہوئی، کیونکہ اگر تبکیر زیادہ اہم بات نہ ہوتی تو نکیر کی گنجائش

نہیں تھی، اس سے جمعہ کی فضیلت ثابت ہوگئی، لیکن اس سے زیادہ دل لگتی بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ حکمِ اغتسال سے جمعہ کی فضیلت ثابت کررہے ہیں، کیونکہ پنج وقتہ نمازوں کے لئے غسل کا حکم نہیں دیا گیا، یہ صرف جمعہ کی خصوصیت ہے اور یہ حکم اتنا اہم ہے کہ حضرت عمر کو، حضرت عثمان کے ترکِ غسل پر، مجمع عام میں تنبیہ کی نوبت آرہی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد لیکن حضرت شیخ الہندؒ کے نزدیک ترجمہ نہ لگانا تشحیذ اذہان کے طور پر ہے، اب یہ تو محفوظ نہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے کیا الفاظ ارشاد فرمائے تھے لیکن اس جگہ کی مناسبت سے **باب الغسل عند صلاۃ الجمعة** یا **باب الغسل عند الرواح الی الجمعة** ترجمہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس صورت میں ایک اختلافی مسئلہ میں فیصلے کی طرف اشارہ بھی ہوجائے گا، مسئلہ یہ ہے کہ یہ غسل، نماز جمعہ کے لئے ہے یا یومِ جمعہ کے لئے ہے، جو حضرات غسل کو یوم جمعہ کے لئے مانتے ہیں ان کے یہاں غسل کا تعلق عورتوں، بچوں اور معذورین سے بھی ہوگا کہ یومِ جمعہ سے ان کا بھی تعلق ہے، اور جو حضرات اس کو نمازِ جمعہ سے متعلق مانتے ہین ان کے یہاں غسل کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہوگا جو نماز کے مکلّف ہیں، گویا عورتوں اور بچوں سے اس کا تعلق نہ ہوگا، ہمارے یہاں راجح یہ ہے کہ غسل کا حکم صلوۃ جمعہ سے متعلق ہے۔

تشریح حدیث حدیث گذر چکی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کا ہے، ترجمۂ جدیدہ، حدیثِ باب سے آسانی کے ساتھ ثابت ہے کہ روایت میں **اذا راح احدکم الی الجمعة فلیغتسل** فرمایا گیا ہے یعنی جو جمعہ کے لئے نکلنے کا ارادہ کرے تو اس کو غسل کرنا چاہیئے اور اس میں یہ اضافہ بھی کرلیا جائے کہ حضرت عثمانؓ کا معمول روزانہ صبح کے وقت غسل کرنے کا تھا اس لئے انہوں نے معمول کے مطابق غسل کیا ہوگا اور گمانِ غالب یہ ہے کہ ان کا یہ معمول حضرت عمرؓ کے علم میں بھی ہوگا، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کے باوجود، جمعہ کے لئے غسل کرکے نہ آنے پر تنبیہ فرمائی اور اس کے جواب میں حضرت عثمان نے صبح کے غسل کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا کہ جس غسل کا حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق نماز جمعہ سے ہے۔ واللہ اعلم

[۶] بَابُ الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ

(۸۸۳) حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبِیْ عَنِ ابْنِ وَدِيْعَةَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَهُ، مَا بَيْنَهُ، وَمَا بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرىٰ. (آئندہ:۹۱۰)

(۸۸۴) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ طَاوُسٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ ذَكَرُوْا اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوْا رُؤُسَكُمْ وَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا جُنُبًا وَاَصِيْبُوْا مِنَ الطِّيْبِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ وَاَمَّا الطِّيْبُ فَلَا اَدْرِيْ. (آئندہ:۸۸۵)

(۸۸۵) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا هِشَامٌ اَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ ذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَيَمَسُّ طِيْبًا اَوْ دُهْنًا اِنْ كَانَ عِنْدَ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا اَعْلَمُهٗ. (گذشتہ:۸۸۴)

ترجمہ باب، جمعہ کے لئے بالوں میں تیل لگانے کا بیان۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ممکن ہو پاکی حاصل کرے اور اپنے تیل کو استعمال کرے یا اپنے گھر کی خوشبو استعمال کرے پھر نماز کے لئے نکلے تو دو بیٹھے ہوئے انسانوں کے درمیان نہ گھس جائے پھر جتنا اس کے نصیب میں لکھا ہے اتنی نماز پڑھے پھر جب امام خطبہ دے تو اس کو توجہ سے سنے، تو ایسے شخص کے، اس جمعہ سے پچھلے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرو اور اپنے سر کو دھوؤ اگرچہ تم جنبی نہ ہو اور خوشبو لگاؤ؟ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں غسل کے بارے میں تو حضور ﷺ نے فرمایا ہے اور رہا خوشبو کا معاملہ تو میں نہیں جانتا۔ طاؤس ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے یوم جمعہ کے غسل کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا قول نقل فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ اگر اس کے گھر والوں کے پاس خوشبو یا تیل ہو تو کیا اس کو بھی استعمال کرے تو ابن عباسؓ نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جمعہ کے دن بالوں میں تیل لگانا چاہیئے کہ جمعہ کے دن جن چیزوں کے اہتمام پر مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک سر میں تیل کا استعمال ہے پہلی روایت میں چند چیزیں بیان کی گئی ہیں، ان میں پہلی چیز غسل ہے جس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے اور اس کا تعلق اصلِ نظافت سے ہے، بقیہ چیزیں مزید نظافت اور زینت سے متعلق ہیں جنھیں دربارِ خداوندی میں حاضری کے لئے اہم قرار دیا گیا ہے اور ان کا اہتمام کرنے پر مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ويتطهر ما استطاع الخ ، **تطهر** بابِ تفعّل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے، اس لئے **يغتسل** کا مفہوم یہ ہوا کہ اصلِ نظافت حاصل کرنے کے لئے غسل کریں اور **تطهر** کا مفہوم یہ ہوا کہ پوری طرح نظافت حاصل کرنے میں تکلف اور مبالغہ سے کام لیں، یعنی جن چیزوں سے نظافت کا تعلق ہے اپنے امکان کی حد تک ان سب کی طہارت کا

اہتمام کیا جائے، بدن کی نظافت یہ ہے کہ میل کچیل صاف کیا جائے، بالوں کی نظافت یہ کہ داڑھی مونچھ کو درست کیا جائے، موئے زیرناف کو صاف کیا جائے، دانتوں کو صاف کرنے کا اہتمام کیا جائے، پھر یہ کہ ظاہری بدن کی طہارت کے ساتھ خیالات کی طہارت کا بھی اہتمام کیا جائے کہ بیوی ہو تو حقوق ادا کر کے ذہنی یکسوئی حاصل کر لی جائے وغیرہ۔

ویدهن من دهنه الخ ہر طرح کی پاکی حاصل کرنے کے بعد مزید نظافت کے لئے بالوں میں تیل لگانے اور خوشبو استعمال کرنے کا اہتمام کیا جائے، من طیب بیته کے ایک معنی ہیں کہ اپنے گھر میں خوشبو کا انتظام رکھنا مسنون ہے تا کہ اس کے استعمال کی عادت ہو، یا پھر دوسری روایات میں یمس من طیب امرأته آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مردانہ خوشبو میسر نہ ہو تو عورتوں کی خوشبو استعمال کرنے کی اجازت ہے، ابوداؤد میں طیب الرجال ریح لالون له، وطیب النساء لون لا ریح له آیا ہے، معلوم ہوا کہ تیل اور خوشبو دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن اگر تیل خوشبودار ہو تو اس کے استعمال سے دونوں پر عمل ہو جائے گا۔

ثم یخرج فلا یفرق الخ اس اہتمام کے بعد مسجد جائے تو دو آدمیوں کے درمیان تفریق پیدا نہ کرے، یہ الفاظ، مسجد پہنچنے میں جلدی کرنے سے کنایہ ہیں، یعنی مسجد کے لئے اتنا سویرے نکلے کہ دو آدمیوں کے درمیان فصل ڈالنے کی نوبت نہ آئے یا حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ دو آدمی برابر برابر بیٹھے ہیں، یہ پہنچا اور اس نے دونوں کے درمیان جگہ حاصل کر کے تفریق پیدا کر دی اس عمل سے بسا اوقات ان کو گرانی ہو سکتی ہے، اور سخت گرمی کے موسم میں تو یہ عمل عام طور پر گراں گذرتا ہے۔

ثم یصلی ما کتب له، مسجد پہنچ کر نماز میں مشغول ہو جائے، معلوم ہوا کہ جمعہ سے پہلے نفل پڑھنا مشروع اور مستحب ہے، بعض روایات میں فیرکع ان بدا له وغیرہ آیا ہے۔

ثم ینصت اذا تکلم الخ پھر جب امام خطبہ شروع کرے تو ہمہ تن ادھر متوجہ ہو جائے، معلوم ہوا کہ خطبہ کے دوران بات کرنا، وعدۂ مغفرت کے حصول میں مانع ہے۔

الا غفر له الخ جو شخص مندرجہ بالا چیزوں کا اہتمام کرتے ہوئے جمعہ میں حاضر ہوگا تو اس کے اس جمعہ کی حاضری کے وقت سے، پچھلے یا اگلے جمعہ کی حاضری کے وقت تک کے گناہ معاف ہو جائیں گے، جبکہ بعض روایات میں وزیادة ثلثة ایام بھی ہے، گویا دس دن کے گناہ معاف ہو جائیں گے، اس سے مراد صغائر کی مغفرت ہے اس لئے کہ ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں مالم تغش الکبائر کی قید ہے۔

روایت میں جن چند شرائط پر مغفرتِ ذنوب کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں تیل اور خوشبو کا استعمال بھی ہے اس لئے امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا۔

تشریح روایت دوم وسوم دوسری روایت میں طاؤس نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کچھ لوگ - غالباً حضرت ابو ہریرہؓ مراد ہیں - یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جنابت کی حالت نہ ہو تب بھی جمعہ کے لئے پورے اہتمام سے غسل کرنا چاہیئے، بالوں کو کھولنا چاہیئے اور یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ محض پانی بہالینا مطلوب نہیں، صفائی کا اہتمام مطلوب ہے اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ خوشبو کا استعمال کیا جائے۔

طاؤس نے غسل اور خوشبو کے بارے میں پوچھا تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ غسل کے بارے میں تو ٹھیک ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے، لیکن خوشبو کے بارے میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے یا نہیں؟ لیکن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت میں **وان کان له طیب فلیمس منه** آیا ہے، اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ ابن ماجہ کی روایت میں ایک راوی صالح، ضعیف ہیں، اس لئے اس کا اعتبار نہیں، یا اگر وہ روایت قابلِ قبول ہو تو شاید ابن عباسؓ کو اس وقت ذہول ہو گیا ہو، یا وہ روایت مراسیلِ صحابہ میں سے ہو اور اس وقت تک ابن عباسؓ کو معلوم نہ ہو، یا پھر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ غسل اور خوشبو ایک درجہ کی چیزیں ہیں یا ان میں فرق ہے کہ ایک کا تعلق اصل نظافت سے ہے اور دوسری چیز اصل نظافت سے زائد ہے۔

پھر یہاں ایک غور طلب بات یہ ہے کہ اس دوسری روایت میں **دھن** کا ذکر نہیں جو اصل ترجمۃ الباب ہے، اس کو ثابت کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ اہل عرب مبالغہ کے ساتھ غسل کرنے کے بعد تیل لگانے کے عادی تھے اس لئے غسل ثابت ہوا تو تیل لگانا بھی ثابت ہو گیا یا یہ کہا جائے گا کہ ابن عباسؓ کی اسی روایت میں بعض ثقہ راویوں نے جن کی زیادتی مقبول ہے **دھن** کا ذکر کیا ہے۔

تیسری روایت میں **دھن** کا ذکر ہے مگر **ان کان عند اھله** کے اضافہ کے ساتھ ہے یعنی سوال یہ ہے کہ اہل خانہ کے پاس خوشبو یا تیل ہو تو اس کو استعمال کرے یا نہ کرے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ لاعلمی کے اظہار کے ایک معنی تو وہی ہیں جو بیان کر دیئے گئے تھے کہ غسل اور خوشبو کا ایک درجہ کی چیز ہونا مجھے معلوم نہیں۔ یا پھر یہ کہ اہل خانہ کی خوشبو کے استعمال سے لاعلمی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ واللہ اعلم

[۷] بَابُ مَا يَلْبَسُ اَحْسَنَ مَا يَجِدُ

(۸۸۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَاٰى حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اشْتَرَيْتَ هٰذِهٖ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ اِذَا قَدِمُوْا عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ ثُمَّ جَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مِنْهَا حُلَلٌ فَاَعْطٰى عُمَرَ بْنَ

الْخَطَّابِ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَسَوْتَنِيْهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّيْ لَمْ اَكْسُكَهَا لِتَلْبِسَهَا فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَخَالَهٗ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا. (آئندہ: ۹۴۸، ۲۱۰۴، ۲۶۱۲، ۲۶۱۹، ۳۰۵۴، ۵۸۴۱، ۵۹۸۱، ۶۰۸۱)

ترجمہ باب، اس چیز کا بیان کہ جمعہ کے دن جو اچھے سے اچھا لباس میسر ہو وہ پہنا جائے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ایک ریشمی جوڑا مسجد کے دروازے پر بکتا ہوا دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ اس کو خرید لیں اور اس کو جمعہ کے دن اور وفود کی آمد کے موقع پر پہن لیا کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس لباس کو صرف وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں پھر یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اسی طرح کے ریشمی جوڑے آئے تو آپ نے ان میں سے ایک جوڑا حضرت عمر کو عطا فرمادیا، تو حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے یہ جوڑا مجھے پہننے کے لئے دیا ہے جبکہ آپ عطارد نامی تاجر کے جوڑے کے بارے میں ایسا فرما چکے ہیں! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جوڑا میں نے تم کو اس لئے نہیں دیا کہ تم خود پہن لو، چنانچہ حضرت عمر نے وہ جوڑا مکہ مکرمہ میں رہنے والے ایک مشرک بھائی کو دے دیا۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جمعہ کی نماز میں حاضر ہونے والے شریعت کی مقرر کردہ جائز حدود میں رہتے ہوئے اچھے سے اچھا لباس پہن کر آیا کریں، اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے روایت پیش کردی کہ مسجد کے دروازے پر عطارد بن حاجب نام کے ایک تاجر حلے فروخت کررہے تھے، عطارد چونکہ حلے فروخت کرنے کا کام کرتے تھے اسی مناسبت سے حلہ کو ان کی طرف منسوب کردیا، یہ ۹ھ میں ایک وفد میں شریک ہوکر حاضرِ خدمت ہوئے، صحابہ میں ان کا شمار ہے۔

حضرت عمرؓ کو وہ جوڑے پسند آئے تو انہوں نے حاضرِ خدمت ہوکر عرض کیا کہ آپ ایک حلہ خرید لیں اور جمعہ کے دن یا وفود کی آمد کے موقع پر استعمال فرمایا کریں کہ ان مواقع پر جمال مستحسن ہے اور اس میں اہل مجمع کی یا آنے والے وفود کی عزت افزائی ہے، پیغمبر علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ حلے ریشم کے ہیں اور ان کے پہننے والے آخرت میں ہر طرح کی خیر سے محروم رہیں گے۔

جواب کا حاصل یہ ہوا کہ ان اوقات میں اچھے لباس کا اہتمام مستحسن بات ہے لیکن جس لباس کا آپ مشورہ دے رہے ہیں وہ ریشمین ہونے کی وجہ سے مردوں کے لئے جائز نہیں، بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا کہ جمعہ کے دن اچھے سے اچھے لباس کا اہتمام مطلوب ہے۔

ثم جاءت الخ پھر کچھ دنوں کے بعد حضور ﷺ کے پاس اسی قسم کے حلے آگئے تو آپ نے وہ حلے صحابہ میں تقسیم فرمادیئے، ایک حلہ حضرت عمر کو بھی عطا فرمایا، حضرت عمر نے یاد دلایا کہ آپ نے ان کے پہننے سے منع فرمایا تھا، تو

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تمہیں پہننے کے لئے نہیں دیا ہے، بلکہ تمہیں مالک بنایا ہے، کہ گو مردوں کے لئے اس کا پہننا جائز نہیں لیکن کتنی ہی صورتوں میں مباح الاستعمال ہے عورتیں استعمال کر سکتی ہیں، فروخت کیا جا سکتا ہے، کسی کو ہدیہ میں دیا جا سکتا ہے وغیرہ، چنانچہ حضرت عمر نے وہ حلہ اپنے ایک اخیافی یا رضاعی بھائی کو۔ جن کا نام عثمان بن حکیم تھا، اور جو اس وقت مشرک تھے اور مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ ہدیہ کر دیا۔ علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن حکیم بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے کیونکہ بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں فارسل بها عمر الی اخ له من اهل مكة قبل ان يسلم، قبل ان يسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم

[۸] بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

وَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَنُّ

(۸۸۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ اَوْ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى النَّاسِ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلٰوةٍ. (آئندہ: ۷۲۴۰)

(۸۸۸) حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ الْحَبْحَابِ قَالَ حَدَّثَنَا اَنَسٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ.

(۸۸۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْيٰنُ عَنْ مَنْصُوْرٍ وَحُصَيْنٍ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ. (گذشتہ: ۲۴۵)

ترجمہ باب، جمعہ کے دن مسواک کرنے کا بیان۔ اور ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ مسواک کرے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنی امت کے لئے یا اگر میں لوگوں کے لئے مشقت کا باعث نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے مسواک کے بارے میں تم سے بہت بار کہا ہے، حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے تھے تو اپنے منھ کو مسواک سے رگڑتے تھے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جب عام نمازوں میں مسواک کا حکم ہے تو جمعہ کی نماز کے لئے بدرجۂ اولی اس کے خاص اہتمام کی ضرورت ہے کیونکہ اس دن ظاہر و باطن کو ہر طرح آراستہ و پاکیزہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے تو جس چیز کے لئے عام اوقات میں بھی تاکیدی ہدایات ہیں تو اس خاص وقت میں اس کو بہ درجۂ اتم مطلوب ہونا چاہیے۔

ترجمہ کا ثبوت اور تشریح | باب الطیب للجمعة میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں الغسل یوم الجمعة واجب وان یستن گذرا ہے، امام بخاریؒ نے ترجمہ کے ثبوت میں اس روایت کا ایک جز تعلیقاً ذکر کیا ہے، جمعہ کے ساتھ مسواک کا ذکر اسی تعلیق میں ہے، باب کے تحت ذکر کردہ تینوں روایات میں سے کسی میں جمعہ کا ذکر نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود امام بخاریؒ کا کمال ہے کہ ان روایات سے امام بخاریؒ کا مقصد پوری طرح ثابت ہے۔

پہلی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر امت کی مشقت پیش نظر نہ ہوتی تو میں ہر نماز -فرض ہو یا نفل- کے ساتھ مسواک کو واجب کردیتا، گویا مشقت کے خیال سے واجب تو نہیں کیا لیکن ہر نماز کے لئے تاکیدی حکم بہر حال ثابت ہے اور جب ہر نماز کے لئے یہ حکم ہے تو جمعہ کی نماز کے لئے بدرجۂ اولی ہے کہ اس کے لئے ہر طرح کی نظافت وطہارت کے اہتمام کی ہدایت کی گئی ہے۔

دوسری روایت میں آیا اکثرت علیکم فی السواک کہ میں مسواک کے بارے میں بار بار تاکید کر چکا ہوں، ترغیب کے لئے فضائل بیان کر چکا ہوں کہ یہ مرضاۃ للرب مطھرۃ للفم ہے وغیرہ، بار بار کی تاکیدات کا مطلب ہی یہ ہے کہ عام اوقات میں بھی اس کا اہتمام کیا جائے، نمازوں کے لئے مزید اہتمام اور جمعہ کے لئے خصوصی اہتمام کیا جائے۔

تیسری روایت میں آیا کہ تہجد کے لئے حضور ﷺ بیدار ہوتے تو مسواک کو اپنے دانتوں پر اچھی طرح ملتے تھے اور جب تنہائی کی مناجات میں یہ عمل ہے تو جمعہ کے لئے جو مناجات کا خاص دن ہے، دربارِ خداوندی کا دن ہے، نمازیوں کے ہجوم کا دن ہے اور ملائکہ کی حاضری کا دن ہے بدرجۂ اولی اس کے خاص اہتمام کی ضرورت ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ اگرچہ تینوں روایات میں سے کسی بھی روایت میں جمعہ کا ذکر نہیں لیکن ہر روایت سے اولویت کے درجہ میں جمعہ کے لئے مسواک کی تاکید ثابت ہے۔　　　واللہ اعلم

[۹] بَابُ مَنْ تَسَوَّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ

(۸۹۰) حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَهُ سِوَاكٌ يَسْتَنُّ بِهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ أَعْطِنِي هٰذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ فَأَعْطَانِيهِ فَقَصَمْتُهُ ثُمَّ مَضَغْتُهُ فَأَعْطَيْتُهُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَنَّ بِهِ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى صَدْرِي.

(آئندہ: ۱۳۸۹، ۳۱۰۰، ۳۷۷۴، ۴۴۳۸، ۴۴۴۶، ۴۴۴۹، ۴۴۵۰، ۴۴۵۱، ۵۲۱۷، ۶۵۱۰)

ترجمہ باب، اس شخص کا حکم جو دوسرے کی مسواک استعمال کرے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر میرے حجرے میں آئے اور ان کے پاس وہ مسواک تھی جسے وہ استعمال کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو میں نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ تم یہ مسواک مجھے دے دو، انہوں نے دے دی تو میں نے اس کو توڑا پھر اس کو چبا کر نرم کیا، پھر میں نے وہ مسواک رسول اللہ ﷺ کو دی پھر آپ نے اس مسواک کو استعمال فرمایا اور آپ (بیماری کے سبب) میرے سینے پر سہارا لئے ہوئے بیٹھے تھے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مسواک کا حکم اتنا اہم ہے کہ اگر اپنے پاس نہ ہو تو دوسرے سے لے کر استعمال کرنے میں کراہت نہیں ہے، لیکن ابواب جمعہ سے اس باب کا براہِ راست تعلق نہیں ہے، اس لئے اس کو باب سابق کا ضمیمہ سمجھنا چاہیئے۔

روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے ایام میں، حضرت عائشہ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر حضرت عائشہ کے حجرے میں داخل ہوئے، وہ مسواک لئے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس کو غور سے دیکھا تو حضرت عائشہ نے ان سے مسواک طلب کر لی، انہوں نے مسواک پیش کر دی تو حضرت عائشہ نے وہ حصہ توڑ کر الگ کر دیا جو استعمال میں تھا، پھر چبا کر نرم کر کے مسواک حضور ﷺ کو دے دی، آپ بیماری کے سبب خود نہیں بیٹھ پاتے تھے اس لئے حضرت عائشہؓ کے سہارے سے بیٹھ کر آپ نے مسواک کا استعمال فرمایا، معلوم ہوا کہ اپنے پاس مسواک نہ ہو تو دوسرے سے لے کر استعمال کرنا درست ہے، اسی طرح خود مسواک کو استعمال کے قابل بنانا دشوار ہو تو کسی دوسرے سے اس کو قابل استعمال بنوانا درست ہے، بخاری کا مقصد ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم

[۱۰] بَابُ مَا يُقْرَءُ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۸۹۱) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَءُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الٓمّٓ تَنْزِيْلَ وَهَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ. (آئندہ: ۱۰۶۸)

ترجمہ باب، جمعہ کے دن فجر کی نماز میں کیا سورتیں پڑھی جائیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدة ، اور هل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ جمعہ کی فضیلت کے ابواب چل رہے ہیں، اسی سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ اس دن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دن کی فجر کی نماز میں بھی خاص سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے، چنانچہ ترجمہ منعقد کر دیا، باب ما یقرء الخ مقصد ان فقہاء کی تردید بھی ہو سکتا ہے جو نمازیوں کی دشواری کے پیش نظر

سجدہ والی سورتوں کو پڑھنا مکروہ کہتے ہیں یا ان فقہاء کی تردید بھی پیش نظر ہوسکتی ہے جو کسی نماز میں خاص سورتوں کی تعیین کے قائل نہیں، پہلی بات بعض مالکیہ کی طرف منسوب ہے اور دوسری بعض حنفیہ کی جانب، مگر حنفیہ کے مسلک میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ خاص نمازوں میں خاص سورتوں کو متعین نہ کرنے کا حکم، صرف اس صورت میں ہے جب اس کو لازم سمجھ لیا جائے یا اس کے علاوہ دوسری سورتیں پڑھنا مکروہ سمجھا جائے، یہ بات نہ ہو تو جن نمازوں میں جن سورتوں کا پڑھنا، روایات سے ثابت ہے ان کا اختیار کرنا ہی افضل ہے جیسے فجر کی سنتوں میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ کا پڑھنا، یا وتر میں سبح اسم ربك الاعلی، قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد کا پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔

تشریح حدیث روایت پیش کر دی کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدۃ، اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے، شوافع نے اس کو دائمی معمول سمجھا ہے اور ان سورتوں کا پڑھنا تاکید کے ساتھ مسنون قرار دیا ہے، جب کہ حنفیہ کے یہاں ماثور کی رعایت افضل ہے۔

ان دونوں سورتوں کے پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ جمعہ کا دن مبدأ و معاد کا دن ہے، مسلم کی روایت میں ہے فیہ خلق آدم وفیه أدخل الجنة وفیه أخرج منها ولا تقوم الساعة الا فی یوم الجمعة اور ان سورتوں میں بھی مبدأ و معاد اور جنت و جہنم کا ذکر ہے، گویا یہ دونوں سورتیں جمعہ کے دن کے لئے بہت موزوں ہیں، روایات میں آتا ہے ما من دابة الا وھی مُصیخة یوم الجمعة من حین تصبح حتی تطلع الشمس شفقا من الساعة، یہ وہ دن ہے جس میں انسان کے علاوہ تمام جاندار طلوع فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک قیامت کے اندیشے سے ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور قیامت کے منتظر رہتے ہیں انسانوں کو نظامِ عالم کی بقا اور مکلف بنانے کی مصلحت سے یہ علم نہیں دیا گیا اس لئے مبدأ و معاد اور جنت و جہنم کے ذکرِ بلیغ پر مشتمل سورتوں کے ذریعہ متنبہ کر دینا مناسب سمجھا گیا نیز یہ کہ جمعہ خوشی کا دن ہے اور خوشی کے موقع پر انسان اعتدال میں نہیں رہتا اس لئے فجر ہی سے اس کو ادھر متوجہ کر دینے کا اہتمام کیا گیا۔　　واللہ اعلم

[۱۱] بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرىٰ وَالْمُدُن

(۸۹۲) حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثٰى مِنَ الْبَحْرَيْنِ. (آئندہ: ۴۳۷۱)

(۸۹۳) حَدَّثَنِيْ بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ

اَخْبَرَنِیْ سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَزَادَ اللَّیْثُ قَالَ یُوْنُسُ کَتَبَ رُزَیْقُ بْنُ حُکَیْمٍ اِلَی ابْنِ شِهَابٍ وَاَنَا مَعَه' یَوْمَئِذٍ بِوَادِی الْقُرٰی هَلْ تَرٰی اَنْ اُجَمِّعَ؟ وَرُزَیْقٌ عَامِلٌ عَلٰی اَرْضٍ یَعْمَلُهَا وَفِیْهَا جَمَاعَةٌ مِنَ السُّوْدَانِ وَغَیْرُهُمْ وَرُزَیْقٌ یَوْمَئِذٍ عَلٰی اَیْلَةَ فَکَتَبَ ابْنُ شِهَابٍ وَاَنَا اَسْمَعُ یَاْمُرُه' اَنْ یُجَمِّعَ یُخْبِرُه' اَنَّ سَالِمًا حَدَّثَه' اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ وَالْمَرْاَةُ رَاعِیَةٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِیَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِیْ مَالِ سَیِّدِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ قَالَ وَحَسِبْتُ اَنْ قَدْ قَالَ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ مَالِ اَبِیْهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ وَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ. (آئندہ:۲۴۰۹،۲۵۵۴،۲۵۵۸،۲۷۵۱،۵۱۸۸،۵۲۰۰،۷۱۳۸)

ترجمہ باب، گاؤں اور شہر میں جمعہ قائم کرنے کا بیان۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کے بعد جو پہلا جمعہ قائم کیا گیا وہ عبدالقیس کی مسجد میں تھا جو بحرین کے علاقہ میں جواثی میں تھی۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے۔ اور لیث نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا کہ یونس نے کہا کہ رزیق بن حکیم نے ابن شہاب کو لکھا۔ اور میں اس زمانہ میں وادی القریٰ میں ان کے ساتھ تھا۔ کہ آپ کیا فرماتے ہیں کہ میں جمعہ قائم کروں؟ اور رزیق ایک زمین میں کاشت کراتے تھے اور وہاں سوڈان کے لوگوں کی ایک جماعت تھی اور ان کے علاوہ بھی تھے۔ اور رزیق اس زمانہ میں ایلہ کے حاکم تھے۔ تو ابن شہاب نے ان کو لکھا اور میں سن رہا تھا اور وہ ان کو جمعہ قائم کرنے کا حکم دے رہے تھے، اور ابن شہاب نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ سالم نے ان سے حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس کی جائے گی، امام نگہبان ہے اور اس سے (قیامت میں) اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس کی جائے گی، اور مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی اور خادم اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ ابن عمر یا سالم نے فرمایا کہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس کی جائے گی اور تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جمعہ مستقل اور خاص انداز کی آبادی میں ہوسکتا ہے، آبادی شہر کے طرز کی ہو یا دیہات کے انداز کی، غیر مستقل آبادی، جنگل اور سمندر وغیرہ میں جمعہ قائم نہیں کیا جاسکتا، اب رہی یہ تفصیل کہ خاص انداز کی آبادی سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے لئے امام بخاریؒ نے باب من این توتی الجمعة میں عطاء کا اثر نقل کر کے قرية جامعة کا اشارہ فرمایا ہے، اور اس باب کے ذیل میں جو روایتیں ذکر کی ہیں ان سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بخاری اس مسئلے کو جمہور فقہاء ومحدثین کی طرح دیکھ رہے ہیں کہ جمعہ کو صلوات خمسہ کی طرح سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ انہیں ہر مقام پر قائم کرنے کا حکم ہے بلکہ جمعہ کا معاملہ ان سے قدرے مختلف ہے۔ تفصیل میں اختلاف کے باوجود ائمہ کرام جمعہ کو صلوات خمسہ سے متعدد امور میں ممتاز سمجھ رہے ہیں۔

ائمہ کرام کے اختلاف کے بارے میں ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں یہ بیان کیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی نمازِ جمعہ میں کچھ ایسے احوال دائمی طور پر پائے جاتے ہیں جو عام نمازوں میں نہیں ہیں، ان احوال کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ یہ جمعہ کے وجوب یا صحت کے لئے شرط ہیں یا نہیں، پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔

وذلك انه لم يصلها ﷺ الا في جماعة ومصر ومسجد جامع فمن رأى ان اقتران هذه الاشياء بصلاته مما يوجب كونها شرطا في صلاة الجمعة اشترطها ومن رأى بعضها دون بعض اشترط ذلك البعض دون غيره كاشتراط مالك المسجد
(بدایۃ المجتہد ج:۱، ص:۱۵۹)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے نماز جمعہ صرف جماعت کے ساتھ شہر اور مسجد جامع میں پڑھی ہے چنانچہ جن فقہاء نے یہ سمجھا کہ حضور ﷺ کی نماز میں ان چیزوں کے ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں نماز جمعہ کی شرط قرار دیا جائے انہوں نے شرط قرار دے دیا اور جن فقہاء نے ان چیزوں میں سے بعض کو شرط سمجھا بعض کو نہیں انہوں نے بعض کو شرط قرار دے دیا جیسے امام مالکؒ نے مسجد کو شرط قرار دیا ہے

بہر حال قیامِ جمعہ کے لئے تمام ائمہ مجتہدین کے یہاں کچھ نہ کچھ قیود ہیں جن کی ان حضرات نے اپنے اپنے مدارکِ اجتہاد کے مطابق رعایت کی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے مذاہب ائمہ ثلاثہؒ کے یہاں گاؤں میں جمعہ کی اجازت دی گئی ہے مگر خاص حدود کی پابندی کے ساتھ، ان کے یہاں جمعہ کے قیام کا مدار سُکّان کے عدد پر ہے، چنانچہ امام مالکؒ کے یہاں اس آبادی میں جمعہ قائم ہوسکتا ہے جہاں باقاعدہ مسجد ہو، بازار ہو اور نماز جمعہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق بیس اور دوسری روایت کے مطابق تیس ہو، امام شافعی اور امام احمد کے یہاں مسجد ہو یا نہ ہو لیکن ضروری ہے کہ اس آبادی میں چالیس آزاد اور عاقل و بالغ مسلمان اس طرح آباد ہوں کہ ہر موسم میں ان کی اقامت

وہیں رہتی ہو، گھر خواہ پتھر کے ہوں یا مٹی کے، لیکن وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، نیز یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عدد یا دوسری شرائط کے لئے ان ائمہ کے پاس صریح نص نہیں ہے، بلکہ ابن رشد کے بیان کے مطابق حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی نمازِ جمعہ کے احوال سے یہ چیزیں سمجھی گئی ہیں۔

امام اعظم کا مذہب امام اعظم کے یہاں گاؤں میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں، ان کے یہاں اقامتِ جمعہ کے لئے مصر یا فناء مصر کا ہونا شرط ہے اور اس کے لئے ان کے پاس متعدد مضبوط دلائل ہیں۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں کی ہر آبادی اور ہر گاؤں میں جمعہ قائم کیا گیا ہو، بلکہ روایات سے اس کے برعکس یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں قبا اور عوالی میں کہیں جمعہ قائم نہیں ہوا، حضور ﷺ سفرِ ہجرت کے موقع پر قبا میں ایک روایت کے مطابق چودہ دن اور دوسری روایت کے مطابق اس سے زائد مقیم رہے، اسی سفر میں آپ کے دستِ مبارک سے مسجد تقویٰ کی بنیاد رکھی گئی، آپ کے قیام کے دوران جمعہ کا دن بھی آیا، مگر جمعہ قائم نہیں کیا گیا، جب کہ مدینہ طیبہ میں آپ کی آمد سے پہلے ہی جمعہ قائم کیا جا چکا تھا، پھر جب آپ قبا میں چند روز قیام کے بعد مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں بنو سالم کی مسجد عاتکہ میں آپ نے نمازِ جمعہ پڑھائی، اور یہی نماز آپ کی پہلی نمازِ جمعہ ہے اور اس نمازِ جمعہ میں جو آپ نے خطبہ دیا وہ آپ کا جمعہ کا پہلا خطبہ ہے۔ نمازِ جمعہ کی فرضیت کے باوجود قبا میں آپ کا جمعہ نہ پڑھنا اور نہ اہلِ قبا کو جمعہ کے قیام کا حکم دینا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قبا میں جمعہ کا قائم کرنا جائز نہیں تھا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ جمعہ قائم نہ کرنے کا یہ معمول بدستور برقرار رہا، صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت موجود ہے، **قالت كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي** کہ لوگ جمعہ کی نماز کے لئے اپنے اپنے گھروں سے اور عوالی سے باری باری آیا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ عوالی نام کی آبادیوں میں نہ تو جمعہ کے قائم کرنے کی اجازت دی گئی اور نہ جمعہ کو ان پر فرض قرار دیا گیا ورنہ سب کے لئے حاضر ہونا ضروری ہوتا بلکہ رسولِ پاک ﷺ کی معیت میں جمعہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے یا مسائل واحکام سیکھنے کی غرض سے یہ طریقہ رہا کہ کچھ لوگ اس جمعہ میں آگئے، کچھ دوسرے جمعہ میں آگئے، وغیرہ۔

(۳) بلکہ اہل عالیہ اگر عید کی نماز کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ہیں تو انہیں عید کی نماز کے بعد جمعہ پڑھنے کا پابند نہیں کیا گیا، ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ عید جمعہ کے دن پڑ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد ارشاد فرمایا **انه قد اجتمع في يومكم هذا عيدان فمن شاء اجزأه من الجمعة وانا مجمعون** کہ آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں، اس لئے جو عید کی نماز میں شریک رہا ہے تو اس کے لئے یہ نمازِ عید، نمازِ جمعہ سے کفایت کرتی ہے اور ہم یقیناً جمعہ کی نماز ادا کریں گے۔

اس روایت کے ظاہر سے بعض حضرات نے تو یہ سمجھا کہ عید کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ ساقط ہو جاتا ہے اور سقوط کے معنی یہ ہیں کہ جمعہ کی نماز ان لوگوں کے حق میں رخصت کے حکم میں آجاتی ہے پڑھیں تو بہتر، نہ پڑھیں تو جائز، لیکن یہ کمزور بات ہے، جمہور فقہاء کے یہاں جمعہ اور عید کا اجتماع، جمعہ کی رخصت کا سبب نہیں ہے، کیونکہ جمعہ کے وجوب کے دلائل قطعیہ میں کسی دن کی تخصیص یا استثناء کی گنجائش نہیں اور جن روایتوں کی بنا پر یہ حضرات تخصیص یا استثناء کر رہے ہیں وہ قوی الاسناد نہیں، ان کی سند پر کلام کیا گیا ہے اس لئے ابوداؤد کی روایت کے یہ معنی ہیں کہ حضور ﷺ نے شہر کے باہر سے آنے والے اہلِ عالیہ اور اہلِ بادیہ کے لئے یہ اعلان فرمایا تھا کہ ان میں اگر کوئی واپس ہونا چاہتا ہے تو اس کو اجازت ہے، اور لفظ **انّا مجمّعون** اس کا قوی ترین قرینہ ہے، کہ لفظ **انّا** بتا رہا ہے کہ آپ اپنے بارے میں، اور اپنے ساتھ اہلِ شہر کے بارے میں تاکید کے ساتھ یہ فرما رہے ہیں کہ ہمیں جمعہ پڑھنا ہے۔

حضور پاک ﷺ کے اس ارشاد کے یہی معنی حضرت عثمانؓ نے سمجھے، موطا امام مالک میں ابوعبید- جو مشاہیر تابعین میں ہیں- کی روایت میں ہے کہ ہم نے جمعہ کے دن عید کی نماز حضرت عثمان کے پیچھے پڑھی، نمازِ عید کے بعد انہوں نے خطبہ میں فرمایا **قد اجتمع لكم في يومكم هذا عيدان فمن احب من اهل العالية ان ينتظر الجمعة فلينتظرها ومن احب ان يرجع فقد اذنت له** آج کے دن دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں (میں اہلِ عالیہ کے لئے جن پر جمعہ واجب نہیں ہے یہ اعلان کرتا ہوں کہ) اگر اہلِ عالیہ میں سے کوئی جمعہ کا انتظار کرنا چاہتا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر کوئی لوٹنا چاہتا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔

اگر حضرت عثمانؓ کے نزدیک اہلِ عالیہ پر جمعہ فرض ہوتا تو وہ اپنی طرف سے ایسا اعلان نہیں کر سکتے تھے، حضرت عثمان غنیؓ کا یہ اعلان حکماً مرفوع ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **من شاء اجزأه من الجمعة وانّا مجمّعون** کی تشریح ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں فرمایا ہے کہ اگر عید جمعہ کے دن ہو تو امام کو عید کی نماز کے بعد بیرون شہر سے آنے والوں کے لئے اعلان کر دینا چاہیئے کہ جو لوگ واپس ہونا چاہیں واپس ہو جائیں لیکن اہلِ شہر کے لئے کسی عذر شرعی کے بغیر جمعہ چھوڑنا جائز نہیں۔

(۴) اس صورت کے برعکس اگر اہلِ شہر جمعہ کے دن ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں تو انہیں وہاں ظہر پڑھنے کا پابند کیا گیا ہے، حجۃ الوداع میں ذی الحجہ کی ۹ر تاریخ کو جمعہ تھا، آپ نے عرفات میں وقوف فرمایا لیکن سب کے نزدیک یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ وہاں آپ نے جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، مسلم شریف اور دوسری کتابوں میں صراحت ہے کہ آپ نے وہاں ظہر کی نماز پڑھی۔

لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ مسافر تھے اور آپ نے عذرِ سفر کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھا، تو یہ بات دو وجہ سے قابلِ قبول نہیں، ایک وجہ تو یہ ہے کہ سفر میں جمعہ کا ترک صرف جائز ہے ضروری نہیں، مسافر جمعہ پڑھے تو جمعہ ادا

ہو جائے گا اور دوسری وجہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے موطا کی شرح میں ارشاد فرمائی کہ حضور ﷺ اگر مسافر تھے تو آپ کے ساتھ جو مکہ مکرمہ کے ہزاروں صحابہ تھے آپ نے انہیں جمعہ قائم کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا وہ تو مسافر نہیں تھے، معلوم ہوا کہ جمعہ قائم کرنے کی بنیاد سفر نہیں، صرف یہ ہے کہ وہاں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں تھا۔

(۵) مندرجہ بالا چاروں دلائل کا تعلق عہدِ رسالت سے ہوا پھر خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی یہی حال رہا کہ فتوحات کی کثرت کے باوجود جمعہ کا قیام ہر جگہ نہیں ہوا صرف شہروں میں ہوا بدائع میں ہے **وكذا الصحابة فتحوا البلاد وما نصبوا المنابر الا في الامصار،** یعنی صحابۂ کرامؓ نے بہت سے شہر فتح کئے، لیکن جمعہ کے لئے منبر صرف شہروں میں نصب کئے گئے، نیز صحابۂ کرامؓ کے آثار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے **ليس على اهل القرى جمعة، انما الجمع على اهل الامصار مثل المدائن،** اہلِ دیہات پر جمعہ نہیں ہے، جمعہ صرف اہلِ شہر - جیسے مدائن - پر ہے، بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار میں سند کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے **قد كان سعيد بن زيد وابو هريرة بالسجرة على اقل من ثلثة اميال يشهد ان الجمعة ويدعانها** اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں، **كان يروى ان عبد الله بن عمرو بن العاص كان على ميلين من الطائف يشهد الجمعة ويدعها** ان آثار سے معلوم ہوا کہ حضرت سعید بن زید، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا قیام شہر سے باہر تھا اور یہ حضرات اس زمانہ میں اپنے قیام کی آبادی میں جمعہ قائم نہیں کرتے تھے، موقع ہوتا تو شہر میں آکر جمعہ پڑھ لیتے تھے اور موقع نہ ہوتا تو جمعہ چونکہ ان پر فرض نہیں تھا اس لئے اپنے قیام کی آبادی میں ظہر پڑھتے تھے۔

(۶) صحابہ کرام کا یہ تعامل نہایت مضبوط دلیل ہے، اور اس کے ساتھ حضرت علیؓ کی روایت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے **لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع،** یہ روایت مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے، اس کو مرفوعاً بھی نقل کیا گیا ہے اور موقوفاً بھی، مرفوعاً محدثین کے یہاں ثابت نہیں لیکن موقوفاً ان کے یہاں ثابت ہے اور اس کی سند کو محدثین نے صحیح تسلیم کیا ہے اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ اور عید کے لئے مصر جامع کا ہونا ضروری ہے، اگر حضرت علیؓ نے عہدِ خیر القرون کے تعامل کی ترجمانی فرمائی ہے، تو یہ بڑی مضبوط بات ہے کہ اگر اس زمانہ میں کہیں بھی دیہات میں جمعہ قائم کیا گیا ہوتا تو ضرور حضرت علیؓ کے علم میں ہوتا اور وہ یہ حکم بیان نہ فرماتے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ محدثین کے اصول کے مطابق حضرت علیؓ کی یہ روایت حکماً مرفوع ہے، کیونکہ عام نمازوں کے لئے تو صحیح روایات میں **جعلت لى الارض مسجداً وطهوراً** کا حکم بیان فرمایا گیا ہے، تو یہ ممکن ہی نہیں ہے، کہ حضرت علیؓ جمعہ کے لئے اپنی رائے اور اجتہاد سے مصر جامع کی قید کا اضافہ فرمائیں، یقیناً انہوں نے یہ بات حضور ﷺ سے سن کر ارشاد فرمائی ہے۔

مصر سے کیا مراد ہے؟ ان مضبوط دلائل کی بنیاد پر امام اعظمؒ نے اقامتِ جمعہ کے لئے مصر کو شرط قرار دیا ہے، اس لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ مصر سے کیا مراد ہے؟ تو اس سلسلے میں یاد رکھنا چاہیئے کہ مصر کی جتنی تعریفیں کی گئی ہیں وہ حقیقی نہیں ہیں بلکہ رسوم کی قبیل سے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک عرفی چیز ہے اور عرفی چیز کو بیان کرنے کے لئے مختلف انداز اختیار کئے جاسکتے ہیں، نیز یہ کہ عرف کے بدل جانے سے یہ رسمی تعریفیں بدل بھی سکتی ہیں، کیونکہ رسوم کا تعلق احوال وعوارض سے ہوتا ہے جو مختلف بھی ہوتے ہیں اور بدلتے بھی رہتے ہیں، چنانچہ حضرت سفیان ثوری سے منقول ہے **ما یعده الناس مصرا عند ذکر الامصار المطلقة،** جسے لوگ شہروں کا ذکر کرتے ہوئے شہر قرار دیں وہ مصر ہے، نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ مصر کی جتنی تعریفیں نقل کی گئی ہیں ان میں بیشتر کا تعلق مصر جامع سے ہے، مصر غیر جامع یعنی قصبات اور قری کبیرہ سے نہیں ہے، یہ اور بات ہے کہ قصبات اور قری کبیرہ کو اس سے بحکم جمعہ ملحق کر دیا گیا ہے۔

ایک زمانہ میں اسلامی حکومت میں ہر بڑی آبادی میں ایک مستند عالم ہوتا تھا جس سے لوگ رجوع کرتے تھے، ہر جگہ انصاف حاصل کرنے کے لئے قضاۃ مقرر تھے، چھوٹی جگہوں پر وقتاً فوقتاً قاضی پہنچتے تھے اور ان کو قاضی الناحیۃ کہا جاتا تھا، اس زمانہ کے عرف کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عطاء نے **قریة جامعة** کی جو تعریف کی وہ مسند عبد الرزاق میں منقول ہے **هی ذات الجماعة والامیر والقاضی والدور المجتمعة الأخذ بعضها ببعض مثل جدة،** قریۂ جامعہ وہ ہے جہاں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو اور وہاں امیر اور قاضی ہو اور گھر اس اجتماعی شان سے بنائے گئے ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں جیسے جدہ میں ہے۔

اسی زمانہ کے عرف کے مطابق امام اعظمؒ سے مصر جامع کی یہ تعریف منقول ہے **انه بلدة کبیرة فیها سکك واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم وعالم یرجع الیه فی الحوادث،** مصر جامع ایسے بڑے شہر کو کہتے ہیں جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں اور اس سے ملحق کچھ دیہات ہوں اور وہاں کوئی ایسا حاکم ہو جو ظالم ومظلوم کے درمیان انصاف کرے اور ایسا عالم ہو جس کی طرف حوادث میں رجوع کیا جاتا ہو۔

اسی عرف کے مطابق قاضی ابو یوسف سے منقول ہے **کل مصر فیه منبر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود فهو مصر جامع،** ہر وہ شہر جس میں منبر ہو اور احکام شرعیہ کے نفاذ اور حدود شرعیہ کے قیام کے لئے قاضی ہو وہ مصر جامع ہے، قاضی ابو یوسف کی تعریف میں گو کوچہ وبازار اور ملحقہ دیہات کا ذکر نہیں، لیکن حدود شرعیہ کے نفاذ کے لئے ظاہر ہے کہ بڑا شہر ہونا چاہیئے۔

مندرجہ بالا تعریفات میں جو قیدیں ذکر کی گئی ہیں، گویا یہ باتیں اس دور کے عرف میں عام تھیں، پھر ایک زمانہ

آیا جس میں حدود شرعیہ کے نفاذ اور نظام قضا میں کوتاہی نمایاں ہوئی تو فقہاء کو یہ وضاحت کرنی پڑی کہ اقامت حدود اور ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف سے مراد یہ ہے کہ اس کی قدرت ہو، یہ ضروری نہیں کہ عملاً بھی یہ چیزیں نافذ ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں مصر جامع کی علامات تھیں اور آسانی سے بڑے شہروں پر منطبق ہو جاتی تھیں لیکن ایک دور آیا کہ احکام شرعیہ کے نفاذ اور مظلوم و ظالم کے درمیان انصاف کی علامت، حکام کی بے توجہی کے سبب کمزور بلکہ معدوم ہوگئی اور ان علامات کا بڑے شہروں پر منطبق ہونا بھی دشوار ہوگیا تو فقہاء نے قاضی ابو یوسف سے منقول ایک دوسری رسمی تعریف کو اختیار کیا، **لو اجتمعوا فی اکبر مساجدهم للصلوات الخمس لم یسعهم ذلك،** یعنی مصر جامع وہ ہے کہ اگر اس کے رہنے والے نماز پنجگانہ کے لئے تعمیر کردہ بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو وہ اس میں نہ سما سکیں، چنانچہ اسی تعریف کو اکثر فقہاء نے مصر جامع کی تعریف کے لئے اختیار کر کے مفتی بہ قرار دے دیا۔ **(وعلیه فتوی اکثر الفقهاء،** البحر، ج:۲، ص:۱۴۰)

اس رسمی تعریف کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ وہ آبادی اتنی بڑی ہو کہ جب بڑی سے بڑی مسجد تنگ ہو جائے گی تو انہیں مسجد جامع کی تعمیر کی ضرورت پڑے گی، چنانچہ بعض فقہاء نے اسی تعریف میں **حتی احتاجوا الی بناء مسجد الجمعة** (البدائع: ج:۱، ص:۲۶۰) کا اضافہ بھی نقل کیا ہے، لیکن اس اضافہ کے بغیر ظاہر ہے کہ یہ تعریف قری پر بھی منطبق ہو جاتی ہے، چنانچہ ردالمحتار میں **هذا یصدق علی کثیر من القری** (ج:۳، ص:۵) موجود ہے، اور اس کے نتیجہ میں توسع کا پیدا ہو جانا، ناگزیر ہے[1]

خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے دلائل قویہ کی بنیاد پر اقامت جمعہ کے لئے مصر کو شرط قرار دیا ہے، دیگر ائمہ کے یہاں بھی جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، امام بخاریؒ بھی ہر جگہ اقامت جمعہ کے قائل نہیں، وہ بھی خاص قسم کی آبادی - قری اور مدن - میں اس کی اجازت دے رہے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے جو دلائل پیش کئے ہیں ان سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

حدیث اول سے بخاری کا استدلال حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ، مسجد عبد القیس میں قائم ہوا جو جواثی میں تھی اور جواثی بحرین کے علاقہ میں ہے، جواثی کے بارے میں ابوداؤد میں ہے **وهی قریة من قری البحرین،** کہ جواثی بحرین کا ایک گاؤں ہے، اس لئے

---

[1] حضرت الاستاذؒ نے مصر کی ان چند مشہور رسمی تعریفوں پر کلام فرماتے ہوئے فقہاء کا تدریجی تنزل ظاہر کیا ہے، جب کہ فقہاء کے تدریجی تنزل میں اور تعریفات کا بھی دخل ہے، مثلاً بدائع میں ہے **قال بعض اصحابنا المصر الجامع ما یتعیش فیه کل محترف بحرفته من سنة الی سنة من غیر ان یحتاج الی حرفة اخری** (ج:۱، ص:۲۶۰) یعنی انسانی ضروریات کے تمام اہل حرفت وہاں موجود ہوں اور آبادی اتنی ہو کہ انہیں اپنی معاش کے لئے پورے سال دوسرے پیشے کو اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، اسی طرح بعض فقہاء سے منقول ہے **ان تکون لهم منعة لو جاءهم عدو قدروا علی دفعه** کہ اس آبادی میں رہنے والوں کو اتنی قوت حاصل ہو کہ وہ آنے والے دشمن کی خود مدافعت کر سکیں، =

امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب کا ایک جز الجمعة فی القری ثابت ہو گیا۔

بہ ظاہر تو امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں چند باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے، پہلی بات یہ کہ کیا قریة کا اطلاق صرف گاؤں پر ہوتا ہے، مصر پر نہیں؟ دوسرے یہ کہ جواثی واقعی گاؤں تھا؟ اور اگر واقعی گاؤں تھا تو تیسری بات یہ کہ یہ عمل حضور ﷺ کی اجازت سے ہوا یا بعد میں آپ کے علم میں آیا اور آپ نے اس کی توثیق فرمائی؟ یا ان میں کچھ بھی ثابت نہیں اور آخری بات یہ کہ یہ واقعہ کس سن کا ہے اور اس دوران دوسرے مقامات پر

= مولانا بحر العلوم نے رسائل الارکان میں لکھا ہے کہ میرے والد ملا نظام الدینؒ کا فتوی یہ ہے کہ مصر اس آبادی کا نام ہے جہاں انسانی ضروریات پوری ہو جائیں کہ وہاں اشیاء خورد ونوش اور لباس وغیرہ کو فروخت کرنے والے ہوں اور عام ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے والے اہلِ حرفت ہوں، مگر مولانا بحر العلوم لکھتے ہیں لا ادری اھذا کان عن اجتھادہ او وجد روایة. مجھے یہ معلوم نہیں کہ والد مرحوم کا یہ فتویٰ، ان کا اپنا اجتہاد ہے یا ان کے پیش نظر کوئی نقل تھی۔ غرض یہ ہے کہ مصر کی ان رسمی تعریفوں میں بڑا تنوع ہے اور ان میں بعض تعریفیں۔ خصوصاً یہ تعبیر لو اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لم یسعھم جسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ چھوٹی آبادی پر بھی منطبق ہو جاتی ہیں اس لئے فتاویٰ میں اختلاف پیدا ہونا مستبعد نہیں چنانچہ ہمارے بعض اکابر۔ جیسے حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ۔ ظاہر روایت کے پیش نظر اپنے فتاویٰ میں احتیاط کا پہلو اختیار کرتے رہے، جبکہ بعض دیگر اکابر۔ جیسے حضرت نانوتویؒ نے اپنے عمل میں اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور مفتی کفایت اللہؒ۔ نے اپنے فتاویٰ میں انہی تعریفات کے مصداق اور بعض دیگر شرعی مصلحتوں کی بنیاد پر توسع اختیار فرمایا۔ مفتی عزیز الرحمٰن سے استفتاء کیا گیا کہ ایک موضع میں ہندو اور مسلمانوں کی کل آبادی دو ہزار ہے، جس میں مسلمانوں کے چالیس گھر ہیں، تین دکانیں ہیں، دو مسجدیں ہیں، ایک عید گاہ ہے اس موضع میں جمعہ کی نسبت کیا حکم ہے، جمعہ ادا کریں یا ظہر، اکثر جمعہ کے بعد ظہر پڑھ لیا کرتے ہیں تو جواب میں تحریر فرمایا: حنفیہ کا مذہب جمعہ کے بارے میں یہ ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہے اور قریہ کبیرہ اور قصبہ میں جمعہ واجب وادا ہوتا ہے وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیھا اسواق (ردالمحتار: ج:۲، ص:۶) اور موضع مذکور فی السوال بہ ظاہر بڑا قریہ ہے وہاں جمعہ صحیح ہو جائے گا، احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے (فتاوی دار العلوم: ج:۵، ص:۵۸) توسع کے مطابق عمل کے لئے فتاوی دار العلوم میں متعدد مقامات کو دیکھا جا سکتا ہے، اسی طرح کفایت المفتی میں بھی متعدد وجوہ سے استدلال کرتے ہوئے گنجائش دی گئی ہے ایک چھوٹی آبادی کے متعلق استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "حنفی مذہب کے مطابق قریٰ یعنی دیہات میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا، اس لئے اگر کسی گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے تو وہاں جمعہ قائم نہ کرنا چاہئے کیونکہ حنفی مذہب کے مطابق اس میں جمعہ صحیح نہ ہوگا اور فرضِ ظہر جمعہ پڑھنے سے ساقط نہ ہوگا، لیکن اگر وہاں قدیم الایام سے جمعہ قائم ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا یہ کہ اسلامی حکومت میں بادشاہِ اسلام کے حکم سے قائم ہوا تھا تو حنفی مذہب کی رو سے وہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے اس لئے بند کرنا درست نہیں، یا یہ کہ بادشاہ اسلام کے حکم سے قائم ہونا ثابت نہیں یا یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں نے خود قائم کیا تھا مگر ایک زمانہ دراز سے پڑھا جاتا ہے اس صورت میں حنفی مذہب کے اصول کے موافق تو اسے بند کرنا چاہئے یعنی بند کرنا ضروری ہے، لیکن چونکہ عرصہ دراز کے قائم شدہ جمعہ کو بند کرنے میں جو فتنے اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے اس مسئلے میں حنفیہ کو شوافع کے مذہب پر عمل کر لینا جائز ہے اور جب کہ شوافع کے مذہب پر عمل کر کے جمعہ پڑھیں گے تو پھر ظہر ساقط نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں، مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد لازمہ، عمل بمذہب الغیر کے لئے وجہِ جواز ہیں" (کفایت المفتی: ج:۳، ص:۱۹۳) اس اختلاف کا تقاضا یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے مذہب میں قریہ کبیرہ کی تعیین کے لئے ارباب افتاء سے رجوع کر کے عمل کرنا چاہئے، اور یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جمعہ کا وجوب تو مصر جامع ہی میں ہے، اور قصبات وقری کبیرہ میں جو گنجائش دی گئی ہے اس کے لئے تقع فرضا فی القصبات والقریٰ الخ کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان جگہوں پر بھی جمعہ واجب ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان مقامات پر جمعہ قائم کیا گیا تو اس کی گنجائش ہے، یعنی یہ عمل جائز ہے، اور فرض ادا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم (مرتب)

اقامتِ جمعہ کا کیا حال رہا؟۔

جواثی کا حال جواثی کے بارے میں ابوداؤد میں قریۃ کا لفظ آیا ہے لیکن قریۃ کا اطلاق جس طرح گاؤں پر ہوتا ہے اسی طرح شہروں پر بھی ہوتا ہے، اہل لغت نے اس کے معنی مدینۃ بھی لکھے ہیں مصر بھی لکھے ہیں اور اسی کے مطابق قرآن کریم میں متعدد مقامات پر قریۃ بول کر شہر مراد لیا گیا ہے لو لا انزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (سورۂ زخرف آیت:۳۱) میں قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہیں واضرب لھم مثلا اصحٰب القریۃ (سورۂ یٰس آیت:۱۳) میں قریۃ سے مراد انطاکیہ ہے، واسئل القریۃ التی کنا فیھا (سورۂ یوسف آیت:۸۲) میں قریۃ سے مراد مصر ہے قرآن کی زبان میں قریۃ ہر آبادی پر بولا گیا ہے، چھوٹی ہو یا بڑی، اور احادیث میں بھی اسی طرح استعمال ہے، اس لئے جواثی پر قریۃ کے اطلاق سے اس کے گاؤں ہونے پر استدلال کرنا اپنے دل کو خوش کرنے والی بات ہے۔

دوسرے یہ کہ جواثی کو مستند اہلِ علم نے مدینۃ لکھا ہے، علامہ عینیؒ نے نقل کیا ہے کہ ابوعبید بکری نے مدینۃ بالبحرین لکھا ہے، زمخشریؒ نے بلدان میں اور جوہری نے صحاح میں جواثی کو حصن بالبحرین لکھا ہے، نیز یہ کہ شعراء کا کلام ہر دور میں تمدنی احوال اور بعض دیگر حقائق معلوم کرنے کے لئے معتبر اور فطری ذریعہ قرار دیا گیا ہے، شعراء کے کلام سے جواثی کے بارے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھوٹا گاؤں نہیں تھا، بلکہ بڑی آبادی تھی اور اس میں گلی کوچے، بازار اور قلعہ وغیرہ کے وجود سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، جاہلی شاعر امرء القیس کہتا ہے۔

وَرُحْنَا کَأَنَّا مِنْ جُوَاثیٰ عَشِیَّۃً نُعَالِی النِّعَاجَ بَیْنَ عَدْلٍ وَمِحْقَبِ

ہم وہاں سے اس طرح روانہ ہوئے کہ گویا ہم جواثی کے (تاجر) ہیں ہم شکاروں کو اپنی سواری کے بوروں اور تھیلوں میں اٹھا کر چڑھا رہے تھے، امرء القیس شکار گاہ سے واپسی کی منظر کشی کر رہا ہے کہ ہم وہاں سے اتنے شکار لے کر چلے کہ سواری کے دونوں طرف بوروں اور تھیلوں میں شکار ہی شکار لٹک رہے تھے، گویا ہم جواثی کی منڈی سے ساز وسامان کے گٹھر باندھ کر لا رہے ہیں، امرء القیس نے جواثی کا تجارتی منڈی ہونا واضح کیا ہے جو گاؤں میں نہیں ہوا کرتی۔

اس طرح حضور ﷺ کی وفات کے بعد مختلف قبائل میں ارتداد پھوٹ پڑا، اسی زمانہ میں بحرین کے مرتدین نے جواثی کا محاصرہ کرلیا اور مسلمانوں پر وقت تنگ ہوگیا، تو مسلمانوں نے قلعہ میں پناہ لی، اسی موقع سے متعلق ایک شاعر عبداللہ بن خدق کے اشعار یہ ہیں۔

أَلَا أَبْلِغْ أَبَا بَکْرٍ سَلَامًا وَفِتْیَانَ الْمَدِیْنَۃِ أَجْمَعِیْنَا

فَهَلْ لَکَ فِی شَبَابٍ مِنْکَ أَمْسَوْا أُسَارَیٰ فِی جُوَاثیٰ مُحْصَرِیْنَا

کَأَنَّ دِمَاءَ نَا فِی کُلِّ فَجٍّ دِمَاءُ الْبُدْنِ تَغْشَی النَّاظِرِیْنَا

کاش کوئی ابو بکرؓ اور مدینہ کے تمام جوانوں کو ہمارا اسلام پہنچادے اور (ان سے کہے) کہ کیا آپ کو اپنے ان جوانوں کی کچھ خبر ہے جو جواثی میں قیدیوں کی طرح محصور کردیئے گئے ہیں، ہمارے خون گلی کوچوں میں اس طرح بہہ رہے ہیں جیسے قربانی کے جانوروں کا خون دیکھنے والوں (کے دل ودماغ) پر چھاجاتا ہے، اس شاعر نے جواثی میں قلعہ کا بھی ذکر کیا ہے، گلی کوچوں کا بھی ذکر کیا ہے، دشمنوں کی یلغار اور اپنی مظلومیت اور مسلمانوں کی بہ کثرت شہادت کا بھی تذکرہ کیا ہے جس سے جواثی کا بڑی آبادی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت علاء بن الحضرمی کی زیر سرکردگی فوج روانہ کی، انہوں نے مرتدین کا استیصال کیا، یہ واقعات اور اشعار فتوح البلدان میں موجود ہیں اور ہمیں حضرت علامہ کشمیریؒ نے سبق میں سنائے تھے، اسی موقع پر دوسرا شاعر کہتا ہے۔

وَالْمَسْجِدُ الثالثُ الشَّرقِيُّ كَانَ لَنَا ۔۔۔ وَالْمِنْبرانِ وَفَصْلُ الْقَوْلِ بِالْخُطَبِ

اَيَّامَ لَا مِنْبَرَ فِي النَّاسِ نَعْرِفُهُ ۔۔۔ اِلَّا بِطَيْبَةَ وَالْمَحْجُوْبِ بِالْحُجَبِ

کہتا ہے کہ (جواثی میں) جانبِ مشرق کی تیسری مسجد ہماری تھی، منبر ہمارے تھے اور خطبوں میں اما بعد کہہ کر مضمون بیان کرنا ہمارا کام تھا اور یہ اس زمانہ کی بات ہے کہ ہمارے علم میں اس وقت کسی مقام پر کوئی منبر نہیں تھا، منبر صرف مدینہ طیبہ میں تھا اور اس مقام پر تھا جو پردوں میں محجوب رہتا ہے یعنی مکہ مکرمہ میں۔

اس شاعر نے جو منظر کشی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جواثی میں متعدد مسجدیں تھیں اور وہاں کے رہنے والوں کو سیادت کا خصوصی مقام حاصل تھا، ان باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ علم جواثی کا شہر ہونا بیان کررہے ہیں، جاہلی اور اسلامی شعراء کے کلام سے بھی اس کی شہریت ثابت ہوتی ہے، اور ان حقائق سے صرفِ نظر کرکے یہ فیصلہ کرنا کہ جواثی گاؤں تھا، انصاف سے بعید ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے شہریت کی ان علامتوں کی بنیاد پر یہ توجیہ کرنے کی کوشش کی کہ یہ بھی تو احتمال ہے کہ جواثی پہلے گاؤں رہا ہو، پھر ترقی کرکے شہر بن گیا ہو، لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ امرء القیس کے اشعار تو دورِ جاہلیت کے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تو گاؤں ہو اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں شہر میں تبدیل ہو جائے، آج کے برق رفتار تمدن کے دور میں بھی گاؤں کے شہر میں تبدیل ہونے کے لئے عرصہ درکار ہوتا ہے تو اس سست رفتار دور کے بارے میں ابن حجرؒ یہ احتمال بیان کریں تو اس کی کیسے تصدیق کی جائے۔

حضور ﷺ کی اجازت؟ اور بالفرض اگر جواثی گاؤں تھا تو جب تک یہ بات ثابت نہ ہو کہ وہاں اقامتِ جمعہ میں حضور ﷺ کی اجازت شامل تھی یا کم از کم یہ کہ آپؐ نے علم میں آنے کے بعد اس کو برقرار رکھا، اس وقت تک اس واقعہ سے استدلال تام نہیں، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ شوکانیؒ وغیرہ اپنے استدلال کی اس کمزوری سے واقف ہیں اس لئے فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام چونکہ امورِ شرعیہ میں اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتے

اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ کام حضور ﷺ کی اجازت سے ہوا ہوگا اس لئے کہ اگر جائز نہ ہوتا تو وحی کے ذریعہ آپ کو مطلع کر دیا جاتا، عزل کا مسئلہ اس کی نظیر ہے۔

لیکن استدلال کے موقع پر احتمال پیدا کرنے سے کام نہیں چلتا، روایت سے ثابت کیجئے کہ آپ کی اجازت شامل تھی یا آپ نے اس عمل کو علم میں آنے کے بعد برقرار رکھا، حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ اپنی رائے سے کوئی کام کریں اور اس کی ممانعت میں کوئی وحی نازل نہ ہو تو اس سے جواز پر استدلال کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک تو یہ کہ ممانعت پر کوئی نص موجود نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس پر عام صحابہ کا تعامل ہو چند افراد کے عمل سے بات نہیں بنتی، اور یہاں صورت یہ ہے کہ جمعہ فی القریٰ کی ممانعت پر نص بھی موجود ہے اور عام صحابۂ کرامؓ کا تعامل یہ ہے کہ وہ ہر جگہ جمعہ قائم نہیں کر رہے ہیں۔

یہ واقعہ کس سن کا ہے؟ تیسری بات یہ ہے کہ جواثی میں قیام جمعہ کی بات، وفد عبدالقیس کی مدینہ طیبہ سے واپسی کے بعد کی ہے، عبدالقیس کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں دو بار حاضر ہوا ہے، دوسری مرتبہ کی حاضری ۸ھ یا ۹ھ کی ہے اور پہلی حاضری کا سنہ یقین کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا، حافظ ابن حجر پہلی حاضری کو ۵ھ میں لکھتے ہیں، اور اس پر یہ اشکال ہے کہ پہلی حاضری کی تعلیم میں بیہقی اور مسند احمد کی روایات میں وتحجوا البیت الحرام بھی ہے اور حج کی فرضیت ۶ھ کی ہے، اس لئے پہلی حاضری بھی فرضیت حج کے بعد ہونی چاہیئے لیکن اگر ہم یہ مان لیں کہ اس وفد کی پہلی حاضری ۵ھ کی ہے تو غور طلب بات یہ ہے کہ جمعہ کا حکم تو مکہ مکرمہ میں آ گیا تھا، اور یہ روایت بتا رہی ہے کہ مدینہ طیبہ کے بعد سب سے پہلا جمعہ، جواثی میں مسجد عبدالقیس میں ہوا، یعنی وفد کی ۵ھ میں واپسی کے بعد، تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران کتنے ہی علاقوں میں اسلام پھیل گیا تھا، کتنے ہی قبیلے مسلمان ہو گئے تھے، عوالی کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے، مگر روایات بتا رہی ہیں کہ جمعہ کہیں قائم نہیں کیا گیا، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امام بخاریؒ جس روایت کو جمعہ فی القریٰ کے ثبوت میں پیش کر رہے ہیں، اسی روایت سے بہ نظر انصاف جمعہ کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے۔

دوسری روایت سے استدلال دوسری روایت کی وضاحت یہ ہے کہ زریق بن حکیم، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے ایلہ کے امیر تھے، اپنی امارت کے زمانہ میں دورہ کرتے ہوئے وہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں کاشتکار وغیرہ قیام پذیر تھے وہاں خود زریق کی بھی زمین تھی جس میں وہ زراعت کرتے اور کراتے تھے وہاں حبشہ کے کچھ مزدور پیشہ لوگ تھے یا وہاں رہتے تھے، یہ معلوم نہیں کہ وہ زمین ایلہ سے کتنے فاصلہ پر تھی، جمعہ کا دن ہو گیا تو زریق کو تردد ہوا کہ جمعہ کی نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ تو انہوں نے ابن شہاب کو تحریر بھیجی، ابن شہاب نے جواب لکھا یا لکھوایا کہ جمعہ پڑھیں اور دلیل یہ دی کہ ابن عمر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کلکم راع،

الحدیث، طریقہ استدلال یہ ہے کہ زریق، عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے امیر اور راعی ہیں اور امیر پر رعایا کے تمام حقوق کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ حقوق دنیوی ہوں یا دینی، تو جہاں دینی امور میں تمام نمازوں کے انتظام کی ذمہ داری ہے وہاں اقامتِ جمعہ کی بھی ذمہ داری ہے اس لئے زریق کو نمازِ جمعہ پڑھانی چاہیئے۔

یہ ہے امام بخاریؒ کا استدلال، عجیب استدلال ہے پہلی بات یہ ہے کہ ابن شہاب زہری کوئی نص نہیں پیش کررہے ہیں کہ ہر موضع میں جمعہ قائم کیا جائے، ایسی کوئی نص کسی کے پاس نہیں ہے، بلکہ اجتہاد فرمارہے ہیں، لیکن کتنی حیرت کی بات ہے کہ جن فقہاء کے نزدیک حضرت علیؓ کی صحیح روایت **لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع** موقوف ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں ہے، انہی فقہاء کے نزدیک ابن شہاب زہری کا فتویٰ قابلِ قبول ہے، جب کہ فتویٰ میں جو دلیل دی گئی ہے وہ محلِ نظر ہے، **کلکم راع** کا یہ مطلب بالکل صحیح ہے کہ ہر راعی، آخرت میں رعایا کے بارے میں مسئول ہوگا، مگر آخرت میں سوال ان ہی چیزوں کا تو ہوگا جس کا راعی کو ذمہ دار بنایا گیا ہے، جمعہ فی القریٰ کا تو وہ ذمہ دار ہی نہیں ہے، پھر سوال کیوں ہوگا؟

دوسری بات یہ ہے کہ زریق جس علاقہ میں دورہ کرتے ہوئے پہنچے یہ بتایا جائے کہ وہ کوئی آبادی تھی یا گاؤں تھا، گاؤں تھا تو اس کا نام کیوں ذکر نہیں کرتے؟ بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایلہ کے قرب وجوار یعنی فناء شہر کی بات ہے اور اگر ایسا ہے تو جمعہ فی القریٰ کا مسئلہ ہی نہیں، فناء شہر میں جمعہ کا مسئلہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں، اور فناء شہر، شہر کی حیثیت اور ضروریات کے لحاظ سے کئی کئی میل تک ممتد ہوسکتا ہے، اور اگر وہ بالفرض کوئی گاؤں ہی تھا تو امام کی جانب سے مقرر کردہ حاکم کی موجودگی سے وہ مدینہ کے حکم میں آجائے گا، اس لئے جمعہ فی القریٰ کا مسئلہ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ زریق کو تردد کیوں ہوا؟ تردد یہ بتارہا ہے کہ ہر جگہ اقامتِ جمعہ کا رواج نہیں تھا، پھر یہ کہ وجہِ تردد گاؤں میں اقامتِ جمعہ کا مسئلہ ہے یا وجہِ تردد کچھ اور ہے؟ ابن شہاب زہری کا جواب **کلکم راع** تو بہ ظاہر یہ بتارہا ہے کہ وجہِ تردد یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے ایلہ میں تو اقامتِ جمعہ کی اجازت ہے، اور اب میں ایلہ سے باہر ہوں تو یہاں اجازتِ جدید کی ضرورت تو نہیں ہے؟ زہری نے جواب دیا کہ تم راعی ہو اور ایلہ کے ساتھ ایلہ کے متعلقات بھی تمہاری زیرِ نگرانی ہیں، اگر سوال کا مقصد یہ ہو تب بھی مسئلہ جمعہ فی القریٰ سے اس کا تعلق نہیں رہتا۔

جمعہ فی القریٰ کے دیگر دلائل کا جائزہ

یہ ہے امام بخاریؒ کے پیش کردہ دلائل کا مختصر جائزہ، کہ کسی روایت سے بھی مقصد ثابت نہیں، اس کے علاوہ جمعہ فی القریٰ کے ثبوت میں جتنے دلائل پیش کئے گئے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے کہ مضمون کا پورا احاطہ کرنے اور صرف ظاہر پر نظر کرنے سے جمعہ فی القریٰ کے لئے استدلال کرلیا گیا ورنہ گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو بشرطِ انصاف جمعہ فی القریٰ کی ممانعت ہی کا استنباط ہوتا ہے جیسے امام بخاریؒ کی پیش کردہ ابن عباسؓ کی جواثی میں اقامتِ جمعہ کی روایت پر بحث کے دوران واضح کیا جاچکا ہے، تاہم ان

حضرات کے چند دلائل کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ان حضرات نے قرآن کریم کی آیت یا ایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الآیہ کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں تمام اہلِ ایمان کو۔ وہ اہلِ شہر ہوں یا اہلِ دیہات۔ سعی کا مکلف کیا گیا ہے اس لئے جمعہ کا حکم سب کے لئے عام ہے۔ لیکن عرض کیا جاچکا ہے کہ سعی تو اذان پر موقوف رکھا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ کی اذان ہر جگہ نہیں ہے، جن مقامات پر جمعہ قائم کرنے کا حکم ہے وہیں اذان ہوگی اور وہیں کے رہنے والے اہلِ ایمان سعی کے مکلف ہوں گے۔

اسی لئے یہ آیت جمہور فقہاء ومحدثین کے یہاں عموم پر محمول نہیں، اگر اسی کو عام رکھا جائے تو جمعہ کے دن ہر نماز کی اذان پر سعی کو واجب کہنا ہوگا اور اس کا کوئی قائل نہیں، نیز یہ کہ یا ایھا الذین آمنوا کے عموم سے بعض افراد کو بالا جماع خاص کیا گیا ہے جیسے عورتیں اور معذورین، اسی طرح چند ابواب پہلے بخاری میں روایت گذری ہے کہ بارش کے دن حضرت ابن عباسؓ نے مؤذن سے حیعلتین کی جگہ اذان ہی کے دوران الا صلوا فی الرحال کا اعلان کرایا، اور فرمایا کہ میں نے لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنا اچھا نہیں سمجھا کہ وہ پانی اور کیچڑ میں چل کر آئیں، معلوم ہوا کہ اس حال میں بھی تخصیص کی گئی ہے۔

اور جب آیت میں اجماع اور دیگر دلائل کی بنیاد پر تخصیص ہوگئی تو احادیث وآثار۔ جن کا اس بحث میں ذکر آیا ہے۔ کی بناء پر اہلِ بادیہ اور سکنائے دیہات کو خاص کرنا ضروری ہے اور یا ایھا الذین آمنوا سے صرف وہی اہلِ ایمان مراد لئے جائیں گے جو اقامتِ جمعہ کے مکلف ہیں۔

اسی طرح جن روایات کو عام قرار دے کر استدلال کیا گیا ہے جیسے الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا علی اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مجنون (ابوداؤد) اس سے بھی استدلال درست نہیں، کیونکہ اس روایت کا مقصد ان افراد کا بیان ہے جن پر جمعہ واجب ہوتا ہے، ان مقامات کا بیان کرنا مقصود نہیں جہاں جمعہ قائم کیا جائے گا، پھر یہ کہ اہلِ دیہات پر جمعہ واجب نہ ہونے کے صریح دلائل کے بعد کسی روایات کے عموم سے استدلال کرنا، کسی بھی حال میں درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(۲) ان حضرات کا ایک استدلال دار قطنی کی ام عبداللہ الدوسیہ کی روایت سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الجمعۃ واجبۃ علی کل قریۃ فیھا امام وان لم یکونوا الا اربعۃ جمعہ ہر ایسی آبادی پر واجب ہے جہاں امام ہو خواہ نمازیوں کی تعداد صرف چار ہو، اس روایت کو دار قطنی نے تین طرق سے روایت کیا ہے اور ہر سند پر کلام کر کے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، بیہقی، طبرانی، اور ابنِ عدی وغیرہ نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے روایت قابلِ استدلال نہیں، اور اگر کسی درجہ میں قابلِ استدلال مان لیا جائے تو دار قطنی ہی کی ایک روایت میں یعنی بالقری المدائن کا

اضافہ بھی ہے، اس لئے راوی کے نزدیک معنی یہ ہوئے کہ جمعہ ہر شہری آبادی میں واجب ہے، شہر پر قریہ کے اطلاق کی بحث گذر چکی ہے۔

(۳) ان حضرات کا ایک استدلال صحیح ابن خزیمہ اور مصنف ابن ابی شیبہ کی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے ان ابا هريرة كتب الى عمر يسأله عن الجمعة وهو بالبحرين فكتب اليهم أن جمّعوا حيثما كنتم، حضرت ابو ہریرہؓ جب بحرین میں تھے تو انہوں نے حضرت عمر سے جمعہ کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ آپ جہاں بھی ہوں جمعہ قائم کریں۔

لیکن اس روایت کی سند پر بھی کلام کیا گیا ہے اور جمّعوا حيثما كنتم سے عموم امکنہ مراد لینا بھی درست نہیں، اگر ہر جگہ جمعہ قائم کرنا درست ہوتا تو حضرت ابو ہریرہؓ کو سوال کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ بیہقی نے "معرفۃ السنن" میں اس روایت پر امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے قال الشافعي ان كان هذا حديثا ثابتا ولا ادرى كيف هو؟ فمعناه في اىّ قرية كنتم لان مقامهم من البحرين انما كان في القرىٰ، فرمایا کہ اگر اس حدیث کو ثابت مانا جائے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جس قریہ میں بھی تم ہو (وہاں جمعہ پڑھو) اس لئے کہ ان کا قیام بحرین میں صرف قریٰ میں رہتا تھا۔ امام شافعیؒ کا یہ فرمانا کہ ان کا قیام بحرین میں صرف قریٰ میں رہتا تھا، محض ان کا اپنا ذوق ہے ورنہ روایت سے یہ بات ثابت نہیں۔

اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بحرین کا عامل بنایا گیا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے وہاں جمعہ قائم کرنے کے بارے میں سوال کیا تھا، سوال کی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں کہ وہ صحت جمعہ کے لئے امام کی اجازت کی شرط یا مصر جامع کی شرط کی بنیاد پر سوال کر رہے ہیں، جواب میں حضرت عمر نے لکھا جمّعوا حيثما كنتم تو اس کے یہ معنی - کہ ہر چھوٹی یا بڑی آبادی بلکہ ہر جگہ جمعہ قائم کرو- مراد لینا درست نہیں، غور کیجئے کہ عامل سوال کر رہا ہے جس کا قیام اہم جگہ پر ہوتا ہے اور امیر المومنین حيثما كنتم کہہ کر جواب دے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جہاں آپ کا قیام ہے وہ جمعہ قائم کرنے کی شرط کو پورا کرتی ہے۔ خصوصاً قیام جمعہ کے بارے میں عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کی تفصیلات کے بعد عام معنی مراد لینے کی کیا گنجائش ہے، اسی لئے علامہ عینی نے ان الفاظ کی تشریح میں فرمایا ہے، معناه حيثما كنتم من الامصار، اس کے معنی یہ ہیں کہ جن شہروں میں آپ کا قیام رہے وہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہے۔

(۴) ان حضرات کا ایک استدلال مسند عبد الرزاق کی حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ہے انه كان يرىٰ اهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلا يعيب عليهم کہ حضرت ابن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کے چشموں پر بود و باش اختیار کرنے والوں کو جمعہ پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور ان کے اس عمل کو معیوب قرار نہیں دیتے تھے، لیکن اول تو اس روایت کی سند میں انقطاع ہے، دوسرے یہ کہ روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جمعہ کہاں پڑھتے

تھے۔ اور جہاں پڑھتے تھے ان جگہوں کا کیا حال تھا اور نہ یہ وضاحت ہے کہ حضرت ابن عمر کے معیوب قرار نہ دینے کی کیا وجہ تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض آثار سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے، لیکن وہ آثار سند کے اعتبار سے بھی قابلِ قبول نہیں ہیں اور مضمون کے اعتبار سے بھی مدعا کے اثبات میں ناتمام ہیں۔ واللہ اعلم

[۱۲] بَابُ هَلْ عَلٰی مَنْ لَا يَشْهَدُ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَآءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اِنَّمَا الْغُسْلُ عَلٰی مَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ

(۸۹۴) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ . (گذشتہ:۸۷۷)

(۸۹۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُحْتَلِمٍ . (گذشتہ:۸۵۸)

(۸۹۶) حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاؤسٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ فَهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ فَغَدًا لِلْيَهُوْدِ وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارٰی فَسَكَتَ . (گذشتہ:۲۳۸)

ثُمَّ قَالَ حَقٌّ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَغْتَسِلَ فِيْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ رَاْسَهٗ وَجَسَدَهٗ . (آئندہ:۸۹۸،۳۴۸۷)

(۸۹۸) رَوَاهُ اَبَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاؤسٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ اَنْ يَغْتَسِلَ فِيْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا . (گذشتہ:۸۹۷)

(۸۹۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ قَالَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ائْذَنُوْا لِلنِّسَآءِ بِاللَّيْلِ اِلَی الْمَسَاجِدِ . (گذشتہ:۸۶۵)

(۹۰۰) حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰی قَالَ ثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ امْرَاَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلٰوةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَآءِ فِي الْجَمَاعَةِ فِيْ

الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهَا لِمَ تَخْرُجِيْنَ وَقَدْ تَعْلَمِيْنَ اَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَغَارُ؟ قَالَتْ فَمَا يَمْنَعُهُ اَنْ يَنْهَانِي قَالَ يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ . (گذشتہ:۸۶۵)

ترجمہ باب، کیا عورتوں اور بچوں وغیرہ پر، جن کے لئے جمعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں ہے، غسل ہے اور ابن عمرؓ نے فرمایا کہ غسل صرف ان پر ہے جن کے لئے جمعہ میں حاضر ہونا واجب ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جو شخص جمعہ میں حاضر ہو تو وہ غسل کرے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یوم جمعہ کا غسل ہر بالغ مرد پر واجب ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم (دنیا میں) سب سے آخر میں آنے والے اور قیامت کے دن سب سے آگے رہنے والے ہیں مگر یہ کہ پچھلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے دے دی گئی، اور ہمیں ان کے بعد دی گئی، پھر یہ کہ یہ دن (جمعہ) وہ ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ نے اس دن کے لئے ہماری رہنمائی کی، تو کل کا دن یہود کا ہے اور کل کے بعد والا نصاریٰ کا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار کیا، پھر فرمایا کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر سات دن میں ایک دن غسل کیا کرے جس میں وہ اپنے سر اور جسم کو دھوئے، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں جانے کی اجازت دو۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک بیوی، فجر اور عشاء کی نماز میں، مسجد میں جماعت میں آیا کرتی تھیں، ان سے کہا گیا کہ تم کیوں باہر جاتی ہو جبکہ تم جانتی ہو کہ عمر اس کو ناپسند کرتے ہیں اور انہیں اس پر غیرت آتی ہے، انہوں نے جواب دیا، کہ پھر ان کو باقاعدہ منع کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ تو انہیں یہ جواب دیا گیا کہ عمر کو حضور ﷺ کا یہ قول **لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ** مانع ہے یعنی اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجد میں آنے سے نہ روکو۔

مقصد ترجمہ ترجمہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ میں حاضری ضروری نہیں جیسے عورتیں، بچے، غلام، مسافر اور بیمار وغیرہ، آیا ان کے لئے غسل کا حکم ہے یا نہیں؟ یہ ہے ترجمہ کا ظاہر، مگر باطن بدلا ہوا ہے، درحقیقت امام بخاریؒ ایک اختلافی مسئلہ میں اپنا رجحان یا فیصلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ غسل کا تعلق یوم جمعہ سے ہے یا صلوۃ جمعہ سے، اگر اس کا تعلق یوم جمعہ سے ہے تو عورتوں اور بچوں وغیرہ کو بھی غسل کرنا چاہیئے، اور اگر اس کا تعلق صلوۃ جمعہ سے ہے تو عورتوں اور بچوں پر غسل نہیں آئے گا۔

روایات میں دونوں احتمال کے لئے استدلال کی گنجائش ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے اصل ترجمہ میں فیصلہ کے بجائے استفہام کا انداز اختیار کیا ہے، لیکن ترجمۃ الباب کے ساتھ ابن عمرؓ کا اثر ذکر کر کے اپنا رجحان ظاہر کر دیا کہ وہ اس غسل کو صلوۃ جمعہ سے متعلق سمجھ رہے ہیں، کیونکہ بخاری ترجمہ کے ذیل میں ذکر کردہ آثار سے اپنے مسلک مختار کی طرف اشارے کے عادی ہیں، ابن عمر کا یہ اثر بیہقی میں بہ سند صحیح موجود ہے **انما الغسل علی من تجب علیه**

الجمعة یعنی غسل کا حکم صرف ان لوگوں سے متعلق ہے جن پر جمعہ واجب ہے، اور جمعہ میں حاضری کی مکلّف نہ عورتیں ہیں، نہ بچے اور نہ معذورین، اس لئے غسل کا حکم ان سے متعلق نہیں۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے کئی روایتیں ذکر کی ہیں، ابن عمر کی پہلی روایت اذا جاء احدکم الجمعة فلیغتسل، باب فضل الغسل یوم الجمعة میں تشریح کے ساتھ گذر چکی ہے، یہاں اس روایت سے امام بخاریؒ کا مقصد واضح طور پر ثابت ہے کہ غسل کا تعلق نماز جمعہ میں حاضری دینے والوں سے ہے، دوسری روایت - جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے ہے - بھی گذر چکی ہے کہ یوم جمعہ کا غسل ہر بالغ مرد پر واجب ہے لفظ محتلم سے گویا عورتیں اور بچے اس حکم سے خارج ہو گئے۔

تیسری روایت - جو حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے - باب فرض الجمعة میں تشریح کے ساتھ گذر چکی ہے کہ ہم اس دنیا میں بھی مرادِ خداوندی کو سمجھنے میں مقدم رہے اور آخرت میں دوسری امتوں سے مقدم رہیں گے اس روایت میں فسکت کے بعد امام بخاریؒ نے دو مستقل روایتیں ذکر کی ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ہفتہ میں ایک دن ضرور غسل کرنا چاہیئے، نسائی شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت میں ہفتہ کے اس دن کی وھو یوم الجمعة کہہ کر تعیین کردی گئی ہے کہ وہ دن جمعہ کا ہے۔

ابن عمرؓ کی چھٹی اور ساتویں روایت باب خروج النساء الی المساجد باللیل میں گذر چکی ہے مگر یہاں اس روایت میں کچھ اضافہ بھی ہے، امام بخاریؒ کا مقصد تو یہی ہے کہ غسل کا تعلق عورتوں سے نہیں ہے کیونکہ عورتوں کو شوہر کی اجازت کی شرط کے ساتھ صرف رات میں یا زیادہ سے زیادہ فجر میں شرکت کی اجازت ہے اور نماز جمعہ کا تعلق دن سے ہے، اس لئے عورتوں سے نہ شہودِ جمعہ کا تعلق ہے نہ غسل کا۔

اس حدیث میں یہاں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمر کی ایک بیوی حضرت عاتکہ بنت زید - حضرت سعید بن زید کی بہن - فجر اور عشاء کی نماز حضرت عمر کے نکاح میں آنے سے پہلے بھی مسجد میں آکر جماعت سے پڑھا کرتی تھیں، کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے پیغام نکاح دیا تو انہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ وہ مسجد میں جانے سے نہیں روکیں گے اور حضرت عمر نے اس شرط کو ناپسند ہونے کے باوجود مان لیا تھا، چنانچہ وہ مسجد میں جاتی رہیں، کسی نے ان سے کہا اور بعض روایات میں ہے کہ کہنے والے خود حضرت عمر ہی تھے، کہ جب تم جانتی ہو کہ عمر کو یہ بات ناپسند ہے اور ان کی غیرت کے خلاف ہے تو کیوں ایسا کرتی ہو، انہوں نے جواب دیا کہ اگر ناپسند ہے تو صاف منع کیوں نہیں کرتے، یعنی وہ منع کریں گے تو میں اطاعت کروں گی، میں تو ان کی اجازت سے آتی ہوں، اس پر کہا گیا کہ صاف منع نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد لا تمنعوا اماء اللہ الخ کا احترام مانع ہے، مگر انہیں مسجد میں حاضری کا اتنا شوق تھا کہ حضرت عمر کی ناگواری کے باوجود انہوں نے جانا ترک نہیں کیا بالآخر حضرت عمر نے ایک دوسری صورت اختیار کی کہ

عاتکہ نماز کے لئے نکلیں تو انہوں نے موقع پا کر ان کی لٹکتی ہوئی چادر پر پیر رکھ دیا، عاتکہ کو معلوم نہ ہوا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ وہیں سے گھر واپس ہو گئیں اور فرمایا کہ عمر ٹھیک کہتے ہیں اب عورتوں کے نکلنے کا زمانہ نہیں رہا۔ واللہ اعلم

[۱۳] بَابُ الرُّخْصَةِ اِنْ لَّمْ يَحْضُرِ الْجُمُعَةَ فِي الْمَطَرِ

(۹۰۱) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَمِّ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِمُؤَذِّنِهٖ فِيْ يَوْمٍ مَطِيْرٍ اِذَا قُلْتَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قُلْ صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَكَاَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوْا فَقَالَ فَعَلَهٗ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ اِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ وَاِنِّيْ كَرِهْتُ اَنْ اُحْرِجَكُمْ فَتَمْشُوْنَ فِي الطِّيْنِ وَالدَّحْضِ . (گذشتہ:۶۱۶)

ترجمہ باب، اگر بارش میں جمعہ میں حاضر نہ ہو تو رخصت کا بیان۔ محمد بن سیرین کے چچا زاد بھائی عبد اللہ بن الحارث نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے ایک بارش والے دن میں اپنے مؤذن سے کہا کہ جب تم اشهد ان محمدا رسول الله پر پہنچو تو حي على الصلاة نہ کہنا، صلوا في بيوتكم کہنا، پھر یہ کہ لوگوں نے اس بات کو اچھا نہیں سمجھا تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ کام اس ذات نے کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھی، بے شک جمعہ واجب ہے اور میں نے تم لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنا ناگوار سمجھا کہ تم مٹی اور پھسلن میں چل کر آؤ۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ بارش کو شریعت نے جمعہ میں حاضر نہ ہونے کے لئے عذر قرار دیا ہے، اس مقصد کے لئے بخاری نے ابن عباسؓ کی روایت پیش کر دی کہ انہوں نے بارش کے دن اپنے مؤذن سے کہا کہ تم حي على الصلوٰة کی جگہ صلوا في بيوتكم کا اعلان کر دو، اس کا مقصد جمعہ سے روکنا نہیں تھا بلکہ ترکِ شہود کی رخصت کا اعلان تھا، اگر لوگوں کو رخصت کا علم نہ ہوتو وہ جمعہ کی اہمیت کے پیش نظر ہر حال میں حاضری کی کوشش کریں گے اور رخصت کا علم ہوگا تو جن لوگوں کے پاس بارش سے بچنے کا انتظام ہے اور انہیں آنے جانے میں بھی زیادہ دشواری نہیں ہے وہ عزیمت پر عمل کرتے ہوئے آجائیں گے، اور جو عزیمت پر عمل کرنے سے قاصر ہوں جیسے وہ بوڑھے، نابینا اور بیمار جن کے پاس بارش سے بچنے کا سامان بھی نہیں ہے اور ان کے لئے کیچ گارے اور پھسلن میں سنبھل کر چلنا بھی دشوار ہے وہ نہیں آئیں گے اور اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز پڑھ لیں گے، روایت کتاب الاذان میں گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴] بَابُ مِنْ اَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ وَعَلٰى مَنْ تَجِبُ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ . (جمعہ: ۹)

وَقَالَ عَطَاءٌ اِذَا كُنْتَ فِيْ قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَحَقٌّ عَلَيْكَ اَنْ تَشْهَدَهَا سَمِعْتَ

النِّدَاءَ اَوْ لَمْ تَسْمَعْهُ وَكَانَ اَنَسٌ فِيْ قَصْرِهٖ اَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَاَحْيَانًا لَا يُجَمِّعُ وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلٰى فَرْسَخَيْنِ .

(۹۰۲) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ جَعْفَرٍ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهٗ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيْ فَيَاتُوْنَ فِي الْغُبَارِ يُصِيْبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ اَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا .

ترجمہ باب، اس چیز کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ کی وجہ سے جمعہ کے لئے کتنے فاصلے سے آیا جائے گا اور وہ کن لوگوں پر واجب ہوگا اور عطاء نے فرمایا کہ اگر تم قریہ جامعہ میں ہو اور جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دے دی جائے تو تمہارے لئے جمعہ میں حاضر ہونا ضروری ہے، تم نے اذان سنی ہو یا نہ سنی ہو اور حضرت انسؓ اپنے مکان سے کبھی جمعہ پڑھنے آتے تھے اور کبھی جمعہ پڑھنے نہیں آتے تھے اور وہ زاویہ میں رہتے تھے جو بصرہ شہر سے چھ میل ہے، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لوگ جمعہ کے لئے اپنے گھروں اور عوالی سے باری باری آیا کرتے تھے وہ گردوغبار میں آیا کرتے تھے تو گردوغبار لگ جاتا اور پسینہ آتا تھا تو ان سے پسینے کی بو آتی تھی تو جب ان میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ میرے پاس تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا، کاش تم آج کے اس دن کے لئے خوب پاکی حاصل کر کے آیا کرتے۔

مقصد ترجمہ جمعہ ادا کرنے کے لئے کتنی دور سے شہر میں آیا جائے اور یہ کہ جمعہ کن لوگوں پر واجب ہوتا ہے، یعنی یہاں دو مسئلے ہیں جو ایک دوسرے سے مربوط ہونے کے باوجود الگ الگ ہیں، ایک مسئلہ ہے محل وجوب کا بیان کہ جمعہ کہاں واجب ہوگا، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس واجب کو کہاں ادا کریں، جہاں واجب ہوا ہے وہیں ادا کریں یا اس کے لئے کچھ شرائط ہیں؟

امام بخاریؒ نے ان دونوں مسئلوں کے لئے سب سے پہلے آیت پیش کر دی کہ اذا نودی للصلاۃ الآیہ پر غور کر لیا جائے، جمعہ کہاں واجب ہے؟ آیت میں سعی کو، مقامِ اذان سے متعلق کیا گیا ہے، یعنی جس مقام پر شرعاً اذانِ جمعہ مشروع ہے جمعہ وہاں کے لوگوں پر واجب ہوگا، ابوداؤد میں ایک روایت میں الجمعۃ علی من سمع النداء فرمایا گیا ہے، جمہور کی رائے اسی کے مطابق ہے کہ جمعہ اذان سننے والوں پر واجب ہوتا ہے، سننا حقیقۃً ہو یا حکماً، حکماً کا مطلب یہ ہے کہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں جہاں اذانِ جمعہ مشروع ہے، اور اذان کی نوعیت کے بارے میں امام شافعیؒ کے نزدیک مذہب مختار یہ ہے ما اذا کان المنادی صیّتا والاصوات هادئة والرجل سمیعا، کہ مؤذن بلند آواز ہو، ماحول پرسکون ہو یعنی شور وشغب نہ ہو اور سننے والا متوجہ ہو اور اس کے کان کھلے ہوں، ایسی اذان کی آواز

جہاں تک پہنچے وہاں تک کے لوگوں پر جمعہ واجب ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ جمعہ کے لئے کتنی دور سے چل کر آنا ہوگا تو اس کے لئے آیت کا اشارہ یہ ہے کہ اذان کی آواز اس کا معیار ہے، فرض کیجئے کہ اذان کی آواز ایک ایک میل تک جاتی ہے تو اس فاصلہ کے درمیان کی آبادیوں پر شہودِ جمعہ لازم ہوگا، اور اس سے زیادہ فاصلے کو اختیار ہے، اگر وہ ایسی بستی میں رہتے ہیں جہاں اقامتِ جمعہ کی اجازت ہے تو اپنے یہاں جمعہ قائم کریں اور اگر وہاں اقامتِ جمعہ کی اجازت نہیں تو خواہ اپنی بستی میں رہتے ہوئے ظہر پڑھیں اور خواہ شہر پہنچ کر جمعہ پڑھ لیں، ظہر ان سے ساقط ہو جائے گی۔

امام بخاریؒ نے جو قول اختیار فرمایا ہے، حنفیہ کے یہاں بھی فتویٰ اسی پر ہے، درمختار میں ہے **واما المنفصل عنه (المصر) فان كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد و به يفتىٰ** اس سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں، بعض حضرات نے فاصلہ معین کیا ہے، چنانچہ عطاء سے دس میل، زہری سے چھ میل، ربیعہ سے چار میل، وغیرہ منقول ہے، بعض فقہاء نے ترمذی کی روایت **الجمعة على من آواه الليل الى اهله** کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ جو لوگ جمعہ کی نماز پڑھ کر غروبِ آفتاب سے پہلے اپنے گھر واپس پہنچ سکیں ان پر واجب ہے، لیکن اس روایت کو ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد سے اس روایت کے بارے میں منقول ہے **لم يره شيئا وقال لمن ذكره له استغفر ربك**، یہ بھی کوئی روایت ہے، تمہیں اپنے رب سے استغفار کرنا چاہیئے، اور حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ **الجمعة على من آواه الليل الى اهله** کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جو انسان رات میں اپنے گھر رہتا ہے یعنی مقیم ہے اس پر جمعہ واجب ہے، مسافر پر نہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے زیر بحث مسئلہ سے اس روایت کا کوئی تعلق نہیں۔

عطاء بن ابی رباح کا اثر امام بخاریؒ نے اپنے مقصد کے ثبوت میں آیت کے بعد، حضرت عطاء کا اثر نقل کیا **اذا كنت فى قرية جامعة الخ** اس سے دونوں مسئلے ثابت ہیں، کہاں واجب ہوگا؟ قریۂ جامعہ میں! اور کتنی دور سے چل کر آنا ہوگا، کہتے ہیں کہ قریۂ جامعہ میں رہنے والے اذان سنیں یا نہ سنیں، انہیں بہر حال آنا ہوگا، اور اس سے زیادہ فاصلے پر رہنے والے، اگر اذان کی آواز ان تک پہنچتی ہے تو وہ جمعہ میں حاضر ہوں، آواز نہیں پہنچتی تو جمعہ ان پر واجب نہیں ہے۔

عطاء بن ابی رباح تابعی ہیں، جلیل القدر فقہاء میں ان کا شمار ہے، وہ قریۂ جامعہ اور غیر جامعہ کا فرق کر رہے ہیں اور ان سے مسند عبدالرزاق میں قریۂ جامعہ کی یہ تعریف منقول ہے، **ذات الجماعة والامير والقاضى والدور المجتمعة الآخذ بعضها ببعض كجدة** اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آبادی اس شان کی نہ ہو اس میں عطاء کے نزدیک جمعہ قائم کرنا جائز نہیں، **باب الجمعة فى القرىٰ** میں یہ بات گذر چکی ہے کہ امام اعظم سے بھی مصر کی تعریف میں بالکل اسی طرح کی بات منقول ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حضرت عطاء اس شان کی آبادی پر **قرية**

جامعة کالفظ بول رہے ہیں جس سے سطحی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ قریہ میں جمعہ جائز ہے۔

حضرت انسؓ کا عمل کان انس الخ ترجمۃ الباب کے لئے یہ تعلیق تیسرا استدلال ہے کہ حضرت انسؓ اپنی کثیر اولاد کے ساتھ بصرہ سے چھ میل کے فاصلے پر مقامِ ''زاویہ'' میں رہتے تھے اور احیاناً یجمع واحیاناً لا یجمع، حافظ ابن حجرؒ نے اس کے دو مطلب بیان کئے، ایک یصلی بمن معه الجمعة کہ وہ زاویہ میں حاضرین کے ساتھ جمعہ پڑھتے تھے اور دوسرا مطلب یشهد الجمعة بجامع البصرة کہ بصرہ کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے، لیکن خود حافظ ابن حجرؒ نے ابن ابی شیبہ کے حوالے سے اس کی وضاحت میں یہ الفاظ نقل کئے انه کان یشهد الجمعة من الزاوية وهي على فرسخين من البصرة پھر حافظ نے یہ بھی فرمایا کہ هذا یرجح الاحتمال الثانی مطلب یہ ہوا کہ پہلے انہوں نے یجمّع کے از روئے لغت جو دو ترجمے ذکر کئے تھے، واقعہ کی رو سے ان میں سے ایک معنی معین ہوگئے کہ حضرت انسؓ کبھی زاویہ سے بصرہ آکر جمعہ پڑھتے تھے اور کبھی جمعہ پڑھنے کے لئے بصرہ نہیں آتے تھے، زاویہ ہی میں ظہر پڑھتے تھے۔

حضرت انسؓ کے عمل سے امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب کے ایک جز من این توتی الجمعة کے بارے میں یہ ثابت ہوا کہ اگر فاصلہ اتنا ہے کہ اذان کی آواز نہیں جاتی تو شہودِ جمعہ واجب نہیں ہے، البتہ اگر اتنے فاصلہ پر رہنے والا شہر پہنچ جائے گا تو اس کو جمعہ پڑھنا ہوگا، اور ظہر اس سے ساقط ہوجائے گی۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ زاویہ جیسی آبادی میں جمعہ کا قائم کرنا جائز نہیں تھا، اگر یہ بات ہوتی کہ جس آبادی میں بیس یا تیس مسلمان ہوں جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا، یا چالیس مسلمان ہوں جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں تو حضرت انسؓ زاویہ میں جمعہ قائم فرماتے۔

تشریح حدیث حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عوالی کے رہنے والے مسجد نبوی میں جمعہ پڑھنے کے لئے نوبت بہ نوبت آیا کرتے تھے، مدینہ طیبہ سے مشرق کی جانب جو آبادیاں ہیں اور ان کا فاصلہ مدینہ سے دو میل سے آٹھ میل تک ہے ان کو عوالی کہتے ہیں، یہاں کے رہنے والوں نے باریاں مقرر کررکھی تھیں کہ کچھ لوگ حصولِ برکت اور تحصیل علم کے لئے ایک جمعہ میں آگئے، دوسرا جمعہ آیا تو یہ لوگ وہیں رہ گئے اور دوسرے کچھ لوگ آگئے، اسی طرح یہ صورت بھی نہیں تھی کہ جو لوگ وہیں رہ گئے انہوں نے عوالی میں جمعہ قائم کیا، کسی صحیح روایت سے وہاں جمعہ کے قیام کا ثبوت نہیں ہے۔

باریاں مقرر کرکے آنے والے یہ حضرات گرد وغبار اور گرمی کی پرواہ کئے بغیر آتے تھے، پسینہ اور گرد وغبار کے سبب آنے والوں کو بھی تکلیف ہوتی تھی اور ان کے پسینے کی بو سے دوسرے حضرات کو بھی، اس لئے ایک مرتبہ ایک صاحب حضور ﷺ سے ملنے آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر اس دن نظافت اور غسل کا اہتمام کرکے آیا

جائے تو اچھا ہو۔

روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ عوالی کے بقدر فاصلہ والی آبادی کے مسلمانوں پر شہودِ جمعہ لازم نہیں ورنہ عوالی کے مسلمانوں کے لئے باری کا مقرر کرنا جائز نہ ہوتا، سب کے لئے حاضری لازم ہوتی، اسی طرح یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عوالی میں جمعہ قائم نہیں تھا اور نہ باری مقرر کر کے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ واللہ اعلم

[۱۵] بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

وَكَذٰلِكَ يُذْكَرُ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ وَعَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ

(۹۰۳) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّهُ سَاَلَ عَمْرَةَ عَنِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ اَنْفُسِهِمْ وَكَانُوْا اِذَا رَاحُوْا اِلَى الْجُمُعَةِ رَاحُوْا فِيْ هَيْأَتِهِمْ فَقِيْلَ لَهُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ. (آئندہ:۲۰۷۱)

(۹۰۴) حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّى الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ.

(۹۰۵) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ وَنَقِيْلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ. (آئندہ:۹۴۰)

ترجمہ باب، جمعہ کا وقت، زوالِ آفتاب کے بعد ہوتا ہے اور یہی بات حضرت عمر، حضرت علی، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرہ تابعیہ سے جمعہ کے دن غسل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ لوگ مزدور پیشہ تھے اور جب وہ جمعہ کے لئے جاتے تو اپنی اسی حالت پر جاتے تو ان سے کہا گیا کہ اگر تم غسل کر لیا کرتے تو بہتر ہوتا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ کہنا چاہتے ہیں کہ جمعہ کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، امام اعظم، امام شافعی، امام مالک اور جمہور کا اتفاق ہے کہ جمعہ کا وقت ظہر کی طرح زوال کے بعد ہے، البتہ امام احمد فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز، زوال سے پہلے عید کے وقت میں بھی ہو سکتی ہے، امام اسحاق، عطاء اور مجاہد سے بھی اس طرح کے اقوال منقول ہیں، صحابۂ کرام میں حضرت ابن زبیر کی طرف بھی اسی طرح کی نسبت ہے۔

دلیل یہ ہے کہ جمعہ عید المؤمنین ہے، اور عید کی نماز کا وقت زوال سے پہلے ہے، نیز یہ کہ پیغمبر علیہ السلام اور صحابۂ کرام کا معمول یہ تھا کہ وہ جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھانا کھاتے پھر قیلولہ کرتے تھے، اور قیلولہ دو پہر کے سونے کو کہتے ہیں امام احمدؒ نے اس کو ظاہر پر محمول کر کے یہ فرمایا کہ جمعہ قبل الزوال بھی ہوسکتا ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمہ کے تحت صرف چار صحابۂ کرامؓ کے نام ذکر کئے ہیں، جبکہ تمام صحابۂ کرام کا مسلک یہی ہے، اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان چاروں صحابہ کی طرف مخالف قول کی نسبت بھی کی گئی ہے، اس لئے بخاری نے تعلیق کے طور پر ان چاروں ناموں کو ذکر کر دیا کہ ان حضرات سے بھی وہی منقول ہے جو جمہور کہتے ہیں، ان تعلیقات کی شارحین نے نشاندہی کر دی ہے کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے تین روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام مزدور پیشہ تھے، اپنا کام اپنے آپ انجام دیتے تھے، پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہیں، گرد وغبار سے حالت خراب ہو رہی ہے، محنت کے کاموں میں مشغولیت کے سبب، اسی پسینے اور گرد آلود ہیئت میں جمعہ میں حاضر ہو رہے ہیں، تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ اگر جمعہ کے دن غسل کا اہتمام کرلیں تو بہت بہتر ہو۔

روایت میں راحوا کا لفظ آیا، جس سے از روئے لغت جمعہ کے لئے زوال کے بعد جانا معلوم ہوا۔ بخاری کہنا چاہتے ہیں کہ اگر چہ لغت میں توسع ممکن ہے اور روایات میں رواح مطلق ذہاب کے معنی میں استعمال بھی ہوا ہے لیکن رواح کے اصل معنی مشی بعد الزوال کے ہیں اور جب تک کوئی ایسا قرینۂ صارفہ نہ ہو جس کی وجہ سے دوسرے معنی راجح نہ ہو جائیں اس وقت تک اصل معنی کو کیوں ترک کیا جائے، اور جب رواح کے اصل معنی زوال کے بعد جانا مراد ہیں تو جمعہ کے وقت کا بعد الزوال ہونا ثابت ہو گیا۔

دوسری روایت سے استدلال بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز زوالِ آفتاب کے بعد پڑھتے تھے، گویا یہ آپ کا معمول تھا، البتہ تیسری روایت۔ جس میں کنا نبکر بالجمعة آیا ہے۔ نبکر کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے امام احمد کا مستدل بن سکتی ہے، لیکن اس روایت کو امام بخاریؒ یہاں پیش کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں مذکور لفظ نبکر میں ابہام ہے اور اس سے محض لغت پر اعتماد کرتے ہوئے قبل الزوال کے معنی مراد لینا درست نہیں ہے، اس کے معنی کی تعیین کے لئے دوسری روایات کو سامنے رکھنا ہوگا، چونکہ دوسری روایات میں کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس آیا ہے اس لئے نبکر کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم جمعہ کی نماز، جمعہ کے اول وقت میں، زوالِ آفتاب کے فوراً بعد پڑھا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

[۱۶] بَابُ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۹۰۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا

اَبُوْ خَلْدَةَ هُوَ خَالِدُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ وَقَالَ يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْ خَلْدَةَ وَقَالَ بِالصَّلٰوةِ وَلَمْ يَذْكُرِ الْجُمُعَةَ وَقَالَ بِشْرُ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَلْدَةَ صَلّٰى بِنَا اَمِيْرُ الْجُمُعَةِ ثُمَّ قَالَ لِاَنَسٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ.

ترجمہ باب، جب گرمی جمعہ کے دن شدت اختیار کرلے (تو کیا کریں) حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا کہ جب سردی شدید ہوتی تو نبی کریم ﷺ نماز کو اول وقت میں پڑھتے تھے اور جب گرمی شدید ہوتی تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھتے، راوی نے کہا کہ نماز سے مراد جمعہ ہے، یونس بن بکیر نے کہا کہ ہم سے ابوخلدہ نے حدیث بیان کی اور اس میں بالصلاۃ بیان کیا اور جمعہ کا ذکر نہیں کیا اور بشر بن ثابت نے کہا کہ ہم سے ابوخلدہ نے حدیث بیان کی کہ ہمیں امیر الجمعہ نے نماز پڑھائی، پھر اس نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز کیسے وقت میں پڑھا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ بخاری کا ذوق یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ گرمی کی شدت میں ظہر کی طرح جمعہ میں بھی ابراد کے قائل ہیں، اگرچہ انہوں نے اذا اشتد الحر یوم الجمعة کا جواب ابرد بها حذف کیا ہے لیکن حذف کی مصلحت کچھ اور ہے کہ روایت میں جمعہ کے لئے ابراد کی تصریح نہیں، روایت میں ابرد بالصلاة کا لفظ تھا جسے کسی راوی نے یعنی الجمعة کہہ کر جمعہ پر منطبق کر دیا اور یہ راوی تابعی بھی ہوسکتا ہے اور اس سے نیچے کا بھی ہوسکتا ہے، اس احتمال کی وجہ سے امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں ابرد بها کی صراحت نہیں کی لیکن مستقل ترجمہ منعقد کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ گرمی کی شدت میں جمعہ کے ابراد کے قائل ہیں، حنفیہ کے یہاں بھی ایک قول میں موسم کی رعایت سے ظہر کی طرح جمعہ میں بھی تفصیل کی گئی ہے۔ لیکن جمہور کے یہاں ظہر کا یہ معمول - شدتِ گرما میں ابراد اور شدتِ سرما میں تعجیل - جمعہ کے بارے میں نہیں ہے، پچھلے باب میں حضرت انسؓ کی روایت میں کنا نبکر بالجمعة اور كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس آیا ہے اور ان روایات میں سردی اور گرمی کی تفصیل کے بغیر ہر موسم میں جمعہ کے لئے تعجیل کی صراحت ہے، پیغمبر علیہ السلام اور خلفاء کا معمول بھی تعجیل کا رہا ہے، اس لئے جمعہ میں ہر موسم میں تعجیل جمہور کا مسلک ہے۔

جمہور کے مسلک کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوقتادہ سے ابوالخلیل کے طریق سے ابوداؤد میں ہے انه كره الصلاة نصف النهار الا يوم الجمعة وقال ان جهنم تسجر الا يوم الجمعة کہ حضور ﷺ نے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ فرمایا مگر جمعہ کے دن اجازت ہے اور یہ فرمایا کہ اس وقت میں جہنم کو - جمعہ کے علاوہ - ہر دن تپایا جاتا ہے، ابوداؤد نے اس روایت پر کلام بھی کیا ہے کہ ابوالخلیل کی حضرت ابوقتادہ سے

ملاقات نہیں، حنفیہ کے یہاں اس روایت پر عمل بھی نہیں ہے کہ ممانعت کی روایات اس سے زیادہ طاقتور ہیں، لیکن بہت سے فقہاء کے یہاں اس روایت کو عملاً قبول کیا گیا ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور ایک روایت میں امام احمدؒ کے یہاں جمعہ کے دن اس وقت نوافل کی اجازت ہے، حنفیہ میں قاضی ابو یوسف بھی اجازت دیتے ہیں، اس روایت کے مطابق ابراد کی جو مصلحت تھی ان شدة الحر من فيح جهنم وہ جمعہ کے دن متحقق ہی نہیں۔

تشریح حدیث | حضرت انسؓ کی روایت اور اس کے ساتھ ذکر کردہ تعلیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم بن عقیل ثقفی -حجاج بن یوسف کا چچازاد بھائی اور نائب- نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور اس نے حجاج کی طرح خطبے کو طول دیا اور تاخیر کردی، پھر اس کو خیال ہوا یا کسی نے توجہ دلائی کہ یہ عمل اس توارث کے خلاف ہے جو عہدِ رسالت سے چلا آرہا ہے وہاں حضرت انس موجود تھے تو اس نے اپنے عمل کی توجیہ کے لئے حضرت انس سے جمعہ کے بارے میں نہیں، ظہر کے بارے میں پوچھا کہ حضرت فرمایئے كيف كان النبی ﷺ يصلى الظهر، حضرت انسؓ نے ظہر کے بارے میں فرمادیا کہ شدتِ سرما میں تعجیل تھی اور شدتِ گرما میں ابراد، نیچے کے راوی نے سمجھا کہ چونکہ حضرت انسؓ نے جمعہ کی تاخیر کے موقع پر روایت پیش کی ہے اس لئے وہ جمعہ کو ظہر پر قیاس کررہے ہیں، اس لئے راوی نے يعنی الجمعة بڑھادیا، گویا اصل روایت تو ظہر کے بارے میں ہے، جمعہ کا اس کے ساتھ الحاق روایت میں نہیں ہے، صرف قیاس کی بنا پر ہے، اور قیاس بھی حضرت انسؓ کا نہیں، نیچے کے راوی کا ہے۔

اس تفصیل کا مطلب یہ ہوا کہ جمعہ میں ابراد مطلوب نہیں ہے، البتہ حضرت انسؓ کے طرز عمل سے زیادہ سے زیادہ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر جمعہ میں ابراد کی نوبت آجائے تو اس سے کوئی نقصان بھی نہیں ہے مگر حضرت انسؓ کی دیگر روایات سے معلوم ہوا کہ جمعہ میں پیغمبر علیہ السلام کا معمول تعجیل کا رہا ہے اس لئے جمعہ میں گرمی اور سردی کی تفصیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم

[۱۷] بَابُ الْمَشْيِ اِلَى الْجُمُعَةِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ قَالَ السَّعْيُ الْعَمَلُ وَالذَّهَابُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَحْرُمُ الْبَيْعُ حِيْنَئِذٍ، وَقَالَ عَطَاءٌ تَحْرُمُ الصِّنَاعَاتُ كُلُّهَا وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ مُسَافِرٌ فَعَلَيْهِ اَنْ يَشْهَدَ.

(۹۰۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ قَالَ اَدْرَكَنِيْ اَبُوْ عَبْسٍ وَاَنَا اَذْهَبُ اِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ

عَلَى النَّارِ . (آئندہ: ۲۸۱۱)

(۹۰۸) حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي ذِئْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيْدٍ وَاَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح وَحَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَاْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا . (گذشتہ: ۶۳۶)

(۹۰۹) حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ قُتَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي قَتَادَةَ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ . (گذشتہ: ۶۳۷)

ترجمہ باب، جمعہ کی نماز کے لئے چل کر جانے کا بیان۔ اور اللہ عز وجل کے قول فاسعوا الی ذکر اللّٰہ کا بیان، اور ان لوگوں (کی رائے) کا بیان جنھوں نے وسعیٰ لھا سعیھا (اور جس نے آخرت کے لئے پوری طرح کوشش کی) کی وجہ سے سعی کا مطلب عمل کرنا اور چل کر جانا لیا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ اس وقت بیع وشراء حرام ہو جاتی ہے اور عطاء نے کہا کہ تمام پیشے حرام ہو جاتے ہیں، اور ابراہیم بن سعد نے زہری سے نقل کیا کہ جب جمعہ کے دن مؤذن اذان دے اور کوئی مسافر ہو تو اس پر جمعہ میں حاضری واجب ہے، عبایہؒ بن رفاعہ نے کہا کہ میں جمعہ کے لئے جا رہا تھا کہ مجھے ابو عبسؓ ملے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں جس کے پاؤں غبار آلود ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم پر حرام کر دے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے تو نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ اور چلتے ہوئے آؤ اور سکون واطمینان کو لازمی طور پر اختیار کرو، پھر جتنی نماز امام کے ساتھ مل جائے وہ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اس کو پورا کرلو۔ عبداللہ بن ابی قتادہ سے روایت ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے والد حضرت ابو قتادہؓ ہی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تک نہ اٹھو جب تک مجھے نہ دیکھ لو اور سکون واطمینان کو لازمی طور پر اختیار کرو۔

مقصد ترجمہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز میں شرکت کی تاکید کے لئے قرآن کریم میں فاسعوا آیا ہے، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوڑتے ہوئے آؤ، جب عام نمازوں میں بھی دوڑ کر آنے کی اجازت نہیں بلکہ سکون واطمینان مطلوب ہے تو جمعہ کے دن۔ جو دربارِ خداوندی کا خاص دن ہے۔ بدرجۂ اولیٰ زیادہ سکون واطمینان کی ضرورت ہے، اس لئے فاسعوا کے معنی امشوا ہیں، البتہ تعبیر میں لفظ سعی اختیار کیا گیا کہ حکم کی تعمیل کرنے والے

کوشش میں کوتاہی نہ کریں، ذکر خداوندی میں شرکت سے کوئی شغل مانع نہ ہو اور وہ پورے اہتمام سے شرکت کریں۔

ومن قال السعی العمل الخ ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ **سعی** کے معنی عملِ آخرت کے بھی آتے ہیں جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا **ومن اراد الآخرۃ وسعی لھا سعیھا وھو مؤمن فاولئک کان سعیھم مشکورا** اور جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لئے پوری طرح کوشش اور عمل کرے اور وہ صاحبِ ایمان ہو تو ان کی کوشش کی قدردانی کی جائے گی۔

جمعہ کے لئے جس سعی کا حکم دیا گیا ہے اس میں چل کر جانا بھی ہے اور جو چیزیں اس سعی میں خلل انداز ہو سکتی ہیں ان سے بچنا بھی ضروری ہے، چنانچہ ابن عباسؓ کا قول نقل کیا کہ اذانِ جمعہ کے بعد بیع وشراء حرام ہے، پھر عطاء کا قول نقل کیا کہ صرف بیع وشراء کی بات نہیں اس کا ذکر تو اس لئے ہے کہ اس کے روکنے میں حرج ہے کہ ہمہ وقت اس کی ضرورت ہے اور جب اس کو بھی روک دیا گیا تو دیگر صنعتیں اور پیشے بدرجۂ اولیٰ حرام ہو گئے، اس لئے **اسعوا** کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے حکم کی تعمیل میں تمام امورِ دنیا سے اعراض کر کے صرف امرِ آخرت کی فلاح کے لئے چل کر جمعہ میں حاضری دو۔

قال ابراھیم بن سعد الخ مزید ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ یہ حکم جس طرح مقیم سے متعلق ہے، مسافر سے بھی ہے کہ اس کے لئے بھی سعی ضروری ہے، امام بخاریؒ نے ابراہیم بن سعد کے حوالہ سے امام زہری کی جو بات نقل کی ہے ممکن ہے کہ وہی ان کے نزدیک راجح ہو، لیکن شارحین نے لکھا ہے کہ یہ جمہور کا مسلک نہیں ہے، ان کے یہاں مسافر پر جمعہ نہیں اور خود امام زہری سے بھی اس کے خلاف **لا جمعۃ علی مسافر** منقول ہے، اس لئے زہری کے اقوال میں تضاد کو ختم کرنے کے لئے توجیہ کی گئی ہے کہ **لا جمعۃ علی مسافر** کے معنی ہیں **علی طریق الوجوب** اور **علیہ ان یشھد** کا مطلب ہے **علی طریق الاستحباب**، یا پھر اس کو خاص صورت پر محمول کیا جائے کہ اگر کوئی مسافر شہر میں آیا ہوا ہے جہاں جمعہ قائم ہوتا ہے اور وہاں مسافر اتنی دیر مقیم رہے کہ جمعہ کی اذان سن لے تو اس کو جمعہ میں شریک ہونا چاہیے اور اس صورت میں ظہر اس سے ساقط ہو جائے گی۔

تشریح احادیث

اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے تین روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں عبایۃ بن رفاعہ تابعی کہتے ہیں کہ میں جمعہ میں شرکت کے لئے پیدل جا رہا تھا کہ **ادرکنی ابو عبس** بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو عبسؓ سوار ہو کر آ رہے تھے اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے پیچھے سے آ کر مجھے پکڑ لیا، پھر ابو عبسؓ نے ایک حدیث سنائی کہ قدموں کو غبار آلود کرنا مبارک ہو، یہ دخولِ جنت کا سامان ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے قدم راہِ خداوندی میں غبار آلود ہو جائیں تو اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

ابو عبسؓ کا مقصد ہے دل داری اور شماتت کا ازالہ، کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں سوار ہو کر جا رہا ہوں اور تم پیدل چل

رہے ہو تمہاری حالت مجھ سے کمتر ہے، کیونکہ تمہارا پیدل چلنا قدموں کو غبار آلود کر رہا ہے جس کی حضور ﷺ نے بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

ترجمۃ الباب کا ثبوت اس طرح ہے کہ اگر عبایہ دوڑ کر چل رہے ہوتے تو ابوعبس ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے آہستہ چلنے والوں ہی سے بات ہو سکتی ہے، اور بات بھی معمولی نہیں تھی، حدیث پاک سنا رہے ہیں اور حدیث پاک کو بھاگ دوڑ کی حالت میں بے مزہ نہیں کیا جا سکتا، نیز یہ کہ حضرت ابوعبسؓ من اغبرت قدماہ کو عبایہ کے حال پر منطبق کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ معمولی رفتار سے پیدل چل رہے تھے اور غبار صرف پیروں پر لگ رہا تھا، اگر عبایہ دوڑ رہے ہوتے تو غبار صرف قدموں پر نہ ہوتا، دوڑنے کی حالت میں گرد و غبار پورے جسم پر جم جاتا ہے اور سر کے بال تک غبار سے اٹ جاتے ہیں۔

دوسری روایت گذر چکی ہے، یہاں مقصد اس طرح ثابت ہے کہ نماز کی اقامت کے بعد بھی یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ دوڑ کر نہ آنا چاہیئے خواہ رکعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو، تو جو گھر سے آ رہا ہے اور عجلت کا کوئی داعیہ نہیں ہے تو اس کو سکون و وقار ترک کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یا یوں کہہ لیجئے کہ جب عام نمازوں کے لئے سکون کی تاکید ہے تو جمعہ کے لئے بدرجۂ اولیٰ اس کی اہمیت ہے۔

تیسری روایت بھی گذر چکی ہے، مقصد ترجمہ سے اس کا تعلق یہ ہے کہ روایت میں مسجد میں پہنچ کر نماز کے انتظار میں بیٹھنے والوں کو سکون و اطمینان کی تاکید کی جا رہی ہے جب کہ نماز بالکل تیار ہے پھر اگر نماز میں دیر ہو تو بدرجۂ اولیٰ اس کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

[۱۸] بَابٌ لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۹۱۰) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَنَا ابْنُ اَبِىْ ذِئْبٍ عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِىِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ وَدِيْعَةَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ثُمَّ ادَّهَنَ اَوْ مَسَّ مِنْ طِيْبٍ ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَصَلّٰى مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ اَنْصَتَ غُفِرَلَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى. (گذشتہ: ۸۸۳)

ترجمہ باب، جمعہ کے دن دو آدمیوں کے درمیان گھس کر تفریق نہ کرنے کا بیان۔ حضرت سلمانؓ فارسی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنی پاکی حاصل کرنا ممکن ہے اتنی پاکی حاصل کرے پھر تیل لگائے یا خوشبو استعمال کرے، پھر مسجد جائے اور دو آدمیوں کے درمیان گھس کر تفریق نہ

کرے، پھر جتنا اس کی تقدیر میں ہے اتنی نماز پڑھے، پھر جب امام آجائے تو خاموش رہے، تو اس شخص کے اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث مقصد واضح ہے کہ جمعہ کے دن مسجد جانے والے کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ دوسروں کے لئے تکلیف کا سبب نہ بن جائے، اگر پہلے سے دو آدمی مل کر بیٹھے ہوئے ہیں تو ان کے درمیان تفریق کی صورت پیدا کرنا ممنوع ہے، تفریق بین الاثنین کے اصل معنی یہی ہیں کہ دو دوست یا بھائی برابر بیٹھے ہیں اور کوئی اجنبی ان کے درمیان زبردستی جگہ لے کر انہیں وحشت میں مبتلا کر دے، لیکن لوگوں کی گردن سے پھلانگ کر گذرنے کو بھی تفریق بین الاثنین کا مصداق سمجھا گیا ہے، اس حکم کا اصل منشا تو یہ ہے کہ انسان کو مسجد میں اتنی جلد پہنچنا چاہیئے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے، لیکن اگر دیر ہو جائے تو حدیث میں دو انسانوں کے درمیان علیحدگی پیدا کرنے سے جو ممانعت کی گئی ہے اس کا خیال رکھنا چاہیئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں اس سے ممانعت فرمائی ہے اور بعض روایات میں وعید کے کلمات بھی ہیں۔

علامہ عینی نے گردن پھلانگ کر گذرنے کے سلسلے میں جو مذاہب بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام احمد مطلقاً کراہت کے قائل ہیں، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کے یہاں یہ عمل امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد مکروہ ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو تو مضائقہ نہیں، لوگ تکلیف محسوس کریں تو یہ مکروہ ہے، پھر کراہت کی تفصیل میں بھی تحریمی اور تنزیہی دونوں طرح کی بات کہی گئی ہے۔

روایت گذر چکی ہے، یہاں مقصد پوری طرح ثابت ہے کیونکہ جن اعمال پر ایک ہفتہ کے گناہوں کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں تفریق بین الاثنین سے بچنا بھی شامل ہے۔ واللہ اعلم

[۱۹] بَابٌ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقْعُدُ فِيْ مَكَانِهِ

(۹۱۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ قَالَ اَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ اَخَاهُ مِنْ مَقْعَدِهِ وَيَجْلِسَ فِيْهِ قُلْتُ لِنَافِعٍ الْجُمُعَةَ، قَالَ الْجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا. (آئندہ: ۶۲۶۹، ۶۲۷۰)

ترجمہ باب، کوئی انسان جمعہ کے دن کسی انسان کو اسکی جگہ سے نہ اٹھائے اور پھر اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا دے اور پھر وہاں بیٹھ جائے، ابن جریج نے کہا کہ میں نے نافع سے پوچھا، کیا یہ حکم جمعہ کے دن کے لئے ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ جمعہ اور غیر جمعہ سب میں یہی حکم ہے۔

مقصد ترجمہ یہ بات جائز نہیں ہے کہ جو شخص مسجد میں کسی جگہ بیٹھا ہوا ہے، اس کو کوئی دوسرا شخص اس جگہ سے اٹھادے اور خود اس کی جگہ بیٹھ جائے، یہ شعبۂ کبر ہے اور خانۂ خدا میں یہ بات قابلِ برداشت نہیں ہے۔ خانۂ خدا کا اصول یہ ہے کہ کوئی جگہ کسی کے لئے مقرر نہیں کی جاسکتی، جو شخص پہلے پہنچ کر کسی جگہ بیٹھ جائے تو وہ جگہ اسی کی ہوگئی، اب اس کو اٹھانے کی اجازت نہیں۔

البتہ بعض صورتوں میں حکم شرعی کی وجہ سے اٹھایا جاسکتا ہے، مثلاً کوئی شخص امام کی جگہ بیٹھ جائے، یا راستہ گھیر کر بیٹھ جائے، یا مثلاً حکم یہ ہے کہ امام کے پیچھے ایسے لوگ ہونے چاہئیں کہ اگر استخلاف کی نوبت آئے تو ان کو خلیفہ بنایا جاسکے، اور امام کے پیچھے ایسا شخص آبیٹھا جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتا، تو ان صورتوں میں اٹھادینے کی اجازت ہے۔

ہاں یہ جائز ہے کہ کوئی شخص احترام کے طور پر کسی کے لئے اپنی جگہ چھوڑدے، پھر یہ کہ جگہ جس کے لئے چھوڑ دی گئی ہے اس کے علاوہ کسی اور کا اس جگہ بیٹھنا درست نہیں ہے، یہ غلط ہے کہ جگہ جس کے لئے چھوڑی گئی ہے وہ رہ جائے اور کوئی دوسرا بڑھ کر اس جگہ کو حاصل کرلے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ جگہ حاصل کرنے کے لئے پہلے ہی سے کسی خادم وغیرہ کو بھیج دیا جائے اور مخدوم پہنچے تو خادم اس کے لئے جگہ چھوڑ دے ابن سیرین اپنے کسی غلام کو بھیج کر اس طرح جگہ حاصل کرتے تھے۔

تشریح حدیث روایت سے مقصد کا ثبوت واضح ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی حاصل کردہ جگہ سے ہٹائے اور اس کی جگہ بیٹھ جائے، مگر اس روایت میں جمعہ کا ذکر نہیں ہے جبکہ ترجمہ میں یوم الجمعة کی قید ہے، مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت میں لا یقیمن احدکم اخاہ یوم الجمعة آیا ہے، لیکن مسلم کی یہ روایت، بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی اس لئے انہوں نے وہ روایت ذکر نہیں کی، لیکن ترجمہ کو مقید کر کے اس روایت کی طرف اشارہ کردیا۔

قلنا لنافع الخ یہ پوچھنے والے ابن جریج ہیں، انہوں نے حضرت نافع سے پوچھا کہ یہ حکم جمعہ کے لئے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں جمعہ کی خصوصیت نہیں، سب نمازوں کا یہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

[۲۰] بَابُ الْاَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۹۱۲) حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهُ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الزَّوْرَاءُ مَوْضِعٌ بِالسُّوْقِ بِالْمَدِيْنَةِ . (آئندہ: ۹۱۳، ۹۱۵، ۹۱۶)

ترجمہ | باب، جمعہ کے دن اذان کا بیان۔ حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا، اور لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو انہوں نے زوراء پر تیسری اذان کو بڑھا دیا۔ امام بخاریؒ نے کہا کہ زوراء مدینہ طیبہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث | جمعہ کے لئے دی جانے والی اذانوں کی مشروعیت اور تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ابتداء میں جمعہ کے لئے دو اذانیں تھیں، پہلی اذان اعلام صلوۃ کی غرض سے، حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانہ میں خطیب کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد باب مسجد پر دی جاتی تھی اور یہی اذان اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فذروا البیع کا مصداق تھی اور اسی پر تمام چیزیں حرام ہوجاتی تھی اور دوسری اذان سے مراد خطبہ کے بعد کہی جانے والی اقامت ہے۔

اور تیسری اذان جو عملاً سب سے پہلے ہوتی ہے وہ حضرت عثمان غنی کے دور سے شروع ہوئی ہے، حضرت عثمان کے دور میں مدینہ کی آبادی دور دور تک پھیل گئی، کاروبار بڑھ گیا، حالات میں بھی تبدیلی رونما ہوئی اور لوگوں میں امور خیر میں مسابقت کا ذوق سرد پڑ گیا تو مصلحت کا تقاضا یہ ہوا کہ جب تکرار مشروع ہے اور مقصد اعلان ہے تو لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے حضرت عثمان نے ایک تیسری اذان کا حکم دیا کہ یہ اذان اس اذان سے قبل ہوگی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے، اس اذان پر لوگ اپنے کاروبار سمیٹ لیں اور نمازِ جمعہ کے لئے سعی کے حکم پر عمل شروع کردیں۔

زاد النداء الثالث علی الزوراء . حضرت عثمان نے تیسری اذان کا اضافہ فرمایا جو مقام زوراء پر دی جاتی تھی۔ اس اذان کو ثالث اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کو پہلے سے جاری اذان واقامت کے بعد اضافہ کیا گیا ہے اور بعض روایات میں اس کو اول بھی کہا گیا ہے کہ یہ پہلے سے جاری دونوں اذانوں سے عملاً مقدم کی گئی ہے، اور اب فذروا البیع کا حکم، علت کے مشترک ہونے کی وجہ سے اسی اذانِ اول سے متعلق ہے اور جو اذان خطیب کے منبر پر آنے کے بعد باب مسجد پر دی جاتی تھی وہ اب اذانِ عثمانی کے بعد، خطیب کے سامنے کھڑے ہوکر دی جاتی ہے، اذانِ عثمانی کا مقصد گویا تمام مسلمانوں کے لئے اعلانِ عام ہے کہ لوگ کاروبار چھوڑ کر حاضر ہوجائیں اور اذانِ ثانی کا مقصد حاضرینِ مسجد کے لئے اعلام ہے کہ وہ انصات اختیار کرلیں۔ واللہ اعلم

[۲۱] بَابُ الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۹۱۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِىْ سَلَمَةَ الْمَاجِشُوْنُ عَنِ الزُّهْرِىِّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ الَّذِىْ زَادَ التَّاْذِيْنَ الثَّالِثَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ حِيْنَ كَثُرَ

اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ وَلَمْ یَکُنْ لِلنَّبِیِّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مُؤَذِّنٌ غَیْرَ وَاحِدٍ وَکَانَ التَّاذِیْنُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ حِیْنَ یَجْلِسُ الْاِمَامُ یَعْنِی عَلَی الْمِنْبَرِ . (گذشتہ:۹۱۲)

ترجمہ باب، جمعہ کے دن صرف ایک مؤذن کے اذان دینے کا بیان۔ حضرت سائبؓ بن یزید سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن تیسری اذان کا اضافہ کرنے والے حضرت عثمانؓ بن عفان ہیں جب مدینہ کے لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تھی، اور حضور علیہ السلام کا مؤذن، ایک کے علاوہ نہیں تھا اور جمعہ کی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث پچھلے باب میں بیان کر چکے ہیں کہ ایک اذان کا اضافہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے ہوا ہے اب بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن حضور علیہ السلام کے عہد میں ایک ہی مؤذن تھا، مقصد یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں اعلانِ وقت کے لئے ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی، کیونکہ ایک مؤذن ہے تو وہ ایک ہی بار اذان دے سکتا ہے، اس سے ابن حبیب مالکی کا رد بھی ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد تین مؤذن یکے بعد دیگرے اذان دیتے تھے اور تیسرے مؤذن کی اذان کے بعد آپ کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ مختصر بویطی میں یہ روایت امام شافعیؒ سے منقول ہے ممکن ہے کہ ابن حبیب مالکی جس روایت کی بنیاد پر تین اذانوں کی بات کہہ رہے ہیں وہ حضرت عثمانؓ کے سامنے رہی ہو اور انہوں نے ضرورت کے مطابق اس عمل میں یہ تسلسل قائم کردیا ہو جو آج رائج ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حرمین وغیرہ میں اب یہ معمول ہوگیا ہے کہ چند مؤذن اجتماعی طور پر اذان دیتے ہیں، بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایسا نہیں تھا، آپؐ کے زمانہ میں ایک مؤذن تھا، لیکن حرمین کا معمول بھی درست ہے اور اس کو بدعتِ حسنہ کہنا چاہیے، کیونکہ اس کی اصل حضور علیہ السلام کے امر سے ماخوذ ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کو حکم دیا تھا کہ وہ کلماتِ اذان، حضرت بلال کو القاء کرتے رہیں، چنانچہ اس موقع پر وہ دونوں بلند آواز سے نداء دیتے رہے، اسی لئے فقہاء نے ضرورت کے وقت ایک سے زائد مؤذنین کے اذان دینے کی اجازت دی ہے، روایت گذر چکی ہے۔

[۲۲] بَابٌ یُجِیْبُ الْاِمَامُ عَلَی الْمِنْبَرِ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ

(۹۱۴) حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَیْفٍ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَیْفٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِیَةَ بْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَی الْمِنْبَرِ اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ اللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ فَقَالَ مُعَاوِیَةُ اللّٰهُ اَکْبَرُ اللّٰهُ اَکْبَرُ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ مُعَاوِیَةُ وَاَنَا، قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ

مُعَاوِيَةُ وَاَنَا، فَلَمَّا اَنْ قُضِيَ التَّاذِيْنُ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى هٰذَا الْمَجْلِسِ حِيْنَ اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَقُوْلُ مَا سَمِعْتُمْ مِنْ مَقَالَتِيْ. (گذشتہ:۶۱۲)

ترجمہ باب، امام منبر پر بیٹھکر جب اذان سنے تو اس کا جواب دے۔ ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو سنا جب کہ وہ منبر پر بیٹھے تھے، مؤذن نے اذان دی اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو حضرت معاویہ نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا، پھر مؤذن نے اشھد ان لا الہ اللہ کہا تو حضرت معاویہ نے کہا میں بھی گواہی دیتا ہوں، پھر مؤذن نے کہا اشھد ان محمداً رسول اللہ تو حضرت معاویہ نے کہا میں بھی گواہی دیتا ہوں، پھر جب مؤذن اذان سے فارغ ہو گیا تو حضرت معاویہ نے کہا کہ اے لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی بیٹھنے کی جگہ جب مؤذن نے اذان دی تو یہ کہتے ہوئے سنا ہے جو تم نے مجھ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے سنا ہے۔

مقصد ترجمہ امام کے منبر پر آنے کے بعد اذان ہوگی تو اب سوال یہ ہے کہ امام منبر پر بیٹھے ہوئے اس اذان کا جواب دے یا خاموش رہے؟ امام بخاری نے ترجمہ منعقد کر دیا کہ امام کو جواب دینے کا حق ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت معاویہؓ کی روایت پیش کر دی۔

روایت سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ امام کو جواب دینے کی اجازت ہے، لیکن حاضرینِ مسجد کا کیا حکم ہے وہ جواب دیں یا خاموش رہیں؟ تو طبرانی میں ابن عمر کی روایت میں ہے اذا دخل احدکم والامام علی المنبر فلا صلاۃ ولا کلام، روایت پر کلام بھی کیا گیا ہے لیکن دیگر روایات اور آثار صحابہؓ سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لئے احناف کے یہاں مشہور قول یہی ہے کہ حاضرین کو خاموش رہنا چاہیئے، نہ اذانؓ کا جواب دیں اور نہ کلام کریں، دوسرا قول احناف کے یہاں یہ ہے کہ دنیا کے کلام کی ممانعت ہے، دینی کلام کی گنجائش ہے، دینی کلام میں اذان کا جواب، تسبیحات اور دعا شامل ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ دینی کلام میں صرف اذان کا جواب دینے کی اجازت ہے، بعض فقہاء کے یہاں اس تیسرے قول کو اختیار کیا گیا ہے اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔

تشریح حدیث یہ روایت اختصار کے ساتھ پہلے گذر چکی ہے اور وہاں اذان کے جواب کا طریقہ اور حکم بیان کیا جا چکا ہے، یہاں صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ امام کو منبر پر بیٹھنے کے بعد بھی اذان کے جواب کی اجازت ہے، یہ مقصد ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہ نے منبر پر بیٹھ کر جواب دیا اور سند کے طور پر حضور ﷺ کا عمل پیش کر دیا کہ آپؐ نے بھی ایسا کیا تھا۔

روایت میں آیا کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ، اور اشھد ان محمدا رسول اللہ کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے ان کلمات کو نہیں دہرایا، بلکہ صرف انا کہا، مطلب یہ ہوا کہ انا اشھد ایضاً، میں بھی گواہی دیتا ہوں، معلوم ہوا کہ جواب میں صرف انا کہہ دینا بھی کافی ہے اگر چہ اولیٰ یہی ہے کہ بعینہ انہی کلمات کو دہرایا جائے۔ واللہ اعلم

[۲۳] بَابُ الْجُلُوْسِ عَلَى الْمِنْبَرِ عِنْدَ التَّأذِيْنِ

(۹۱۵) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ اَخْبَرَهُ، اَنَّ التَّأذِيْنَ الثَّانِيَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَرَ بِهِ عُثْمَانُ حِيْنَ كَثُرَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ وَكَانَ التَّأذِيْنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِيْنَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ . (گذشتہ:۹۱۲)

ترجمہ باب، اذان کے وقت امام کے منبر پر بیٹھ جانے کا بیان۔ ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ انہیں حضرت سائبؓ بن یزید نے یہ بتایا کہ جمعہ کے دن اذانِ ثانی کا حکم حضرت عثمان نے اس وقت دیا تھا جب اہل مسجد کی تعداد بڑھ گئی تھی اوراذان جمعہ کے دن اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث بیان کرتے ہیں کہ خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے اس وقت خطیب کو منبر پر ہونا چاہیئے، یہ اذان اس حکم میں اس اذان سے مختلف ہے جو اعلانِ وقت کی غرض سے عام اوقات میں دی جاتی ہے کہ ان اذانوں میں امام کا موجود ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ مؤذن کا حق ہوتا ہے کہ وقت آنے کے بعد اذان دے دے، اور یہ اذان خطبہ کے لئے ہوتی ہے اس لئے خطیب کے منبر پر آنے سے پہلے اذان دینا، ایک بے معنی بات ہوگی اس لئے اس کی اجازت نہیں۔

بخاری کا مقصد **کان التاذین یوم الجمعة حین یجلس الامام** سے ثابت ہے کہ جمعہ کے دن اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر آجائے، پھر جب آبادی کی کثرت ہوگئی اور حضرت عثمان نے محسوس فرمایا کہ لوگوں کو پہلے سے متوجہ کرنے کی ضرورت ہے تو انہوں نے اذانِ اول کا اضافہ کردیا، روایت گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۲۴] بَابُ التَّأذِيْنِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ

(۹۱۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ اِنَّ الْاَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ اَوَّلُهُ، حِيْنَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ فِيْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ وَكَثُرُوْا اَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْاَذَانِ الثَّالِثِ فَأُذِّنَ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ فَثَبَتَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ . (گذشتہ:۹۱۲)

ترجمہ باب، خطبہ کے وقت اذان دینے کا بیان۔ زہری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سائبؓ بن یزید کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جمعہ کے دن پہلی اذان، رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانہ میں اس وقت ہوتی تھی جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگوں کی

تعداد زیادہ ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے تیسری اذان کا حکم دیا پھر وہ اذان مقام زوراء پر دی جاتی تھی، پھر یہ امر اسی طرح برقرار رہا۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث بیان کرتے ہیں کہ جس طرح نمازِ جمعہ کی یہ خصوصیت ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ ہوتا ہے، اسی طرح اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ خطبہ کے ساتھ اذان بھی ہوتی ہے پھر یہ کہ اذان عام اوقات کی نمازوں سے قدرے مختلف ہے کہ ان اذانوں میں اذان اور نماز کے درمیان - قدر ما یفرغ الآکل من اکلہ والمعتصر اذا دخل لقضاء حاجتہ - فصل ہوتا ہے جیسا کہ کتاب الاذان میں اس کے لئے ایک مستقل ترجمہ کم بین الاذان والاقامۃ منعقد کیا جاچکا ہے، اور یہ اذان وہ ہے جس میں اذان اور نماز کے درمیان فصل نہیں ہے، اذان کے فوراً بعد خطبہ اور خطبہ کے فوراً بعد نماز ہوتی ہے۔

اس ترجمہ سے یہ خلجان بھی رفع ہوگیا کہ جب اعلامِ وقت - جو اذان کا اصل مقصد ہے - کے لئے مقامِ زوراء پر دی جانے والی اذان کا اضافہ ہوگیا تو اب اس اذانِ ثانی کی کیا ضرورت رہی؟ بخاری نے بتادیا کہ مقام زوراء پر دی جانے والی اذان کا اضافہ ضرورت کی بنیاد پر کیا گیا ہے کہ آبادی کی کثرت ہوگئی اور دین پر عمل کرنے کا جذبہ کمزور ہوگیا تو لوگوں کو پہلے سے متوجہ کرنا ضروری ہوگیا تا کہ لوگ کاروبار موقوف کرکے حاضر ہوجائیں، لیکن جو اذان عہدِ رسالت اور عہد ابوبکرؓ و عمرؓ سے چلی آتی ہے وہ اپنی جگہ رہے گی اور اس کا فائدہ ہے کہ پہلی اذان کا مقصد اہل بستی کے لئے اعلام وقت ہے اور دوسری اذان کا مقصد حاضرین مسجد کو متوجہ کرنا ہے کہ وہ دیگر مشاغلِ ذکر و دعا سے یکسو ہوجائیں اور خطبہ سننے کے لئے اپنے ذہن کو حاضر کرلیں وغیرہ۔

روایت گذر چکی ہے، یہاں مقصد یہ ہے کہ خطبہ سے متصل جو اذان عہدِ رسالت سے جاری ہے وہ اپنی جگہ رہے گی، اور جس دوسری اذان کا حضرت عثمان نے ضرورت کی بنیاد پر اضافہ کیا وہ بھی درست ہے کیونکہ فثبت الامر علی ذلک فرمایا جارہا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اول تو یہ عمل خلیفۂ راشد کا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کو تمام صحابۂ کرام کی تائید حاصل ہے، اور اس لئے امت نے اس کو قبول کیا ہے خیر القرون سے اب تک ساری دنیا میں اسی کے مطابق عمل جاری ہے۔ واللہ اعلم

[۲۵] بَابُ الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

وَقَالَ اَنَسٌ خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ

(۹۱۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيُّ الْقُرَشِيُّ الْاِسْكَنْدَرَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمِ بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّ رِجَالًا اَتَوْا سَهْلَ بْنَ

سَعْدِ السَّاعِدِيَّ وَقَدِ امْتَرَوْا فِي الْمِنْبَرِ مِمَّ عُوْدُهُ فَسَأَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْرِفُ مِمَّا هُوَ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ أَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ وَأَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلٰى فُلَانَةَ امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ مُرِيْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ أَنْ يَعْمَلَ لِيْ أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ فَأَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَآءَ بِهَا فَأَرْسَلَتْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هٰهُنَا ثُمَّ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى عَلَيْهَا وَكَبَّرَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ فِيْ أَصْلِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ عَادَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ . (گذشتہ:٣٧٧)

(٩١٨) حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ ابْنُ أَنَسٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ جِذْعٌ يَقُوْمُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلَ أَصْوَاتِ الْعِشَارِ حَتّٰى نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ .وَقَالَ سُلَيْمٰنُ عَنْ يَحْيٰى أَخْبَرَنِيْ حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ سَمِعَ جَابِرًا . (گذشتہ:٤٤٩)

(٩١٩) حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ جَآءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ .

(گذشتہ:٨٧٧)

ترجمہ باب، منبر پر خطبہ دینے کا بیان، اور حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا، ابو حازم بن دینار نے بیان کیا کہ کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ لوگ حضور ﷺ کے منبر کے بارے میں شک میں مبتلا تھے یا جھگڑا کر رہے تھے کہ وہ کس لکڑی کا تھا؟ تو انہوں نے حضرت سعدؓ سے اس سلسلے میں سوال کیا، حضرت سعد نے فرمایا، خدا کی قسم! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کس لکڑی کا تھا اور میں نے اس کو جب وہ پہلے دن رکھا گیا اور جب پہلے دن اس پر رسول اللہ ﷺ بیٹھے دیکھا ہے (واقعہ یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے انصار کی فلاں عورت-اس کا نام حضرت سہل نے بیان کیا تھا- کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ تم اپنے بڑھئی کا کام کرنے والے غلام کو حکم دو کہ وہ مجھے ایسی لکڑیاں بنا دے کہ میں لوگوں سے خطاب کرتے وقت ان پر بیٹھ جایا کروں، تو اس نے غلام کو حکم دیا، پھر اس نے غابہ ثام کے جنگل کی جھاؤ کی لکڑی سے منبر بنایا اور اس عورت کے پاس لایا، اس عورت نے منبر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجدیا، پھر آپؐ نے اس کے بارے میں حکم دیا اور وہ یہاں (مسجد میں) رکھ دیا گیا، پھر میں

نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی، اس پر کھڑے ہو کر تکبیر کہی پھر اس پر رہتے ہوئے رکوع میں گئے، پھر الٹے پاؤں نیچے اترے اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا، پھر منبر پر لوٹ گئے پھر جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا اے لوگو! میں نے یہ عمل صرف اس لئے کیا ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میری نماز کا طریقہ سیکھ لو۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ کھجور کا ایک تنہ تھا جس پر سہارا لے کر حضور ﷺ کھڑے ہوتے تھے پھر جب آپ کے لئے منبر رکھ دیا گیا تو ہم نے اس تنے کی گابھن اونٹنی جیسی آواز سنی یہاں تک کہ حضور ﷺ منبر سے نیچے اترے اور آپ نے اس تنے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ سلیمان نے یحییٰ سے روایت کی کہ یحییٰ نے کہا کہ مجھ سے حفص بن عبیداللہ بن انس نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت جابر سے سنا۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے لئے آئے تو اسے غسل کرنا چاہیئے۔

مقصد ترجمہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ خطیب کا اونچی جگہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا مستحسن ہے تا کہ سامعین خطیب کی صورت اور اس کی حرکات وسکنات کو دیکھ سکیں کہ یہ باتیں خطبہ کو ہمہ تن گوش ہو کر سننے میں معاون ہیں، اونچی جگہ اس لئے بھی مناسب ہے کہ خطیب کی شان خدا کے نائب اور ترجمانِ شریعت کی ہے، وہ خداوندی احکام بیان کر رہا ہے اور اس زبان میں بیان کر رہا ہے جو اہلِ جنت کی زبان ہے اور اس دنیا کے بعد قبر کی زبان ہے اور جو خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اس لئے اس کا ان شرعی مصلحتوں کی بنیاد پر اونچی جگہ کھڑا ہونا مستحسن ہی قرار دیا جائے اور اس کو کبریائی کی علامت سمجھنا غلط ہوگا۔

تشریح حدیث اس باب میں امام بخاریؒ نے تین روایتیں ذکر کی ہیں پہلی روایت باب الصلاۃ فی السطوح والمنبر میں گذر چکی ہے، یہاں منبر پر خطبہ کا استحسان ثابت کرنا چاہتے ہیں، روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے اور قیام کی حالت میں کھجور کے ایک تنے کا سہارا لیا کرتے تھے، جب نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو بعض صحابہ نے منبر تیار کرانے کا مشورہ دیا چنانچہ مشہور قول کے مطابق آپ نے عائشہ انصاریہ کے میمون نامی غلام سے منبر تیار کرا لیا، امام بخاری کا منشا یہ ہے کہ زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا جو ایک عرصہ تک معمول میں شامل رہا وہ بھی درست اور جائز ہے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا جسے ضرورت کی بنیاد پر پسند کیا گیا وہ بھی مستحسن ہے دوسرے یہ کہ آپ نے منبر پر نماز پڑھی، تکبیر تحریمہ، قراءت و رکوع منبر پر کیا اور سجود نیچے اتر کر منبر کی بائیں جانب کیا، پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی، معلوم ہوا کہ تعلیم کی غرض سے ایسا کرنا جائز ہے۔

دوسری روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ کھجور کے جس تنے پر سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے جب منبر رکھ دیا گیا اور حضور ﷺ منبر پر خطبہ دینے کے لئے تشریف لے گئے تو وہ تنہ جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اس سے دس ماہ کا گابھن اونٹنی کے رونے کی طرح آواز آنے لگی جسے صحابہؓ نے سنا بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

صحابہؓ کو ادھر متوجہ کیا الا تعجبون من حنین ھذہ الخشبة؟ کیا تمہیں اس لکڑی کے رونے پر حیرت نہیں ہوئی؟ چنانچہ صحابہ ادھر متوجہ ہوئے حتی کثر بکائھم، اور اس کے رونے کی آواز سن کران پر بھی بہت گریہ طاری ہوا بعض روایات میں حتی کادت ان تنشق آیا ہے کہ وہ اتنا رویا گویا پھٹ جائے گا، یہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا معجزہ تھا، اس لئے امام بخاری یہ روایت باب علامات النبوة میں بھی ذکر کریں گے اور وہاں یہ اضافہ ہے فضمّه الیه یئن انین الصبی الذی یسکن نیچے اتر کر آپ نے اس کو سینے سے لگایا، وہ اس بچے کی طرح رو رہا تھا جسے تھپکیاں دے کر خاموش کیا جاتا ہے گویا وہ سِکیاں لے کر رویا اور چپ ہو گیا پھر آپ نے فرمایا کانت تبکی علی ما کانت تسمع من الذکر یہ پیغمبر علیہ السلام کی زبان مبارک سے ذکر خداوندی سنا کرتا تھا اب اس سے محرومی کی بنیاد پر رونے لگا، اسی رونے کی وجہ سے اس کو اسطوانہ حنّانہ کہتے ہیں، دارمی میں حضرت ابوسعیدؓ کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس اسطوانہ حنّانہ کو مسجد نبوی ہی میں دفن کر دیا گیا اور جس جگہ دفن کیا گیا تھا کہتے ہیں کہ وہ جگہ آج بھی معلوم ہے۔ تیسری روایت بھی گذر چکی ہے اور اس میں بھی منبر پر خطبہ دینے کا ذکر ہے۔　　　　واللہ اعلم

[۲۶] بَابُ الْخُطْبَةِ قَائِماً

وَقَالَ اَنَسٌ بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِماً

(۹۲۰) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِماً ثُمَّ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُوْمُ كَمَا تَفْعَلُوْنَ الْاٰنَ . (آئندہ: ۹۲۸)

ترجمہ باب، کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا بیان، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ اس درمیان کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، پھر بیٹھ جاتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے، جیسا کہ تم لوگ اس وقت کرتے ہو۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے، خطبۂ جمعہ میں قیام امام شافعیؒ کے یہاں شرط صحت گویا فرض کے درجہ میں ہے، امام مالکؒ سے بھی وجوب کی روایت ہے اور حنفیہؒ کے یہاں سنت ہے، امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وجوب کا کوئی اشارہ نہیں کیا، بلکہ ترجمہ کا ظاہر یہ ہے کہ وہ وجوب کے قائل نہیں جیسے پہلے ترجمہ میں الخطبة علی المنبر فرمایا تھا اور وہاں مقصد وجوب کا بیان نہیں بلکہ صرف مشروعیت یا جواز کا بیان تھا اسی طرح باب الخطبة قائماً میں بھی وجوب مراد لینا مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

قیام کے وجوب یا سنیت کا جائزہ مقصدِ ترجمہ کے ثبوت میں امام بخاری نے پہلے حضرت انسؓ کی روایت کا ابتدائی حصہ پیش کیا ہے جس میں کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی صراحت ہے،
یہ روایت عنقریب **باب الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة** میں آئے گی، پھر امام بخاری نے حضرت ابن عمر کی روایت پیش کی جس میں **کان یخطب قائماً** کے الفاظ ہیں جن سے استمرار پر استدلال کی گنجائش ہے لیکن یہ بات رفع یدین کی بحث میں بیان کی جا چکی ہے کہ حدیث پاک میں اس تعبیر سے دوام واستدلال مراد لینا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ رواۃِ حدیث حضور ﷺ کے ایک مرتبہ کے عمل کو بھی **کان یفعل** سے تعبیر کر دیتے ہیں، لیکن یہاں اگر اس قرینہ کی بنیاد پر مواظبت تسلیم کر لی جائے کہ بیٹھ کر خطبہ دینے کی کسی روایت میں صراحت نہیں ہے، تب بھی کسی عمل پر مواظبت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، صرف سنتِ مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور سنتِ مؤکدہ کے ثبوت کے لئے شرائط ہیں مثلاً سنتِ مؤکدہ پر استدلال کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمل عبادت کے طور پر کیا جاتا ہو، اگر وہ عمل عادت کے طور پر کیا جاتا ہو یا ازقسم معاملات ہو تو اس صورت میں مواظبت سے اس کا صرف مستحب یا سنت غیر مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہاں خطبہ میں قیام کا بہ طور عبادت ہونا احتمالِ بعید معلوم ہوتا ہے جبکہ ازقسم عادت ہونا احتمالِ قریب اور ظاہر ہے، کیونکہ حضور ﷺ خطبہ — وہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا، یا کسی اور موقع پر ہو جیسے غزوات وغیرہ — کھڑے ہو کر دینے کے عادی تھے۔

پھر یہ کہ روایات میں بیٹھ کر خطبہ دینے کے جواز کے اشارات موجود ہیں جیسے پچھلے باب میں حضرت سہلؓ کی روایت میں ارشاد فرمایا گیا **مری غلامك النجار ان یعمل لی اعواداً اجلس علیهن اذ کلمت الناس** میرے لئے اپنے نجار غلام سے منبر تیار کرا دو کہ میں اس پر لوگوں سے خطاب کے وقت بیٹھ سکوں، **اجلس علیهن اذا کلمت الناس** میں خطاب کے وقت بیٹھنے کی بات صراحت کے ساتھ فرمائی گئی ہے یا اگلے باب میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت آ رہی ہے **ان النبی ﷺ جلس ذات یوم علی المنبر و جلسنا حوله** وغیرہ۔

قیام کے وجوب پر اور بھی چند دلائل پیش کئے گئے ہیں مگر وہ سب ناتمام ہیں جیسے قرآن کریم کی سورۂ جمعہ کی آیت **وترکوك قائما** سے استدلال کیا گیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس میں قیام کا امر نہیں ہے بلکہ یہاں قیام کا تذکرہ بہ ایں معنی ہے کہ جب یہ حضرات تجارتی قافلہ کی طرف متوجہ ہوئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، اس سے وجوب کسی طرح ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح ایک استدلال یہ ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے تو عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا، حضرت کعبؓ نے سخت الفاظ میں نکیر فرمائی **انظروا الی هذا الخبیث یخطب قاعدا** (مسلم ج:۱، ص:۲۸۴) دیکھو اس خبیث کو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے، پھر یہی آیت تلاوت فرمائی، لیکن یہاں بھی وجوب پر استدلال ناتمام ہے، کیونکہ اس نکیر کے باوجود انہوں نے عبدالرحمٰن کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا کی، اگر قیام فرض یا شرط ہوتا تو اس کے پیچھے نماز جمعہ کیسے صحیح ہوتی، ظاہر ہے کہ وہ ترکِ سنت پر نکیر کر رہے تھے، بعض

حضرات نے جواب میں یہ کہا ہے کہ نماز پڑھنا فتنے کے خوف سے بھی ہوسکتا ہے، لیکن یہ جواب کمزور ہے، جو شخص کھلے بندوں اتنے سخت الفاظ میں نکیر کرسکتا ہے وہ فتنے کی کیا پرواہ کرے گا۔

بہر حال خطبۂ جمعہ میں قیام کو شرط یا واجب کے طور پر ثابت کرنا ممکن نہیں ہے، اور امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب میں بھی وجوب کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

[٢٧] بَابُ اِسْتِقْبَالِ النَّاسِ الْاِمَامَ اِذَا خَطَبَ وَاسْتَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَسٌ الْاِمَامَ

(٩٢١) حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ هِلَالِ بْنِ اَبِىْ مَيْمُوْنَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَطَآءُ بْنُ يَسَارٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِىَّ اَنَّ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ. (آئندہ: ١٤٦٥، ٢٨٤٢، ٦٤٢٧)

ترجمہ باب، جب امام خطبہ دے تو لوگوں کو امام کی طرف رخ کرنا چاہیئے، اور ابن عمر اور انس نے امام کی طرف رخ کیا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور ہم لوگ آپ کے گرد بیٹھے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث مقصد یہ ہے کہ خطبہ میں حاضرین کو امام کی طرف رخ کر لینا چاہیئے، خواہ صف بنا کر ایسا کیا جائے یا صف کے بغیر جیسے وعظ کی مجلس میں ہوتا ہے، بہتر یہ ہے کہ صف میں اپنی جگہ بیٹھ کر امام کی طرف رخ کیا جائے تا کہ خطبہ کے بعد نماز کے لئے صف بندی کے وقت انتشار پیدا نہ ہو، امام اعظمؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے امام کی طرف رخ کر لیتے تھے، اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے، کیونکہ سامعین کا خطیب کی طرف رخ کرنا، خطیب کی بات کو توجہ سے سننے، اس پر غور وفکر کرنے اور علم وعمل کے ہر طرح کے استفادے کے لئے مفید ہے۔

مقصد کے ثبوت میں پہلے امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمر اور حضرت انس کے آثار پیش کئے پھر حضرت ابو سعید خدری کی ایک طویل روایت کا ابتدائی حصہ پیش کیا جو بعد میں آئے گی، یہاں صرف اتنا مذکور ہے کہ ایک دن ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور ہم لوگ آپ کے گرد بیٹھ گئے، حولہ کا لفظ ہے جس سے امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہے کہ صحابہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھنے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے تھے، اور ان کا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا۔ واللہ اعلم

[٢٨] بَابُ مَنْ قَالَ فِى الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ اَمَّا بَعْدُ

رَوَاهُ عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم

(٩٢٢) وَقَالَ مَحْمُوْدٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ اَخْبَرَتْنِىْ

فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ قُلْتُ مَا شَاْنُ النَّاسِ فَاَشَارَتْ بِرَاْسِهَا اِلَی السَّمَآءِ فَقُلْتُ آيَةٌ فَاَشَارَتْ بِرَاْسِهَا اَیْ نَعَمْ قَالَتْ فَاَطَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جِدًّا حَتّٰی تَجَلَّانِی الْغَشْیُ وَاِلٰی جَنْبِیْ قِرْبَةٌ فِيْهَا مَاءٌ فَفَتَحْتُهَا فَجَعَلْتُ اَصُبُّ مِنْهَا عَلٰی رَاْسِیْ فَانْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ قَالَتْ وَلَغِطَ نِسْوَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَانْكَفَاْتُ اِلَيْهِنَّ لِاُسَكِّتَهُنَّ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ؟ قَالَتْ قَالَ مَا مِنْ شَیْءٍ لَمْ اَكُنْ اُرِيْتُهٗ اِلَّا وَقَدْ رَاَيْتُهٗ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا حَتَّی الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَاِنَّهٗ قَدْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ مِثْلَ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ يُؤْتٰی اَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوْ قَالَ الْمُوْقِنُ شَكَّ هِشَامٌ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ مُحَمَّدٌ جَآءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰی فَآمَنَّا وَاَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا وَصَدَّقْنَا فَيُقَالُ لَهٗ نَمْ صَالِحًا قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا بِهٖ وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْمُرْتَابُ شَكَّ هِشَامٌ فَيُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُ، قَالَ هِشَامٌ فَلَقَدْ قَالَتْ لِیْ فَاطِمَةُ فَاَوْعَيْتُهٗ غَيْرَ اَنَّهَا ذَكَرَتْ مَا يُغَلِّظُ عَلَيْهِ. (گذشته:۸۶)

(۹۲۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُتِیَ بِمَالٍ اَوْ بِشَیْءٍ فَقَسَمَهٗ فَاَعْطٰی رِجَالًا وَتَرَكَ رِجَالًا فَبَلَغَهٗ اَنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَ عَتَبُوْا فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ اَثْنٰی عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ اُعْطِی الرَّجُلَ وَاَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِیْ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الَّذِیْ اُعْطِیْ وَلٰكِنْ اُعْطِیْ اَقْوَامًا لِمَا اَرٰی فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَاَكِلُ اَقْوَامًا اِلٰی مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْغِنٰی وَالْخَيْرِ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیْ بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ. (آئندہ:۳۱۴۵، ۷۵۳۵)

(۹۲۴) حَدَّثَنَا يَحْيَی بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی رِجَالٌ بِصَلٰوتِهٖ فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَاجْتَمَعَ اَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّوْا مَعَهٗ فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَكَثُرَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهٖ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ اَهْلِهٖ حَتّٰی خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَی الْفَجْرَ

اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّه' لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجَزُوْا عَنْهَا، تَابَعَه' يُوْنُسُ . (گذشتہ:۷۲۹)

(۹۲۵) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ عَنْ اَبِيْ حُمَيْدِ السَّاعِدِيِّ اَنَّه' اَخْبَرَه' اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَتَشَهَّدَ وَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُه' ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ تَابَعَه' اَبُوْ مُعَاوِيَةَ وَاَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَمَّا بَعْدُ تَابَعَه' الْعَدَنِيُّ عَنْ سُفْيٰنَ فِيْ اَمَّا بَعْدُ . (آئندہ:۱۵۰۰،۲۵۹۷،۶۶۳۶،۶۹۷۹،۷۱۷۴،۷۱۹۷)

(۹۲۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَمِعْتُه' حِيْنَ تَشَهَّدَ يَقُوْلُ اَمَّا بَعْدُ تَابَعَه' الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ . (آئندہ:۳۱۱۰،۳۷۱۴،۳۷۲۹،۳۷۶۷،۵۲۳۰،۵۲۷۸)

(۹۲۷) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اَبَانَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْغَسِيْلِ قَالَ حَدَّثَنَا عِكْرَمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ الْمِنْبَرَ وَكَانَ آخِرَ مَجْلِسٍ جَلَسَه' مُتَعَطِّفًا مِلْحَفَةً عَلٰى مَنْكِبَيْهِ قَدْ عَصَبَ رَاْسَه' بِعَصَابَةٍ دَسِمَةٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِلَيَّ فَثَابُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْاَنْصَارِ يَقِلُّوْنَ وَيَكْثُرُ النَّاسُ فَمَنْ وَلِيَ شَيْئًا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ فَاسْتَطَاعَ اَنْ يَضُرَّ فِيْهِ اَحَدًا اَوْ يَنْفَعَ فِيْهِ اَحَدًا فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيْئِهِمْ . (آئندہ:۳۶۲۸،۳۸۰۰)

ترجمہ باب، خطبہ میں حمد وثنا کے بعد اما بعد کہنے والے کا بیان، یہ بات عکرمہ نے ابن عباس سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ کے پاس پہنچی تو لوگ گہن کی نماز پڑھ رہے تھے، میں نے کہا لوگوں کا یہ کیا حال ہو رہا ہے، تو عائشہ نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو میں نے کہا، کیا گہن قدرت خداوندی کی بڑی نشانی ہے؟ حضرت عائشہ نے سر کے اشارے سے کہا، ہاں! اسماء کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کو بہت زیادہ طول دیا یہاں تک کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی اور میرے پہلو میں پانی کا ایک مشکیزہ تھا تو میں نے اس کو کھول لیا اور اس میں سے اپنے سر پر پانی ڈالنا شروع کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے اور اس وقت سورج روشن ہو گیا تھا پھر آپ نے لوگوں کے درمیان خطبہ دیا، کہ پہلے خدا کی وہ حمد وثنا کی جس کا وہ سزاوار ہے پھر آپ نے فرمایا اما بعد اسماء کہتی ہیں کہ اتنے میں انصار کی کچھ عورتیں شور کرنے لگیں تو میں ان کو خاموش کرنے کے لئے ان کی طرف مڑ گئی، پھر میں نے عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ نے کیا ارشاد فرمایا تو

عائشہ نے بتایا کہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ ایسی کوئی چیز باقی نہ رہی جو مجھے دکھلائی نہیں گئی تھی مگر یہ کہ میں نے آج کی اپنی جگہ میں اس کو دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت وجہنم کو بھی دیکھ لیا اور یہ کہ مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ قبروں میں تم کو مسیح دجال کی آزمائش کی طرح یا اس کے قریب قریب آزمایا جائے گا، کہ قبر میں تم میں سے ہر ایک کے پاس فرشتے پہنچیں گے اور اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان صاحب (رسول اللہ ﷺ) کے بارے میں تم کیا عقیدہ رکھتے تھے؟ صاحب ایمان یا صاحب یقین (ہشام کو ان دولفظوں میں شک ہوا) تو وہ یہ کہے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، یہ محمدؐ ہیں جو ہمارے پاس اللہ کی روشن دلیلیں اور ہدایت لے کر آئے تھے پھر ہم ان پر ایمان لائے ہم نے ان کی بات کو قبول کیا ہم نے ان کی پیروی کی اور ہم نے ان کی تصدیق کی، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تم میٹھی نیند سو جاؤ، بے شک ہمیں یقین تھا کہ تم ان پر ایمان رکھنے والے ہو اور وہاں منافق یا شک کرنے والا (ان دولفظوں میں ہشام کو شک ہوا) تو اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم ان صاحب (رسول اللہ ﷺ) کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے تھے تو وہ کہے گا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی وہی کہہ دیا، ہشام نے بیان کیا کہ فاطمہ بنت منذر نے مجھ سے جو بیان کیا تھا میں نے اس سب باتوں کو یاد رکھا مگر یہ کہ انہوں نے منافق پر کی جانے والی سختی کا بھی ذکر کیا تھا (وہ یاد نہیں) حضرت عمرو بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال یا کوئی اور چیز آئی تو آپ نے اس کو تقسیم فرمادیا، چنانچہ کچھ لوگوں کو عطا فرمایا اور کچھ لوگوں کو چھوڑ دیا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ آپ نے جن لوگوں کو چھوڑ دیا ہے وہ رنجیدہ ہیں، چنانچہ آپ نے پہلے اللہ کی حمد اور اس کی ثنا بیان کی پھر اما بعد کے بعد فرمایا کہ خدا کی قسم! بے شک میں ایک انسان کو عطا کرتا ہوں اور ایک انسان کو چھوڑ دیتا ہوں اور جس شخص کو میں چھوڑ دیتا ہوں وہ میرے نزدیک اس شخص سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جسے میں دیتا ہوں لیکن میں کچھ لوگوں کو اس لئے دیتا ہوں کہ میں ان کے دلوں میں بے صبری اور بے چینی کو محسوس کرتا ہوں اور کچھ لوگوں کے بارے میں اس چیز پر اعتماد کر لیتا ہوں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں بے نیازی اور خیر کو پیدا فرمایا ہے، اور انہیں لوگوں میں عمرو بن تغلب بھی ہیں، عمرو بن تغلب نے کہا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی محبوب نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ ایک رات، رسول اللہ ﷺ آدھی رات کے وقت حجرے سے باہر تشریف لائے اور آپ نے مسجد میں نماز (تراویح) پڑھی تو کچھ لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے نماز ادا کی پھر جب صبح ہوئی تو لوگوں کی باہمی گفتگو سے یہ بات مشہور ہوگئی پھر اس سے زیادہ لوگ جمع ہوگئے اور انہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح ہوئی تو لوگوں کی باہمی گفتگو سے یہ بات اور زیادہ مشہور ہوئی تو تیسری رات میں مسجد میں آنے والے اور زیادہ ہوگئے پھر رسول اللہ ﷺ باہر نکلے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر جب چوتھی رات ہوئی تو آنے والے مسجد میں نہ سما سکے (لیکن آپ باہر نہیں تشریف لائے) یہاں تک کہ آپ فجر کے لئے باہر آئے، جب آپ نے فجر کی نماز پڑھا دی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے پھر آپ نے تشہد سے خطبہ شروع کیا پھر فرمایا اما بعد، حقیقت حال یہ ہے کہ تم لوگوں کا مسجد آنا اور منتظر رہنا مجھ سے پوشیدہ نہیں تھا لیکن

(میں نہیں نکلا) مجھے اندیشہ تھا کہ یہ نماز (تراویح) تم پر فرض نہ کردی جائے اور پھر تم اس کو ادا کرنے سے عاجز رہو، یونس نے بھی عقیل کی ابن شہاب سے روایت کرنے میں متابعت کی ہے، حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات کو عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہوئے پھر تشہد پڑھا اور اللہ کی وہ ثنا بیان کی جس کا وہ سزاوار ہے پھر فرمایا اما بعد زہری کے ساتھ ابومعاویہ اور ابواسامہ نے بہ سند عن ہشام عن ابیہ عن ابی حمید یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اما بعد فرمایا، اور محمد بن یحییٰ عدنی نے سفیان سے اما بعد کی روایت میں ابوالیمان کی متابعت کی ہے، حضرت مسور بن مخرمہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے تو میں نے سنا کہ جب آپ نے تشہد پڑھا تو اس کے بعد اما بعد فرمایا، محمد بن ولید زبیدی نے زہری سے اس حدیث کی نقل میں شعیب کی متابعت کی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (مرض الوفات میں) منبر پر چڑھ کر بیٹھے اور یہ آپ کا منبر پر آخری مرتبہ بیٹھنا تھا صورت یہ تھی کہ آپ اپنے شانوں پر چادر ڈالے ہوئے تھے اور سر مبارک پر آپ نے سیاہ کپڑا باندھ رکھا تھا، پھر آپ نے اللہ کی حمد اور ثنا بیان کی پھر آپ نے فرمایا اے لوگو! میرے قریب آجاؤ، چنانچہ لوگ تیزی کے ساتھ آپ کے پاس جمع ہوگئے، پھر آپ نے فرمایا اما بعد بے شک انصار کا یہ قبیلہ تعداد میں کم ہوجائے گا اور دوسرے حضرات کی تعداد زیادہ ہوجائے گی، تو جو شخص امت محمد ﷺ میں کسی چیز کا حاکم ہو اور وہ اس بات پر قادر ہو کہ کسی کو نقصان یا نفع پہنچا سکے تو اس کو چاہیئے کہ انصار کے نیک لوگوں کی نیکیاں قبول کرے اور ان کے برے لوگوں کی برائی سے درگذر کرے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ خطبہ کا ایک خاص طریقہ ہے کہ خطیب، اصل مقصد کو شروع کرنے سے پہلے خدا کی حمد وثنا کرے، حمد وثنا کے بعد اما بعد کہے کہ یہ فصلِ خطاب ہے، فصل کے معنی ہیں جدا کرنا، خطیب نے "اما بعد" کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے پہلے خدا کی حمد وثنا تھی اور حدّ فاصل کے بعد اب جو بات کہی جائے گی، اس کا تعلق سامعین سے ہے، امام بخاریؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ طریقہ قدیم سے چلا آرہا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت داؤد کے بارے میں و آتیناہ الحکمة وفصل الخطاب (سورۂ ص: آیت: ۲۰) فرمایا گیا ہے اور فصل الخطاب سے اما بعد بھی مراد لیا گیا ہے، گویا اس لفظ کی ابتداء حضرت داؤد علیہ السلام سے ہوئی ہے اور چونکہ پیغمبر علیہ السلام نے اس کو برقرار رکھا اور آپ کا معمول بھی یہی رہا اس لئے اما بعد کو خطبہ کی سنت سمجھنا چاہیئے۔

امام بخاریؒ نے پہلے ترجمہ کے ثبوت میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت تعلیقاً ذکر فرمائی ہے، جو اسی باب کے آخر میں موصولاً مذکور ہے، پھر اپنے مقصد کے ثبوت میں چھ روایات ذکر کی ہیں۔

تشریح حدیثِ اول پہلی روایت تشریح کے ساتھ ایضاح، جلد اول میں (حدیث نمبر ۸۶ پر) گذر چکی ہے، مگر روایتِ باب میں چند اضافے ہیں، پہلا اضافہ یہ ہے کہ یہاں الی جنبی قربة فیها ماء فلفتحتها ہے جو وہاں نہیں تھا کہ پہلے حضرت اسماء نے مشکیزہ کا منہ کھولا، پھر سر پر پانی ڈالا اور یہ بہ ظاہر عمل کثیر معلوم

ہوتا ہے جس کی نماز میں اجازت نہیں، اس لئے یا تو رواۃ کی تعبیرات کا تنوع قرار دیا جائے کہ اکثر روایات میں صرف سر پر پانی ڈالنے کا ذکر ہے، مشکیزہ کھولنے کا نہیں، اور اگر مشکیزہ کھولنے کو ثابت ماننا جائے تو کہنا ہوگا کہ اس کو ایک ہاتھ سے کھولا ہوگا اور اس کے دہانہ پر کمر بند کی طرح ڈیڑھ گرہ لگی ہوگی کہ ایک ہاتھ سے اس کو کھینچ دیا اور وہ کھل گیا نیز یہ کہنا ہوگا کہ جتنے افعال غشی کے علاج کے طور پر کئے گئے وہ پے در پے نہیں تھے، امام نوویؒ نے لکھا ہے ھذا محمول علی انها لم تکثر افعالها متوالية لان الافعال اذا کثرت متوالية ابطلت الصلاة .

دوسرا اضافہ وہ ہے جس سے امام بخاری کا مقصدِ ترجمہ متعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسوف کے موقع پر خطبہ دیا اور اس میں حمد الله بما هو اهله ثم قال اما بعد، پہلے خدا کی حمد و ثنا کی، پھر اما بعد کا فصل کیا، پھر خطبہ کے وہ مضامین بیان فرمائے جن سے مطلع کرنا تھا۔

تیسرا اضافہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت منذر نے حضرت اسماء سے نقل کرتے ہوئے کافر اور منافق پر عذاب کی جس شدت کا ذکر کیا تھا وہ ہشام کو یاد نہیں رہی، لیکن یہاں تو صرف اما بعد سے بحث ہے جو ثابت ہے۔

تشریح روایتِ دوم دوسری روایت کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے کچھ مال آیا جسے آپ نے اپنے اختیار سے تقسیم فرما دیا، کچھ لوگوں کو دیا، کچھ کو نہیں دیا، گویا مولفۂ قلوب کی رعایت فرمائی، مولفۂ قلوب وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اسلام نہیں لائے ہیں لیکن ان کا اسلام متوقع ہے یا اسلام لے آئے ہیں لیکن ابھی تک اسلام سے ان کا تعلق بہت زیادہ مستحکم نہیں ہے، اگر ان پر کوئی افتاد پڑ جائے تو شیطان کو ان کے اغواء کا موقع مل جاتا ہے اور اندیشہ رہتا ہے کہ وہ اسلام سے دست بردار نہ ہو جائیں، اس لئے ان کی امداد کی جاتی ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک حضور ﷺ کی وفات کے بعد مصارفِ زکوۃ میں مولفۂ قلوب کی مد باقی نہیں ہے۔

بہر حال آپ نے بعض لوگوں کو دیا، بعض کو نہیں دیا، بعض حضرات کو آپ کا نہ دینا محسوس ہوا، یہ بات آپ کے علم میں آئی تو آپ نے خطبہ دیا جس میں پہلے خدا کی حمد و ثنا کی، پھر امـا بـعـد فرمایا، پھر اصل مضمون بیان کیا کہ جن لوگوں کو اس وقت دیا گیا ہے وہ ان کی بے صبری و بے چینی کی وجہ سے تالیفِ قلب کے طور پر دیا گیا ہے، اور جنھیں نہیں دیا گیا ہے وہ میرے نزدیک ان لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں جنھیں دیا گیا ہے، کیونکہ نہ دینے کی وجہ ان لوگوں میں پائے جانے والے اوصافِ حمیدہ ہیں کہ خدا نے ان کے دلوں میں بے نیازی، غنائے نفس اور فطری خیر ودیعت فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ اس طرح کی چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور انہی اوصافِ حمیدہ رکھنے والوں میں ایک عمرو بن تغلب بھی ہیں، چنانچہ حضرت عمرو بن تغلب نے اپنا دلی تاثر یہ ظاہر فرمایا کہ مجھے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت کے مقابلہ پر محبوب ہے، کیونکہ دنیا کی ہر نعمت فانی ہے والآخرة خير وابقى اور آخرت کی ہر نعمت سر تا پا خیر اور باقی رہنے والی ہے، یہ تو تھا روایت کا مضمون، لیکن امام بخاری کا مقصد صرف اما بعد سے متعلق ہے جس کا ثبوت ظاہر ہے۔

تشریح روایتِ سوم و چہارم تیسری روایت کا مضمون ایضاح: ج:۴ (حدیث نمبر ۷۲۹ پر) گذر چکا ہے، مگر روایت باب میں **اقبل علی الناس فتشهد ثم قال اما بعد** کا اضافہ ہے جس سے بخاری کا مقصد ثابت ہے چوتھی روایت یہاں مختصر ہے، کتاب الاحکام میں مفصل روایت آئے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن اللتبیہ کو بنوسلیم کے صدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجا تھا، وہ واپس آئے اور عرض کیا کہ اتنا بیت المال کا ہے اور اتنا مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، اس موقع پر حضور ﷺ نے خطبہ دیا، حمد وثنا کے بعد **اما بعد** کہا، پھر فرمایا **انی استعمل رجالا منکم علی امور الخ** کہ میں لوگوں کو بعض کاموں پر مامور کرتا ہوں تو وہ آکر ایسا اور ایسا کہتے ہیں، **هلا جلس فی بیت امه او بیت ابیه حتی تاتیه هدیته** وہ اپنے ماں اور باپ کے گھر میں بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھتے کہ کیا ہدیہ آتا ہے وغیرہ، اس روایت سے بھی خطبہ میں پہلے حمد وثنا، پھر **اما بعد** پھر اصل مضمون کا بیان ثابت ہے۔

تشریح روایتِ پنجم پانچویں روایت حضرت مسور بن مخرمہ کی ہے اور یہاں بہت مختصر ہے، یہ کئی جگہ آئے گی، حضرت مسورؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے، حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں ہونے کے باوجود، ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دیا، تو حضرت فاطمہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا **یزعم قومك انك لا تغضب لبناتك**، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ اپنی بیٹیوں کے فائدے میں غضب سے کام نہیں لیتے، دیکھئے کہ علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دیا ہے، چنانچہ اس موقع پر حضور ﷺ نے خطبہ دیا، حمد وثنا کے بعد **اما بعد** کہا، پھر فرمایا **ان فاطمة بضعة منی الخ** کہ فاطمہ میرے بدن کا ایک ٹکڑا ہے اس کے ساتھ برائی کرنا مجھے سخت ناگوار ہے، بخدا اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہ ہوں گی، چنانچہ حضرت علیؓ نے ارادہ ختم فرمادیا، اس روایت میں بھی **اما بعد** آگیا۔

تشریح روایتِ ششم چھٹی روایت پیغمبر علیہ السلام کے آخری خطبہ سے متعلق ہے کہ آپ مرض الوفات میں اس شان سے مسجد میں تشریف لائے کہ چادر، دوش مبارک پر پڑی تھی اور سرِ مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ یا پٹی بندھی ہوئی تھی، **عصابة** کا لفظ ہے جس سے عمامہ یا پٹی دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں، **دسمة** کے معنی ہیں کالا، اس کا اصل رنگ کالا رہا ہو یا کثرتِ استعمال یا تیل وغیرہ کی وجہ سے سیاہی آگئی ہو، بہر حال آپ اس حال میں تشریف لائے، منبر پر بیٹھ گئے، پہلے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر حاضرین سے فرمایا اِلَـیَّ، میرے قریب آجایئے، سب لوگ قریب آگئے تو آپ نے فرمایا **امـا بـعد**، پھر اصل مضمون بیان فرمایا جس میں انصار کے حقوق کی تلقین تھی اشارہ تھا کہ میں رخصت ہو رہا ہوں اور میری جگہ منتخب ہونے والے خلیفہ کو ان باتوں کو خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

فرمایا، دیکھو یہ انصار یعنی اوس وخزرج کے قبیلے وہ ہیں جنھوں نے امتحان کے وقت میں اسلام کی سربلندی کے لئے جانی و مالی قربانیاں پیش کی ہیں، آئندہ وہ وقت آنے والا ہے کہ دوسرے لوگ اسلام میں داخل ہوں گے اور انصار کا

عددی تناسب کم ہوتا چلا جائے گا، آج سو اور پچاس کی نسبت ہے تو آئندہ سو اور دس کی نسبت ہو جائے گی، پھر اس سے بھی کم، یہاں تک کہ بخاری ہی کی بعض روایات میں حتی یکونوا فی الناس بمنزلۃ الملح فی الطعام مذکور ہے کہ انصار کا عددی تناسب اتنا گھٹ جائے گا کہ وہ کھانے میں نمک کے برابر رہ جائیں گے، جب ایسا زمانہ آئے تو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اب تو اسلام کے بے پناہ شیدائی پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے اب انصار کی کیا اہمیت ہے؟ اور ان کے حقوق کی نگہداشت کی کیا ضرورت ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جو شخص امت میں حاکم بنایا جائے اور کسی کو نفع یا ضرر پہنچانا اس کے اختیار میں ہو تو اس کو انصار کے حقوق کا لحاظ کرنا ضروری ہوگا، انصار میں دو قسم کے لوگ ہوں گے، ایک محسن، یعنی احسان و اخلاص کے ساتھ اسلام کی خدمت انجام دینے والے، ان کی قدر دانی ضروری ہے اور دوسرے مسیء یعنی کوتاہی کرنے والے، اگر ان سے معمولی غلطی ہو جائے تو فوراً حق تلفی پر اتر آنے کی اجازت نہیں، جہاں تک شرعاً گنجائش ہو ان سے درگذر کیا جائے، البتہ اگر ان سے وہ باتیں صادر ہوں جن پر شریعت نے حدود مقرر کی ہیں تو ان سے مواخذہ کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اما بعد کے ثبوت میں چھ روایتیں ذکر فرمائی ہیں، اور ان سب میں حضور علیہ السلام کے خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد اما بعد مذکور ہے، بات تو اتنی زیادہ اہم نہیں تھی، لیکن امام بخاریؒ نے مقصد کے ثبوت کو بہت زیادہ اہمیت دی اور کئی روایتیں پیش کر دیں، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روایات میں سے ایک روایت بھی خطبۂ جمعہ سے متعلق نہیں ہے، گویا امام بخاریؒ کے پاس خطبۂ جمعہ میں اما بعد کے ثبوت کے لئے اپنی شرائط کے مطابق کوئی روایت نہیں تھی، اس لئے انہوں نے مختلف مواقع کے خطبات سے متعلق وہ روایات جمع کر دیں جن میں اما بعد ہے، اور اس طرح امام بخاریؒ نے یہ ظاہر کر دیا کہ پیغمبر علیہ السلام اپنے خطبات میں بالعموم اما بعد کا استعمال فرماتے تھے، اس لئے جمعہ کے خطبہ میں بھی اس کا مسنون ہونا ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم

[۲۹] بَابُ الْقَعْدَةِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۹۲۸) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا ۔ (گذشتہ: ۹۲۰)

ترجمہ | باب، جمعہ کے دن دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن دو خطبہ دیتے تھے، ان کے درمیان بیٹھتے تھے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث | بیان کرتے ہیں کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا چاہیئے، یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دیا جاتا ہے، اس لئے خطبوں کے درمیان حدّ

فاصل کے طور پر قعود کو اختیار کیا گیا، حد فاصل کا مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ خطبے دو ہیں، جیسے دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ، یا رکوع وسجود کے درمیان قومہ۔

امام شافعیؒ کے یہاں یہ قعدہ واجب ہے، امام احمد کا بھی ایک قول وجوب کا ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، مشہور قول میں امام احمد اور جمہور فقہاء مسنون ہونے کے قائل ہیں، امام شافعی کے یہاں صرف یہ قعدہ ہی نہیں بلکہ خطبہ میں قیام، خطبوں کا دوعدد ہونا، اور خطبہ میں ذکر اور آیتِ قرآنی کا پڑھنا، واجبات میں سے ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک یہ چیزیں مسنون ہیں، ان تمام چیزوں کے وجوب کے لئے امام شافعیؒ نے، پیغمبر علیہ السلام کی عملی مواظبت سے استدلال کیا ہے، لیکن کچھ ہی پہلے باب الخطبة قائما، میں یہ گفتگو ہوچکی ہے کہ اس سے وجوب پر استدلال ناتمام ہے، اور یہ روایت بھی اسی باب میں گذر چکی ہے اور جس طرح امام بخاریؒ نے اُس باب میں نہ وجوب کی صراحت کی تھی اور نہ وجوب کی طرف کوئی اشارہ کیا تھا، اسی طرح اِس باب میں وجوب کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

[۳۰] بَابُ الْاِسْتِمَاعِ اِلَی الْخُطْبَةِ

(۹۲۹) حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَغَرِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِکَةُ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ یَکْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ کَمَثَلِ الَّذِیْ یُهْدِیْ بَدَنَةً ثُمَّ کَالَّذِیْ یُهْدِیْ بَقَرَةً ثُمَّ کَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَیْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَیَسْتَمِعُوْنَ الذِّکْرَ۔ (آئندہ: ۳۲۱۱)

ترجمہ باب، خطبہ کو غور سے سننے کا بیان۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ یہ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے فلاں شخص آیا، پھر فلاں آیا اور سب سے پہلے آنے والے کی مثال، اس شخص کی طرح ہے جس نے اونٹ کی نذر پیش کی، پھر اس شخص کی طرح جس نے گائے کی نذر پیش کی پھر مینڈھے کی، پھر مرغی کی، پھر انڈے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو وہ اپنے صحیفے بند کردیتے ہیں اور خطبہ کو غور سے سنتے ہیں۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث فرماتے ہیں کہ خطیب، خطبہ شروع کردے تو حاضرین کے لئے تمام کام بند کرکے کانوں کو خطبہ کے لئے جھکا دینا ضروری ہے، اگر سامعین ادھر متوجہ نہ ہوں گے تو وہ خطبہ کس کو سنائے گا اور خطبہ کا کیا فائدہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ خطبہ کا سننا واجب ہے اور بات چیت کرنا حرام ہے۔ امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی تھا، البتہ امام شافعیؒ قول جدید میں

سنت ہونے کے قائل ہیں، گویا اس قول کے مطابق کلام حرام نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے، امام بخاریؒ کے ترجمہ میں وجوب یا سنیت کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

اسی طرح کی روایت باب فضل الجمعة میں تشریح کے ساتھ گذر چکی ہے، یہاں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ جب فرشتے -جو مکلف بھی نہیں ہیں- ان کا عمل یہ ہے کہ جب تک خطبہ شروع نہیں ہوتا اس وقت تک وہ آنے والوں کے نام بہ قید ولدیت لکھتے رہتے ہیں اور جب خطیب آجاتا ہے تو وہ دفتر لپیٹ کر خطبہ سننے کے لئے آجاتے ہیں، جب فرشتوں کا یہ حال ہے تو انسان جسے خدا نے مکلف قرار دیا ہے اور اس کی جمعہ میں حاضری کا مقصد ہی یہ ہے تو اس کے حق میں استماع کس قدر ضروری ہوگا؟ استدلال بڑا پاکیزہ ہے، بقیہ مباحث گذر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

[۳۱] بَابُ اِذَا رَأَى الْإِمَامُ رَجُلًا جَآءَ وَهُوَ يَخْطُبُ اَمَرَهٗ اَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ

(۹۳۰) حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ اَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ فَقَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْ۔ (آئندہ: ۹۳۱، ۱۱۶۶)

ترجمہ باب، اگر امام کسی شخص کو خطبہ کے دوران آتے ہوئے دیکھے تو اس کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دے، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور رسول اللہ ﷺ لوگوں کو جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے فلاں! کیا تم نے نماز پڑھ لی، تو اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ خطبہ کی حالت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق یا اختیار صرف امام کو ہے، مثلاً کوئی شخص خطبہ کے وقت مسجد میں داخل ہوا اور اس نے وہ عمل جو آنے سے پہلے کر لینے کا ہوتا ہے نہیں کیا تو امام کو امر بالمعروف کا حق ہے، حاضرین کو ان چیزوں کا حق نہیں، حاضرین کے لئے تو اذا قلت لصاحبك انصت فقد لغوت فرمایا گیا ہے، کہ وہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرتے ہیں تو وہ ثواب سے محروم ہو جائیں گے، اس ترجمہ کا مقصد اتنا ہی معلوم ہوتا ہے۔

روایت میں آیا کہ حضرت سلیکؓ غطفانی مسجد میں داخل ہوئے، نبی کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ نے اسی حالت میں فرمایا نماز پڑھ کر آئے ہو؟ عرض کیا نہیں! فرمایا اب پڑھ لو، معلوم ہوا کہ امام کو تنبیہ کا حق ہے، اس سے پہلے یہ روایت بھی گذر چکی ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے، اسی دوران حضرت عثمانؓ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا ایة ساعة هذه ؟ یہ آنے کا کیا وقت ہے؟ معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت امام کو کلام کرنے کی اجازت ہے۔ واللہ اعلم

[۳۲] بَابُ مَنْ جَآءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ

(۹۳۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرًا قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ اَصَلَّيْتَ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ.

(گذشتہ: ۹۳۰)

ترجمہ باب، جو شخص امام کے خطبہ کے دوران آئے وہ ہلکی قراءت سے دو رکعتیں پڑھ لے، حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو اس سے آپؐ نے کہا، کیا تم نے نماز پڑھ لی، اس نے جواب دیا نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم کھڑے ہو جاؤ پھر دو رکعتیں پڑھ لو۔

مقصد ترجمہ اب اسی طرح کا دوسرا ترجمہ منعقد فرمادیا مگر اس میں اَمَــرَہٗ نہیں ہے کہ امام اس کو نماز پڑھنے کا حکم دے، بلکہ صلی رکعتین خفیفتین ہے، کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو آنے والے کو چاہیئے کہ وہ مختصر قراءت سے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ لے، کیونکہ اس روایت کے بعض طرق میں ولیتجوز فیھما ہے، اس لئے امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں رکعتین کے ساتھ خفیفتین کی قید بڑھادی، پہلا ترجمہ امام سے متعلق تھا کہ وہ نماز کا حکم دے اور دوسرا ترجمہ آنے والے سے متعلق ہے کہ خود اس کو نماز پڑھنی چاہیئے۔

امام بخاری نے اس ترجمہ میں ہر آنے والے کے لئے خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کا جواز بیان کیا ہے، یہی مذہب امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحاق، مکحول، ابو ثور اور بعض فقہاء کا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری، امام نخعی، قتادہ، زہری قاضی شریح وغیرہ خطبہ کے دوران اس کے جواز کے قائل نہیں، جمہور صحابہ وتابعین کا بھی یہی مذہب ہے، صحابہ کرام میں حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس وغیرہ کے نام ہیں، امام بخاری کا ترجمۃ الباب شوافع وغیرہ کی موافقت میں ہے۔

امام بخاریؒ کے دلائل امام بخاریؒ نے اپنے موقف پر استدلال کے لئے یہاں صرف حضرت سلیکؓ غطفانی کے واقعہ سے متعلق حضرت جابرؓ کی روایت پیش کی ہے، اس روایت کے الفاظ سے بہ ظاہر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت سلیکؓ خطبہ کے دوران آئے تھے اور اسی حالت میں حضور ﷺ نے ان کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا جو تحیۃ المسجد ہی کی ہو سکتی ہیں، اس لئے خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کا جواز معلوم ہو گیا۔

یہ تو ایک جزئی واقعہ ہوا جس میں خصوصیت کا بھی امکان ہے، لیکن اسی کے ساتھ ایک دوسری روایت ہے جس میں ہر آنے والے کے لئے یہی حکم بیان کیا گیا ہے، وہ روایت امام بخاریؒ نے یہاں پیش نہیں کی لیکن وہ بھی صحیح بخاری ہی میں باب ما جآء فی التطوع مثنی مثنی کے تحت مذکور ہے، الفاظ یہ ہیں۔

قال رسول اللہ ﷺ وھو یخطب، اذا جاء احدکم والامام یخطب او قد خرج فلیصل رکعتین. (ج:۱،ص:۱۵۶)

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اگر اس حالت میں آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو یا خطبہ کے لئے نکل چکا ہو تو اس کو دو رکعت پڑھنی چاہیئے۔

اس روایت میں جزئی واقعہ کا بیان نہیں بلکہ اصولی طور پر ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ خطبہ کے دوران یا امام کے خطبہ کے لئے تیار ہو جانے کے باوجود آنے والے ہر شخص کو دو رکعت نماز پڑھنی چاہیئے امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ان دلائل پر مبنی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ حنفیہ، مالکیہ اور جمہور کے کیا دلائل ہیں اور وہ ان دلائل کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

جمہور کے چند دلائل جمہور کہتے ہیں کہ خطبہ کا سننا فرض ہے اور خطبہ کے دوران ہر ایسے کام کی ممانعت ہے جو خطبہ کے استماع میں خلل انداز ہو، چند باب پہلے امام بخاریؒ نے باب الاستماع الی الخطبة میں روایت پیش کی تھی کہ امام کے نکلتے ہی فرشتے بھی اپنے دفتر لپیٹ کر خطبہ سننے کے لئے آجاتے ہیں، اور صرف اتنی ہی بات نہیں بلکہ اس کے ثبوت میں جمہور کے پاس متعدد مضبوط دلائل ہیں، مثلاً:

(۱) چند باب کے بعد باب الانصات یوم الجمعة میں امام بخاریؒ ایک روایت ذکر کریں گے اذا قلت لصاحبك انصت والامام یخطب فقد لغوت، کہ اگر امام کے خطبہ کے دوران تم نے اپنے برابر والے سے انصت بھی کہہ دیا تو تم نے لغو کام کیا، غور کرنے کی بات ہے کہ جب خطبہ کے دوران امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بھی روک دیا گیا جب کہ وہ واجبات میں سے ہے اور وہ کام بہت کم وقت میں ہو سکتا ہے، تو تحیۃ المسجد کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے جبکہ وہ محض نوافل میں سے ہے اور اس میں وقت بھی زائد خرچ ہوتا ہے۔

(۲) بخاری ہی میں ایک روایت گذری کہ حضرت عثمان غنیؓ ایسے وقت مین مسجد میں داخل ہوئے کہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے، حضرت عمرؓ نے تاخیر سے آنے پر، نیز غسل نہ کرنے پر تنبیہ فرمائی، لیکن تحیۃ المسجد پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں آیا، معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد کی اہمیت غسل سے بھی کم ہے۔

(۳) بخاری ہی میں باب فضل الجمعة میں روایت گذری جس میں غسل، طہارت وغیرہ حاصل کر کے حاضر ہونے والے کے بارے میں فرمایا گیا، فصلی ما کتب له ثم اذا خرج الامام انصت غفرله ان آداب کی رعایت کے بعد وہ مسجد میں حاضر ہو کر نمازیں پڑھے اور جب امام اپنی جگہ سے نکل کر منبر کی طرف آئے تو وہ سب کام ترک کر کے ہمہ تن گوش ہو جائے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے، تحیۃ المسجد پڑھنے کی اجازت دی جائے تو ہمہ تن گوش کیسے ہو سکتا ہے، مسند احمد کی روایت میں اس کو پوری وضاحت اس طرح ہے فان لم یجد الامام خرج صلی

ما بدا له، وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت، مسجد میں پہنچ کر یہ دیکھے کہ امام اگر ابھی نکل کر نہیں آیا ہے تو نمازیں پڑھتا رہے اور اگر یہ دیکھے کہ امام نکل آیا ہے تو پھر اس کو بیٹھ جانا چاہیئے اور استماع وانصات اختیار کرنا چاہیئے، گویا نماز کی ممانعت ہے۔

(۴) نسائی اور طحاوی وغیرہ میں حضرت عبداللہؓ بن بسر کی روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اجلس فقد آذیت، تم بیٹھ جاؤ کہ تم لوگوں کے لئے اذیت کا سبب بن رہے ہو، یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے اور انہوں نے روایت کو صحیح علی شرط مسلم کہا ہے، ذہبی نے اس کی توثیق کی ہے، طریقۂ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے بیٹھنے کے لئے فرمایا، تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

(۵) طبرانی میں ابن عمرؓ کی روایت ہے، جس کے بعض راویوں پر کلام بھی ہے، لیکن وہ روایت درجۂ حسن کی ضرور ہے اذا دخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلاۃ ولا کلام حتی یفرغ الامام، مضمون بالکل واضح ہے کہ امام کے منبر پر آنے کے بعد نماز اور کلام وغیرہ کی اجازت نہیں ہے۔

(۶) پھر یہ کہ صحابۂ کرامؓ کا تعامل بھی انہی روایات کے مطابق ہے، موطا امام مالک میں ابن شہاب زہری، حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرظی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں معمول یہ تھا کہ حاضرین، حضرت عمرؓ کے آنے سے پہلے نمازوں میں مشغول رہتے تھے اور جب حضرت عمر منبر پر آجاتے تھے تو حضرت ثعلبہ کہتے ہیں انصتنا فلم یتکلم منا احد، ہم سب بالکل ہمہ تن گوش ہوجاتے اور بات چیت قطعاً ختم ہوجاتی، اس کے بعد ابن شہاب زہری فرماتے ہیں فخروج الامام یقطع الصلاۃ وکلامه یقطع الکلام کہ امام کے منبر پر آنے کے بعد نماز کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور خطبہ شروع ہونے پر گفتگو ختم ہوجاتی ہے، ظاہر ہے کہ ابن شہاب زہری اپنی رائے بیان نہیں کررہے ہیں بلکہ وہ صحابۂ کرامؓ کا تعامل بیان فرمارہے ہیں اور تحیۃ المسجد پڑھنے والے کسی ایک فرد کا بھی نام ذکر نہیں فرمارہے ہیں۔

(۷) حضرت ثعلبہ بن ابی مالک القرظی سے، دوسری سند سے بالکل اسی طرح کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے قال ادرکت عمرو عثمان فکان الامام اذا خرج ترکنا الصلاۃ فاذا تکلم ترکنا الکلام، اس روایت میں اتنی بات اور زائد ہے کہ یہ تعامل حضرت عمرؓ کے دور کا تو ہے ہی، حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی اسی کے مطابق عمل ہوتا رہا ہے۔

(۸) پھر یہ کہ اس تعامل کی نقل میں صرف اجمال سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ، طحاوی اور دوسری کتابوں میں صحابہ وتابعین کے دسیوں ناموں کی صراحت کے ساتھ یہ بات نقل کی گئی ہے وہ امام کے خطبہ کے دوران نماز کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ بعض صحابۂ کرامؓ سے تو اس سلسلے میں سخت الفاظ منقول ہیں جیسے حضرت عقبہ بن

عامر سے امام طحاوی نے الصلاۃ و الامام علی المنبر معصیۃ نقل کیا ہے کہ امام کے منبر پر آنے کے بعد نماز پڑھنا معصیت ہے وغیرہ۔

حضرت سلیکؓ کا واقعہ خطبۂ جمعہ کے دوران، تحیۃ المسجد کے عدم جواز پر پیش کئے گئے ان چند دلائل اور تعامل صحابہ کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے مقصد کے ثبوت میں حضرت سلیکؓ غطفانی کے جس واقعہ سے استدلال کیا ہے، جمہور اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ پورے ذخیرۂ حدیث میں خطبۂ جمعہ کے دوران نماز پڑھنے کا حکم حضرت سلیکؓ کے علاوہ کسی کو نہیں دیا گیا، غور طلب بات یہ ہے کہ جمعہ کی نماز اور خطبہ ہر ہفتہ کا معمول ہے، حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں پانچ سو سے زیادہ مرتبہ جمعہ پڑھایا ہے، اب یہ کیسے سمجھا جائے کہ ہر جمعہ کو تمام حضرات آپ کے خطبہ سے پہلے پہنچ کر تحیۃ المسجد پڑھ لیا کرتے تھے، اور صرف حضرت سلیک ہی وہ فردِ واحد ہیں جن سے تاخیر ہوگئی اور آپؐ کو خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دینا پڑا، ظاہر ہے کہ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے، اس لئے حضرت سلیک کے اس خصوصی واقعہ پر غور کرنا ضروری ہے چنانچہ جمہور نے اس پر کئی طرح غور کیا ہے۔

ا۔ واقعہ تحیۃ المسجد کا ہے یا سنتوں کا پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات آج تک محقق نہ ہوسکی کہ جس نماز کے بارے میں حضرت سلیکؓ کو تنبیہ کی گئی وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں یا جمعہ سے پہلے کی دو سنتیں، کیونکہ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت میں اصلیت رکعتین قبل ان تجیء آیا ہے، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، عراقی نے اس کی تصحیح کی ہے، مطلب یہ ہے کہ مسجد میں آنے سے پہلے کی نماز کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے، اور تحیۃ المسجد کی نماز مسجد میں آنے کے بعد پڑھی جاتی ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ سوال سنتوں کے بارے میں ہی ہوسکتا ہے۔

ابن ماجہ کی اس روایت کے مطابق، اس واقعہ کا تحیۃ المسجد سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ اور ابوالحجاج مزی کو یہ کہنا پڑا کہ یہاں کاتب سے تصحیف ہوگئی، اصل میں قبل ان تجلس تھا، خطِ شکست میں پڑھنے میں غلطی ہوجاتی ہے اس لئے کسی راوی نے قبل ان تجیء پڑھ لیا، لیکن ان حضرات کا یہ کہنا محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی ہے، جب کہ امام اوزاعی اور امام اسحاق بن راہویہ نے اپنے مذہب کی بنیاد اسی روایت پر رکھی ہے، ان کا مذہب یہ ہے کہ آنے والا اگر سنتیں پڑھ کر نہ آیا ہو تو اس کو خطبہ کے دوران پڑھنے کی اجازت ہے اگر روایت میں تصحیف یا کسی اور طرح کی کمزوری ہوتی تو یہ ائمہ اس پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم نہ فرماتے۔

نیز یہ کہ ان رکعتوں کے جمعہ کی سننِ قبلیہ ہونے کا ایک قرینہ خود حضور ﷺ کا سوال بھی ہے کہ آپ منبر پر بیٹھے ہیں، مسجد بہت بڑی نہیں ہے کہ آنے والوں کی حالت معلوم نہ ہو، آپؐ ہمیشہ صحابۂ کرامؓ کے احوال پر نظر بھی رکھتے

ہیں، آپؐ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک صاحب تاخیر سے داخل ہو رہے ہیں، ظاہر ہے کہ انہوں نے نماز تحیۃ المسجد نہیں پڑھی ہے، پھر تحیۃ المسجد کے بارے میں سوال کا کیا موقع ہے؟ سوال تو اسی وقت معقول ہو سکتا ہے جب اسے تحیۃ المسجد کے علاوہ کسی اور نماز سے متعلق مانا جائے اور وہ جمعہ کی سنن قبلیہ ہی ہو سکتی ہیں، چنانچہ امام نسائی نے سنن کبریٰ میں حضرت سلیکؓ کی روایت پر **باب الصلاۃ قبل الخطبۃ** کا عنوان قائم کیا ہے، بہر حال روایت سے تحیۃ المسجد پر استدلال کرنے کے لئے اس احتمال کو ختم کرنا ضروری ہے۔

۲۔ مقصد نماز کی اہمیت کا بیان ہے یا تاخیر سے آنے پر تنبیہ

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اس بات پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا مقصد، تحیۃ المسجد یا سنن قبلیہ کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنا تھا یا تاخیر سے آنے پر تنبیہ کے لئے ایسا کیا گیا ہے، صحیح ابن حبان کی روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاخیر سے آنے پر تنبیہ مقصود ہے، روایت میں فرمایا گیا ہے **ارکع رکعتین ولا تعودن لمثل ھذا فرکعھما ثم جلس قال ابن حبان اراد بہ الابطاء**، دو رکعتیں پڑھ لو اور آئندہ ہرگز ایسا نہ کرنا، چنانچہ حضرت سلیکؓ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر بیٹھ گئے، ابن حبان نے کہا کہ آپ کا مقصد تاخیر سے آنے پر تنبیہ تھا، یعنی مقصد یہ تھا کہ آج تو ہم خطبہ کو موقوف کر کے نماز پڑھ لینے کا موقع دے رہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہو سکتا، اس لئے آئندہ ایسے وقت میں آنا چاہیئے کہ سنن قبلیہ یا تحیۃ المسجد امام کے آنے سے پہلے ادا ہو جائیں۔

ان دونوں صورتوں میں حضرت سلیکؓ کے واقعہ سے خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کی مشروعیت پر استدلال ختم ہو جاتا ہے اور ہمارا مقصد بھی یہ نہیں ہے کہ جو معنی ہم بیان کر رہے ہیں وہی متعین ہیں بلکہ منشا صرف یہ ہے کہ جب تک ان احتمالات کو ختم نہ کر دیا جائے اس وقت تک دوران خطبہ تحیۃ المسجد کی مشروعیت ثابت نہیں کی جا سکتی جب کہ ان احتمالات کا ختم کرنا مشکل ہے کہ یہ بھی صحیح روایات پر مبنی ہیں۔

۳۔ خطبہ شروع ہوا تھا یا نہیں

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ان تمام باتوں سے صرف نظر کر کے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقعہ تحیۃ المسجد ہی سے متعلق ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ خطبہ شروع ہو گیا تھا یا نہیں، متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا، مسلم شریف کی روایت میں ہے **جاء سلیک الغطفانی یوم الجمعۃ ورسول اللہ ﷺ قاعد علی المنبر الخ** جب حضرت سلیک آئے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، شوافع کو سوچنا چاہیئے کہ ان کے یہاں تو خطبہ میں قیام فرض ہے، اس لئے آپؐ کے بیٹھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ابھی خطبہ شروع نہیں ہوا تھا، حافظ ابن حجرؒ نے یہاں بات بنانے کی کوشش کی ہے کہ یہ بیٹھنا دونوں خطبوں کے درمیان بھی ہو سکتا ہے، لیکن ایک بات تو یہ کہ ایسا مراد لینا خلاف ظاہر ہے، دوسرے یہ کہ وہ بیٹھنا تو بہت مختصر ہوتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ اس مختصر وقفہ میں دو رکعتیں بھی ہو جائیں، صدقہ کی تلقین بھی ہو جائے اور اس پر عمل

بھی ہو جائے وغیرہ۔

نسائی کی روایت میں بھی یخطب کا لفظ نہیں ہے، صرف والنبی علیہ السلام علی المنبر یوم الجمعة (ج:ا رص: ۲۰۷) ہے، اس روایت سے بھی اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ منبر پر پہنچ چکے تھے، خطبہ کا اس میں ذکر نہیں، اس کے علاوہ بھی ایسی روایات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی خطبہ شروع نہیں ہوا تھا۔

۴۔ خطبہ موقوف کیا گیا چوتھی بات یہ ہے کہ اگر خطبہ شروع ہو گیا تھا تو یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت سلیک کو نماز پڑھنے کا حکم دیا تو خطبہ جاری رہا یا اس کو موقوف فرما دیا، اس طرح کی بھی متعدد روایات ہیں جن سے خطبہ کا موقوف کرنا معلوم ہوتا ہے، سنن دار قطنی میں ہے امسك عن الخطبة حتى فرغ من صلوته کہ حضور علیہ السلام جب حضرت سلیکؓ سے مخاطب ہوئے تو آپ نے خطبہ روک دیا یہاں تک کہ سلیکؓ نماز سے فارغ ہو گئے یہ روایت دار قطنی نے مرفوعاً و مرسلاً دونوں طرح ذکر کی ہے اور انہوں نے مرسل کو صحیح قرار دیا ہے، مرسل حنفیہ و مالکیہ کے یہاں تو حجت ہے ہی لیکن شوافع کے یہاں بھی اگر کسی دوسرے طریق سے اس کی تائید آ جائے تو حجت ہے، یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی دوسرے طریق سے مرسلاً آئی ہے، ان النبي علیہ السلام حيث امره ان يصلى امسك عن الخطبة حتى فرغ من ركعتيه ثم عاد الى خطبته کہ جب حضور علیہ السلام نے سلیکؓ کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تو خطبہ روک دیا یہاں تک کہ وہ دو رکعتوں سے فارغ ہو گئے، پھر آپ نے خطبہ دوبارہ شروع کیا، گویا یہ روایت حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی حجت ہے اور شوافع کے اصول کے مطابق بھی قابلِ استدلال ہے۔

۵۔ والامام یخطب مجاز پر محمول ہے مذکورہ بالا تشریحات کے مطابق حضرت سلیکؓ کے واقعہ میں جمہور کے خلاف کوئی مواد نہیں ہے، لیکن یہ تشریح، ان تمام روایات سے بہ ظاہر متعارض ہے جن میں جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله علیہ السلام يخطب فرمایا گیا ہے، اس لئے پانچویں بات یہ ہے کہ اگر واقعہ میں تعدد ہوتا تو اس کو مختلف احوال پر محمول کیا جا سکتا تھا اور جب یہ بات طے ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے تو اب ایک صورت تو یہ ہے کہ والامام يخطب کو حقیقت پر محمول کر کے تمام دیگر روایات سے آنکھ بند کر لی جائے جیسا کہ شوافع نے کیا ہے، لیکن صحیح روایات سے صرف نظر کرنا جہاں انصاف و دیانت کے تقاضے کے خلاف ہے وہیں محدثین کے مقرر کردہ اصول کے مطابق بھی نہیں ہے۔

محدثین کا مقررہ اصول یہ ہے کہ اگر صحیح روایات میں تعارض ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تطبیق ممکن نہ ہو تو ناسخ و منسوخ ہونے پر غور کرتے ہیں اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو قرائن کی بنیاد پر کسی ایک روایت کو ترجیح دینے کی کوشش کرتے ہیں، شرح نخبۃ الفکر میں تعارض کی صورت میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے۔

فصار ما ظاهره التعارض واقعا   جن روایات میں بہ ظاہر تعارض ہو ان میں

علی هذا الترتیب، الجمع ان امکن فاعتبار الناسخ والمنسوخ فالترجیح، (شرح نخبہ ص:۵۱)

اس ترتیب سے عمل کیا جائے گا، اگر ممکن ہو تو تطبیق دیجائے پھر ناسخ اور منسوخ کا اعتبار کیا جائے، پھر ترجیح کی کوشش کی جائے۔

یہاں تطبیق بہت آسان ہے کہ والامام یخطب کو مجاز پر محمول کیا جائے، یعنی جب حضرت سلیکؓ مسجد میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ تیار ہو کر خطبہ کے لئے منبر پر آکر بیٹھ چکے تھے، پھر یہ کہ یہ تطبیق طبع زاد نہیں ہے بلکہ مسلم کی صحیح روایت ورسول الله ﷺ قاعد علی المنبر سے ماخوذ ہے، اور اس کی تائید میں متعدد روایات ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔

۶۔ یہ واقعہ خطبہ کے دوران توسع کے زمانہ کا ہے لیکن اگر محدثین کے مندرجہ بالا اصول کے مطابق تطبیق کو قبول نہ کر کے یہی معنی معین کئے جائیں کہ حضرت سلیکؓ خطبہ کے دوران آئے تھے اور آپؐ نے اسی حال میں ان کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا تو چھٹی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ اس دور کا ہے جب خطبہ کے دوران اس طرح کی چیزوں کی گنجائش تھی اور خود اسی روایت میں اس کے متعدد قرائن ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ کے احکام یکبارگی نازل نہیں ہوئے، ایک زمانہ میں جمعہ کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا، مراسیل ابوداؤد میں ہے کان رسول الله ﷺ یصلی الجمعة قبل الخطبة مثل العیدین، جمعہ کی نماز عیدین کی طرح خطبہ سے پہلے ہوتی تھی، قرآن کریم میں ترکوك قائما میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ صحابۂ کرام خطبہ کے دوران اٹھ کر چلے گئے تھے وہ اسی زمانہ میں پیش آیا تھا کہ کسی نے خطبہ کے دوران آکر یہ اطلاع دی کہ دحیہ بن خلیفہ کلبی سامانِ تجارت لے کر آیا ہے تو لوگ خطبہ کے دوران اٹھ کر ادھر چلے گئے، اسی روایت میں ہے فخرج الناس فلم یظنوا الا انه لیس فی ترك الخطبة شیئ صحابۂ کرامؓ کا خیال یہ تھا کہ خطبہ ترک کر کے جانے میں مضایقہ نہیں ہے، اس واقعہ کے بعد خطبہ کو مقدم اور نماز کو مؤخر کر دیا گیا۔

یہ تو بالکل ابتدائی زمانہ کی بات ہے، لیکن بعد میں بھی توسعات باقی رہے، مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابورفاعہؓ خطبہ کے دوران حاضرِ خدمت ہوئے اور اپنے بارے میں یہ عرض کیا کہ ایک بے وطن انسان اپنے دین کے بارے میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے؟ اس کے بعد روایت میں ہے فاقبل علیّ رسول الله ﷺ وترك خطبته حتی انتهی الیّ کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ ترک فرما کر میری طرف متوجہ ہوئے حتی کہ میرے پاس آگئے، پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر تعلیم دی، پھر تعلیم کے بعد خطبہ کو پورا فرمایا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ پہلے خطبہ کے دوران دوسرے کاموں کی گنجائش تھی، بالکل اسی طرح حضرت سلیکؓ کے واقعہ کو بھی سمجھنا چاہیئے کیونکہ اسی روایت کے صحیح طرق میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضور ﷺ نے حاضرین کو

سلیکؓ کی امداد کی طرف متوجہ کیا تو **القی الناس ثیابھم** لوگوں نے اپنے کپڑے ان کو دینے کے لئے ڈال دئے، پھر اس سے اگلے جمعہ میں بھی یہ ہوا کہ آپ نے حاضرین کو صدقہ دینے کے لئے فرمایا تو لوگوں نے بھی صدقہ دیا اور خود حضرت سلیکؓ نے بھی پچھلے ہفتہ ملے ہوئے کپڑوں میں سے ایک کپڑا اتار کر صدقہ میں دیا، اس پر آپ نے لوگوں کے سامنے ان کی حالت بیان کی پھر انہیں ڈانٹ کر فرمایا **خذ ثوبك**، تم اپنا کپڑا لے لو۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اب تو خطبہ کے دوران برابر والے سے **انصت** کہنا بھی کارِ لغو ہے، کنکریوں کو ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں اور اس واقعہ میں لوگ اپنے کپڑے اتار کر دوسروں کو دے رہے ہیں، اس لئے اسی روایت میں یہ قرینہ موجود ہے کہ یہ خطبہ کے دوران دیگر افعال کی اباحت کے زمانہ کا واقعہ ہے، بعد میں اس طرح کے افعال کی گنجائش کو ختم کر دیا گیا۔

۷۔ حضرت سلیکؓ کی خصوصیت

اور اگر بالفرض اسی پر اصرار ہے کہ یہ واقعہ اباحتِ افعال کے دور کا نہیں، بعد کا ہے تو ساتویں بات یہ ہے کہ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حضرت سلیک کی خصوصیت نہیں ہے، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب کنکری کو ہاتھ سے چھونے کی اجازت نہیں، **انصت** کہنے کی اجازت نہیں تو ایک خصوصی اور جزوی واقعہ سے نماز کی عام اجازت کیسے ہو جائے گی، ہمیں تو یہ واقعہ **حکایة عین لا عموم لها** کی قبیل سے معلوم ہوتا ہے، شوافع بھی اس اصول کو مانتے ہیں لیکن جب ایسا موقع آتا ہے کہ یہ اصول انہی کے خلاف ہوتا ہے تو اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اس واقعہ میں حضرت سلیکؓ کی خصوصیت کے واضح اشارات اور قوی قرائن ہیں، کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی نسائی اور مسند احمد وغیرہ کی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سلیکؓ کو اس وقت نماز پڑھنے کی ہدایت کا مقصد ہی یہ تھا کہ حاضرین اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کہ ان کا ایک بھائی کتنا غریب اور مفلوک الحال ہے اور اس صورت میں ان کی غیرت و حمیت کا کیا تقاضا ہے؟ نسائی کی روایت میں ہے۔

الم تروا الی هذا، انه دخل المسجد بهيئة بذة فرجوت ان تفطنوا له فتصدقوا عليه فلم تفعلوا فقلت تصدقوا فتصدقتم . (نسائی: ج:۱، ص:۲۰۴)	کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا؟ یہ مسجد میں بدترین حالت میں داخل ہوا تو مجھے امید تھی کہ تم اس کی حالت کو خود سمجھ لو گے اور صدقہ دو گے، لیکن تم نے ایسا نہ کیا، چنانچہ میں نے صاف کہا کہ صدقہ دو تو تم نے صدقہ دیا۔

مسند احمد کی روایت میں بھی یہی بات، بلکہ اسی سے زیادہ واضح طور پر فرمایا گیا ہے۔

انظروا الی هذا، فانه دخل المسجد في هيئة بذة فدعوته فرجوت ان	اس شخص کو دیکھو! یہ مسجد میں بدترین حالت میں داخل ہوا تو میں نے اس کو بلایا اور یہ امید کی کہ تم

تعطوا له فتصدقوا عليه فلم تفعلوا، فقلت تصدقوا، فتصدقوا . (مسند احمد: ج:۳، ص:۲۵)

اس کو کچھ دو گے اس پر صدقہ کرو گے، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا، پھر میں نے صاف کہا کہ صدقہ دو تو لوگوں نے صدقہ دیا۔

اس روایت میں **فدعوته** کا لفظ بھی ہے جس سے یہ واضح ہوا کہ ان کو بلانے یعنی بلا کر نماز پڑھوانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ لوگ اپنے طور پر بات کو سمجھیں اور صدقہ دیں، گویا نماز کا عمل حضرت سلیکؓ کی خصوصی حالت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کرایا گیا اور صحابۂ کرامؓ نے بھی اس کو ان کی خصوصیت پر محمول فرمایا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ مجمع عام میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائیں اور صحابۂ کرام اس پر عمل نہ کریں۔

اس واقعہ پر گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ واقعہ کا تحیۃ المسجد سے متعلق ہونا ضروری نہیں، یہ جمعہ کی سنن قبلیہ سے بھی متعلق ہوسکتا ہے، اور کسی بھی نماز سے متعلق ہو اس کا اصل مقصد نماز کی طرف متوجہ کرنا نہیں بلکہ تاخیر سے آنے پر تنبیہ مقصود ہے، اور اگر تحیۃ المسجد ہی کی طرف متوجہ کرنا مقصود تھا تو اس وقت تک خطبہ شروع نہیں ہوا تھا، اور اگر خطبہ شروع ہوگیا تھا تو درمیان میں موقوف فرما دیا گیا، اور اگر خطبہ جاری رہا تو یہ توسعات کے زمانہ کی بات ہے اور اگر بعد کی بات ہے تو یہ حضرت سلیکؓ کی خصوصیت ہے، اور یہ کہ یہ تمام باتیں محض احتمال کے درجہ کی نہیں ہیں بلکہ صحیح روایات کی بنیاد پر انہیں قوت حاصل ہے، اس لئے اس جزوی واقعہ سے خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کی مشروعیت ثابت نہیں ہوتی۔

عام ضابطہ پر مشتمل دوسری روایت

لیکن اس مسئلہ میں دوسرا استدلال اس روایت سے ہوسکتا ہے جسے امام بخاریؒ نے **باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى** کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے **اذا جاء احدكم والامام يخطب او قد خرج فليصل ركعتين** کہ اس روایت میں ایک ضابطہ کے طور پر خطبہ کے دوران آنے والے ہر شخص کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کی مشروعیت پر استدلال کرنے والے اس روایت سے بہت مطمئن ہیں، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں **هذا نص لا يتطرق اليه تاويل ولا اظن عالما يبلغه هذا اللفظ صحيحا فيخالفه** (مسلم ج:۱، ص:۲۸۷) یہ ایسی نص ہے جہاں تاویل کے تمام راستے مسدود ہیں اور میں یہ تصور نہیں کرسکتا کہ کسی عالم تک یہ صحیح الفاظ پہنچ جائیں اور وہ اس کی مخالفت کرے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ ان الفاظ سے چند سطر پہلے وہ لکھ کر آئے ہیں **وقال مالك والليث وابو حنيفة والثوری وجمهور السلف من الصحابة والتابعين لا يصليهما وهو مروی عن عمر وعثمان وعلی الخ** تو کیا ان حضرات تک یہ الفاظ نہیں پہنچے تھے؟

امام بخاریؒ نے محل استدلال میں ذکر نہیں کیا

سوال یہ ہے کہ اگر یہ اتنی ہی مضبوط دلیل ہے تو امام بخاریؒ نے اس کو استدلال میں کیوں پیش نہیں کیا؟ امام بخاریؒ کی

عادت معلوم ہے کہ اگر کوئی روایت ان کی شرط کے مطابق ہو لیکن وہ اس سے کسی مسئلہ پر استدلال سے مطمئن نہ ہوں تو وہ اس روایت کو دوسری جگہ ذکر کرتے ہیں، استدلال کے موقع پر ذکر نہیں کرتے، جیسے **لا تستقبل القبلة بغائط او بول الا عند البناء** کے ذیل میں انہوں نے ابن عمر کی روایت **ارتقیت یوما علی ظهر بیت لنا** کا ذکر نہیں کیا، بلکہ دوسرے ترجمہ **من تبرز علی لبنتین** کے ذیل میں ذکر کیا، حالانکہ پہلے ترجمہ کو ثابت کرنے کے لئے ابن عمر کی روایت بہ ظاہر زیادہ واضح ہے، لیکن امام بخاریؒ کے نزدیک اس سے استدلال کرنا محل نظر تھا، جیسا کہ یہ بحث گذر چکی ہے۔

یہاں بھی یہی صورت ہے کہ نووی اور دوسرے حضرات کتنے بھی مطمئن ہوں، امام بخاریؒ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خطبہ کے دوران، تحیۃ المسجد کی مشروعیت پر استدلال کے لئے اس روایت سے مطمئن نہیں ہیں، مطمئن نہ ہونے کی ایک وجہ تو خود روایت میں ہے کہ **و الامام یخطب او قد خرج** فرمایا گیا ہے، اب اگر کلمۂ "او" کو تنویع پر محمول کریں تو مطلب یہ ہوگا کہ امام کے خطبہ دینے یا خطبہ کے لئے تیار ہو کر منبر پر آجانے کی دونوں صورتوں میں تحیۃ المسجد کا پڑھنا مشروع ہے، لیکن اگر کلمۂ "او" راوی کا شک ہے اور ممکن ہے بخاری کا یہی رجحان ہو تو اگر **و الامام یخطب** کو اصل قرار دیں تو اس سے استدلال درست ہے اور اگر "**او قد خرج**" کو اصل قرار دیں تو اس سے استدلال درست نہیں، اور اس کو اصل قرار دینا راجح ہے اس لئے کہ نسائی شریف میں اس روایت میں **اذا جاء احدکم وقد خرج الامام** ہے، جس میں صرف ایک ہی صورت مذکور ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے اس روایت کو محل استدلال میں ذکر نہیں فرمایا۔

امام دار قطنی کی تنقید

مطمئن نہ ہونے کی دوسری وجہ وہ ہے جسے امام دار قطنی کی تنقید سے سمجھا جا سکتا ہے، دار قطنی نے **التتبع علی الصحیحین** میں بخاری و مسلم کی ایک سو سے زائد روایات پر تنقید کی ہے، اکثر روایات میں تنقید کا تعلق سند سے ہے اور اس روایت میں متن سے، تنقید یہ ہے کہ **شعبة عن عمرو عن جابر** کی جو قولی روایت **اذا جاء احدکم و الامام یخطب الخ** بخاری و مسلم نے نقل کی ہے اس میں شعبہ کی متابعت صرف روح بن القاسم نے کی ہے، جبکہ عمرو بن دینار سے روایت کرنے والے دیگر رواۃ - ابن جریج، حماد بن زید، ابن عیینہ، ایوب، ورقاء اور حبیب بن یحییٰ - سب کے سب حضرت سلیکؓ کا جزوی واقعہ نقل کرتے ہیں قولی روایت کسی کے یہاں نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے دار قطنی کی تنقید کا حاصل یہ بیان کیا ہے کہ شعبہ نے سیاقِ متن میں دیگر تمام رواۃ کی مخالفت کی ہے کہ وہ سب لوگ تو حضرت سلیکؓ کا صرف جزوی واقعہ نقل کرتے ہیں جس میں خصوصیت کا احتمال ہے اور شعبہ کی روایت کا سیاق عموم کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر آنے والے کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری کی فصل ثامن میں دار قطنی کی ہر تنقید کا جواب دیا ہے، اس روایت پر کی گئی تنقید کے جواب میں انہوں نے صرف یہ فرمایا ہے کہ روح بن القاسم جب شعبہ کی متابعت کر رہے ہیں جیسا کہ دار قطنی نے سنن میں خود اس متابعت کو ذکر کیا ہے تو شعبہ کی روایت کو شاذ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (مقدمہ فتح الباری ص: ۳۷۳)

حقیقتِ حال کیا ہے؟ لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حافظ ابن حجر کے روح بن القاسم کی متابعت کی طرف توجہ دلانے سے کیا مزید تقویت حاصل ہوئی، یہ متابعت تو دار قطنی نے خود ذکر کی تھی اور اس کے باوجود انہوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ سیاقِ متن میں ایک طرف تو صرف شعبہ اور ان کے متابع روح بن القاسم ہیں، اور دوسری طرف پوری جماعت ہے جو صرف خصوصی واقعہ نقل کرتی ہے قولی روایت ذکر نہیں کرتی۔

اس لئے خیال یہ گذرتا ہے -واللہ اعلم- کہ یہاں حافظ ابن حجر کی وکالت کمزور ہے، جوابات میں کہیں کہیں کمزوری کا اجمالی طور پر حافظ نے اعتراف بھی کیا ہے، کہ اسی فصل ثامن کے آخر میں انہوں نے فرمایا اکثرھا الجواب عنه ظاهر والقدح فيه مندفع وبعضها الجواب عنه محتمل واليسير منه في الجواب عنه تعسف، کہ اکثر روایات پر تنقید کا جواب بالکل ظاہر ہے اور اعتراض ختم ہو جاتا ہے، جبکہ بعض تنقیدات کا جواب احتمال کے درجہ میں ہے اور تنقید کا ایک معمولی حصہ ایسا بھی ہے جہاں جواب میں زبردستی سے کام لیا گیا ہے، ہمارے خیال میں یہ جگہ بھی ایسی ہے جہاں جواب تشفی بخش نہیں ہے پھر اس بات پر اس طرح بھی غور کیجئے کہ حضرت سلیکؓ سے متعلق اس جزوی واقعہ کی روایت دو صحابہ سے آرہی ہے ایک حضرت جابر اور دوسرے حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوسعید خدری کی روایت کے کسی طریق میں مشروع قولی والی روایت نہیں ہے، اور حضرت جابر کی روایت میں، رواۃ کی اکثریت اس کو نقل نہیں کرتی تو کیا یہ اس کا واضح قرینہ نہیں ہے کہ یہاں رواۃ سے کچھ تصرّف ہوا ہے، کہ انہوں نے ایک جزوی واقعہ کی روایت بالمعنی کرتے ہوئے اصولی رنگ دے دیا ہے، اس لئے دار قطنی کی تنقید سے صرفِ نظر مشکل ہے۔

قولی روایت، مستقل روایت نہیں ہے لیکن ہم بخاری اور مسلم کے احترام میں دار قطنی کی تنقید سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ یہ روایت شاذ نہیں، صحیح ہے، تا ہم اتنی بات یقینی ہے کہ یہ روایت کوئی مستقل روایت نہیں، بلکہ حضرت سلیکؓ کے واقعہ سے مربوط ہے کہ پہلے حضور ﷺ نے حضرت سلیکؓ کی قابل رحم حالت پر توجہ دلانے کے لئے ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا، اور اس وقت حضور ﷺ کیا کر رہے تھے تو ایک روایت کے مطابق خطبہ شروع نہیں ہوا تھا، دوسری روایت کے مطابق آپ نے خطبہ کو موقوف کیا اور تیسری روایت کے مطابق خطبہ جاری رہا، اور اس واقعہ کے بعد آپؐ نے حاضرین کے سامنے وہ بات کہی جسے ہم قولی روایت کہہ رہے ہیں، یہ بات مسلم کی روایت میں صراحت کے ساتھ ہے۔

عن جابر قال جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله ﷺ يخطب فجلس فقال له يا سليك قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما ثم قال	حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت سلیک غطفانی جمعہ کے دن آئے اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، سلیکؓ بیٹھ گئے تو آپ نے ان سے کہا سلیکؓ! اٹھ جاؤ اور دو رکعتیں پڑھ لو اور ان میں

اذا جاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیهما . (مسلم: ج:۱،ص:۲۸۷)

اختصار ملحوظ رکھنا، پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی ایسے وقت آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے، اور ان میں اختصار کو اختیار کرے۔

ابوداؤد میں اور واضح ہے کہ پہلے حضرت سلیکؓ سے نماز پڑھنے کے لئے کہا ثم اقبل علی الناس ثم قال اذا جاء احدکم والامام یخطب الخ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر یہ تشریع قولی والی بات ارشاد فرمائی، ان روایات سے یہ بات بالکل یقینی ہے کہ تشریع قولی والی روایت مستقل نہیں ہے بلکہ یہ حضرت سلیکؓ کے واقعہ کا جز ہے اور اس کا شانِ ورود یہی واقعہ ہے، اس لئے تشریع قولی والی روایت کو اس کی روشنی میں سمجھا جائے گا۔

شانِ ورود کے فائدے یہ بات سب کے نزدیک قابلِ قبول ہے کہ شانِ ورود سے حدیثِ پاک کے مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی قابلِ انکار نہیں کہ شانِ ورود سے بسا اوقات عموم میں تخصیص، اجمال کی تفصیل اور اطلاق کی تقیید جیسے فوائد حاصل ہوتے ہیں، لیکن حدیثِ پاک میں شان ورود اور آیت قرآن میں شانِ نزول کے بارے میں ایک ضابطہ بہت مشہور ہے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب کہ اعتبار عام الفاظ اور ان سے ثابت ہونے والے عام حکم کا ہے، شانِ ورود یا شانِ نزول میں پائے جانے والے خصوصی سبب کا اعتبار نہیں ہے، یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اربابِ تحقیق کے یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ ضابطہ میں صرف اتنا عموم معتبر ہوگا جو مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو، یعنی اگر شانِ ورود میں عموم کی تخصیص یا اطلاق کی تقیید کے لئے قرائن ہوں تو متکلم کی مراد کی تعیین میں ان سے صرفِ نظر کرنا درست نہیں ہے۔

ابن دقیق العید کا ارشاد ابن دقیق العید (المتوفی ۷۰۲ھ) نے اپنی مشہور کتاب احکام الاحکام میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے، اور لیس من البر الصیام فی السفر کے ذیل میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

والظاهرية المانعون من الصوم في السفر يقولون ان اللفظ عام والعبرة بعموم اللفظ لا لخصوص السبب ويجب ان يتنبه للفرق بين دلالة السياق والقرائن الدالة على تخصيص العموم وعلى مراد المتكلم وبين مجرد ورود العام على سبب، ولا تجريهما

اہل ظاہر جو سفر میں روزے سے منع کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ الفاظ عام ہیں، اور اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوصِ سبب کا نہیں ہوتا، مگر یہاں دو صورتوں کے درمیان فرق پر متنبہ رہنا ضروری ہے، ایک صورت یہ ہے کہ عموم کی تخصیص اور مراد متکلم کی تعیین پر سیاق اور قرائن کی دلالت پائی جاتی ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ محض کسی سبب پر کوئی حکم عام وارد ہوا ہو، ان

مجری واحدا فان مجرد ورود العام علی سبب لا یقتضی التخصیص …… اما السیاق والقرائن فانها الدالة علی مراد المتکلم من کلامه وھی المرشدة الی بیان المجملات وتعیین المحتملات، فاضبط ھذه القاعدة فانها مفیدة فی مواضع لا یحصیٰ. (احکام الاحکام:ج:۲،ص:۲۲۵)

دونوں صورتوں میں ایک ہی روش اختیار کرنا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ حکم عام کا محض کسی سبب پر وارد ہونا تخصیص کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن سیاق اور قرائن یقینی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ متکلم نے اپنے کلام سے کیا مراد لیا ہے اور یہ سیاق وقرائن مجملات کے بیان اور احتمالات کی تعیین میں رہنمائی کا کام کرتے ہیں، اس قاعدہ کو اچھی طرح یاد رکھئے کہ یہ بے شمار مقامات پر مفید ہے۔

چند مثالوں سے مضمون کی وضاحت

مطلب یہ ہے کہ اگر شانِ ورود قرائن سے خالی محض ایک اتفاقی بات ہے جس پر حضور ﷺ نے کوئی عام حکم بیان فرمایا ہے تو اس کا حکم کی تخصیص سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے **انما الاعمال بالنیات** کے شانِ ورود میں مہاجر ام قیس کا واقعہ ہے، یا مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے **لا طاعة لمخلوق فی معصیة اللّٰہ**، اللہ کی معصیت کے ہوتے ہوئے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اس روایت کا شان ورود یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن عبداللہ بن مسعود سے پوچھا عبداللہ بتاؤ اس وقت کیا کرو گے جب ایسے لوگ امراء بن جائیں گے جو سنت کے خلاف عمل پیرا ہوں گے اور نمازوں کو بھی اپنے وقت سے مؤخر کریں گے، حضرت عبداللہ نے عرض کیا، آپ ایسے حال میں کیا حکم فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا ابن ام عبد مجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ ایسی صورت حال میں کیا کریں؟ پھر آپ نے ارشاد فرمایا **لا طاعة لمخلوق فی معصیة اللّٰہ**، ظاہر ہے کہ شانِ نزول میں تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں، اور **العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب** انہی مواقع کے لئے ہے۔

لیکن اگر شانِ ورود محض اتفاقی امر نہیں ہے، بلکہ شانِ ورود میں متکلم کی مراد کی تعیین کے لئے خصوصی قرائن ہیں تو ان کی رعایت سے مراد متکلم کی تعیین کے لئے حکم عام میں تخصیص کا عمل کیا جائے گا جیسے **لیس من البر الصیام فی السفر**، سفر میں روزہ رکھنا، ثواب کا کام نہیں ہے، روایت میں بہ ظاہر ایک عام حکم بیان کیا گیا ہے لیکن اس کا شانِ ورود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کے موقع پر ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور اس پر سایہ کر رہے ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ بتایا گیا کہ یہ روزہ دار ہیں، آپ نے فرمایا **لیس من البر الصیام فی السفر**، الفاظ میں عموم کے باوجود، شانِ ورود کی بنیاد پر جمہور نے اس کو ان لوگوں کے حق میں خاص قرار دیا ہے جنھیں سفر میں روزہ رکھنا دشوار ہو، یا مثلاً بخاری میں **کتاب الاجارہ** میں حضرت رافع بن خدیج کی روایت آئے گی **ان النبی ﷺ نھی عن**

کراء المزارع کہ رسول اللہ ﷺ نے کھیت یا کاشت کی زمینوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے، ان الفاظ میں یہ حکم بالکل عام ہے، پھر کتاب الحرث والمزارعۃ میں یہ تفصیل آئے گی کہ حضرت ابن عمر عہد رسالت میں، پھر خلافتِ راشدہ سے حضرت معاویہ کے زمانہ تک اپنی زمینیں کرایہ پر دیا کرتے تھے، کسی نے ان کے سامنے حضرت رافع کی روایت بیان کردی تو انہیں بڑی تشویش ہوئی، پھر انہوں نے حضرت رافع سے ملاقات کی اور بتایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں حضور ﷺ کے زمانہ سے زمین کرایہ پر دیتا رہا ہوں، مگر حضرت رافع نے عام حکم پر مشتمل روایت نھیٰ عن کراء المزارع ان کے سامنے بیان فرمائی، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے زمین کو کرایہ پر دینا ترک کردیا، لیکن حقیقت کیا ہے اس کو جاننے کے لئے اس روایت کی شانِ ورود پر غور کرنا چاہیئے جو حضرت رافع ہی کی مسلم کی روایت میں مذکور ہے۔

عن حنظلة بن قيس قال سألت رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والفضة فقال لا باس به، انما كان الناس يؤاجرون على عهد رسول الله ﷺ على الماذيانات وأقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه واما شيئ معلوم مضمون فلا بأس به. (مسلم: ج:۲، ص:۱۳۰)

حنظلہ بن قیس سے روایت ہے کہ میں نے رافع بن خدیج سے سونے اور چاندی کے بدلے میں زمین کو کرایہ پر دینے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا اس میں حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تو صرف یہ صورت تھی کہ لوگ پانی کی گذرگاہ اور جدول کے کنارے کی پیداوار اور پیداوار کی کچھ چیزوں کے عوض زمین کو بٹائی پر دیا کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک جانب کا حصہ بالکل تباہ ہوجاتا تھا اور دوسری جانب کا محفوظ رہتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کردیا، لیکن اگر اجرت معلوم اور معین ہو تو اس میں حرج نہیں ہے۔

دیکھئے شانِ ورود پر مشتمل اس روایت میں نہی عام نہیں ہے بلکہ ایک خاص صورت میں ممانعت کی تصریح ہے، اس لئے فقہاء نے نہی کی روایت میں الفاظ کے عموم کے باوجود قرینہ کی بنیاد پر نہی کو اسی شکل کے ساتھ خاص کیا ہے، اس شانِ ورود کو اجمال کے ساتھ حضرت زید بن ثابت کی روایت میں بھی بیان کیا گیا ہے جو مسند احمد میں ہے۔

قال زيد بن ثابت يغفر الله لرافع بن خديج أنا - والله - اعلم بالحديث، انما اتى رجلان قد اقتتلا

حضرت زید بن ثابت نے فرمایا، اللہ رافع بن خدیج کی مغفرت فرمائے، میں - بخدا - حدیث سے پوری طرح واقف ہوں، بات صرف یہ تھی کہ دو آدمی اس حال میں

فقال رسول اللہ ﷺ ان کان ھذا شانکم فلا تکروا المزارع. (مسند احمد: ج:۱،ص:۱۷۸)

حاضر خدمت ہوئے تھے کہ ان کے درمیان سخت جھگڑا ہوا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا یہی حال ہے تو زمینوں کو کرایہ پر مت دو۔

غور کیجئے کہ حضرت رافع کی روایت کے الفاظ میں عموم ہے، لیکن شانِ ورود کے قرائن سے صرفِ نظر کر کے اس کو عموم پر محمول نہیں کیا گیا۔

روایت زیر بحث پر غور ان تفصیلات کے بعد اب روایت زیر بحث پر غور کرنا چاہیئے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران ان تمام کاموں کو ممنوع قرار دیا ہے جو استماع خطبہ میں حارج ہوں، لیکن اس روایت میں پہلے تو حضرت سلیک کو خصوصی طور پر دو رکعت پڑھنے کی اجازت دی گئی اور اس کے ساتھ عام الفاظ میں ایک حکم اذا جاء احدکم الخ ارشاد فرمایا گیا، اب اگر اس حکم کو شانِ ورود کے قرائن سے صرف نظر کر کے عام رکھا جائے جیسا کہ شوافع وغیرہ نے کیا ہے تو ان تمام صحیح روایات کو ترک کرنا پڑتا ہے جن میں خطبہ کے دوران ہر کام سے منع کیا گیا ہے اور اس کے باوجود شوافع اس حکم کو ہر صورت میں عام قرار دینے پر قادر نہیں بلکہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اگر آنے والا خطبہ کے بالکل آخر میں آئے تو اس کے لئے تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں اور یہ حکم اسی صورت کے ساتھ خاص ہے کہ جب خطبہ شروع ہوا ہو یا اتنا موقع ہو کہ نماز شروع ہونے سے پہلے تحیۃ المسجد کو پڑھا جا سکتا ہو۔

اور اگر شانِ ورود میں پائے جانے والے قرائن کی بنیاد پر تخصیص کا عمل کریں تو کسی روایت کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں، مثلاً قرائن کی بنیاد پر یہ کہیں کہ آپ کا حضرت سلیکؓ کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دینا منبر پر بیٹھنے کے بعد اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے تھا اور اذا جاء احدکم الخ میں جو عام حکم دیا گیا ہے وہ بھی اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ اگر کوئی امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پہنچ جائے اور امام اسکی وجہ سے خطبہ کو موخر کر دے تو اسکے لئے تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے۔ یا مثلاً قرائن کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ مشروع قولی والا حکم اگرچہ عام ہے لیکن یہ اسی دور کی بات ہے جب خطبہ کے دوران اس طرح کے کام کرنے کی اجازت تھی، بعد میں یہ توسعات ختم کر دیئے گئے تو اب اسکی گنجائش نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اب غور فرمایئے کہ امام نوویؒ تو اس مشروع قولی والی روایت پر بڑے اطمینان کا اظہار فرما رہے تھے، اور حقیقت یہ واضح ہوئی کہ خود امام بخاریؒ اس روایت سے استدلال پر مطمئن نہیں ہیں اور دار قطنی روایت کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں، حافظ ابن حجرؒ کا جواب تشفی بخش نہیں ہے اور اگر ہم روایت کو تسلیم بھی کر لیں تو کم از کم دار قطنی کی تنقید کی وجہ سے یہ روایت ان متفق علیہ روایات میں سے نہیں ہے جنہیں تلقی بالقبول کی وجہ سے صحت کا اولین مرتبہ دیا جاتا ہے، اور یہ کہ شان ورود میں پائے جانے والے قرائن کی بنیاد پر مشروع قولی کو بالکل عام قرار دینا بھی اصول کے

مطابق نہیں ہے، پھر اطمینان کی کیا صورت ہے؟

تعارض کی صورت میں فیصلے کا طریقہ اور اگر ہم ان تمام باتوں سے صرفِ نظر کر کے مشروع قولی والی روایت اور اسکے عموم کو تسلیم کرلیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ روایت، حضرت سلیکؓ کے جزوی واقعہ کی طرح، روایاتِ نہی سے متعارض ہوجائے گی اور تعارض کی صورت میں محدثین کے اصول کے مطابق تطبیق، یا ناسخ منسوخ یا ترجیح کا عمل کیا جائیگا جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے۔

یہاں یہ سب صورتیں ممکن ہیں، تطبیق کی صورت یہ ہے کہ والامام یخطب کو مجاز پر محمول کیا جائے، ناسخ منسوخ کی صورت یہ ہے کہ اس روایت کو اس زمانہ سے متعلق قرار دیا جائے جب خطبہ کے دوران توسعات پر عمل تھا، اور ترجیح کی صورت یہ ہے کہ تعاملِ صحابہ کو وجہِ ترجیح قرار دیں، یا محرم و مبیح کے درمیان تعارض والے اصول پر عمل کریں، یا یہ دیکھیں کہ احتیاط کس صورت میں زائد ہے ہر صورت میں خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کی ممانعت ہی کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

[۳۳] بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ

(۹۳۲) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ اَنَسٍ ح وَعَنْ يُوْنُسَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْكُرَاعُ هَلَكَ الشَّاءُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَسْقِيَنَا فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا .

(آئندہ:۹۳۳،۱۰۱۳،۱۰۱۹،۱۰۲۱،۱۰۲۹،۱۰۳۳،۳۵۸۲،۶۰۹۳،۶۳۴۲)

ترجمہ باب، خطبہ میں ہاتھ اٹھانے کا بیان، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! گھوڑے ہلاک ہوگئے بکریاں ہلاک ہوگئیں، اس لئے آپ اللہ سے دعا کریں، وہ ہمیں بارش عطا کر کے سیراب فرمادے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور دعا کی۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث ترجمہ صرف یہ ہے کہ ضرورت کے موقع پر خطبہ میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے، مثلاً دعا کی ضرورت ہو تو خطبہ کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے، مگر بلا ضرورت اور عام طور پر اس کی اجازت نہیں جیسے اس دور میں واعظوں کا رواج ہے کہ اپنے کلام کا وزن بڑھانے کے لئے ایک جگہ ٹھہرنا نہیں چاہتے اور اگر ٹھہر جاتے ہیں تو ہاتھ ضرور پھینکتے ہیں، واعظوں کا یہ طریقہ بے ضرورت ہے اور مکروہ ہے مسلم اور ترمذی وغیرہ میں روایت ہے کہ بشر بن مروان منبر پر ہاتھ اٹھا، اٹھا کر بیان کر رہا تھا تو حضرت عمارہ بن رویبہ کی زبان

پر یہ کلمات آئے قبح اللّٰہ ھاتین الیدین لقد رأیت رسول اللّٰہ ﷺ ما یزید علی ان یقول بیدہ ھکذا واشار باصبعہ المسبحۃ، خدا ان ہاتھوں کا برا کرے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ کے اس طرح اشارے سے زیادہ کوئی عمل نہیں کرتے تھے، اور انہوں نے انگشتِ شہادت سے اشارہ کر کے دکھایا، امام ترمذی نے اس روایت پر ما جاء فی کراھیۃ رفع الا یدی علی المنبر ترجمہ منعقد فرمایا ہے۔

روایت میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ خطبہ کے دوران کسی نے استغاثہ کیا کہ حضرت! قحط سالی ہے، گھوڑے، بکریاں اور تمام مویشی ہلاک ہورہے ہیں وہ سبزہ ختم ہوگیا جس پر گذر بسر تھی اور مویشی ہلاک ہوگئے تو گویا ہم بھی تباہ ہو جائیں گے کہ گھوڑوں کی سفرِ معاش اور سفرِ جہاد دونوں کے لئے ضرورت ہے، مستغیث کی درخواست پر آپ نے ہاتھ اٹھائے، دعا کی اور بارش ہوگئی، ضرورت کے وقت منبر پر ہاتھ اٹھانا ثابت ہوگیا، مفصل روایت آگے آرہی ہے۔

[۳۴] بَابُ الْاِسْتِسْقَآءِ فِی الْخُطْبَةِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۹۳۳) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِیْدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنِیْ اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ فَبَیْنَا النَّبِیُّ ﷺ یَخْطُبُ فِیْ یَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِیَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْهِ وَمَا نَرٰی فِی السَّمَآءِ قَزَعَةً فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰی ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ یَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰی رَاَیْتُ الْمَطَرَ یَتَحَادَرُ عَلٰی لِحْیَتِهٖ فَمُطِرْنَا یَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِیْ یَلِیْهِ حَتَّی الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی فَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِیُّ اَوْ قَالَ غَیْرُهٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا فَمَا یُشِیْرُ بِیَدِهٖ اِلٰی نَاحِیَةٍ مِّنَ السَّحَابِ اِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِیْنَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِیْ قَنَاةُ شَهْرًا وَلَمْ یَجِیْ اَحَدٌ مِنْ نَاحِیَةٍ اِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ . (گذشتہ:۹۳۲)

ترجمہ باب، جمعہ کے دن خطبہ میں استسقاء یعنی بارش کی دعا مانگنے کا بیان، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگ ایک مرتبہ قحط سالی میں مبتلا ہوئے تو اس درمیان کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مویشی مر گئے اور اہل وعیال بھوکے ہوگئے اس لئے ہمارے لئے اللہ سے دعا فرمائیے، چنانچہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہمیں آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نظر نہیں آتا تھا پھر۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ کہ ابھی آپ نے اپنے

ہاتھ نیچے بھی نہیں کئے تھے کہ یکا یک پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے پھر یہ کہ آپ ابھی منبر سے بھی نہیں اترے تھے کہ میں نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ کی ریشِ مبارک سے ٹپک رہا ہے چنانچہ اس دن بارش ہوتی رہی پھر اس سے اگلے دن، پھر اگلے سے دوسرے دن پھر اس کے بعد والے دن، یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، پھر وہی اعرابی۔ یا راوی نے کہا کوئی دوسرا آدمی۔ کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! گھر منہدم ہو گئے مویشی ڈوب گئے اس لئے اللہ سے ہمارے لئے دعا فرمایئے، چنانچہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ! ہمارے اردگرد پانی برسا، ہمارے اوپر نہ برسا، پھر یہ کہ آپ اپنے ہاتھ سے بادل کی کسی جانب اشارہ نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ بادل کھل جاتا تھا اور یہ کہ مدینہ بادلوں کے بیچ میں گول دائرے کی طرح ہو گیا اور قناۃ نام کا نالا ایک مہینہ تک بہتا رہا اور یہ کہ کوئی آدمی کسی طرف سے نہیں آتا تھا مگر بارش کے بہت زیادہ ہونے کی خبر دیتا تھا۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث مقصد واضح ہے کہ جمعہ میں استسقاء کی دعا کرنا درست ہے، کہ جمعہ کی وجہ سے مسلمان جمع ہیں، امام خطبہ دے رہا ہے، مقبولیت کی شان ہے جو بھی دعا کریں گے ان شاء اللہ بارگاہِ خداوندی میں قبول کی جائے گی، گویا یہ ضروری نہیں کہ اس مقصد کے لئے آبادی سے باہر جمع ہو کر دعا کی جائے۔

روایت میں پیغمبر علیہ السلام کے معجزہ کی تفصیل ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں قحط پڑا، اسی زمانہ میں آپ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے پریشانیوں کا اظہار کر کے بارش کی دعا کے لئے عرض کیا آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے بخاری کا مقصد ثابت ہو گیا، آسمان بالکل صاف تھا لیکن آپ کے ہاتھ اٹھاتے ہی پہاڑوں کی طرح تہہ بہ تہہ بادل اٹھا اور چاروں طرف پھیل گیا اور ابھی دعا کے بعد ہاتھ گرائے بھی نہیں تھے کہ بارش شروع ہو گئی اور اس زور سے بارش ہوئی کہ مسجد نبوی کی چھت ٹپکنے لگی اور آپ کی ریشِ مبارک سے بھی بارش کا پانی گرنے لگا، پورے ہفتہ لگاتار بارش ہوئی، اگلے جمعہ کو وہی صاحب یا کوئی دوسرے صاحب آئے اور عرض کیا کہ حضرت! معاملہ بالکل دوسرا ہو گیا، بارش اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ عمارتیں منہدم ہو رہی ہیں، تمام اموال و مویشی ہلاک ہوئے جاتے ہیں، دعا فرمائیں، آپ نے پھر ہاتھ اٹھائے اور دعا کی حوالینا ولا علینا الٰہی! بارش ہمارے اطراف میں ہو یعنی جنگلات میں ہو ہم پر نہ ہو، اس کے بعد آپ اپنے دستِ مبارک سے بادل کی طرف جدھر بھی اشارہ کرتے بادل پھٹ جاتا تھا، مدینہ طیبہ بادلوں کے بیچ میں حوض کی طرح ہو گیا، آگے کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں قناۃ نام کی جو وادی تھی وہ ایک مہینہ تک بہتی رہی اور صرف مدینہ کا یہ حال نہ تھا بلکہ باہر سے آنے والا ہر انسان یہ بیان کر رہا تھا کہ بڑی زبردست بارش ہوئی ہے، بخاری کا مقصد ثابت ہے کہ آپ نے جمعہ کے خطبہ میں بارش کے لئے دعا فرمائی۔ واللہ اعلم

[۳۵] بَابُ الْاِنْصَاتِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ

وَاِذَا قَالَ لِصَاحِبِهٖ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَا وَقَالَ سَلْمَانُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ یُنْصِتُ اِذَا تَکَلَّمَ الْاِمَامُ

(۹۳۴) حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ بُکَیْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ عُقَیْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ .

ترجمہ باب، جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کی حالت میں بالکل خاموش رہنے کا بیان، اور اگر کسی نے اپنے ساتھی سے اَنْصِتْ (چپ رہو) کہا تو اس نے لغو کام کیا اور حضرت سلمان فارسی نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا کہ امام جس وقت خطبہ دے تو بالکل خاموش رہنا چاہیئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کی حالت میں اپنے ساتھی سے اَنْصِتْ (خاموش رہو) کہا تو تم نے لغو کام کیا۔

مقصد ترجمہ اس سے پہلے ایک باب گذرا ہے **الاستماع الی الخطبة**، اب یہاں **الانصات** کے عنوان سے دوسرا باب منعقد کردیا، **استماع** کے معنی ہیں غور سے سننا، اور انصات کے معنی ہیں خاموش رہنا، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ جمع بھی ہو سکتی ہیں، لیکن ان دونوں میں تلازم نہیں ہے، اگر مقتدی قریب ہے اور اس کو امام کی آواز آرہی ہے تو وہ استماع وانصات دونوں کا مکلف ہے، لیکن اگر وہ امام سے اتنی دور ہے کہ امام کی آواز نہیں آرہی ہے تو وہ استماع کا مکلف نہیں، البتہ انصات یعنی خاموش اور ہمہ تن گوش رہنا اس کے لئے ضروری ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ امام بخاری نے ایک جملہ **اذا قال لصاحبه انصت فقد لغا** بھی ذکر فرمایا ہے، یہ جملہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت باب کے بعض طرق میں آیا ہے، پھر انہوں نے حضرت سلمان فارسی کی روایت کا ایک حصہ تعلیقاً ذکر فرمایا ہے، پوری روایت **باب الدهن للجمعة** میں گذر چکی ہے۔

تشریح حدیث اس کے بعد امام بخاری نے ثبوت میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پیش کی ہے کہ اگر کسی نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران اپنے ساتھی سے **انصت** بھی کہہ دیا تو اس نے لغو کام کیا، مطلب یہ ہے کہ نمازی کو بالکل خاموش رہنا چاہیئے، اگر امر بالمعروف کی ضرورت ہو تو اس کو بھی امام پر چھوڑ دینا چاہیئے، مقتدی کو اس کی بھی اجازت نہیں ہے، ہاں اگر ضرورت ہو تو ہاتھ سے اشارہ کرسکتا ہے۔

فقد لغوت، تم نے لغو کام کیا، لغو، لایعنی کلام یا لایعنی کام کو کہتے ہیں، یہاں اس کی متعدد تشریحات کی گئی

ہیں، ایک معنی تو یہ ہیں کہ جب ہاتھ کے اشارے سے کام چل سکتا ہے تو زبان کا استعمال فعل عبث اور ممنوع ہے، ایک مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے جمعہ کی فضیلت کو ضائع کردیا، یا وہ اجر سے محروم ہوگیا، یا ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے من لغا وتخطی رقاب الناس کانت له ظهرا، جس نے لغو کام کیا اور وہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر آیا تو اس کے حق میں جمعہ کی نماز ظہر بن گئی۔ وغیرہ۔

والامام یخطب، واو حالیہ ہے شوافع اور دیگر ائمہ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ انصات کا یہ حکم صرف امام کے خطبہ دینے کی صورت میں ہے، گویا امام کے منبر پر آنے کے بعد خطبہ شروع کرنے سے پہلے یہ حکم نہیں ہے جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے منبر پر آنے کے بعد انصات کا حکم متعلق ہوجاتا ہے باب الاستماع الی الخطبة میں فرشتوں کے بارے میں روایت میں گذرا ہے فاذا خرج الامام طووا صحفهم ویستمعون الذکر جب فرشتے امام کے باہر آنے پر اپنے دفتر لپیٹ دیتے ہیں اور استماع کے لئے تیار ہوجاتے ہیں تو نمازیوں کو تو بہ درجۂ اولی ایسا ہی کرنا چاہیئے، نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا یہ عمل منقول ہے انهم کانوا یکرهون الصلاة والکلام بعد خروج الامام کہ یہ حضرات امام کے آنے کے بعد نماز اور کلام کو مکروہ سمجھتے تھے۔

بہرحال خطبہ کے دوران انصات کا حکم ہے، امام کی آواز نہ بھی آرہی ہو تو بھی اکثر فقہاء کے یہاں انصات واجب ہے البتہ بعض ائمہ کے یہاں اس صورت میں ذکر وتلاوت وغیرہ کی اجازت ہے، کلام کی نہیں بعض فقہاء کے یہاں سلام کرنے کی اجازت نہیں لیکن سلام کا جواب دینے کی اجازت ہے، کہ سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے۔ واللہ اعلم

[۳۶] بَابُ السَّاعَةِ الَّتِیْ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ

(۹۳۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ذَکَرَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ فِیْهِ سَاعَةٌ لَا یُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ یَسْاَلُ اللّٰهَ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ وَاَشَارَ بِیَدِهٖ یُقَلِّلُهَا . (آئندہ: ۵۲۹۴، ۶۴۰۰)

ترجمہ باب، جمعہ کے دن آنے والی ساعتِ قبول کا بیان، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جمعہ میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس کو کوئی مسلمان اس حال میں نہیں پائے گا کہ وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہا ہو- یا دعا کررہا ہو- اور اللہ سے کسی چیز کا سوال کررہا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالی اس کو عطا فرمائے گا اور حضور ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ ساعت مختصر ہے۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک لطیف ساعت آتی ہے جسے ساعتِ قبول کہتے ہیں، اس ساعت کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی پھر ختم کردی گئی، اس

رائے کی تردید حضرت عبداللہ بن سلام کی روایت میں کردی گئی چنانچہ امام بخاریؒ اس باب میں بیان کرتے ہیں کہ وہ ساعت آپؐ کے بعد بھی باقی ہے اور اس ساعت میں کوئی عبادت گذار کسی بھی خیر کی دعا کرے تو وہ قبول کی جاتی ہے۔

تشریح حدیث روایت میں اس ساعت کے بارے میں آیا کہ اگر کوئی بندہ مومن اس وقت دعا کر رہا ہو یا اس وقت میں دعا کا اتفاق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے لیکن اس ساعت کو لیلۃ القدر اور اسم اعظم کی طرح مبہم رکھا گیا ہے تاکہ اس کی جستجو کرنے والے مستعد رہیں، اگر ان کی دعا یا عبادت کے درمیان یہ ساعت آگئی تو دعائیں قبول ہوں گی اور اگر بالفرض وہ ساعت نہ مل سکی تو دعا و عبادت کا ثواب ضرور ملے گا جیسے لیلۃ القدر کی تلاش میں اگر کوئی پوری رات عبادت کرتا ہے تو بالفرض اگر لیلۃ القدر نہ بھی ہو تو اس کو رات بھر کی عبادت کے ثواب سے سرفراز کیا جائے گا۔

فیہ ساعۃ، ایک دن اور رات کے چوبیسویں حصہ کو بھی ساعت کہتے ہیں اور آج کل یہی معنی متعارف ہیں، اسی طرح دن چھوٹا ہو یا بڑا، اس کو بارہ حصوں پر تقسیم کرکے بارہویں حصہ کو ایک ساعت قرار دینا بھی ایک اصطلاح ہے اور اس معنی کی ابوداؤد کی ایک روایت سے تائید بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے **یوم الجمعة ثنتا عشرة ساعة،** جمعہ کا دن بارہ ساعت کا ہوتا ہے، لیکن یہ دونوں معنی یہاں مراد نہیں ہیں کیونکہ اس روایت میں یہ فرمایا گیا ہے **اشار بیدہ یقللها** کہ حضور ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ وہ ساعت بہت مختصر ہے، بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنی ایک انگلی کو، دوسری انگلی کے بیچ میں رکھ کر اختصار کا اشارہ فرمایا، مسلم کی روایت میں **ساعة خفيفة** کا لفظ ہے، اس لئے عصر اور مغرب کے درمیان یا خطبہ سے نماز تک کے درمیان کے جو اقوال ہیں ان کا یہ مطلب نہیں کہ اس ساعت کا سلسلہ، اس پورے وقت کو محیط ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ مختصر ساعتِ قبول ان اوقات کے درمیان واقع ہوتی ہے۔

ساعتِ قبول میں راجح اقوال جمعہ کے دن کی اس ساعتِ قبول کے بارے میں اقوال کی تعداد پچاس تک بیان کی جاتی ہے کہ یہ ساعت باقی ہے یا ختم کردی گئی، باقی ہے تو پورے سال میں ایک بار آتی ہے یا ہر جمعہ کو آتی ہے، ہر جمعہ کو آتی ہے تو مختلف اوقات میں منتقل ہوتی رہتی ہے، یا ایک ہی وقت مقرر ہے، اور ایک ہی وقت مقرر ہے تو وہ کونسا وقت ہے؟ وغیرہ، بیالیس اقوال تو فتح الباری ہی میں مذکور ہیں، پھر یہ کہ اس ساعت کی تعیین میں جتنی باتیں کہی گئی ہیں ان میں بہت سی باتیں ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں، متعدد اقوال ضعیف روایات یا قائلین کے ذوق و اجتہاد پر مبنی ہیں اور متعدد اقوال ایسے ہیں جن کے لئے احادیث میں صراحت یا اشارات ہیں، البتہ مشہور قول دو ہیں اور وہ صحیح روایات پر مبنی ہیں، ایک قول حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت **ما بین ان یجلس الامام علی المنبر الی ان تقضی الصلوٰة** کے مطابق امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد سے نماز کے اختتام تک کے درمیان ہے، یہ قول امام شافعیؒ کا مختار ہے، یہ روایت مسلم شریف میں ہے اور مسلم میں روایت کا ہونا وجہ

ترجیح بن سکتا تھا لیکن اس روایت پر امام احمد اور دوسرے محدثین نے تنقید کی ہے اور انقطاع واضطراب کی بنیاد پر اس کو معلول قرار دیا گیا ہے، اور دوسرا قول جسے حضرت عبداللہ بن سلام نے بیان فرمایا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ ساعتِ قبول عصر اور مغرب کے درمیان واقع ہوتی ہے، یہ روایت ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور موطا امام مالک وغیرہ میں ہے، اس روایت میں کوئی علتِ قادحہ نہیں ہے، صحابۂ کرام کی اکثریت بھی اسی کی قائل ہے، گویا اس روایت میں متعدد وجوہِ ترجیح ہیں، امام احمد اور امام ابوحنیفہ اسی کے قائل ہیں، مگر اس قول کے مطابق وھو قائم یصلی، ظاہری معنی پر محمول نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دو جملے ہیں، پہلا جملہ اسمیہ ہے اور دوسرا فعلیہ، دونوں جملے حالیہ ہیں اور اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جو عبد مسلم اس ساعتِ قبول میں قیام کی حالت میں مشغولِ نماز ہو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ عصر کے بعد نماز کا وقت نہیں ہے، یہ اشکال حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی پیش آیا تھا جب حضرت عبداللہؓ بن سلام نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بتایا کہ یہ ساعتِ قبول جمعہ کے دن آخرِ وقت میں آتی ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے بارے میں یصلی فیھا فرمایا ہے اور یہ وقت نماز کا نہیں ہے، تو اس کے جواب میں حضرت عبداللہؓ بن سلام نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے من جلس مجلسا ینتظر الصلاۃ فھو فی صلاۃ کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنا بھی نماز ہی کے حکم میں ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاں، بات صاف ہو گئی۔

نیز یہ کہ قائم یصلی کے یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ یہ شخص نماز کا پوری طرح پابند ہو اور اس وقت دعائے خیر میں مشغول ہو، یا یصلی دعا کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

[۳۷] بَابُ اِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الْاِمَامِ فِي صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَصَلٰوةُ الْاِمَامِ وَمَنْ بَقِيَ جَائِزَةٌ

(۹۳۶) حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ اِذْ اَقْبَلَتْ عِيْرٌ تَحْمِلُ طَعَامًا فَالْتَفَتُوْا اِلَيْهَا حَتّٰى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ اِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا . (سورۂ جمعہ:۱۱)

(آئندہ: ۲۰۵۸، ۲۰۶۴، ۴۸۹۹)

ترجمہ باب، اگر جمعہ کی نماز میں کچھ لوگ امام کو چھوڑ کر چلے جائیں تو امام اور باقی ماندہ مقتدیوں کی نماز جائز ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ اس درمیان کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک قافلہ آگیا جو غلّہ بار کئے ہوئے تھا تو لوگ اسکی طرف چلے گئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور جب ان لوگوں کو سامان تجارت یا تماشہ نظر

آجاتا ہے تو اسکی طرف دوڑتے ہیں اور آپ کو قیام کی حالت میں چھوڑ جاتے ہیں۔

مقصد ترجمہ یہ مسئلہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ائمہ کے یہاں جمعہ کے انعقاد کے لئے کسی نہ کسی عدد کی شرط ہے، امام شافعیؒ کے یہاں چالیس اور امام احمدؒ کے یہاں چالیس یا پچاس کا عدد ہے، امام مالکؒ کے یہاں مشہور روایت میں بیس کا عدد ہے، اب یہ مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جمعہ کی جماعت کے لئے جتنی تعداد کا ہونا ضروری تھا، اتنی ہی تعداد سے عمل شروع کیا گیا تھا لیکن نماز کے درمیان یہ تعداد باقی نہ رہی تو سوال یہ ہے کہ امام باقی ماندہ نمازیوں کے ساتھ جمعہ پڑھے یا ظہر؟ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں بتایا کہ یہ تعداد انعقاد جمعہ کی شرط ہے، بقاء کی نہیں، یہ ضروری نہیں کہ اول سے آخر تک یہ تعداد برقرار رہے اس لئے باقی ماندہ نمازیوں کے ساتھ امام کا جمعہ کی نماز پڑھنا صحیح ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب کچھ لوگ امام کے ساتھ باقی رہ جائیں، لیکن اگر تمام نمازی رخصت ہو جائیں اور امام تنہا رہ جائے تو کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ امام بخاری نے بیان نہیں کیا، علامہ عینی نے اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ کی تفصیل ذکر کی ہے کہ اگر تکبیر تحریمہ کے بعد سب مقتدی رخصت ہو جائیں اور امام تنہا رہ جائے تو امام ابویوسف، امام محمد اور امام مزنی کے نزدیک جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں ظہر پڑھی جائے گی، البتہ اگر امام پہلی رکعت کا رکوع وسجدہ کر چکا ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی جمعہ پڑھا جائے گا۔ امام مالک کے یہاں اگر تحریمہ کے بعد سب منتشر ہو جائیں اور امام کو توقع ہو کہ جانے والے لوٹ آئیں گے تو اس نماز کو جمعہ کی حیثیت سے باقی رکھا جائے گا اور اگر امام واپسی سے مایوس ہو تو وہ اسی تحریمہ سے ظہر پوری کرلے، نماز سے خروج کی ضرورت نہیں صرف نیت بدل دینا کافی ہے، امام شافعیؒ کے یہاں اگر نماز جمعہ چالیس کی تعداد سے شروع کی گئی تھی، پھر نمازی چلے گئے تو نوویؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں شوافع کے یہاں پانچ اقوال ہیں اور اصح قول یہ ہے کہ ظہر پڑھی جائے گی، امام احمد کے یہاں بھی جمعہ کے لئے چالیس کے عدد کا اول سے آخر تک برقرار رہنا شرط ہے، لیکن امام بخاریؒ کے ترجمہ میں یہ مسئلہ نہیں ہے، وہ صرف یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر نماز کے درمیان تعداد، عدد مشروط سے کم ہو جائے تو جمعہ پڑھا جائے گا۔

امام بخاری کا استدلال امام بخاری کا استدلال روایت باب کے ظاہر الفاظ پر مبنی ہے، اس لئے کہ روایت میں **بینما نحن نصلی مع رسول اللہ** ﷺ مذکور ہے، ان الفاظ کا ظاہر یہ ہے کہ نماز ہو رہی تھی، باہر سے جو قافلہ غلہ لایا کرتا تھا اس نے نماز ہی کی حالت میں اپنی آمد کا اعلان کر دیا، گھنٹی وغیرہ بجاتے ہوں یا کوئی طریقہ رہا ہو، نمازیوں کو عرصہ سے اس کا انتظار تھا، غلہ مقدار میں کم ہوتا تھا اس لئے سب لوگوں کو فکر رہتی تھی کہ ہم محروم نہ رہ جائیں، اس لئے اکثر لوگوں نے نماز چھوڑ کر قافلہ کا رخ کیا، کچھ لوگ باقی رہ گئے، ان کے ساتھ نماز پوری کی گئی، یہ ہوئی الفاظ کے ظاہر کی وضاحت، پھر یہ آیت نازل ہوئی **اذا رأوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما** کہ یہ لوگ تجارت یا لہو کا سامان دیکھتے ہیں تو ادھر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں، بات تو غلہ لانے والے تجارتی

قافلہ کی تھی لیکن قافلے والے اپنی آمد کی اطلاع کے لئے دف یا گھنٹی وغیرہ بجاتے ہوں گے اس کو لہو سے تعبیر کردیا گیا۔

حقیقت کیا ہے؟ ظاہر الفاظ سے گو امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہوگیا لیکن اس ظاہر پرستی کا نقصان یہ ہوا کہ صحابۂ کرامؓ پر یہ الزام آگیا کہ وہ حضور ﷺ کی موجودگی میں نماز جمعہ کو چھوڑ کر خرید وفروخت اور لہو میں مشغول ہوگئے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کا تعلق نماز سے نہیں ہے، تمام مفسرین نے اس واقعہ کا تعلق خطبہ سے قائم کیا ہے مسلم کی روایت میں تصریح ہے ورسول اللہ ﷺ یخطب یعنی خطبہ ہو رہا تھا کہ یہ تجارتی قافلہ آیا، اور یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی بات ہے کہ اس وقت تک خطبہ جمعہ کے بارے میں اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعہ فاسعوا الی ذکر اللہ کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ جانے والے صحابہؓ نے یہ سمجھا ہوگا کہ عام مجلس وعظ کی طرح خطبۂ جمعہ کے درمیان بھی ضروری کاموں کی تکمیل کے لئے اٹھا جاسکتا ہے، غلہ کی شدید ضرورت ہے اس لئے اپنی ضرورت کے غلہ کی بات پختہ کر کے ابھی لوٹ آئیں گے، خطبہ کے دوران واپسی نہ ہوسکی تو نماز تو مل ہی جائے گی اور اگر مراسیل ابوداؤد کی روایت کو قابلِ قبول مان لیں کہ ابتدائی ایام میں خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا تو صورت یہ ہوگی کہ نماز سے فراغت ہو چکی تھی، خطبہ کی فرضیت انہیں معلوم نہیں تھی، اس لئے بعض حضرات اٹھ کر چلے گئے، اس لئے خطبہ جمعہ کے احکام معلوم ہونے کے بعد تو صحابۂ کرام کی وہ کیفیت ہے جسے قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

یسبح لہ فیھا بالغدو والآصال	ان گھروں میں صبح وشام وہ لوگ تسبیح خداوندی میں
رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن	مشغول رہتے ہیں جنہیں ذکر خداوندی سے کوئی تجارت
ذکر اللہ الآیۃ (سورۂ نور آیت: ۳۷)	یا خرید وفروخت غفلت میں مبتلا نہیں کرتی۔

بہرحال یہاں نماز کے درمیان تعداد کم ہونے کا مسئلہ نہیں تھا، خطبۂ جمعہ کے دوران تعداد کم ہونے کی بات تھی، اس لئے بینما نحن نصلی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نماز کا عمل ہو رہا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نماز کے سلسلے میں لگے ہوئے تھے، خطبہ بھی نماز کے سلسلے کی ایک چیز ہے، اس صورت میں امام بخاریؒ کے مقصد کو ثابت کرنے کے لئے کہنا ہوگا کہ خطبہ نماز ہی کے حکم میں ہے اس لئے جب حضور ﷺ نے سامعین کے خطبہ کے دوران اٹھ جانے کے باوجود خطبہ پورا فرمایا تو نمازیوں کے کم ہوجانے کے باوجود نماز کو پورا کرنے کا مسئلہ اسی سے سمجھا جاسکتا ہے، یہ استدلال گو مضبوط نہیں ہے لیکن بخاری کے یہاں اس طرح کا استدلال پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

[۳۸] بَابُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَقَبْلَهَا

(۹۳۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ

فِي بَيْتِهِ وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ. (آئندہ: ۱۱۶۵، ۱۱۷۲، ۱۱۸۰)

ترجمہ باب، جمعہ کے بعد اور جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ جب گھر لوٹ آتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

مقصد ترجمہ اسی طرح کا ترجمہ کتاب العیدین میں آئے گا، **باب الصلاة قبل العيد وبعدها**، دونوں جگہ حکم کی صراحت نہیں ہے، یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نمازِ جمعہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے بعد نماز کی مشروعیت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جمعہ کا حکم عیدین سے مختلف ہے کہ عیدین میں نماز سے پہلے یا اس کے بعد کسی نماز کا ثبوت نہیں اور جمعہ میں اس کا ثبوت ہے، البتہ دونوں ترجموں میں ایک فرق ہے کہ عیدین میں فطری ترتیب کے مطابق **قبل** کو مقدم اور **بعدها** کو مؤخر ذکر کیا ہے اور یہاں ترتیب میں **بعد** کو مقدم کر دیا، وجہ ظاہر ہے کہ باب کے ذیل میں جو روایت ذکر کی ہے اس میں بعد کی صراحت ہے قبل کا ذکر نہیں ہے البتہ انہی الفاظ سے اشارۃً قبل کا حکم بھی سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ فرمایا گیا **لا يصلي بعد الجمعة حتى ينصرف فيصلي ركعتين** کہ جمعہ کے بعد مسجد میں نہیں، گھر لوٹ کر نماز پڑھتے تھے، بشرط انصاف اشارۃً سمجھا جا سکتا ہے کہ جمعہ سے پہلے بھی نماز تھی مگر اس میں گھر سے پڑھ کر آنے کی پابندی نہیں تھی، حجرے سے پڑھ کر آئیں یا مسجد میں آ کر پڑھ لیں، نیز یہ کہ بخاری میں **باب الدهن للجمعة** میں روایت گذر چکی ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور فلاں فلاں چیزوں کا اہتمام کرے **ثم يصلي ما كتب له ثم ينصت اذا تكلم الامام الا غفر له (الحديث)** اس روایت سے جمعہ سے پہلے نماز کا ثبوت واضح ہے۔

علامہ عینیؒ نے اس کو کمیت پر محمول فرمایا ہے کہ بخاری کا مقصد جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد نماز کی تعداد کو بیان کرنا ہے، لیکن اس پر وہ خود یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ بعد کی تعداد تو روایت میں مذکور ہے، پہلے کی نہیں، پھر وہ اس اشکال کے کئی جواب دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے بخاری اس روایت کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ کر رہے ہوں، اور ہوسکتا ہے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہوں کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے، اس لئے دونوں کا ایک ہی حکم ہے وغیرہ، زین بن المنیر نے بھی اس طرح کی بات کہی ہے کہ بخاری کا مقصد اس طرح ثابت ہے کہ ظہر اور جمعہ حکم میں برابر ہیں کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے اس لئے جب تک دلیلِ فرق قائم نہ ہو جائے دونوں کا حکم ایک ہی رہے گا، یہ سب باتیں شروح میں موجود ہیں اور جو بات ہم نے عرض کی ہے وہ بے تکلف معلوم ہوتی ہے۔

تشریح حدیث حدیثِ باب میں کئی فرائض کے ساتھ سنتوں کا ذکر ہے ان کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا، یہاں بخاری کا مقصد حدیثِ باب کے آخری جز **كان لا يصلي بعد الجمعة حتى ينصرف**

فیصلی رکعتین سے متعلق ہے، جن میں جمعہ کے بعد نماز کی صراحت ہے اور انہی الفاظ سے جمعہ سے قبل نماز کی مشروعیت کی طرف اشارہ ہو گیا کہ بعد کی نماز تو واپسی کے بعد ہی پڑھتے تھے، لیکن پہلے کی نماز تو اسکے لئے ابن عمر جگہ کی تعیین نہیں کرتے۔ اور حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے یہ فرمایا کہ بعد کی نماز تو روایت میں مذکور ہے، اور پہلے کی نماز کے لئے امام بخاریؒ اس روایت کے ان طرق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو ابو داؤدؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ میں مذکور ہیں جن میں فرمایا گیا ہے: کان ابن عمر یطیل الصلوٰۃ قبل الجمعۃ ویصلی بعدھا رکعتین فی بیتہ ویحدث ان رسول اللہ ﷺ کان یفعل ذٰلک، ابن عمرؓ جمعہ سے پہلے نماز کو طول دیتے تھے اور اسکے بعد اپنے گھر میں دو رکعت پڑھتے تھے اور یہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے، چنانچہ اسی روایت سے امام نوویؒ نے جمعہ کی سنن قبلیہ پر استدلال کیا ہے۔

بس اتنی بات ہو گی کہ اس روایت کے مطابق جمعہ کی سنن قبلیہ کی تعداد کا تعین نہیں، بلکہ نمازی اپنے ذوق اور فرصت کے مطابق جتنی رکعتیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے نیز جو روایت باب الدھن للجمعۃ میں گذری ثم یصلی ما کتب لہ، اس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم

[۳۹] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (جمعہ:۱۰)

(۹۳۸) حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ كَانَتْ فِيْنَا امْرَاَةٌ تَجْعَلُ عَلٰى اَرْبِعَاءَ فِيْ مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا فَكَانَتْ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ تَنْزِعُ اُصُوْلَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهٗ فِيْ قِدْرٍ ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قُبْضَةً مِنْ شَعِيْرٍ تَطْحَنُهَا فَتَكُوْنُ اُصُوْلُ السِّلْقِ عَرْقَهٗ وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَرِّبُ ذٰلِكَ الطَّعَامَ اِلَيْنَا فَنَلْعَقُهٗ وَكُنَّا نَتَمَنّٰى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَا ذٰلِكَ. (آئندہ: ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹)

(۹۳۹) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ بِهٰذَا وَقَالَ مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَنَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ. (گذشتہ: ۹۳۸)

ترجمہ باب، اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان کہ جب نماز (جمعہ) تمام ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ حضرت سہلؓ بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ ہم میں ایک عورت تھی جو اپنے کھیت کی نالیوں پر چقندر بویا کرتی تھی، اس کا معمول یہ تھا کہ جمعہ کا دن آتا تو وہ چقندر کی جڑوں کو اکھاڑ لیتی پھر ان پر ایک مٹھی جو

پیس کے ڈال دیتی تو چقندر کی جڑیں پر گوشت ہڈی کی طرح ہو جاتیں اور ہم لوگ نماز جمعہ پڑھ کر واپس ہوتے تو اسکو سلام کرتے تو وہ یہ کھانا ہمارے سامنے پیش کرتی تو ہم اسکو چاٹ لیتے اور ہم اس کے اس کھانے کے اشتیاق میں جمعہ کا انتظار کرتے۔ ابو حازمؒ نے بھی حضرت سہیلؓ سے یہی روایت بیان کی اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ہمارا دوپہر کا سونا اور دوپہر کا کھانا جمعہ کے بعد ہی ہوا کرتا تھا۔

مقصد ترجمہ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں سورۂ جمعہ کی ایک آیت ذکر کی ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد روئے زمین پر تگ ودو اور فضل خداوندی کی تلاش وجستجو کی جائے، علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ انتشروا اور ابتغوا میں صیغۂ امر وجوب کے لئے نہیں، اباحت کے لئے ہے یا بعض مفسرین کی رائے کے مطابق یہ کہا جائے کہ انتشروا اور ابتغوا سے تلاشِ معاش مراد لیں تو امر اباحت کے لئے ہوگا اور اگر ابتغوا من فضل اللّٰہ سے مراد رحمتِ خداوندی اور عطائے ربانی کی جستجو ہو تو امر کو استحباب کے لئے ہونا چاہیئے۔

ہمارے خیال میں امام بخاریؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جمعہ سے پہلے جتنا وقت ہے وہ جمعہ کی تیاری اور کار ہائے جمعہ کی انجام دہی میں صرف ہونا چاہیئے، معاش کے لئے تگ ودو اور فضلِ خداوندی کی تلاش کے لئے جمعہ کے بعد کا وقت مناسب ہے، یعنی نمازِ جمعہ سے پہلے کھانے پینے میں اور اپنی دیگر ضروریات میں مشغول نہ ہوں، نماز کے بعد ان کاموں کو انجام دیں۔

تشریح حدیث چنانچہ اس مقصد کے لئے روایت پیش کردی، حضرت سہلؓ بن سعد فرماتے ہیں کانت فینا امرأۃ الخ مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی جو اپنے کھیت کی نالیوں پر چقندر بویا کرتی تھی، بخاری ہی کی دوسری روایت میں یہ ہے کانت عجوز لنا تاخذ من اصول سلق کنا نغرسہ فی اربعائنا، کہ ہماری ایک بڑی بی تھیں جو ہمارے بوئے ہوئے چقندر لے لیا کرتی تھیں، اور بخاری ہی کی تیسری روایت میں ہے کانت لنا عجوز ترسل الی بضاعۃ فتاخذ من اصول السلق، ہمارے یہاں ایک بڑی بی تھیں جو بیر بضاعہ سے سیراب کئے جانے والے باغ میں پیدا ہونے والے چقندر کسی کو بھیج کر منگا لیا کرتی تھیں، بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں بیر بضاعہ سے باغات کی سیرابی کا کام لیا جاتا تھا جیسا کہ امام طحاویؒ نے بیان فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ بڑی بی کا معمول یہ تھا کہ اگر اپنی کاشت کے چقندر مہیا ہوئے تو وہ لے لئے، ورنہ دوسری جگہ سے منگا لئے، بہر حال وہ یہ انتظام رکھتی تھیں کہ جمعہ کا دن آیا تو انہوں نے چقندر حاصل کئے، ان کو صاف کیا اور ہانڈی میں ڈال دیا، اس کے اوپر کچھ جو پیس کر ڈال دئے، حسب ذائقہ نمک ڈال دیا، فرماتے ہیں کہ پکنے کے بعد وہ چقندر ایسے ہو جاتے تھے جیسے ہڈی پر لگا ہوا گوشت ہو جاتا ہے، بڑی بی ہر جمعہ کو یہ کھانا ہمارے لئے تیار کیا کرتی تھیں، ہم لوگ جمعہ کی نماز پڑھ کر ان کے گھر جاتے، ان کو سلام کرتے اور بڑی بی یہ کھانا ہمارے سامنے رکھ دیتیں، ہم مزہ لے کر اس کو کھایا کرتے تھے اور ہمیں یہ انتظار رہتا کہ کب جمعہ آئے اور ہمیں بڑی بی کے تیار کردہ کھانے کا ذائقہ نصیب ہو، امام

بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا کہ تلاشِ رزق اور کام و دہن کی لذت کے لئے جمعہ کے بعد کا وقت پسندیدہ ہے۔
روایت سے صحابۂ کرام کی قناعت پسند زندگی اور دنیوی لذتوں سے پرہیز کا بھی کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فقط جو کے آٹے میں ملا کر پکائے گئے چقندر کو وہ کتنی اہمیت دے رہے ہیں، یہی روایت امام بخاری باب تسلیم الرجال علی النساء میں بھی دیں گے کہ کچھ شرائط کے ساتھ اجنبی عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے، دوسری روایت میں جمعہ کے بعد قیلولہ کا ذکر ہے اور وہ اگلے باب میں آ رہی ہے۔ واللہ اعلم

[٤٠] بَابُ الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

(۹۴۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ الشَّيْبَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحٰقَ الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كُنَّا نُبَكِّرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ نَقِيْلُ . (گذشتہ: ۹۰۵)

(۹۴۱) حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْجُمُعَةَ ثُمَّ تَكُوْنُ الْقَائِلَةُ . (گذشتہ: ۹۳۸)

ترجمہ باب، جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرنے کا بیان۔ حمیدؒ طویل سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھا کرتے تھے پھر دوپہر کو قیلولہ کرتے تھے، حضرت سہلؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلى الله عليه وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے، پھر اس کے بعد قیلولہ ہوتا تھا۔

مقصد ترجمہ علامہ عینیؒ وغیرہ کے ارشاد کے مطابق یہ باب، بابِ سابق کی تائید ہے کہ انتشروا اور ابتغوا کا صیغۂ امر وجوب کے لئے نہیں ورنہ سونے کی اجازت نہ ہوتی اور ہمارے خیال میں مقصد یہ ہے کہ جس طرح نماز جمعہ کی وجہ سے معاشی تگ و دو اور خورد و نوش کو مؤخر کیا جاتا ہے، اسی طرح دوپہر کا آرام بھی نماز کے بعد کیا جائے، گویا جمعہ کے دن نماز اول وقت میں ہوگی اور قیلولہ اس کے بعد کیا جائے گا۔

تشریح احادیث اس باب میں پہلی روایت حضرت انسؓ کی ہے جو باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس کے تحت گذر چکی ہے اور دوسری روایت حضرت سہلؓ کی ہے جو باب سابق میں گذری، باب سابق کے الفاظ ما کنا نقیل و نتغدی الا بعد الجمعة تھے یعنی قیلولہ اور غداء دونوں کا ذکر تھا اور یہاں کنا نصلی مع النبی صلى الله عليه وسلم الجمعة ثم نقیل فرمایا گیا ہے، یعنی صرف قیلولہ کا ذکر ہے، امام احمدؒ نے ان روایات کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے فرمایا کہ غداء زوال سے پہلے کے کھانے کو کہتے ہیں اور قیلولہ زوال کے بعد سونے کو، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن ترتیب اس طرح ہوگی کہ زوال سے پہلے جمعہ کی نماز، پھر زوال سے پہلے غداء، اور پھر زوال کے بعد قیلولہ، پھر اس کے ساتھ بعض حنابلہ نے وہ روایت بھی شامل کر دی جس میں جمعہ کو عید کہا گیا ہے کہ عید کی نماز زوال سے پہلے ہوتی ہے، اسی طرح لفظ نبکر سے بھی نماز جمعہ کے باکرۃ النہار یعنی زوال سے پہلے ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

یہ بحث اختصار کے ساتھ باب وقت الجمعة میں گذر چکی ہے اور وہاں بیان کیا جاچکا ہے کہ تبکیر کے معنی کسی بھی عمل کو اول وقت میں کرنے کے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہیں کہ جمعہ کی نماز، زوالِ آفتاب کے فوراً بعد ہوتی تھی، رہا نتغدی اور نقیل سے استدلال تو وہ محض ظاہر الفاظ سے ہے ورنہ قائل کا مقصد تو یہ بیان کرنا ہے کہ جمعہ کے دن، امورِ جمعہ کے اہتمام کی وجہ سے ترتیب بدل جاتی تھی، عام دنوں میں غداء اپنے وقت پر، پھر قیلولہ، پھر نماز کا معمول رہتا تھا، اور جمعہ کے دن سب سے پہلے زوال کے بعد نماز، پھر غداء پھر قیلولہ کیا جاتا تھا، امام بخاری اس باب میں یہی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جمعہ کے دن قیلولہ نماز کے بعد ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۱۲] اَبْوَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اِلٰى قَوْلِهٖ عَذَاباً مُّهِيْناً. (نساء:۱۰۱،۱۰۲)

(۹۴۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَاَلْتُه هَلْ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَعْنِي صَلٰوةَ الْخَوْفِ فَقَالَ اَخْبَرَنَا سَالِمٌ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي لَنَا فَقَامَتْ طَآئِفَةٌ مَعَه وَاَقْبَلَتْ طَآئِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْ مَعَه وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّآئِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. (آئندہ:۹۴۳،۴۱۳۲،۴۱۳۳،۴۵۳۵)

ترجمہ خوف کی نماز کے ابواب، اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا کہ نماز میں قصر کردو، اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں مبتلا کردیں گے، بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں، اور جب آپ ان کے درمیان موجود ہوں، پھر آپ ان کو نماز پڑھائیں تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہوجائے اور یہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کرچکیں تو انہیں تمہارے پاس سے ہٹ جانا چاہیئے، اور دوسرے گروہ کو جس نے نماز نہیں پڑھی ہے آجانا چاہیئے پھر وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور یہ لوگ اپنی حفاظت کا سامان اور ہتھیار اپنے ساتھ رکھیں، کافر چاہتے ہیں کہ اگر تم لوگ اپنے ہتھیار اور سامان سے غافل ہوجاؤ تو تم پر یکبارگی حملہ کردیں اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ اپنے ہتھیار کھول دو اور اپنی حفاظت کا سامان ساتھ رکھ لو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے توہین آمیز عذاب تیار

کر رکھا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نجد کی طرف غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا تو ہم دشمنوں کے مدمقابل ہوئے پھر ہم نے دشمن کے سامنے صف بندی کی، پھر رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ہم میں سے ایک گروہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو گیا اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے رہا، پھر حضور ﷺ نے نماز میں شریک گروہ کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کئے، پھر یہ لوگ اس گروہ کی جگہ لوٹ کر چلے گئے جو نماز میں شریک نہیں تھا، پھر دوسرا گروہ آ گیا تو حضور ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھی، اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیر دیا، پھر دونوں گروہ کے ہر آدمی نے اپنی اپنی ایک رکعت پڑھی اور دو سجدے کئے۔

سابق سے ربط امام بخاری نے پانچوں فرض نمازوں سے متعلق تفصیل ابواب سے فراغت کے بعد، جمعہ کے ابواب ذکر کئے تھے کہ جمعہ کی اگرچہ امتیازی خصوصیات ہیں، لیکن اس کا شمار اپنی شرائط کے ساتھ فرائض ہی میں ہوتا ہے اور وہ ایک اعتبار سے ظہر کا بدل بھی ہے، اب جمعہ کے ابواب سے فراغت کے بعد اسی سلسلۂ فرائض میں صلوۃ الخوف کے ابواب ذکر فرما رہے ہیں کہ یہ بھی فرائض کی ادائیگی کی ایک صورت ہے، البتہ حالت امن اور خوف کا فرق ہے، گویا بخاری نے اس ترتیب کے ذریعہ اس طرف متوجہ کیا کہ اگر امن کی حالت ہو تو پانچوں نمازوں کو ان اوقات میں اس طرح ادا کیا جائے، اور جمعہ آئے تو اس کے شایانِ شان اہتمام کر کے نماز ادا کی جائے، اور اگر خوف کی حالت ہو تو جس طرح بھی ممکن ہو، جماعت کے ساتھ ممکن ہو یا انفرادی، زمین پر ہو یا سواری پر، نماز ادا کی جائے۔

امام بخاریؒ کی قائم کردہ ترتیب، محدثین وفقہاء کے عام ذوق سے مختلف ہے کہ وہ جمعہ کے بعد عام طور پر عیدین کے ابواب ذکر کرتے ہیں، لیکن امام بخاریؒ نے بھی اپنی ترتیب میں مناسبت ملحوظ رکھی ہے اور وہ ان کے ذوق کی آئینہ دار ہے۔

مقصد ترجمہ ہمارے ہندوستانی نسخہ میں جو مستملی وغیرہ کے مطابق ہے پہلا عنوان ہے **ابواب صلاۃ الخوف**، ابواب جمع ہے اس لئے اس موضوع سے متعلق آنے والے تراجم کا تمہیدی عنوان ہوا، اور اصیلی وغیرہ کے نسخہ کے مطابق یہاں **باب صلاۃ الخوف** ہے، گویا یہ اس موضوع سے متعلق پہلا ترجمہ ہے اور مقصد ہے صلوۃ الخوف کی مشروعیت اور کیفیت یعنی اس کے مقصور ہونے کا بیان، چنانچہ امام بخاری نے پہلے تو قرآن کریم سے اس کی مشروعیت ثابت کی، نیز اس کا مقصور الہیئۃ ہونا بیان کیا، پھر حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اس کی قدرے عملی تفصیل بھی ذکر فرما دی۔

مشروعیت کے بیان کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ قاضی ابو یوسف، امام مزنی، حسن بن زیاد، ابراہیم بن علیہ نے صلوۃ الخوف کو عہد رسالت کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پڑھی جانے والی نماز، کسی دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، اس لئے عہد رسالت میں ہر مسلمان آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھنے کی خواہش رکھتا تھا، آپؐ کے بعد یہ بات باقی نہیں، نیز یہ کہ **اذا کنت فیھم** کا ظاہر بھی ان کا مستدل ہے جس میں نظر بہ ظاہر حضور ﷺ کی موجودگی کو صلوۃ الخوف کی شرط قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک **اذا کنت فیھم**

کا جملہ صلوۃ الخوف کی شرط کے طور پر مذکور نہیں ہے، بلکہ یہ اس وقت کی واقعی حالت کا ذکر ہے یعنی حضور ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے، آپ کی موجودگی میں صلوۃ الخوف کی اجازت دی گئی ہے، صلوۃ الخوف کا حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہونا بیان نہیں کیا گیا ہے، اور یہ کہ آپؐ کے بعد صحابۂ کرامؓ سے صحیح روایات میں صلوۃ الخوف کا پڑھنا ثابت ہے، حضرت علیؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت حذیفہؓ نے مختلف مواقع پر صلوۃ الخوف پڑھی ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے اس ترجمہ میں قرآن وحدیث سے جمہور کے مسلک کے مطابق مشروعیت کو بیان کر دیا۔

تفسیر آیات ترجمہ کے ذیل میں بخاری نے دو آیتیں ذکر کی ہیں پہلی آیت میں سفر کے موقع پر قصر کا بیان ہے کہ ''اگر تم سفر کی حالت میں ہو تو قصر کرنے میں گناہ نہیں ہے اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے'' نمازِ سفر کی تفصیلات تو ابواب تقصیر الصلوٰۃ میں آئیں گی مگر یہاں اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ سفر شرعی کی صورت میں قصر کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو امام شافعیؒ نے لا جناح کی تعبیر وغیرہ کی وجہ سے رخصت پر محمول کیا ہے کہ قصر بھی جائز ہے اور قصر نہ کیا جائے تو کوئی مضایقہ نہیں، لیکن حنفیہ نے دلائل کی روشنی میں قصر کو عزیمت اور واجب قرار دیا ہے کہ مثلاً اگر مسافر اتمام کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے اور دو رکعت پر تشہد کے لئے بیٹھنا بھول جائے تو اس کی نماز فاسد ہے کیونکہ یہ بیٹھنا اس کے حق میں قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا تھا جو رکن ہے۔

حنفیہ کے دلائل میں حضرت عائشہؓ کی وہ صحیح روایت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ نماز دراصل دو رکعت تھی پھر حضر میں دو رکعت کا اضافہ کر دیا گیا اور سفر کی نماز اسی فریضۂ اولیٰ کے مطابق برقرار رکھی گئی، اسی طرح حضرت عمرؓ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قصر کی اجازت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر صدقہ ہے اور بندوں کی عبدیت کا تقاضا ہے کہ وہ خدا کے اس صدقہ کو قبول کریں۔

دوسری آیت میں صلوۃ الخوف کا بیان ہے، اس آیت کے شانِ نزول میں دارقطنی نے حضرت ابوعیاشؓ زرقی سے نقل کیا ہے کہ ہم لوگ عسفان میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے، دشمن کا پڑاؤ قبلہ کی جانب میں تھا جن کی کمان خالد بن ولید کر رہے تھے، حضور ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو مشرکین میں مشورہ ہوا کہ ہمیں مسلمانوں کی اس مشغولیت سے فائدہ اٹھا کر یکبارگی حملہ کرنا چاہیئے تھا، پھر انہوں نے طے کیا کہ ابھی ایک اور نماز کا وقت باقی ہے جو مسلمانوں کو اپنی جان سے زیادہ محبوب ہے، ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا چاہیئے، پھر اسی ظہر اور عصر کے درمیان آیت اذا کنت فیھم الآیۃ نازل ہوئی جس میں مجاہدین کو دو حصوں میں تقسیم کر کے نماز کا حکم دیا گیا تھا کہتے ہیں کہ یہی واقعہ حضرت خالد بن ولید کے اسلام قبول کرنے کا سبب بن گیا۔ (قرطبی: ج:۵، ص:۲۴۳)

امام بخاریؒ نے یہاں دونوں آیتیں نقل کیں، پہلی آیت میں سفر کی صورت میں کمیت کے قصر کا حکم ہے اور دوسری آیت میں خوف کی صورت میں کیفیت کے قصر کا، دونوں آیات کو نقل کرنے کی وجہ اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ صرف خوف کی صورت میں کمیت کا قصر نہیں ہوگا، ہاں اگر سفر اور خوف دونوں جمع ہو جائیں تو کمیت اور کیفیت دونوں کا قصر ہوگا، یعنی

اگر سفر نہ ہو اور خوف کی صورت پیدا ہو جائے تو امام ہر طائفہ کو دو رکعت پڑھائے گا اور سفر کی صورت میں ایک ایک رکعت،

بہر حال قرآن کریم میں مجاہدین کو دو حصوں میں تقسیم کر کے نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ امام پہلی رکعت مجاہدین کے ایک گروہ کو پڑھائے گا، جب کہ دوسرا حصہ دشمن کے مقابل رہے گا، امام کی اس رکعت کے بعد اب وہ مجاہدین آئیں گے جو دشمن کے مقابل تھے اور وہ اسی امام کے پیچھے دوسری رکعت پڑھیں گے، لیکن مجاہدین کے یہ دونوں گروہ اپنی اپنی دوسری رکعت کس طرح پڑھیں گے اس کے لئے قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ کوئی صورت متعین نہیں کی گئی، البتہ احادیث میں صلوۃ الخوف کے جو طریقے مذکور ہیں ان میں تعداد اور تنوع کا تعلق دوسری رکعت کے پڑھنے کی صورتوں سے ہے۔

احادیث میں مذکورہ صورتوں کا اجمال قرآن کریم میں صلوۃ الخوف کا حکم نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام نے متعدد مواقع پر یہ نماز پڑھی، ابن قصار مالکی نے ان مقامات کی تعداد دس بتائی ہے، لیکن زیلعی نے ارباب سیر و مغازی کی تحقیق کے مطابق چار مقامات، ذات الرقاع، بطن نخل، عسفان اور ذی قرد، کی تعیین کی ہے لیکن ایک ایک مقام پر ایک سے زائد بار صلوۃ الخوف پڑھنے کی نوبت آئی، ابن عربی کے بیان کے مطابق حضور علیہ السلام نے چوبیس مرتبہ صلوۃ الخوف پڑھی جس میں سولہ روایات صحیح ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ روایات میں ذکر کردہ تمام صورتوں کو مستقل نہیں کہا جا سکتا، بنیادی فرق نہ ہونے کی وجہ سے بعض صورتیں ایک دوسرے میں ضم ہو سکتی ہیں، چنانچہ ابن قیم نے کہا کہ اصولی طور پر یہ چھ طریقے ہوتے ہیں، ابن رشد نے کہا کہ روایات میں آنے والے مختلف اور کثیر طریقوں میں سے مشہور سات ہیں وغیرہ۔

ائمہ کے مذاہب فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ روایات میں ذکر کردہ یہ تمام صورتیں صحیح ہیں، قرآن میں یہ فرمایا گیا کہ کفار کے مبتلائے فتنہ کرنے کا اندیشہ ہو تو نماز باجماعت کے دوران حفاظت کے لئے مجاہدین کے دو دستے کر دئے جائیں، اسی حکمت عملی کے ساتھ موقع کے لحاظ سے روایات میں ذکر کردہ ہر صورت قابلِ عمل ہے، لیکن احنافؒ نے ان تمام صورتوں میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں بیان کردہ صورت کو ترجیح دی ہے، جبکہ دیگر ائمہ نے تفصیلات میں قدرے اختلاف کے ساتھ حضرت سہل بن ابی حثمہ کی روایت میں ذکر کردہ صورت کو راجح قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت امام بخاریؒ نے یہاں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ذکر فرمائی ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ، نجد کی طرف غزوہ میں شریک ہوئے، حفاظت کے نقطۂ نظر سے مجاہدین کے دو دستے کر دئے گئے، ایک دستے نے پہلی رکعت حضور علیہ السلام کے ساتھ پڑھی اور دوسری رکعت پڑھے بغیر محاذ پر چلا گیا، پھر دوسرا دستہ آیا اور اس نے دوسری رکعت حضور علیہ السلام کے ساتھ پڑھی، آپ کی دو رکعتیں ہو گئیں تو آپ نے سلام پھیر دیا، پھر مجاہدین کے دونوں دستوں نے اپنی اپنی نماز پوری کر لی، روایت اسی قدر ہے مگر چند باتوں پر غور کر لینا چاہیئے۔

ایک بات تو اس روایت میں بالکل صاف اور واضح ہے کہ پہلے اور دوسرے دستے میں سے کسی نے بھی اپنی اپنی بقیہ رکعت امام سے پہلے نہیں پڑھی بلکہ امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی، دوسری بات یہ کہ ان دونوں دستوں نے امام کے بعد اپنی اپنی بقیہ نماز، ایک وقت میں پڑھی یا پہلے ایک دستے نے، پھر دوسرے دستے نے، روایت میں کوئی وضاحت نہیں ہے اس لئے دونوں باتیں ممکن ہیں لیکن دونوں دستوں کے ایک وقت میں پڑھنے کی صورت میں دشمن سے حفاظت والی مصلحت فوت ہو جائے گی، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ دونوں دستوں نے اپنی اپنی نماز متعاقباً پڑھی، تیسری بات یہ کہ پہلے دستے نے پہلے اپنی نماز کو مکمل کیا یا دوسرے دستے نے، اس میں دونوں صورتیں ممکن ہیں لیکن دوسرے دستے کے پہلے پڑھنے سے یہ نقصان ہوگا کہ جو دستہ بعد میں شریک نماز ہوا تھا وہ پہلے فارغ ہو جائے گا اور جس دستے نے پہلے نماز شروع کی تھی وہ بعد میں فارغ ہوگا، اور اگرچہ صلوٰۃ الخوف میں اس کی گنجائش ہے لیکن ترتیب کو باقی رکھنے کے لئے ظاہر یہی ہے کہ پہلے دستے نے پہلے اور دوسرے دستے نے بعد میں نماز ادا کی ہو۔

حنفیہ کے یہاں صلوٰۃ الخوف کا راجح طریقہ

حنفیہ نے خوف کی نماز میں جس طریقہ کو ترجیح دی ہے وہ یہی ہے کہ ایک دستہ دشمن کے مقابل کھڑا رہے اور دوسرے دستہ کو امام ایک رکعت پڑھا دے، ایک رکعت پڑھ کر یہ دستہ دشمن کے مقابل چلا جائے اور جو دستہ نماز میں نہیں تھا وہ آجائے، اب امام اس دستہ کو دوسری رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے اور نماز سے فارغ ہو جائے۔ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد یہ دوسرا دستہ اپنی نماز پوری کئے بغیر واپس ہو کر دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے اور پہلا دستہ آکر لاحق ہونے کی حیثیت سے اپنی نماز قراءت کے بغیر مکمل کر لے، جب پہلا دستہ نماز مکمل کر کے واپس ہو جائے تو دوسرا دستہ اسی جگہ آئے اور مسبوق کی حیثیت سے اپنی نماز کو پورا کرے، دستوں کی ترتیب یہی رہے گی البتہ پہلے اور دوسرے دستے کا اسی جگہ لوٹ کر آنا ضروری نہیں،

اس طریقہ پر نماز میں نقل وحرکت کا عمل تو بڑھتا ہے لیکن اس میں موضوع امامت واقتدا اور اصول کی خلاف ورزی نہیں ہے کہ نہ کوئی دستہ امام سے پہلے فارغ ہو رہا ہے اور نہ بعد میں آنے والے پہلے اور پہلے آنے والے بعد میں فارغ ہو رہے ہیں، رہا نقل وحرکت کا عمل، تو وہ اس صورت میں زائد ہے لیکن یہ مشی کی حالت میں نماز کا عمل نہیں ہے بلکہ نماز کی حالت میں مشی کا عمل ہے جس کی ضرورۃً اجازت دی گئی ہے۔

حنفیہ کے اختیار کردہ اس طریقہ کی بنیادی باتیں اور بیشتر تفصیلات حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، اور حضرت ابن عباسؓ کی روایات سے ماخوذ ہیں، حضرت ابن عمر کی روایت پر تو گفتگو ہی ہو رہی ہے، اور حضرت ابن مسعود کی روایت ابوداؤد وغیرہ میں ہے، حضرت ابن عباس کی روایت امام محمد نے امام اعظم کی سند سے کتاب الآثار میں نقل کی ہے۔

دیگر ائمہ کے یہاں راجح طریقہ

دیگر ائمہ کے یہاں صلوٰۃ الخوف کا طریقہ یہ ہے کہ فوج کے دو دستے کر دئے جائیں، ایک دستہ دشمن کے مقابل رہے اور دوسرا دستہ نماز میں شریک

ہو جائے، امام پہلے دستے کو ایک رکعت پڑھا دے اور اس کے بعد امام کھڑا رہے، یہ دستہ اسی وقت اپنی دوسری رکعت پوری کر کے چلا جائے، اب دوسرا دستہ آئے، امام اس کو دوسری رکعت پڑھا دے اور سلام نہ پھیرے بلکہ تشہد میں بیٹھا رہے، جب یہ دوسرا دستہ اپنی رکعت اور تشہد کو پورا کر لے تو امام مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیر دے، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہی کہتے ہیں، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام دوسری رکعت پڑھا کر مقتدیوں کے دوسری رکعت پڑھنے کا انتظار نہ کرے سلام پھیر دے، کیونکہ امام اگر مقتدیوں کے انتظار میں سلام کو مؤخر کرتا ہے تو امام تابع ہو جائے گا جبکہ اس کو متبوع بنایا گیا ہے۔

ان حضرات کا مستدل حضرت سہلؓ بن ابی حثمہ کی روایت ہے جو متعدد کتابوں میں مختلف طرق سے منقول ہے اور صحیح ہے ہمارے نزدیک بھی اس طریقہ پر نماز پڑھنا اگرچہ درست ہے لیکن حنفیہ نے اس طریقہ کو اس لئے راجح قرار نہیں دیا کہ اس میں کئی جگہ اصول اور موضوع امامت واقتداء کی خلاف ورزی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

نیز یہ کہ حنفیہ کا اختیار کردہ طریقہ قرآن کریم میں بیان کردہ اجمال کے قریب ہے کیونکہ آیت میں فـــاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم فرمایا گیا ہے کہ طائفہ اولی سجدہ کرنے کے بعد واپس ہو جائے، اس کا ظاہر یہی ہے کہ یہ طائفہ اپنی دوسری رکعت کو بعد میں پڑھے گا۔

جماعت کا تاکیدی حکم فقہاء نے صلوۃ الخوف سے جماعت کے حکم کی تاکید پر استدلال کیا ہے کہ دشمن کی جانب سے شدید خطرات کے باوجود جب تک ممکن ہوا شریعت نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تاکید کی اور نماز باجماعت کی وجہ سے بعض چیزوں کی گنجائش بھی عطا کی، اس سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں جماعت کا معاملہ کتنا اہم ہے، جو لوگ جماعت کا اہتمام نہیں کرتے انہیں اس پر غور کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم

[۲] بَابُ صَلٰوۃِ الْخَوْفِ رِجَالاً وَرُکْبَاناً، رَاجِلٌ قَائِمٌ

(۹۴۳) حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ یَحْیٰی بْنِ سَعِیْدِ الْقُرَشِیُّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَیْجٍ عَنْ مُوْسَی بْنُ عُقْبَۃَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ اِذَا اخْتَلَطُوْا قِیَامًا، وَزَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَاِنْ کَانُوْا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَلْیُصَلُّوْا قِیَامًا وَرُکْبَانًا. (گذشتہ: ۹۴۲)

ترجمہ باب، صلوۃ الخوف کے کھڑے ہو کر اور سوار ہو کر پڑھنے کا بیان، راجل کا مطلب ہے کھڑے ہو کر، حضرت ابن عمرؓ سے مجاہد کے قول کے قریب منقول ہے کہ جب مسلمان، دشمن کی فوج سے لڑائی کے وقت مختلط ہو جائیں تو کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، اور ابن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ بات مزید نقل کی کہ اگر دشمن اس سے بھی زیادہ ہوں تو وہ کھڑے ہو کر اور سوار ہو کر نماز پڑھیں۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اگر خوف کی وجہ سے زمین پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو تو سواری پر نماز پڑھنا بھی درست ہے، گویا صلوۃ الخوف میں دونوں صورتیں جائز ہیں جب کہ غیر صلوۃ الخوف میں فریضہ کا سواری پر ادا کرنا جائز نہیں، نیز یہ کہ اگر نیچے اترنے کا موقع ہو تو نیچے اتر کر کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے گی، چلتے چلتے نماز کی اجازت نہیں، احناف کے یہاں چلتی سواری پر نماز کی صرف مطلوب کو اجازت ہے طالب کو نہیں، یہ مسئلہ آگے آرہا ہے، امام بخاریؒ اسی کی موافقت کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں **راجل قائم**، کہ ترجمۃ الباب میں جو **رجالا ورکبانا** کہا گیا ہے اس میں **رجال**، **راجل** کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں **قائما**، یعنی کھڑے ہو کر زمین پر پڑھیں یا سواری پر، خوف کی حالت میں دونوں طرح نماز جائز ہے، مزید یہ کہ سورۂ بقرہ میں خوف کی حالت میں نماز کے لئے جو **فان خفتم فرجالا او رکبانا** فرمایا گیا ہے اس کی تفسیر بھی ہوگئی کہ وہاں **رجالا** سے پیادہ یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مراد ہے۔

تشریح حدیث اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے جو استدلال کیا ہے اس میں بہت زیادہ اختصار ہے اور تصحیف بھی ہوگئی ہے جس سے مطلب برآری میں مشکل پیش آرہی ہے کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے جو منقول ہے وہ مجاہد کے قول کے قریب قریب ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ نہیں بتاتے کہ مجاہد کا قول کیا ہے اور ابن عمر کا کیا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ **عن ابن عمر نحوا من قول مجاهد** کے بعد نقل کیا ہے **اذا اختلطوا قیاما**، **نحوا** کا لفظ بتا رہا ہے کہ ابن عمر اور مجاہد کے قول میں کچھ فرق بھی ہے، بخاری نے ان دونوں حضرات کے اقوال الگ الگ نہ یہاں ذکر کئے نہ کسی اور جگہ، بلکہ دونوں حضرات سے مشترک طور پر **اذا اختلطوا قیاما** نقل کر دیا، پھر یہ کہ مجاہد، ابن عمر کے شاگرد ہیں اس لئے کہنا یہ چاہئے تھا کہ مجاہد نے ابن عمر جیسی بات کہی، لیکن امام بخاری معاملہ الٹا کر رہے ہیں، پھر یہ کہ اگر دونوں کے اقوال الگ الگ ہوتے اور ایک کے قول میں ابہام یا تعقید، اور دوسرے کے قول میں وضاحت یا تفصیل ہوتی تو سمجھا جا سکتا تھا کہ مجمل کو مفصل کے حوالہ سے واضح کر دیا ہے، لیکن اس اختصار کی وجہ سے مقصد کا تعین مشکل ہو رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ **اذا اختلطوا قیاما** میں، **قیاما** اگر **اختلطوا** کی ضمیر فاعل کا حال ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر دونوں فوجیں قیام کی حالت میں ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں اور اس صورت میں شرط موجود ہے اور جزا محذوف، گویا مضمون کا سمجھنا ہی دشوار ہے کہ اگر ایسی صورت ہو تو کیا کیا جائے اس لئے شارحین نے دوسری صورت اختیار کی کہ **اذا اختلطوا** شرط ہے، اور **قیاما** جزاء محذوف کی ضمیر فاعل کا حال ہے اور عبارت یہ ہے **اذا اختلطوا صلوا قیاما**، کہ اگر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں تو اس صورت میں اگر موقع ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی جائے۔

ابن حجرؒ کا پیش کردہ حل پھر یہ کہ ابن حجرؒ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جو نقل فرمایا ہے اس سے تصحیف لازم آرہی ہے، ابن حجرؒ نے طبری سے بروایت یحیٰ بن سعیدؒ ابن عمرؓ کی روایت نقل کی اذا اختلطوا فانماھو الذکر واشارۃ الراس گھمسان کی جنگ کے موقع پر نماز میں صرف ذکر اور سر کا اشارہ کافی ہے، پھر انہوں نے دوسرے حوالہ سے مجاہد کا قول نقل کیا اذا اختلطوا فانما ھو الاشارۃ بالراس ان نقول سے عن ابن عمرؓ نحو امن قول مجاھد کا یہ جز تو حل ہو گیا کہ دونوں کے اقوال معمولی فرق کے ساتھ قریب ہیں کہ مجاہد کے قول میں ذکر کا لفظ نہیں محض اشارۂ راس کی بات ہے، اور ابن عمرؓ کی روایت میں الذکر واشارۃالراس دونوں باتیں ہیں، لیکن اس تفصیل سے یہ بھی طے ہو گیا کہ اذا اختلطوا قیاما میں لفظ قیاما، فانما کی تصحیف یعنی بگڑی ہوئی شکل ہے گویا امام بخاریؒ نے یہاں اختصار بھی ایسا کیا کہ مقصد تک پہنچنا دشوار ہو گیا اور اس کے ساتھ جو تصحیف ہوئی تو اس کی وجہ سے کام اور زیادہ خراب ہو گیا۔

وزادابن عمرؓ الخ آگے فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کی مرفوع روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اگر خوف کی شدت کے ساتھ دشمن کی تعداد بھی زیادہ ہو تو پاپیادہ بھی اور سواری پر بھی، جیسا موقع ہو نماز درست ہے یعنی اگر نہ صف بندی ممکن ہو، نہ زمین پر اترنے کا موقع ہو تو نماز کا فریضہ ساقط نہ ہوگا، البتہ زمین پر اترنے کا اور قیام کا فرض ساقط ہو جائیگا اور سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی۔ اور مسلم میں اس روایت میں یہ بھی اضافہ ہے اذا کان خوف اکثر من ذلك فلیصل راکبا او قائما یومی ایماء ا یعنی زمین پر اتر کر اشارے سے بھی نماز پڑھ لی جائے گی، اور موطا میں یہ بھی اضافہ ہے مستقبل القبلة او غیر مستقبلھا گویا استقبال قبلہ بھی باقی نہ رہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ بہر حال امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا کہ خوف کی حالت میں پاپیادہ بھی اور سواری پر بھی دونوں طرح نماز درست ہے۔

نیز یہ کہ جنگ وجدال کی شدت کے علاوہ کسی اور طرح کا خوف ہو، مثلاً جان ومال کا کوئی خطرہ جیسے درندے اور سانپ کا خطرہ، یا ڈوب جانے اور جل جانے کا خطرہ، تو ان سب صورتوں میں یہی حکم ہوگا کہ اگر قیام پر قدرت نہ رہے تو سواری پر نماز کی اجازت دی جائے گی۔ واللہ اعلم

[۳] بَابٌ يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً فِي صَلٰوةِ الْخَوْفِ

(۹۴۴) حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ فَكَبَّرَ وَكَبَّرُوْا مَعَهٗ وَرَكَعَ وَرَكَعَ نَاسٌ مِنْهُمْ ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدُوْا مَعَهٗ ثُمَّ قَامَ لِلثَّانِيَةِ فَقَامَ الَّذِيْنَ سَجَدُوْا وَحَرَسُوْا اِخْوَانَهُمْ وَاَتَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَرَكَعُوْا وَسَجَدُوْا مَعَهٗ وَالنَّاسُ

كُلُّهُمْ فِي صَلٰوةٍ وَلٰكِنْ يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً.

ترجمہ باب، صلوۃ الخوف میں مجاہدین کے ایک دوسرے کی حفاظت کرنے کا بیان، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے پھر آپ نے تکبیر کہی تو لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی اور آپ نے رکوع کیا اور آپ کے ساتھ کچھ لوگوں نے رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا تو انہی لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو جن لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا تھا وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنے بھائیوں کی نگرانی کی، اور دوسری جماعت آئی اور انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا، اور سب کے سب لوگ نماز ہی میں تھے لیکن وہ ایک دوسرے کی نگہبانی کر رہے تھے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ صلوۃ الخوف کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان سب کی بنیاد یہ ہے کہ نماز کے عمل کے ساتھ دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رہے تاکہ اس نگہبانی کی وجہ سے نماز میں بھی دشمن کی طرف سے اطمینان رہے، اس بات کو ثابت کرنے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ امام بخاریؒ ابواب صفة الصلوۃ کے آغاز ہی میں باب الخشوع فی الصلوۃ منعقد کر کے آئے ہیں اور معلوم ہے کہ خشوع کا تعلق دل و دماغ سے بھی ہے اور جوارح سے بھی، اور اس نگرانی میں تیقظ کی بھی ضرورت ہے جس کا تعلق دل و دماغ سے ہے اور دیکھنے کی بھی ضرورت ہے جو آنکھ کا کام ہے، اس لئے نماز کے دوران اپنی حفاظت کے لئے ان چیزوں کی رعایت بظاہر خشوع کے منافی ہے! امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ صلوۃ الخوف میں شریعت نے جہاں نقل وحرکت، تقدیم وتاخیر اور اسلحہ بندی کی گنجائش دی ہے وہیں اپنی حفاظت کے لئے دشمن پر نظر رکھنے کی بھی اجازت ہے اور اس کے لئے جیسا موقع ہوگا اس کے مطابق صورت اختیار کی جائے گی۔

تشریح حدیث روایت باب میں صلوۃ الخوف کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب دشمن کا پڑاؤ سمت قبلہ میں ہو اور کوئی حائل بھی نہ ہو، اس وقت امام لشکر کو دو صفوں میں مرتب کر کے آگے پیچھے کھڑا کرے گا، تحریمہ سے رکوع تک دونوں صفیں امام کے ساتھ شریک عمل رہیں گی، جب سجدہ کا وقت آئے گا تو اگلی صف جو امام سے متصل ہے امام کے ساتھ سجدہ میں جائے گی اور پچھلی صف کھڑی رہ کر دشمن پر نظر رکھے گی، جب امام مع صف اول سجدے سے اٹھ جائے گا تو دوسری صف کے نمازی سجدے میں جائیں گے، سجدے سے اٹھ کر صفوں کا تبادلہ کر لیا جائے گا کہ دوسری صف، پہلی صف کی جگہ اور پہلی صف دوسری صف کی جگہ آ جائے گی، اب امام دوسری رکعت پڑھائے گا تو پہلی رکعت کی طرح تمام نمازی رکوع تک شریک رہیں گے اور سجدہ کا وقت آئے گا تو اس وقت بھی دوسری صف سجدے میں امام کے ساتھ شریک نہ رہ کر دشمن پر نظر رکھے گی، جب امام سجدے سے سر اٹھا لے گا تو یہ لوگ سجدے میں جائیں گے، پھر سب تشہد میں شریک ہو جائیں گے اور پھر امام سب کے ساتھ سلام پھیر دے گا۔

اس طریقہ میں اعمالِ صلوۃ کے منافی کوئی بڑا عمل نہیں ہے، صرف صفوں کا تبادلہ کیا گیا ہے تاکہ دونوں صفیں امام کے ساتھ جملہ اعمالِ صلوۃ میں شرکت اور صف اول کی فضیلت میں برابر ہو جائیں، اس روایت میں یحرس بعضھم بعضا مذکور ہے جس سے امام بخاریؒ کا مقصد صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ واللہ اعلم

[٤] بَابُ الصَّلٰوةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُوْنِ وَلِقَآءِ الْعَدُوِّ

وَقَالَ الْاَوْزَاعِيُّ اِنْ كَانَ تَهَيَّأَ الْفَتْحُ وَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ صَلَّوْا اِيْمَآءً كُلُّ امْرِئٍ لِنَفْسِهٖ فَاِنْ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الْاِيْمَآءِ اَخَّرُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى يَنْكَشِفَ الْقِتَالُ اَوْ يَامَنُوْا فَيُصَلُّوْا رَكْعَتَيْنِ فَاِنْ لَمْ يَقْدِرُوْا صَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ فَاِنْ لَمْ يَقْدِرُوْا فَلَا يُجْزِئُهُمُ التَّكْبِيْرُ وَيُؤَخِّرُوْنَهَا حَتّٰى يَامَنُوْا وَبِهٖ قَالَ مَكْحُوْلٌ، وَقَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ حَضَرْتُ مُنَاهَضَةَ حِصْنِ تُسْتَرَ عِنْدَ اِضَاءَةِ الْفَجْرِ وَاشْتَدَّ اِشْتِعَالُ الْقِتَالِ فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ فَلَمْ نُصَلِّ اِلَّا بَعْدَ اِرْتِفَاعِ النَّهَارِ فَصَلَّيْنَاهَا وَنَحْنُ مَعَ اَبِيْ مُوْسٰى فَفُتِحَ لَنَا قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَمَا يَسُرُّنِيْ بِتِلْكَ الصَّلٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا .

(۹۴۵) حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَآءَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ وَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا صَلَّيْتُ الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَغِيْبَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا بَعْدُ قَالَ فَنَزَلَ اِلٰى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ بَعْدَهَا . (گذشتہ:۵۹۶)

ترجمہ باب، قلعوں پر فاتحانہ چڑھائی اور دشمن سے مقابلہ کی صورت میں نماز کا بیان۔ اور امام اوزاعیؒ نے کہا کہ اگر فتح کی تیاری ہو اور لوگ نماز کو پورے ارکان کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہ ہوں تو اشارے سے نماز پڑھ لیں، ہر شخص اپنی اپنی پڑھ لے، پھر اگر اشارے پر بھی قادر نہ ہوں تو نماز کو مؤخر کردیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یا امن ہو جائے تو اس وقت دو رکعت پڑھ لیں، اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو ایک رکعت اور دو سجدے کرلیں، پھر اگر اس کی قدرت نہ ہو تو صرف تکبیر تحریمہ کافی نہیں ہے اور وہ نماز کو مؤخر کردیں یہاں تک کہ مامون ہو جائیں اور یہی بات مکحول نے کہی ہے اور حضرت انس بن مالک نے کہا کہ میں صبح کی روشنی کے وقت، قلعہ شوستر پر فاتحانہ چڑھائی کے موقع پر حاضر تھا اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے تو لوگ نماز کی ادائیگی پر قادر نہ ہو سکے چنانچہ ہم دن کے چڑھنے کے بعد تک نماز نہ پڑھ سکے، پھر اس کے بعد ہم نے نماز پڑھی اور ہم حضرت ابوموسی اشعریؓ کے ساتھ تھے پھر وہ قلعہ فتح کیا گیا، حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ اس نماز کے بدلے مجھے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے کوئی مسرت نہیں ہے حضرت

جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ خندق والے دن آئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں عصر کی نماز نہ پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب کے قریب ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بخدا! میں تو ابھی تک نہیں پڑھ سکا، پھر آپؐ وادیٔ بطحان میں اترے، وضو کیا اور غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

مقصد ترجمہ مناهضة، نهوض سے باب مفاعلت ہے، نهوض کے معنی ہیں اٹھنا، کھڑا ہونا، مناهضة کا مطلب ہوا کھڑے ہوکر مقابلہ پر ڈٹ جانا، یہاں مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں نے دشمن کے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا ہو، جنگ کی گرم بازاری ہو، مسلمان باہر ہوں اور دشمن اوپر سے تیر اندازی اور شعلہ باری کر رہے ہوں، صورتِ حال ایسی ہو کہ فتح بالکل قریب معلوم ہوتی ہو، لیکن اگر یکجا ہوکر نماز کا نظم کرتے ہیں تو دشمن کو سنبھلنے کا موقع مل جائے گا اور ساری محنت برباد ہوجائے گی، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں نماز پڑھیں یا مؤخر کریں، اور پڑھیں تو کیسے پڑھیں؟

ولقاء العدو، یہ ترجمہ کا دوسرا جز ہے، جو **مناهضة الحصون** سے عام ہے کہ اگر دشمن سے مقابلہ اور مڈبھیڑ ہو، یعنی اگر دشمن سے مقابلہ آرائی میں نماز کی مہلت نہ ملے تو کیا کیا جائے؟

امام بخاریؒ نے اس صورتِ حال میں شرعی حکم بیان کرنے کے لئے امام اوزاعیؒ کی بات نقل کی ہے کہ اگر فتح بالکل تیار ہو اور نماز کا موقع نہ مل سکے تو ہر شخص اشارے سے اپنی نماز پڑھ لے اور اگر اشارہ کا بھی موقع نہ ہو، مثلاً صورتِ حال اتنی نازک ہو کہ خیال ہٹاتے ہی گردن الگ ہونے کا خطرہ ہو تو ایسے میں نماز کو مؤخر کیا جائے گا یہاں تک کہ لڑائی ختم ہوجائے یا ختم نہ ہو تو وقتی طور پر امن کی صورت پیدا ہوجائے، ایسا ہوجائے تو چونکہ سفر کی حالت ہے اور قصر کا حکم ہے اس لئے دو رکعت پڑھیں اور اگر دو رکعت کا موقع نہ ہو تو ایک رکعت اور دو سجدے کرلیں اور اگر اس کا بھی کسی طرح موقع نہیں ہے تو صرف تکبیر پر اکتفاء کرنا درست نہیں ہے بلکہ حصولِ امن تک نماز کو مؤخر کیا جائے گا، امام ثوریؒ اور بعض تابعین سے منقول ہے کہ ایسی نازک صورتِ حال میں صرف **اللہ اکبر** کہہ لینا کافی ہے، عطاءؒ اور سعید بن جبیرؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ **سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر** کہہ لینا کافی ہے۔

وبہ قال مکحول، مکحول شامی کی بھی یہی رائے ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ امام اوزاعی کے کلام کا تتمہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے تعلیق کے طور پر یہ دوسری بات کہی ہو۔

حنفیہ کے یہاں بھی شدتِ خوف میں بعض چیزوں کی گنجائش ہے جیسے زمین پر اترنے کا موقع نہ ہو تو سواری پر نماز کی اجازت ہے، رکوع وسجود کا موقع نہ ہو تو اشارہ کافی ہے لیکن مشی کی اجازت نہیں یا مثلاً زمین پر نماز شروع کی تھی، اور سوار ہونے کی ضرورت پڑگئی یا قتالِ کثیر کی نوبت آگئی تو نماز فاسد ہوجائے گی، اسی لئے حنفیہ کے یہاں مسایفت

(فریقین کی شمشیرزنی) کی صورت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، امام بخاری بھی اس سلسلے میں حنفیہ کی موافقت کررہے ہیں، حضرت انس کی تعلیق سے یہ بات واضح ہے۔

وقال انس الخ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ شوستر کے قلعہ کے محاصرے اور فتح کے موقع پر میں بھی شریک تھا، حضرت ابوموسی اشعریؓ جنگ کے امیر تھے، رات بھر جنگ کی گرما گرمی رہی، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، صبح کے وقت جنگ مزید شدت اختیار کرکے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوئی اور بالآخر قلعہ فتح ہوگیا، لیکن اس دوران نمازِ فجر کا موقع نہ مل سکا، آفتاب کے بلند ہوجانے کے بعد نماز پڑھی گئی، معلوم ہوا کہ ایسی مجبوری ہو تو نماز مؤخر کرنے کی اجازت ہے۔

ومایسرنی الخ اس کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں، ایک تو یہ کہ فجر کی نماز قضا ہوجانے پر اظہارِ افسوس کررہے ہیں کہ قلعہ اگرچہ فتح ہوگیا، مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا مگر نماز قضا ہوجانے کی وجہ سے وہ خوشی نہیں ہے کہ نماز کے مقابلے پر دنیا اور اس کی تمام چیزیں ہیچ ہیں، اور دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ بے شک نماز تو قضا ہوگئی لیکن ہم اپنے کسی دنیوی شغل میں نہیں تھے بلکہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں جہاد کررہے تھے جسے ذروۂ سنام الاسلام کہا گیا ہے، اس لئے ہماری یہ نماز اگرچہ غیر وقت میں ہے مگر اس کے باوجود یہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے کہ خدا اور رسولِ خدا کے حکم کے مطابق ہے۔

تشریح حدیث روایت پر تفصیلی کلام **باب من صلی بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت** میں گذر چکا ہے، روایت غزوۂ خندق سے متعلق ہے، یہ غزوہ کئی ہفتہ تک جاری رہا، دشمن نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرلیا تھا اور دشمن سے حفاظت کے لئے خندق کھودنے کا عمل جاری تھا، خندق کھودنے ہی میں چھ دن صرف ہوگئے تھے، اس غزوہ میں اگرچہ دشمن سے دست بدست جنگ یعنی مسایفت کی نوبت نہیں آئی، لیکن کچھ واقعات پیش آئے جیسے خندق کا عرض ایک جگہ کچھ کم تھا تو ادھر سے ایک مشہور پہلوان -عمرو بن عبد ود- خندق پھاند کر آگیا، اور اس نے **هل من مبارز** کہہ کر آواز دی، حضرت علیؓ مقابلہ پر آئے، پہلے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے انکار کیا تو حضرت علیؓ نے مقابلہ کی دعوت دی، ابتداءً اس نے فرطِ غرور میں حضرت علیؓ کو کمسن کہہ کر مقابلہ سے گریز کیا، پھر حضرت علیؓ پر حملہ آور ہوا، پھر حضرت علیؓ نے جوابی وار کیا اور اس کا کام تمام کردیا۔

روایت میں نمازوں کی قضا کی جو بات مذکور ہے وہ اس غزوہ کے سب سے سخت دن کا واقعہ ہے یہ پورا دن تیر اندازی اور سنگ باری میں اس طرح گذرا کہ نماز کا موقع نہ مل سکا اور اس کو بعد میں قضاءً پڑھا گیا، بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا کہ قتال میں مشغولیت کے سبب نماز کو مامون وقت تک مؤخر کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

[۵] بَابُ صَلٰوةِ الطَّالِبِ وَ الْمَطْلُوْبِ رَاكِباً وَاِيْمَاءً

وَقَالَ الْوَلِيْدُ ذَكَرْتُ لِلْاَوْزَاعِيْ صَلٰوةَ شُرَحْبِيْلِ بْنِ السِّمْطِ وَاَصْحَابِهٖ عَلٰى ظَهْرِ الدَّابَّةِ فَقَالَ كَذٰلِكَ الْاَمْرُ عِنْدَنَا اِذَا تُخُوِّفَ الْفَوْتُ، وَاحْتَجَّ الْوَلِيْدُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ.

(۹۴۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اَسْمَآءَ قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْاَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَاَدْرَكَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيْقِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّيْ حَتّٰى نَاْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّيْ لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذٰلِكَ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُعَنِّفْ اَحَدًا مِنْهُمْ. (آئندہ:۴۱۱۹)

ترجمہ باب، طالب اور مطلوب کے سواری پر اور اشارے سے نماز پڑھنے کا بیان۔ اور ولید بن مسلم نے کہا کہ میں نے امام اوزاعی سے شرحبیل بن السمط اور ان کے ساتھیوں کے سواری پر نماز پڑھنے کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں بھی۔ اگر فوت ہونے کا ڈر ہو۔ یہی حکم ہے اور ولید نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا کہ تم میں سے کوئی عصر کی نماز بنوقریظہ میں پہنچنے سے پہلے ہرگز نہ پڑھے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا جب آپ غزوۂ خندق سے فارغ ہو گئے کہ تم میں سے کوئی عصر کی نماز ہرگز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ کے محلہ میں پہنچ کر، پھر یہ کہ بعض لوگوں کو عصر کا وقت راستے ہی میں ہو گیا اور بعض نے کہا کہ ہم عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے یہاں تک کہ بنوقریظہ میں پہنچ جائیں اور بعض نے کہا بلکہ ہم نماز پڑھ لیں گے آپ کا مطلب یہ (نماز قضا کرنا) نہیں تھا، پھر یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کی گئی تو آپ نے ان میں سے کسی کو ملامت نہیں کی۔

مقصد ترجمہ طالب، جو دوسرے کا تعاقب کر رہا ہو، اور مطلوب وہ جو جان بچا کر بھاگ رہا ہو، بخاری بیان کرنا چاہتے ہیں کہ طالب و مطلوب دونوں ہی کو دوڑتے ہوئے اشارے سے سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے، امام اعظم، امام شافعی اور امام احمد طالب کو اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ مجبور نہیں ہے، البتہ مطلوب مجبور ہے کہ رک کر نماز پڑھتا ہے تو دشمن قابو پالے گا، اس لئے ان حضرات کے یہاں مطلوب کو اجازت ہے کہ سواری پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔

وقال الولید الخ ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی کے سامنے شرحبیل بن سمط اور ان کے ساتھیوں کی سواری پر نماز کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں بھی اگر مطلوب کے قابو سے باہر ہو جانے کا یا جان و مال یا وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو سواری پر اشارے سے نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔

شرحبیل اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں یہ صراحت تو نہیں ملتی کہ وہ طالب تھے یا مطلوب، لیکن مطلوب کے بارے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، اختلاف طالب کے بارے میں ہے اور شرحبیل کے قصے سے بہ ظاہر طالب ہی کے مسئلے پر استدلال مقصود ہے، گویا ولید نے اوزاعی سے یہ ذکر کیا کہ شرحبیل اور ان کے ساتھیوں نے طالب ہونے کی صورت میں سواری پر اشارے سے نماز پڑھی تو سوال یہ ہے کہ فریضہ ادا ہوا یا نہیں؟ اوزاعی نے کہا حکم یہی ہے اذا تخوف الفوت یعنی جب یہ اندیشہ ہو کہ اگر اتر کر نماز پڑھی تو جس کو پکڑنے جا رہے ہیں وہ قابو سے باہر ہو جائے گا، یا الفاظ عام ہیں اس لئے مطلب بھی عام ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی اندیشہ ہو جیسے وقت کے نکل جانے کا خطرہ وغیرہ۔

واحتج الولید الخ ولید نے طالب کے مسئلہ پر حضور ﷺ کی اس ہدایت سے استدلال کیا جو آپ نے بنو قریظہ جانے والی جماعت کو دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ادا نہ کرے، بنو قریظہ کا واقعہ کیا تھا اور اس سے استدلال کا کیا طریقہ ہے، وہ ابھی ذکر میں آ رہا ہے۔

تشریح حدیث اب روایت پیش کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب سے فراغت کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے چلنے کے لئے کہا اور بتایا کہ فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں کھولے ہیں، آپؐ نے پوچھا کس طرف چلنا ہے؟ تو انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میں آگے جا رہا ہوں، ان لوگوں میں خوف پیدا کر دوں گا، حضرت جبرئیلؑ کی بات سنکر حضور ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا لا یصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظہ، جو لوگ ظہر کی نماز سے فارغ ہو گئے تھے ان کو حکم دیا کہ جلد از جلد بنو قریظہ پہنچیں اور عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پہنچنے کے بعد پڑھیں، چنانچہ صحابہ کرامؓ روانہ ہو گئے چلتے چلتے عصر کا وقت آ گیا، بعض صحابہؓ نے یہ خیال کیا کہ وقت اگرچہ ہو گیا ہے، لیکن آپ کے حکم لا یصلین الخ میں بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز کے لئے صریح نہی فرمائی گئی ہے، اس لئے نماز پڑھنے کا کیا جواز ہے؟ اس لئے وقت رہے یا نہ رہے عصر کی نماز وہیں جا کر پڑھیں گے۔ دوسری جماعت نے کہا کہ پیغمبر کا منشاء یہ نہیں تھا کہ نماز کو قضا کر دیا جائے، آپ کا منشا یہ تھا کہ جلد از جلد بنو قریظہ پہنچا جائے، اس لئے ان حضرات نے راستے میں نماز پڑھ لی، پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو ملامت نہیں کی، نہ ان لوگوں سے کچھ کہا جنہوں نے ظاہر امر کا امتثال کرتے ہوئے نماز کو قضا کر دیا تھا، اور نہ ان لوگوں کو کچھ کہا جنھوں نے امر کا اصل منشا سمجھ کر راستے میں نماز ادا کی تھی۔

طریقۂ استدلال امام بخاریؒ کا استدلال اس طرح ہے کہ بنو قریظہ مطلوب ہیں اور صحابۂ کرام طالب، طالب کو حکم دیا گیا لا یصلین احدکم الخ حکم کا مقصد جلد از جلد بنو قریظہ پہنچنا ہے، اگر یہ حضرات اتر کر نماز پڑھتے ہیں تو یہ مقصدِ تعجیل کے خلاف ہوگا، استعجال کا مقصد اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب چلتے چلتے سواری پر

اشارے سے نماز پڑھ لی جائے، معلوم ہوا کہ طالب کے لئے چلتے ہوئے اشارے سے نماز پڑھنا درست ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ استدلال بہت کمزور ہے، کمزوری یہ ہے کہ کسی روایت میں نہ یہ تفصیل ہے کہ جانے والے کس طرح گئے تھے اور نہ یہ تفصیل ہے کہ انہوں نے نماز کس طرح پڑھی؟ ظاہر ہے کہ کچھ لوگ پیدل ہوں گے، کچھ سواری پر ہوں گے، کسی کی سواری سست رفتار ہوگی، کسی کی تیز رفتار ہوگی، پھر یہ معلوم نہیں کہ راستے میں نماز پڑھنے کا فیصلہ کرنے والے کون لوگ تھے، پیدل تھے یا سوار تھے، پھر یہ کہ ان لوگوں نے رک کر نماز پڑھی، یا سواری پر اشارے سے؟ یہ ہمارا محض قیاس ہے کہ بعجلت ممکنہ پہنچنے کی وجہ سے انہوں نے سواری پر اشارے سے نماز پڑھی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ اپنے قیاسی مضمون کو لم یعنف احدا منھم کی تقریر سے ثابت کرنا کمزور بات ہے۔

غالباً اسی کمزوری کے پیشِ نظر کہ کسی روایت میں راستے میں سواری پر نماز پڑھنے کی صراحت نہیں بعض حضرات نے امام بخاریؒ کا مقصد ثابت کرنے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے، کہ امام بخاری کا استدلال راستے میں نماز نہ پڑھنے والوں کے عمل سے ہے اور وہ یہ کہ جب طالب کو نماز کے وقتِ مفروض سے موخر کرنے پر ملامت نہیں کی گئی تو اتمامِ ارکان ترک کر کے محض اشارے سے نماز پڑھنا بہ درجۂ اولی جائز ہوگا۔ لیکن یہ استدلال بھی مضبوط نہیں ہے کیونکہ ملامت نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خطأ اجتہادی کو شریعت نے عذر قرار دیا ہے اس سے یہ تو نکل سکتا ہے کہ خطأ اجتہادی پر مواخذہ نہیں ہے، لیکن خطأ اجتہادی سے دلالۃ النص کے طور پر درجۂ اولی میں کوئی مضمون ثابت کیا جائے تو اس کو کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

[٦] بَابُ التَّكْبِيْرِ وَالْغَلَسِ بِالصُّبْحِ وَالصَّلٰوةِ عِنْدَ الْإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ

(۹۴۷) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ وَثَابِتِ الْبُنَانِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الصُّبْحَ بِغَلَسٍ ثُمَّ رَكِبَ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ، فَخَرَجُوْا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ وَيَقُوْلُوْنَ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسُ قَالَ وَالْخَمِيْسُ الْجَيْشُ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذَّرَارِيَّ فَصَارَتْ صَفِيَّةُ لِدِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ وَصَارَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ صَدَاقَهَا عِتْقَهَا فَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ لِثَابِتٍ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اَنْتَ سَاَلْتَ اَنَسًا مَا اَمْهَرَهَا فَقَالَ اَمْهَرَهَا نَفْسَهَا، قَالَ فَتَبَسَّمَ . (گذشتہ: ۳۷۱)

ترجمہ باب، دشمن پر اچانک حملہ کرنے اور جنگ کے وقت نماز فجر کو تاریکی میں پڑھنے کا اور نعرۂ تکبیر کا بیان۔
حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لی، پھر سوار

ہو گئے اور کہا اللہ اکبر، جب ہم کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ڈرائی گئی قوم کی صبح بدتر ہو جاتی ہے، پھر یہودی گلی کوچوں میں دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ محمد مع لشکر آ گئے، راوی نے کہا خمیس لشکر کو کہتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان پر غالب آ گئے اور آپ نے لڑنے والوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور عورتوں و بچوں کو گرفتار کر لیا، پھر حضرت صفیہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں، اور پھر وہ حضور ﷺ کے حصہ میں آ گئیں، پھر آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا، اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا، عبدالعزیز نے ثابت بنانی سے پوچھا کہ اے ابو محمد! آپ نے حضرت انسؓ سے پوچھا تھا کہ آپ نے ان کو مہر میں کیا دیا تھا؟ تو انہوں نے کہا، آپ نے ان کا مہر خود انہی کو بنایا تھا، پھر انہوں نے کہا کہ انہوں نے تبسم فرمایا۔

مقصد ترجمہ بعض نسخوں میں التبکیر ہے جو غلس کے ہم معنی ہے اور اکثر نسخوں میں التکبیر ہے، اس دوسرے نسخہ کے مطابق امام بخاری کا مقصد دو عمل کو ثابت کرنا ہے، ایک عمل ہے صبح کی نماز کو غلس میں ادا کرنا، یعنی جس صورت میں دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غارت گری مقصود ہو تو ایسے وقت میں حملہ کرنے سے پہلے صبح کی نماز اول وقت میں پڑھ لینی چاہیئے، معلوم ہوا کہ عام دنوں میں فجر کی نماز کے لئے غلس کا معمول نہیں تھا، اور دوسرا عمل ہے تکبیر، یعنی ایسے موقع پر حملہ کرتے وقت دشمنوں کے قلوب میں رعب قائم کرنے کے لئے اور ان کی جمعیت میں انتشار پیدا کرنے کے لئے نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر کی آوازیں بلند کرنا بہت موثر ہے۔

ان دونوں اعمال میں پہلے عمل کو صلوۃ الخوف سے مناسبت ہے کہ دشمن کی غفلت کے وقت، فجر کی نماز اول وقت میں پڑھ لی جائے، ورنہ دشمن خبردار ہو گیا تو جنگ کی نوبت آ سکتی ہے اور اس صورت میں نماز مؤخر بھی ہو سکتی ہے، صلوۃ الخوف کی نوبت بھی آ سکتی ہے، بلکہ بعض اوقات نماز قضا بھی ہو سکتی ہے۔

تشریح حدیث روایتِ باب سے امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب کے دونوں عمل ثابت ہیں کہ فتح خیبر کے موقع پر آپؐ نے نمازِ فجر کو غلس میں پڑھا، پھر آپ سوار ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے خیبر کی گلیوں میں داخل ہوئے اور فرمایا خربت خیبر، انا اذا نزلنا الخ خیبر تباہ ہو گیا اور ہم جب کسی قوم کے صحن میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی صبح بدتر ہو جاتی ہے، آپ کا یہ ارشاد یا تو اس بنیاد پر ہے کہ وحی کے ذریعہ آپ کو اہلِ خیبر کے بارے میں علم عطا کر دیا گیا ہو، یا نصرتِ خداوندی پر یقین کی بنیاد پر بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نے پیغمبروں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، یا پھر یہ ارشاد نیک فالی کے طور پر بھی ہو سکتا ہے، بہر حال ہوا وہی جو آپ نے فرمایا تھا کہ اہل خیبر گلی کوچوں میں یہ کہتے ہوئے دوڑنے لگے کہ محمد ﷺ مع لشکر کے آ پہنچے ہیں۔

یہ روایت باب ما یذکر فی الفخذ کے تحت گذر چکی ہے، حضرت صفیہؓ کے نکاح، اور عورتوں و بچوں کی گرفتاری، نیز جنگ کرنے والے جوانوں کو قتل کئے جانے کی تفصیل اپنے اپنے مواقع پر آئے گی۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۱۳] ﴿كِتَابُ الْعِيْدَيْن﴾

[۱] بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِيْدَيْنِ وَالتَّجَمُّلِ فِيْهِمَا

(۹۴۸) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَان قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً مِنِ اسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوْقِ فَاَخَذَهَا فَاَتٰى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْتَعْ هٰذِهٖ تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيْدِ وَالْوُفُوْدِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا هٰذِهٖ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ فَلَبِثَ عُمَرُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَلْبَثَ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِجُبَّةِ دِيْبَاجٍ فَاَقْبَلَ بِهَا عُمَرُ فَاَتٰى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ اِنَّمَا هٰذِهٖ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ وَاَرْسَلْتَ اِلَيَّ بِهٰذِهِ الْجُبَّةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَبِيْعُهَا وَتُصِيْبُ بِهَا حَاجَتَكَ . (گذشتہ:۸۸۶)

ترجمہ عیدین کے احکام، باب، عیدین کا بیان، اور عیدین میں زیبائش اختیار کرنے کا حکم، حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر ایک ریشمین چوغا - جو بازار میں فروخت ہو رہا تھا - لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس جبہ کو خرید لیں، عید کے موقع پر اور وفود کی آمد کے موقع پر اس لباس کو زیب تن فرمائیں آپ نے فرمایا یہ لباس تو صرف ان لوگوں کا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر عمرؓ جتنے دن اللہ نے چاہا ٹھہرے رہے یعنی اس واقعہ کو دن گذر گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کے پاس ریشم کا جبہ بھیجا تو حضرت عمر اس کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! بے شک آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ لباس صرف ان لوگوں کا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، پھر آپ نے یہ جبہ میرے پاس بھیجا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ اس کو بیچ سکتے ہیں اور اس کی قیمت سے اپنی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں۔

سابق سے ربط اور مقصد ترجمہ فرض نمازوں سے متعلق مختلف النوع ابواب سے فراغت کے بعد، اب ان ابواب کو شروع کر رہے ہیں جن میں اجتماعی شان پائی جاتی ہے، یہ اجتماعی شان جمعہ میں بھی ہے لیکن جمعہ کا ذکر فرائض خمسہ ہی کے ساتھ مناسب تھا کہ وہ ظہر کا بدل ہے، جمعہ اور خوف کے بعد اب عیدین سے متعلق ابواب ذکر کر رہے ہیں جن میں اجتماعیت کی شان جمعہ سے زائد ہے۔

پہلے باب کا مقصد ہے، عیدین میں اچھے لباس کو زیب تن کرنے کا ثبوت، اسی طرح کا ترجمہ ابواب الجمعہ میں اور یہی روایت باب یلبس احسن ما یجد میں گذر چکی ہے، مگر ترجمہ کے الفاظ میں بھی قدرے فرق ہے اور روایت کے الفاظ میں بھی، ترجمہ میں تو یہ فرق ہے کہ جمعہ میں اپنے پاس موجود کپڑوں میں سے اچھے سے اچھے لباس کے استعمال کی ترغیب ہے، اور عیدین میں التجمل کا لفظ ہے، یعنی ایسے لباس کا استعمال جس سے زیبائش حاصل ہو، اور روایت کے الفاظ میں یہ فرق ہے کہ جمعہ میں راوی نے لو اشتریت هذه فلبستها يوم الجمعة وللوفد نقل کیا تھا، اور یہاں پر راوی ابتع هذه وتجمل بها للعيد والوفود نقل کر رہا ہے۔

یہاں ترجمہ کا ثبوت اس طرح ہے کہ عید اور وفود کے موقع پر حضرت عمرؓ نے عمدہ لباس استعمال کرنے کی بات عرض کی تو حضور ﷺ نے اس پر کسی طرح کی ناگواری ظاہر نہیں کی، معلوم ہوا کہ ان مواقع پر زیبائش اختیار کرنا درست ہے، البتہ حضرت عمرؓ کے لائے ہوئے جبہ کے بارے میں استعمال نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ ریشم ہے جس کا استعمال آخرت سے محروم لوگ کرتے ہیں، گویا ان مواقع پر زیبائش جائز، لیکن پیش کردہ جبہ سے زیبائش ایک امر عارض کی بنا پر ناجائز ہے، یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ریشم کا استعمال صرف مردوں کے لئے حرام ہے، عورتوں کے لئے اس کا استعمال درست ہے، اس لئے اس کی بیع و شراء کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

[۲] بَابُ الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيْدِ

(۹۴۹) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَسَدِیَّ حَدَّثَهٗ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ ﷺ وَعِنْدِیْ جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهٗ وَدَخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِیْ وَقَالَ مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ دَعْهُمَا فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا خَرَجَتَا . (آئندہ: ۹۵۲، ۹۸۷، ۲۹۰۷، ۳۵۳۰، ۳۹۳۱)

(۹۵۰) وَكَانَ يَوْمَ عِيْدٍ يَلْعَبُ السُّوْدَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ فَاِمَّا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاِمَّا قَالَ تَشْتَهِيْنَ تَنْظُرِيْنَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَاَقَامَنِیْ وَرَآءَهٗ خَدِّیْ عَلٰى خَدِّهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ دُوْنَكُمْ يَا بَنِیْ اَرْفِدَةَ حَتّٰى اِذَا مَلِلْتُ قَالَ لِیْ حَسْبُكِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاذْهَبِیْ . (گذشتہ: ۴۵۴)

ترجمہ باب، عید کے دن ڈھال اور چھوٹے نیزوں سے کھیلنے کا بیان۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لڑکیاں، جنگ بعاث کے موقع پر کہے گئے اشعار گا کر پڑھ رہی تھیں تو رسول اللہ ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور آپ نے اپنا رخ بھی پھیر لیا، پھر حضرت ابوبکر آئے اور انہوں نے

مجھ کو جھڑک کر فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس یہ شیطان کی بانسری؟ پھر رسول اللہ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، ان کو چھوڑ دیجئے، پھر جب حضرت ابوبکر کی توجہ ادھر سے ہٹ گئی تو میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اشارہ کر دیا وہ گھر سے چلی گئیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ عید کا دن تھا، سوڈان کے لوگ ڈھال اور برچھیوں کا کھیل، کھیل رہے تھے، پھر یا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا آپ نے خود ہی فرمایا کہ تم یہ کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟ تو میں نے عرض کیا جی ہاں! چنانچہ آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا، میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ نے فرمایا اے ارفدہ کی اولاد! کھیل جاری رکھو یہاں تک کہ جب میری طبیعت بھر گئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا بس؟ میں نے عرض کیا، جی! آپ نے فرمایا تو اب جاؤ۔

مقصد ترجمہ حراب، حربة کی جمع ہے چھوٹا نیزہ، اور دَرَقٌ، دَرَقَةٌ کی جمع ہے ڈھال، پہلے باب میں بیان کیا تھا کہ عیدین میں زینت اختیار کرنا مستحسن ہے لباس زینت کی چیز ہے، اب بیان کرتے ہیں کہ مردانہ زینت جس طرح لباس میں ہے، اس طرح مردوں کی زینت میں اسلحہ بھی داخل ہیں کہ انہیں مجاہدانہ اور سپاہیانہ زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ عید کے دن ڈھال اور نیزے کا کھیل مباح ہے، جب کہ بعض علماء نے اسلام کی شوکت وقوت کے اظہار کے لئے اس کو صرف مباح نہیں بلکہ مستحسن قرار دیا ہے، پھر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض امراء کے یہاں عید کے موقع پر فنونِ حرب کا مظاہرہ دیکھا تو مجھے خوشی ہوئی کہ اس سے مسلمانوں کی قوت وشوکت کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوشی کے موقع پر بھی غافل نہیں ہیں۔

ہمارا خیال بھی یہی ہے کہ امام بخاری نے یہاں جو روایت پیش کی ہے اس کی روشنی میں وہ عید کے دن اس عمل کا استحسان ثابت کرنا چاہتے ہیں، ایسے موقع پر دوسری قومیں اظہار مسرت کے لئے طرح طرح کی صورتیں اختیار کرتی ہیں، رنگ مل لیا، چراغاں کر لیا وغیرہ، مسلمانوں کے لئے اظہار مسرت کا طریقہ عید کے بعد فنونِ حرب کا مظاہرہ بھی ہے، تاہم یہ ملحوظ رہے کہ اس کا تعلق عیدگاہ سے نہیں، اس سے متعلق ایک باب آرہا ہے **ما یکرہ من حمل السلاح فی العید**، اس لئے یہ مظاہرہ عیدگاہ سے واپسی کے بعد کا عمل ہے۔

اظہارِ مسرت کا ایک اور طریقہ مقصد کے ثبوت کے لئے امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کی ہے مگر اصل مقصد سے پہلے اس روایت میں اظہار مسرت کا ایک اور طریقہ مذکور ہے جو نوعمروں کو زیب دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کی خوشی کا اظہار اس کے ذوق اور احوال کے مطابق عمل سے ہوتا ہے، چنانچہ بوڑھوں کی خوشی کے کام جوانوں سے اور جوانوں کی خوشی کے کام بچوں سے مختلف ہوتے ہیں، حضرت عائشہؓ کی عمر کم ہے بچیوں میں شمار ہے اور جو بچیاں ان کے پاس آئی ہیں وہ بھی نوعمر ہیں، یہ بچیاں عید کی خوشی میں

جنگ بعاث میں کہی گئی نظموں کے کچھ اشعار لے سے پڑھ رہی ہیں۔

جنگ بعاث کا تذکرہ جنگ بعاث سے مراد، انصار کے دو مشہور قبیلوں یعنی اوس و خزرج کے درمیان ہونے والی طویل جنگ ہے، جو مؤرخین کے بیان کے مطابق ایک سو بیس سال تک جاری رہی اور جس کے مختلف معرکوں میں دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے رؤساء کام آتے رہے، ان معرکوں میں یوم السرارہ، یوم فارع، یوم الفجار اول وثانی، حرب حصین اور حرب حاطب مشہور ہیں اور آخری معرکہ یوم بعاث کے نام سے موسوم ہے، بعاث اوس کے قلعہ کا نام تھا یا دیارِ بنی قریظہ میں کسی جگہ کا، اس آخری معرکہ میں قبیلۂ اوس کے سردار، حضرت اسیدؓ کے والد حُضیر تھے اور قبیلۂ خزرج کی قیادت عمرو بن نعمان کر رہے تھے، اس معرکہ میں اوس کا پلڑا بھاری رہا، مشہور قول کے مطابق یہ معرکہ ہجرت سے تین سال قبل پیش آیا، پھر اللہ تعالی نے اسلام کے ظہور کے بعد رسول اللہ ﷺ کی برکت سے اختلافات ختم کرادئے۔

بچیوں کے غناء کے بارے میں ان معرکوں کے سلسلے میں دونوں قبیلوں کے شعراء نے اپنی شجاعت اور مفاخر کے سلسلے میں یا دوسرے فریق کی ہجو کے طور پر جو مضامین نظم کئے تھے ان کو یہ بچیاں پڑھ رہی تھیں، روایت کے الفاظ ہیں تغنیان کہ وہ غناء کے ساتھ پڑھ رہی تھیں، لیکن یہ غناء کی فنی صورت نہیں تھی اگلے باب کی روایت میں آرہا ہے ولیستا بمغنیتین کہ یہ بچیاں مغنیہ نہیں تھیں یعنی گانے کے اصول سے ناواقف تھیں، فن نہیں جانتی تھیں بلکہ محض دل بہلانے کے لئے خوش آوازی کے ساتھ اپنی فطری لے سے پڑھ رہی تھیں۔

اسی دوران رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، مگر آپ نے کچھ نہیں کہا، بستر پر لیٹ گئے، چادر اوڑھ لی اور اس طرف سے منہ پھیر کر ان کے لئے آزادی کی صورت پیدا کردی، نہ بیٹھ کر سنا نہ منع کیا نہ ادھر کا رخ کیا، اتنے میں صدیقؓ اکبر آگئے، دیکھا کہ ایک طرف بچیاں اپنے کام میں مصروف ہیں اور دوسری طرف پیغمبر علیہ السلام کپڑا اوڑھ کر منہ پھیر کر لیٹے ہوئے ہیں، اس لئے انہوں نے تنبیہ کی کہ پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں یہ شیطان کی بانسری کا عمل کیوں ہو رہا ہے؟ یعنی عمل مباح سہی لیکن تم نے پیغمبر علیہ السلام کے عمل سے یہ کیوں نہیں سمجھا کہ یہ بات آپ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے، پھر آپؐ صدیقؓ اکبر کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا کہ تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، تم اس میں شرکت نہ کرو ادھر آجاؤ۔ اسی سلسلے میں پیغمبر علیہ السلام کے طرزِ عمل، اور صدیق اکبر سے آپ کی گفتگو کے نتیجہ میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ بچیوں کے اظہارِ مسرت کا یہ طریقہ مباح ہونے کے باوجود پسندیدہ عمل نہیں تھا، بلکہ اباحتِ مرجوحہ کے درجہ میں مسامحت کی ایک صورت تھی۔

فنونِ حرب وضرب کا مظاہرہ اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ یہ عید کا دن تھا، نمازِ عید سے فراغت کے بعد حبشہ کے کچھ لوگ مسجد نبوی کے سامنے بعض جنگی فنون کے کرتب دکھلانے کے

لئے کھیلنے لگے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان فنون کو دیکھنے کے لئے یا تو میں نے خواہش ظاہر کی یا آپ نے مجھ سے پوچھا، بہرحال آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا، کھیلنے والوں نے پیغمبر علیہ السلام کے احترام میں ہاتھ روک لئے کہ ان کا شغل، لہوولعب کی صورت میں تھا مگر آپ نے فرمایا دونکم تم اپنا کام کئے جاؤ۔ امام بخاریؒ جو اس عمل کا استحسان بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہاں دوطرح سے ثابت ہے، ایک تو قولی طور پر کہ آپؐ نے دونکم فرما کر انہیں اپنا کام جاری رکھنے کے لئے کہا اور دوسرے عملی طور پر کہ تادیر آپ خود بھی دیکھتے رہے اور حضرت عائشہؓ کو بھی دکھلاتے رہے، جبکہ بچیوں کے غناء کے سلسلے میں آپ کے قول یا عمل سے استحسان کا کوئی پہلو نہیں نکلتا، صرف اباحتِ مرجوحہ کے درجہ میں گنجائش نکلتی ہے۔　　　واللہ اعلم

[۳] بَابُ سُنَّةِ الْعِيْدَيْنِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ

(۹۵۱) حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ اَخْبَرَنِىْ زُبَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِىَّ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّىَ ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا ۔ (آئندہ: ۹۵۵، ۹۶۵، ۹۶۸، ۹۷۶، ۹۸۳، ۵۵۴۵، ۵۵۵۶، ۵۵۵۷، ۵۵۶۰، ۵۵۶۳، ۶۶۷۳)

(۹۵۲) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ وَعِنْدِىْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِى الْاَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَبِمَزَامِيْرِ الشَّيْطَانِ فِىْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَذٰلِكَ فِىْ يَوْمِ عِيْدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا بَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا ۔ (گذشتہ: ۹۴۹)

ترجمہ باب، عیدین میں مسلمانوں کے طریقے کا بیان۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، تو آپ نے فرمایا کہ پہلا وہ کام جس سے ہم اپنے اس دن کا آغاز کریں گے نماز ہے، پھر ہم واپس ہوں گے، پھر قربانی کریں گے، پس جو شخص یہ کام کرے تو اس نے ہمارے طریقہ پر ٹھیک طور پر عمل کیا، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر آئے اور میرے پاس انصار کی بچیوں میں سے دو بچیاں تھیں جو انصار کے یوم بعاث کے موقع پر کہے گئے اشعار گا کر پڑھ رہی تھیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور وہ دونوں بچیاں گانے کے فن سے واقف نہیں تھیں، تو حضرت ابوبکر نے فرمایا، شیطان کی بانسری کا رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کیا کام؟ اور یہ عید کے دن کی بات ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے، اور یہ ہماری عید ہے۔

مقصد ترجمہ حموی سے ابوذر نے ترجمہ میں سنة العیدین کے بجائے باب الدعاء فی العید نقل کیا ہے، یعنی عید کے موقع پر دعا کا بیان، لیکن دونوں روایتوں میں کسی روایت سے بھی یہ مضمون ثابت نہیں ہوتا، حضرت براء کی پہلی روایت کو بعض شارحین نے ترجمہ سے اس طرح مربوط کیا کہ اس روایت میں خطبہ کا ذکر ہے اور خطبہ دعا پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس میں بڑا تکلف ہے، پھر یہ کہ دوسری روایت جس میں بچیوں کے غناء کی بات ہے، اس کا تو کوئی دور کا ربط بیان کرنا بھی مشکل ہے، اس لئے بعض شارحین نے اس کو تصحیف قرار دیا ہے۔

البتہ عام نسخوں میں باب سنة العیدین لاھل الاسلام ہے، اب یہاں سنت سے اگر اصطلاحی معنی مراد لیں تو پہلی روایت منطبق ہو جائے گی کہ اس میں نماز اور قربانی کا ذکر ہے، لیکن دوسری روایت کو معنی اصطلاحی پر منطبق کرنا مشکل ہوگا کہ غناء کو سنت نہیں کہا جا سکتا، اس لئے بے تکلف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری یہاں سنت سے لغوی معنی مراد لے رہے ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے سنة کو یہاں استنان کے معنی میں لیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو عیدین میں - جو مسرت کے ایام ہیں - کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟ چنانچہ روایات کے ذریعہ یہ بیان کر دیا کہ جس طرح دوسری قوموں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق سال میں کچھ دن خوشی کے مقرر کئے ہیں اور ان میں وہ طرح طرح کی مناسب اور نامناسب باتیں عمل میں لاتے ہیں، اسی طرح اللہ نے مسلمانوں کے لئے خوشی کے یہ ایام مقرر کئے ہیں، وہ ان ایام میں اسلام کی تعلیم کے مطابق پہلے عبادت کریں، پھر شرافتِ انسانی اور حدودِ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اظہار مسرت کے مباح طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔

عیدین میں کاموں کی ترتیب چنانچہ امام بخاری نے باب کے ذیل میں دو روایتیں ذکر کر کے یوم مسرت میں کاموں کی ترتیب کو بیان کر دیا اور واضح کر دیا کہ کن امور کو اولین حیثیت حاصل ہے اور کن چیزوں کو ثانوی۔ حضرت براءؓ کی پہلی روایت میں پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد نقل فرمایا کہ اس یوم مسرت میں ہمارا پہلا کام نماز ہوگا، یعنی ہم اس خوشی کے موقع پر بھی اپنے مالکِ حقیقی کو فراموش کرنے کی غلطی نہیں کریں گے ہماری حقیقی مسرت یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے آقا کے دربار میں حاضری دیں اور سر بسجود ہو کر اپنی بندگی کا اعتراف کریں، اور یہ اعتراف بھی شہر سے باہر کسی وسیع مقام پر کیا جائے گا جہاں اہل شہر کے ساتھ دیہات کے مسلمان بھی شریک ہوں اور اس نماز میں خدا کی کبریائی کے اعتراف کے لئے چھ تکبیرات زوائد بھی ہوں گی وغیرہ۔

ثم نرجع الخ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نماز سے فراغت کے بعد قربانی کی جائے گی اور جو اس ترتیب کے مطابق عمل کرے گا وہ سنت کے مطابق عمل کرنے والا کہلائے گا۔

اس کے بعد امام بخاریؒ نے دوسری روایت پیش کی جس کی تشریح باب سابق میں گذر چکی ہے اور جس میں بچیوں کے گانے کا تذکرہ ہے، اس روایت سے امام بخاریؒ نے اس یوم مسرت میں حدود شرعیہ کے دائرے میں اختیار

کئے جانے والے توسعات کی اباحت کی طرف اشارہ کردیا کہ اس دن اشعار کی مجلسیں، مباح غناء، باہمی تبریک، کھانے کی دعوتیں اور اسلحہ کا مظاہرہ وغیرہ کرنے میں مضایقہ نہیں، امام بخاریؒ کی پیش کردہ ترتیب ہمارے خیال میں نہایت بہتر ہے کہ عبادت سے متعلق اصل کاموں کو پہلی روایت میں اور مباح توسعات کو دوسری روایت میں ذکر فرمایا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دن کے کاموں میں سب سے اہم اور اولین کام نماز ہے، جو دونوں عیدوں میں مشترک ہے، اس طرح امام بخاریؒ کا ترجمۃ الباب سنة العيدين بھی ثابت ہو گیا، حالانکہ روایت صرف عید الاضحیٰ سے متعلق ہے۔ واللہ اعلم

[۴] بَابُ الْاَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوْجِ

(۹۵۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ اَخْبَرَنَا سَعِيْدُ بْنُ سُلَيْمٰنَ اَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَقَالَ مُرَجّٰى بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنِیْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَنَسٌ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا۔

ترجمہ باب، عید الفطر کے دن نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھانے کا بیان۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر میں نماز کے لئے اس وقت تک نہیں نکلتے تھے جب تک کچھ کھجوریں نہ کھالیں، اور مرجّیٰ بن رجاء نے۔ اپنی سند سے اس روایت میں یہ اضافہ کیا۔ اور آپؐ یہ کھجوریں طاق عدد میں کھاتے تھے۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ یوم الفطر میں ہر مسلمان کے لئے۔ شہری ہو یا بدوی۔ نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا مستحب ہے، کیونکہ ایک مہینہ سے روزے کے حکم پر عمل ہو رہا تھا، آج خدا ہی کے حکم سے افطار کا حکم ہے، اور اس افطار کے حکم کا اظہار اس طرح ہوگا کہ نماز سے پہلے کچھ کھالیا جائے، اسی لئے بخاری نے ترجمہ میں قبل الخروج کی قید ذکر فرما دی۔

تشریح حدیث حضرت انسؓ کی روایت ذکر فرمائی کہ رسول اللہ نماز عید کے لئے جانے سے پہلے چند کھجوریں کھالیتے تھے، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے حضرت عتبہ بن حمید سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں وما خرج يوم فطر حتى ياكل تمرات ثلثا او خمسا او سبعا او اقل من ذلك او اكثر وترا کہ آپ یوم فطر میں نماز کے لئے جانے سے پہلے چند کھجوریں۔ تین یا پانچ یا سات یا اسے کم یا زیادہ۔ طاق عدد میں کھالیا کرتے تھے۔ اس سے فقہاء نے یہ سمجھا ہے کہ عید الفطر میں نماز سے پہلے کچھ میٹھا کھالینا مستحب ہے اور دوسرا مستحب یہ ہے کہ وہ میٹھا، کھجوریں ہوں اور تیسرا مستحب یہ ہے کہ ان کا عدد طاق ہو، کہ رسول اللہ ﷺ تمام چیزوں میں وحدانیت اور تبرک

کے طور پر طاق عدد کو پسند فرماتے تھے۔

وقال مرجّی الخ یہ تعلیق ہے، مسند احمد اور تاریخ بخاری میں موصولا مذکور ہے، اس تعلیق کو ذکر کر کے بخاری عبید اللہ بن ابی بکر کے حضرت انسؓ سے سماع کی تصریح بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ باب کے تحت جو حدیث ذکر فرمائی گئی ہے اس میں روایت بہ صیغۂ عن ہے، اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کھجوروں کے عدد کے طاق ہونے کی بات معلوم ہوگئی۔ واللہ اعلم

[۵] بَابُ الْاَکْلِ یَوْمَ النَّحْرِ

(۹۵۴) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْیُعِدْ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ هٰذَا یَوْمٌ یُشْتَهٰی فِیْهِ اللَّحْمُ وَذَكَرَ مِنْ جِیْرَانِهٖ فَكَاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ صَدَّقَهٗ قَالَ وَعِنْدِیْ جَذَعَةٌ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ شَاتَیْ لَحْمٍ فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ فَلَا اَدْرِیْ اَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ اَمْ لَا . (آئندہ: ۵۵۶۱،۵۵۴۹،۵۵۴۶،۹۸۴)

(۹۵۵) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الْاَضْحٰی بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ اَصَابَ النُّسُكَ وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَلَا نُسُكَ لَهٗ فَقَالَ اَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِیَارٍ خَالُ الْبَرَآءِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّیْ نَسَكْتُ شَاتِیْ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَعَرَفْتُ اَنَّ الْیَوْمَ یَوْمُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَاَحْبَبْتُ اَنْ یَكُوْنَ شَاتِیْ اَوَّلَ شَاةٍ تُذْبَحُ فِیْ بَیْتِیْ فَذَبَحْتُ شَاتِیْ وَتَغَدَّیْتُ قَبْلَ اَنْ اٰتِیَ الصَّلٰوةَ قَالَ شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّ عِنْدَنَا عَنَاقًا لَنَا جَذَعَةً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ شَاتَیْنِ اَفَتَجْزِیْ عَنِّیْ قَالَ نَعَمْ وَلَنْ تَجْزِیَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ .

(گذشتہ: ۹۵۱)

ترجمہ باب، یوم النحر میں کھانے کا بیان، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہے وہ دوبارہ قربانی کرے پھر ایک شخص کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں گوشت کی بہت خواہش ہوتی ہے اور انہوں نے اپنے پڑوسیوں کی حالت بھی بیان کی پھر گویا حضور ﷺ نے اس سلسلے میں ان کی بات کو سچ قرار دیا، پھر اس شخص نے یہ کہا کہ میرے پاس ایک سال سے کم عمر کی تنومند بکری ہے جو مجھے گوشت کی دو بکریوں سے زیادہ پسندیدہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسی بکری کی قربانی کی اجازت دی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ اجازت ان کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی ہے یا

نہیں۔ حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا کہ جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کرے تو اس کی قربانی صحیح ہوگئی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کردی تو وہ نماز سے پہلے کھانے کے لئے ہوگئی اور قربانی نہیں ہوئی، پھر حضرت براءؓ کے ماموں حضرت ابو بردہؓ بن نیار نے کہا یا رسول اللہؐ! میں نے تو اپنی بکری نماز سے پہلے ذبح کردی اور میں سمجھا کہ آج کھانے اور پینے کا دن ہے اور میں نے یہ چاہا کہ میری بکری میرے گھر میں ذبح ہونے والی پہلی بکری ہو اس لئے میں نے بکری ذبح کردی اور نماز کے لئے آنے سے پہلے کھا بھی لی، تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری بکری گوشت کھانے کی بکری ہوگئی، پھر ابو بردہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! بیشک ہمارے پاس ایک سال سے کم عمر کی تنومند بکری ہے جو مجھے دو بکریوں سے زیادہ پسندیدہ ہے تو کیا وہ قربانی میں میری طرف سے کفایت کرے گی، آپؐ نے فرمایا ہاں اور تمہارے بعد کسی اور کی طرف سے ہرگز کفایت نہیں کرے گی۔

مقصد ترجمہ یوم النحر ۱۰ ذوالحجہ، یعنی عید الاضحیٰ میں کھانے کا بیان، یہاں امام بخاریؒ نے قبل الخروج کی قید نہیں لگائی، بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ عید الفطر میں تو تمام مسلمانوں کے لئے نماز سے پہلے کھالینا مستحب ہے لیکن عید الاضحیٰ میں تفصیل ہے جو باب کے تحت دی گئی روایات سے معلوم ہوسکتی ہے کہ جن اہلِ شہر پر قربانی واجب ہے وہ نماز کے بعد قربانی کریں اور ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ اپنی قربانی کا گوشت کھائیں، لیکن جو دیہات کے رہنے والے ہیں یا جن کے ذمہ قربانی واجب نہیں ہے ان کو اختیار ہے کہ نماز کے بعد کھائیں یا پہلے کھا کر نماز کیلئے نکلیں۔

نماز سے پہلے قربانی صحیح نہیں حضرت انسؓ بن مالک کی پہلی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے قربانی کی ہے اس کی قربانی صحیح نہیں ہوئی اس کو دوبارہ قربانی کرنی ہوگی، اس بات کو سن کر ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی اور میں نے اس مصلحت سے نماز سے پہلے ہی قربانی کردی کہ آج کا دن عام طور پر گوشت کی خواہش کا دن ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ میرے پڑوسی بھی غریب ہیں، میں نے سوچا کہ پہلے ہی قربانی کردوں تو پڑوسیوں کو بھی دے دوں گا اور وہ کھانے کے بعد نماز کے لئے آئیں گے، آپؐ نے پڑوسیوں کے بارے میں ان کے بیان کی تصدیق کی لیکن یہ فرمایا کہ یہ بکری گوشت کی بکری ہوگئی جو روزانہ کھانے پینے کے لئے ذبح کی جاتی ہے، قربانی کے لئے دوسرا جانور ذبح کرنا ہوگا، اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اب میرے پاس ایک جذعہ باقی ہے جو مجھے دونوں بکریوں میں زیادہ پسند ہے، جذعہ سے یہاں وہ بکری مراد ہے جو ایک سال سے کم عمر کی ہو، گویا انہوں نے یہ کہا کہ پسند تو مجھے یہی بکری تھی، لیکن عمر کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قربانی نہیں کی اگر آپ اس کی قربانی کی اجازت دیں تو اسکی قربانی کردوں، آپ نے خصوصی طور پر ان کو اجازت دے دی۔

لا ادری الخ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں نہیں جانتا کہ یہ رخصت دوسروں کے لئے ہے یا نہیں؟ ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ حضرت انس کے علم میں حضور ﷺ کا ارشاد لا تذبحوا الا مسنة نہیں آیا تھا، حضرت براءؓ کی اگلی روایت میں صاف ہے لن تجزیٔ عن احد بعدك آپ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہ ہوگا، امام اوزاعی اور عطاء کے علاوہ سب اسی کے قائل ہیں کہ ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی جائز نہیں، اور یہ اجازت خصوصی طور پر صرف حضرت ابو بردہؓ کو دی گئی تھی، اور یہ خصوصیت اسی طرح کی ہے جیسے تنہا حضرت خزیمہؓ کی شہادت کو خصوصی طور پر دو شاہدوں کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، احادیث میں اس کی اور بھی نظیریں ہیں۔

نماز سے پہلے کھانے کا جواز دوسری روایت حضرت براءؓ بن عازب کی ہے جس میں حضور ﷺ نے نمازِ عید الاضحیٰ کے بعد وہی مضمون بیان فرمایا کہ قربانی نماز کے بعد ہوگی، نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں، یہ حکم سنتے ہی حضرت براءؓ کے ماموں، ابو بردہ بن نیار نے وہی عرض کیا جو حضرت انسؓ کی روایت میں گذرا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ یومِ نحر میں اگر چہ بہتر تو یہی تھا کہ قربانی کے جانور کا گوشت کھاتے جو نماز کے بعد ہوتی تھی لیکن اگر کسی نے نماز سے پہلے کھالیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے نماز سے پہلے کھانے پر تنبیہ نہیں فرمائی، جبکہ ابو بردہؓ نے پوری تفصیل بیان کی کہ میں نے بھی کھایا اور پڑوسیوں کے گھر میں بھیجدیا، اگر یہ بات درست نہ ہوتی تو آپ ضرور اس پر تنبیہ فرماتے، آپؐ نے تنبیہ جس چیز پر فرمائی وہ یہ ہے کہ نماز سے پہلے ذبح کی گئی بکری قربانی کے حساب میں نہیں آئی، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ میں نماز سے پہلے کھانے میں مضایقہ نہیں۔

اور اصل بات یہ ہے کہ ان دنوں میں سب مسلمان اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ وہ بندوں ہی سے اپنے نام پر جانور کی قربانی کراتا ہے اور بندوں کو اپنی طرف سے دعوت کرکے اس کے کھانے کی اجازت دیتا ہے اور اس کی قبولیت میں خدا صرف بندوں کی نیت کو دیکھتا ہے، لن ینال الله لحومها ولا دماء ها ولكن يناله التقوى منكم (سورۂ حج آیت: ۳۷) اللہ کی بارگاہ میں ان کا گوشت اور خون نہیں پہونچتا، لیکن صرف تمہارا تقوی پہنچتا ہے۔ اور جب خدا کی طرف سے اس دن دعوت ہے تو خدا کے نام پر کی گئی قربانی کا گوشت ہی کھانا مناسب ہے لیکن دیہات - جہاں نمازِ عید کے قائم کرنے کی اجازت نہیں - میں نماز سے پہلے قربانی کی اجازت ہے، اس لئے وہ نماز سے پہلے بھی کھا سکتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ جن کے ذمہ قربانی نہیں ان کے حق میں بھی اکل وشرب کا عمل مطلق ہے اور شہر کے رہنے والوں کے لئے بھی۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے کھانے پر تنبیہ نہیں کی، اس لئے بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا۔ واللہ اعلم

[٦] بَابُ الْخُرُوْجِ اِلَى الْمُصَلّٰى بِغَيْرِ مِنْبَرٍ

(۹۵۶) حَدَّثَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ اَبِیْ مَرْیَمَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ زَیْدُ بْنُ

اَسْلَمَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ سَرْحٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَىْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَاْمُرُهُمْ فَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْ يَاْمُرَ بِشَىْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ اَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ فِىْ اَضْحٰى اَوْ فِطْرٍ فَلَمَّا اَتَيْنَا الْمُصَلّٰى اِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ فَاِذَا مَرْوَانُ يُرِيْدُ اَنْ يَرْتَقِيَهٗ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّىَ فَجَبَذْتُ بِثَوْبِهٖ فَجَبَذَنِىْ فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَقُلْتُ لَهٗ غَيَّرْتُمْ وَاللّٰهِ فَقَالَ يَا اَبَا سَعِيْدٍ قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ فَقُلْتُ مَا اَعْلَمُ وَاللّٰهِ خَيْرٌ مِّمَّا لَا اَعْلَمُ فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُوْنُوْا يَجْلِسُوْنَ لَنَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ . (گذشتہ:۳۰۴)

ترجمہ باب، عیدگاہ میں منبر کے بغیر جانے کا بیان۔ حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عیدگاہ جاتے تھے، تو پہلی وہ چیز جس سے آپ کام کا آغاز کرتے نماز تھی، پھر رخ بدل دیتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہوجاتے اور لوگ صفوں میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے پھر آپ ان کو وعظ ونصیحت کرتے اور ان کو نیک کاموں کا تاکیدی حکم دیتے اور امر بالمعروف کرتے پھر اگر جہاد کے لئے کسی جماعت کو بھیجنا چاہتے تو ان کو جدا کردیتے یا کوئی اور حکم نافذ کرنا چاہتے تو حکم فرمادیتے پھر واپس آجاتے، حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ لوگ برابر اسی طرح عمل کرتے رہے یہاں تک کہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں مروان کے زمانہ میں اس کے ساتھ نکلا ۔اور وہ مدینہ کا حاکم تھا۔ پھر جب ہم عیدگاہ پہنچ گئے تو اچانک ایک منبر نظر آیا جسے کثیر بن الصلت نے بنا رکھا تھا پھر دیکھا کہ مروان نماز سے پہلے اس منبر پر چڑھنا چاہتا ہے تو میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا تو اس نے مجھ کو کھینچ لیا اور وہ منبر پر چڑھ گیا پھر اس نے نماز سے پہلے خطبہ دیا تو میں نے اس سے کہا کہ تم نے بخدا سنت کو بدل دیا تو اس نے جواب دیا کہ ابو سعید! جو تم جانتے ہو وہ بات ختم ہوگئی، تو میں نے کہا کہ بخدا! جو بات میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا تو مروان نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد ہمارے خطبہ میں نہیں بیٹھتے تھے تو میں نے خطبہ کو نماز سے پہلے کردیا۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ مصلّٰی میں نماز عید کے لئے جائیں تو اپنے ساتھ منبر نہ لے جائیں، منبر لے جانا خلاف سنت ہے، بنوامیہ کے زمانہ میں منبر لے جانے کی بات بھی نقل کی گئی ہے، بخاریؒ کہتے ہیں کہ عہد نبوی میں نہ مصلّٰی میں منبر تھا اور نہ مسجد نبوی کا منبر وہاں لے جایا گیا۔ البتہ روایت سے جہاں خطب علی رجلیہ (پاؤں پر کھڑے ہوکر) ثابت ہے، اسی طرح بعض روایات کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ اونچی جگہ کھڑے ہوکر بھی دیا گیا ہے جیسا کہ اگلے باب کی روایت میں نیز موعظة الامام النساء یوم العید کے تحت روایت میں

آئے گا ثم خطب فلما فرغ نزل کہ خطبہ سے فارغ ہوکر آپ نیچے اترے معلوم ہوا کہ خطبہ اونچی جگہ کھڑے ہوکر دیا جارہا تھا، اس لئے اگر مصلّٰی ہی میں منبر بنالیا جائے تو مضایقہ نہیں جیسا کہ بعد کے زمانوں میں عیدگاہوں میں منبر بنا لئے گئے لیکن گھر سے منبر لے جانا بہرحال ثابت نہیں۔

تشریح حدیث مصلّٰی، مدینہ طیبہ میں آبادی سے باہر ایک جگہ کا نام تھا جو مسجد نبوی سے ایک ہزار قدم کے فاصلہ پر تھی، بعد کی صدیوں میں وہاں چہار دیواری بنادی گئی تھی اور اب وہ جگہ آبادی ہی میں شامل ہوگئی ہے۔ روایت میں آیا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں جب آپ مصلّٰی تشریف لے جاتے تو پہنچنے کے بعد پہلا کام نماز تھا یعنی خطبہ نماز کے بعد ہوتا، خطبہ کا حاصل وعظ ونصیحت، ضروری امور کے تاکیدی احکام اور وقتی طور پر قابل توجہ چیزوں کا امر، پھر اگر کسی جانب لشکر بھیجنا ہوتا تو اس مجمع میں سے بعض لوگوں کو اس کام کے لئے نامزد کر کے علیحدہ کردیا جاتا تھا یا اور کوئی ضرورت ہوتی تو اس کے متعلق حکم دے دیا جاتا تھا وغیرہ۔ یہی طریقہ خلافتِ راشدہ میں رہا کہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا رہا، لیکن جب مروان کا دور آیا جو امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کا حاکم تھا تو ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں مروان کے ساتھ مصلّٰی گیا وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ کثیر بن الصلت نے گارے اور مٹی کا منبر بنا رکھا ہے مگر منبر کی اصل تو موجود تھی کہ خطبہ کے لئے اونچی جگہ کا ہونا ثابت ہے اس لئے حضرت ابوسعید خدری نے اس عمل پر تنقید یا ناگواری کا اظہار نہیں کیا، لیکن دوسری ناپسندیدہ بات یہ سامنے آئی کہ مروان نے نماز سے پہلے خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوسعیدؓ سے برداشت نہ ہوا اور انہوں نے کپڑا پکڑ کر مروان کو کھینچ لینے کی کوشش کی، لیکن مروان باز نہ آیا اس نے ابوسعید کو اپنی طرف کھینچنا شروع کردیا اور اس کشاکش میں مروان کامیاب ہوگیا گویا وہ زیادہ طاقتور تھا۔ امر منکر پر تغییر بالید کی کوشش کامیاب نہ ہوئی تو حضرت ابوسعید نے مجمع کے سامنے تغییر باللسان پر عمل کرتے ہوئے فرمایا غیرتم واللہ کہ تم لوگوں نے تو رسول پاک ﷺ کی سنت کو بدل ڈالا۔

مروان نے جواب دیا کہ ابوسعید! آپ کس خیال میں ہیں، جو بات آپ کے علم میں ہے وہ حالات کی تبدیلی اور مصلحت کے تقاضے میں ختم کردی گئی، پہلے زمانہ میں لوگ نماز کے بعد خطبہ کے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے اور اب صورت حال یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہی لوگ رخصت ہونے لگے ہیں، اس لئے خطبہ کو مقدم کردیا گیا کہ نماز کی وجہ سے لوگ بیٹھنے پر مجبور ہوں گے اور ضروری باتیں ان کے کانوں میں پڑ جائیں گی اگر خطبہ کو مقدم نہیں رکھا جاتا ہے تو چونکہ لوگ نہیں بیٹھیں گے اس لئے خطبہ دینا بے نتیجہ یعنی کالعدم ہوجائے گا، مؤخر کرنے میں گو سنت تبدیل ہورہی ہے لیکن خطبہ کالعدم نہیں ہوتا اس لئے میرے خیال میں یہی صورت اھون ہے، اس وضاحت کے باوجود حضرت ابوسعیدؓ نے یہی فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں بخدا وہی خیر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بنوامیہ اور بنوہاشم میں عہدِ جاہلیت سے رقابت رہی ہے، اسلام کی برکت سے یہ باتیں ختم

ہوگئی تھیں، لیکن کچھ دن گذرنے کے بعد وہ باتیں پھر ابھرنے لگیں اور مروان جیسے لوگوں نے ان نامناسب چیزوں کو ہوا دی، حد یہ ہے کہ مروان خطبہ میں حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کرتا تھا، اس لئے مسلمان اس کا خطبہ سننا نہیں چاہتے تھے، مروان حضرت ابوسعید خدری کے جواب میں یہ توجیہ تو کررہا ہے کہ لوگوں نے خطبہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا تھا اس لئے خطبہ کو مقدم کردیا گیا، لیکن اس نے یہ نہیں بتلایا کہ لوگوں نے بیٹھنا کیوں چھوڑ دیا تھا۔ واللہ اعلم

[۷] بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوْبِ اِلَى الْعِيْدِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ

(۹۵۷) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ. (آئندہ: ۹۶۳)

(۹۵۸) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا هِشَامٌ اَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. (آئندہ: ۹۶۱، ۹۷۸)

(۹۵۹) قَالَ وَاَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ اَرْسَلَ اِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِيْ اَوَّلِ مَا بُوْيِعَ لَهُ اِنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَاِنَّمَا الْخُطْبَةُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ.

(۹۶۰) وَاَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْاَضْحٰى.

(۹۶۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ بَعْدُ فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ نَزَلَ فَاَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى يَدِ بِلَالٍ وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ تُلْقِيْ فِيْهِ النِّسَاءُ صَدَقَةً قُلْتُ لِعَطَاءٍ اَتَرٰى حَقًّا عَلَى الْاِمَامِ الْاٰنَ اَنْ يَاْتِيَ النِّسَاءَ فَيُذَكِّرُهُنَّ حِيْنَ يَفْرُغُ قَالَ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَالَهُمْ اَنْ لَا يَفْعَلُوْا. (گذشتہ: ۹۵۸)

ترجمہ باب، عید کی نماز کے لئے اذان واقامت کے بغیر پیدل اور سوار ہوکر جانے کا بیان۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں پہلے نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے تھے حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن نکل کر گئے، پھر آپ نے خطبہ سے پہلے نماز سے عمل شروع کیا، اور عطاء نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابن زبیرؓ سے ۔ان کے لئے کی گئی بیعتِ خلافت کے بالکل ابتدائی ایام میں ۔ یہ کہلا کر بھیجا کہ عید الفطر کی نماز کے لئے اذان نہیں کہی

جاتی تھی اور یہ کہ خطبہ نماز کے بعد ہی ہوا کرتا تھا اور عطاء ہی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے نقل کیا کہ ان دونوں نے فرمایا کہ یوم الفطر اور عید الاضحیٰ میں اذان نہیں دی جاتی تھی۔ اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن کھڑے ہوئے پھر آپ نے سب سے پہلے نماز پڑھائی پھر اس کے بعد مردوں کے لئے خطبہ دیا، پھر جب اس سے فارغ ہوگئے تو نیچے اتر آئے پھر عورتوں کے پاس پہنچے اور انہیں نصیحت کی اور اس وقت آپ حضرت بلالؓ کے ہاتھ کا سہارا لئے ہوئے تھے اور حضرت بلالؓ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے جس میں عورتیں صدقہ کا مال ڈال رہی تھیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے کہا کہ کیا آپ آج کے حالات میں امام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ عورتوں کے پاس جائے اور ان کو نصیحت کرے تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک یہ ان کے لئے ضروری ہے اور ایسا نہ کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے، یا کیا بات ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتے۔

مقصد ترجمہ ہمارا ہندوستانی نسخہ - جو جمہور کی روایت کے مطابق ہے - اس میں ترجمہ دو اجزاء پر مشتمل ہے لیکن ابوذر اور ابن عساکر کے نسخوں میں ان دونوں کے درمیان **الصلوۃ قبل الخطبہ** بھی ہے، اس طرح ترجمہ کے تین جز ہو گئے، پہلا جز ہے عید کے لئے حاضری کی کیفیت کا بیان کہ پیدل جانا بھی درست ہے اور سوار ہو کر جانا بھی، اور دوسرا جزیہ ہے کہ خطبہ نماز کے بعد ہوگا، اور تیسرا جزیہ ہے کہ اس حاضری کے لئے اذان واقامت مشروع نہیں ہے۔ اب ایک صورت تو یہ ہے کہ ان تینوں اجزاء کو الگ الگ اصل اور مستقل مان کر روایات باب سے ان کو ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں ایک کو اصل قرار دے کر باقی اجزاء کو اس کی تمہید سمجھا جائے اس صورت میں اصل ترجمہ کا ثبوت کافی ہوگا۔ عام شارحین ترجمہ کے تینوں اجزاء کو اصل قرار دے رہے ہیں اور اس صورت میں دشواری پیش آرہی ہے کہ بعض اجزاء کا ثبوت مشکل ہے مثلاً عیدین میں سوار ہو کر جانے کا ثبوت کسی روایت میں نہیں ہے، نیز یہ کہ تینوں اجزاء کو اصل قرار دیں تو اس کے بعد آنے والا ترجمہ **باب الخطبة بعد الصلوٰة** مکرر ہو جاتا ہے جو بخاری کی عادت کے خلاف ہے۔

علامہ سندھیؒ کا ارشاد اس لئے ہمیں مقصد ترجمہ کے سلسلے میں علامہ سندھیؒ کی بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ ان تینوں اجزاء میں اصل مقصد صرف تیسرا جز **بغیر اذان ولا اقامة** ہے اور بقیہ دو اجزاء اس کی تمہید اور متعلقات میں سے ہیں اور اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ امام بخاریؒ، جمعہ اور عیدین کے درمیان ایک ضروری فرق بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس کی ضرورت اسلئے ہے کہ جمعہ اور عیدین میں بہت باتیں مشترک ہیں مثلاً عید تو عید ہے ہی، جمعہ کو بھی عید المومنین کہا جاتا ہے، دونوں نمازوں کے لئے غسل ونظافت اور اچھے کپڑوں کا اہتمام کیا جاتا ہے دونوں نمازوں کو ہر جگہ ادا کرنے کی اجازت نہیں، مخصوص مقامات کا تعین ہے کہ جمعہ مسجد جامع میں ادا ہوگا اور عید کے لئے شہر سے باہر نکلنا ہوگا، دونوں نمازوں کے ساتھ خطبہ متعلق کیا گیا ہے اور دونوں نمازوں کے لئے جماعت

ضروری ہے اور اسی لئے ان کے لئے سعی یعنی جماعت میں حاضری کو ضروری قرار دیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جس طرح بعض چیزیں مشترک ہیں، بعض چیزوں میں فرق بھی ہے کہ جمعہ کے لئے جو سعی لازم ہے اس کا تعلق نداء سے رکھا گیا ہے اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله، اور عیدین میں جو سعی لازم کی گئی ہے اس کے لئے اذان واقامت نہیں ہے، جمعہ کے لئے اذان کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ سال میں پچاس بار آتا ہے اور اس میں پہلا کام شرط کے درجہ میں خطبہ کا عمل ہے جس کی حقیقت ذکر اللہ ہے، اس لئے اذان کے ذریعہ مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ذوق وشوق سے پہلے ذکر اللہ میں شرکت کریں، پھر نماز پڑھیں اور عید کا معاملہ یہ ہے کہ وہ سال میں ایک بار آتی ہے اور مسلمانوں کو خود اس کا انتظار رہتا ہے کہ کب عید آئے اور ہم خدا کی اجازت سے غیر معمولی خوشی منائیں، اس لئے اس موقع پر حاضری کے لئے نداء کی ضرورت نہیں، پھر یہ کہ خطبہ نماز کے بعد ہے اور جب نماز کے لئے نداء کی ضرورت نہیں تو خطبہ کے لئے اور بھی ضرورت نہیں کہ مسلمان پہلے ہی سے جمع ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ عیدین میں نماز کے لئے حاضری اذان ونداء کے بغیر مطلوب ہے، اب یہ حاضری پیدل ہو یا سواری کے ذریعہ، اس میں کوئی قید نہیں، اس طرح ترجمہ کے تینوں اجزاء میں اصل مقصود تیسرا جز ہے اور دو اجزاء محض تمہید کے طور پر ہیں۔

تشریح احادیث پہلی اور دوسری روایت میں مذکور ہے کہ عیدین میں نماز پہلے ہے، اور خطبہ اس کے بعد، تیسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے، حضرت ابن زبیرؓ کو ان کی خلافت کے بالکل ابتدائی ایام میں یہ پیغام بھیجا کہ عہد رسالت اور عہد خلفاء میں عید کی نماز کے لئے اذان نہیں دی جاتی تھی اور خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا، اس لئے آپ اس کا خیال رکھیں حضرت ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت خلافت ۶۴ھ کا واقعہ ہے جو یزید بن معاویہؓ کے انتقال کے بعد پیش آیا، اس وقت ابن عباسؓ نے ان کو چند باتیں بتائی تھیں، جن میں ایک بات یہ بھی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کچھ تفردات تھے جن کے بارے میں بتانے کی ضرورت پیش آئی، چوتھی روایت میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر نے بیان کیا کہ عیدین میں اذان نہیں دی جاتی تھی، پانچویں روایت میں حضرت جابر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کے موقع پر نماز سے ابتدا کی، پھر خطبہ دیا، اس سے فراغت کے بعد اس خیال سے کہ شاید عورتوں تک آواز نہ پہنچی یا انہیں خاص طور پر مخاطب کرنے کے لئے، عورتوں کی طرف گئے ان کو وعظ ونصیحت سے نوازا۔

وھو یتوکأ الخ اس وقت آپ حضرت بلالؓ کے ہاتھ پر سہارا لئے ہوئے تھے، ہاتھ پر سہارا لینے کو بعض شارحین نے عیدگاہ جاتے وقت سواری کے استعمال کی گنجائش کا اشارہ قرار دیا ہے کہ جس طرح سواری آرام کے لئے ہوتی ہے کہ سارا بار اس پر رہتا ہے، اسی طرح دوسرے کے سہارے سے چلنا بھی آرام دہ ہے کہ اس میں بھی بار تقسیم ہو جاتا ہے، مگر یہ بات تکلف سے خالی نہیں، عمدہ بات یہ ہے کہ تمام روایات میں عید میں حاضری کی کیفیت سے سکوت

اختیار کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنے کی کوئی خاص صورت مطلوب نہیں، اگر کوئی شکل مطلوب ہوتی تو اس کا کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور ہوتا جیسا کہ جمعہ کے لئے فاسعوا کا لفظ آیا ہے اور اس سے پیدل جانے کا اشارہ سمجھا جاسکتا ہے۔

وبلال باسط ثوبہ حضرت بلالؓ کو ان صدقات کے وصول اور جمع کرنے کی ذمہ داری دی گئی تھی، اس لئے وہ اپنے کپڑے میں ان کو جمع کررہے تھے۔

قلت لعطاء الخ حضرت عطاء سے پوچھا گیا کہ امام کو آج بھی عورتوں کو الگ سے مخاطب کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے یا نہیں تو انہوں نے فرمایا بالکل کرنا چاہیئے مگر معلوم نہیں کہ یہ لوگ اس سے کیوں غفلت برت رہے ہیں، یہ مسئلہ باب موعظۃ الامام النساء میں آرہا ہے۔

مقصد ترجمہ کا ثبوت اس تشریح کے بعد روایات پر غور کیجئے دو روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ عہد رسالت میں عیدین کے لئے اذان نہیں دی جاتی تھی، اور بقیہ تمام روایات میں قدر مشترک کے طور پر یہ بات ہے کہ خطبہ نماز کے بعد ہے، گویا نماز کے لئے اذان کی مشروعیت نہیں اور خطبہ کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ لوگ پہلے سے نماز کے لئے حاضر ہو چکے ہیں، حاضرین کے لئے اس کی کیا ضرورت ہے؟ معلوم ہوا کہ عیدین میں اذان واقامت نہیں اور یہی اصل مقصد تھا، رہا نماز کے لئے حاضری کی کیفیت کا بیان، تو وہ مقصود میں داخل نہیں، مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اس لئے پیدل جائیں یا سوار ہو کر، دونوں صورتیں درست ہیں۔

نمازِ عید کے لئے اعلان نمازِ عید کے لئے اذان واقامت کی مشروعیت نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے لئے اعلان کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو امام شافعی نے زہریؒ سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین میں مؤذن سے الصلوۃ جامعۃ کا اعلان کرایا ہے، اس لئے نماز کے اوقات وغیرہ کے لئے اعلان کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔　　واللہ اعلم

[۸] بَابُ الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِيْدِ.

(۹۶۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكُلُّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.　　(گذشتہ: ۹۸)

(۹۶۳) حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

(گذشتہ: ۹۵۷)

(۹۶۴) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا ثُمَّ اَتَى النِّسَآءَ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلْنَ يُلْقِيْنَ تُلْقِي الْمَرْاَةُ خُرْصَهَا وَسِخَابَهَا .
(گذشتہ:۹۸)

(۹۶۵) حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ نَحَرَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَبَحْتُ وَعِنْدِيْ جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ قَالَ اجْعَلْهُ مَكَانَهٗ وَلَنْ تُوَفِّيَ اَوْ تَجْزِيَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ .
(گذشتہ:۹۵۱)

ترجمہ باب، نماز عید کے بعد خطبہ دینے کا بیان۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں عید میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ حاضر رہا ہوں تو وہ سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید الفطر کی نماز دو رکعت پڑھی، نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی، نہ اسکے بعد کوئی نماز پڑھی، پھر آپ عورتوں میں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے، پھر آپ نے عورتوں کو صدقہ دینے کا حکم دیا تو عورتوں نے صدقہ کے طور پر دینا شروع کیا، کوئی عورت اپنی کان کی بالی دے رہی تھی اور کوئی گلے کا ہار۔ حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم اپنے اس دن میں کام کا آغاز نماز سے کریں گے پھر واپس ہو جائیں گے، پھر قربانی کریں گے، پس جو شخص یہ کام کرے گا وہ ٹھیک ہماری سنت کے مطابق عمل کرے گا اور جو نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرے گا تو وہ صرف گوشت ہے جسے اس نے اپنے اہل خانہ کے لئے پہلے کر لیا، وہ قربانی کے سلسلے میں بالکل نہیں ہے تو انصار میں سے ایک شخص نے جن کو ابو بردہ بن نیار کہا جاتا تھا عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے پہلے ہی ذبح کر دیا اور میرے پاس ایک سال سے کم کی بکری ہے جو پوری عمر کی بکری سے بہتر ہے، آپ نے فرمایا تم اس کی جگہ اس کی قربانی کر دو، اور یہ تمہارے بعد کسی اور کے لئے ہرگز کافی نہ ہوگی۔

مقصد ترجمہ مقصد واضح ہے کہ عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہے، پھر اگر ترجمۂ سابق کو دو اجزاء پر مشتمل مانا جائے تو یہ باب مکرر بھی نہیں ہے، لیکن تین اجزاء پر مشتمل نسخہ کے مطابق اس کا مکرر ہونا واضح ہے اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے علامہ سندھی کے بیان کے مطابق کہنا ہوگا کہ ان تینوں میں ایک جز اصل مقصود تھا اور دو جز تمہیدی تھے،

اب امام بخاری انہیں تمہیدی اجزاء میں سے ایک جز کو مزید اہتمام کے ساتھ بیان کرنے کے لئے مستقل طور پر ذکر کر رہے ہیں تا کہ یہ بات صاف ہو جائے کہ بنو امیہ کے زمانہ میں خطبہ عید کے مقدم کئے جانے کی بات خلافِ سنت ہے۔

تشریح احادیث اس ترجمہ کے تحت امام بخاریؒ نے پہلی روایت حضرت ابن عباسؓ سے اور دوسری روایت حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے جن میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور خلافتِ راشدہ میں عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا۔

پھر تیسری روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کی دو رکعتیں پڑھیں، اور اس سے پہلے یا اس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی، یہ مسئلہ مستقل ایک باب میں آئے گا پھر آپ عورتوں کی طرف پہنچے، بلالؓ ساتھ تھے، آپؐ نے عورتوں کو صدقہ کی تلقین کی تو انہوں نے اپنے خرص کان کی بالیوں کو اور سخاب گلے کے خوشبودار ہار کو حضرت بلالؓ کے کپڑے میں ڈالنا شروع کر دیا، سخاب خوشبودار ہار کو کہتے ہیں اس میں چاندی، سونا یا جواہر نہیں ہوتے، اس روایت سے ترجمہ کا ثبوت اس طرح ہے کہ آپ کا عورتوں میں پہنچ کر نصیحت کرنا خطبہ ہی کا ایک حصہ ہے جو نماز کے بعد ہوا۔

چوتھی روایت حضرت براءؓ بن عازب کی ہے، روایت پہلے گذر چکی ہے، یہاں مقصد اس طرح ثابت ہے کہ آپ نے نمازِ عید کے بعد خطبہ میں یوم عید میں کاموں کی ترتیب بیان فرمائی ہے اور اس میں صراحت ہے کہ نماز کا عمل سب سے پہلے کیا جائے گا، لیکن بعض شارحین نے کہا ہے کہ اگر آپ ﷺ کے اس بیانِ ترتیب والے ارشاد کو خطبہ قرار دیا جائے تو روایت بہ ظاہر ترجمہ کے خلاف ہو جائے گی کہ پہلے آپ نے خطبہ دیا، چنانچہ بعض محدثین نے اس روایت پر الخطبة قبل الصلوٰة کا باب بھی قائم کر دیا ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں، اس لئے کہ روایات میں صراحت ہے کہ آپ نے یہ باتیں نماز کے بعد خطبہ میں ارشاد فرمائی تھیں، ابھی چند باب کے بعد یہی روایت آرہی ہے جس میں حضرت براء نے فرمایا خرج النبی ﷺ یوم اضحی فصلی العید رکعتین ثم اقبل علینا بوجهه وقال ان اول نسکنا الحدیث، معلوم ہوا کہ یہ بات آپ نے نماز کے بعد خطبہ میں ارشاد فرمائی تھی، اور بھی بعض طرق میں عید کے بعد کے خطبہ میں بیان کرنے کی صراحت ہے۔ واللہ اعلم

[۹] بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيدِ وَالْحَرَمِ

وَقَالَ الْحَسَنُ نُهُوا اَنْ يَحْمِلُوْا السِّلَاحَ يَوْمَ الْعِيدِ اِلَّا اَنْ يَخَافُوا عَدُوًّا

(۹۶۶) حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى اَبُوْ السُّكَيْنِ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوْقَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِيْنَ اَصَابَهُ سِنَانُ الرُّمْحِ فِي

اَخْمَصِ قَدَمِهٖ فَلَزِقَتْ قَدَمُهٗ بِالرِّكَابِ فَنَزَلْتُ فَنَزَعْتُهَا بِمِنًى فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ فَجَآءَ يَعُوْدُهٗ فَقَالَ الْحَجَّاجُ لَوْ نَعْلَمُ مَنْ اَصَابَكَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اَنْتَ اَصَبْتَنِيْ قَالَ وَكَيْفَ قَالَ حَمَلْتَ السِّلَاحَ فِيْ يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيْهِ وَاَدْخَلْتَ السِّلَاحَ الْحَرَمَ وَلَمْ يَكُنِ السِّلَاحُ يُدْخَلُ فِي الْحَرَمِ. (آئندہ:۹۶۷)

(۹۶۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوْبَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اِسْحٰقُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَاَنَا عِنْدَهٗ قَالَ كَيْفَ هُوَ قَالَ صَالِحٌ فَقَالَ مَنْ اَصَابَكَ قَالَ اَصَابَنِيْ مَنْ اَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِيْ يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيْهِ حَمْلُهٗ يَعْنِي الْحَجَّاجَ. (گذشتہ:۹۶۶)

ترجمہ باب، عید کی نماز میں اور حدودِ حرم میں ہتھیار لے جانے کی کراہت کا بیان۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ عید کے دن لوگوں کو ہتھیار لے جانے سے منع کیا گیا تھا الا یہ کہ انہیں دشمن کا اندیشہ ہو، حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابن عمر کے پیر کے تلوے میں نیزے کی اَنی لگی تو میں ان کے ساتھ تھا، پھر یہ کہ ان کا پیر رکاب سے جاملا تو میں اترا اور منیٰ ہی میں میں نے اَنی کو نکالا، پھر جب حجاج کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ عیادت کے لئے آیا اور اس نے کہا کاش ہم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ یہ زخم آپ کو کس نے پہنچایا ہے؟ تو ابن عمر نے فرمایا کہ یہ تو تو ہی نے پہنچایا ہے، حجاج نے کہا اور وہ کیسے؟ ابن عمر نے فرمایا کہ تو نے ہی تو اس دن ہتھیار لے جانے کی اجازت دی جس میں ہتھیار لے جانے کی اجازت نہیں تھی اور تو نے ہی حرم میں ہتھیاروں کے لانے کی اجازت دی جب کہ حدودِ حرم میں ہتھیار نہیں لائے جاتے تھے، اسحاق بن سعید نے، اپنے والد سعید بن عمرو سے نقل کیا کہ حجاج، حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میں ان کے پاس تھا، حجاج نے پوچھا کیا حال ہے؟ تو ابن عمر نے فرمایا میں ٹھیک ہوں، پھر اس نے کہا کہ یہ زخم آپ کو کس نے پہنچایا ہے؟ تو ابن عمر نے فرمایا، مجھے یہ زخم اس شخص نے پہنچایا ہے جس نے ہتھیار لانے کا اس دن حکم دیا جس دن ہتھیار لانا درست ہی نہیں تھا ان کی مراد یہ تھی کہ خود حجاج نے یہ زخم پہنچایا ہے۔

مقصد ترجمہ پہلے ایک ترجمہ باب الحراب والدرق یوم العید گذرا ہے وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اس کا تعلق عید گاہ اور عید کے مجمع سے نہیں بلکہ فنونِ حرب وضرب کے اس مظاہرہ کا تعلق عید گاہ سے واپسی کے بعد ہے، اب یہاں یہ بیان کرتے ہیں کہ عید کی نماز کے لئے جائیں تو عمدہ لباس اور مباح زینت کی اجازت ہے اور بہادروں کے لئے اسلحہ بھی زینت ہی کا سامان ہیں اس لئے اس کی اجازت بھی ہونی چاہیئے، لیکن امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ مجمع میں اسلحہ لے کر چلنا خطرے سے خالی نہیں، اس لئے ہدایت کی جاتی ہے کہ جب مجمع میں جائیں تو ہتھیار ساتھ نہ رکھیں۔

وقال الحسن الخ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اسلحہ نہ لے جانے کی ہدایت اسی مصلحت سے ہے کہ کسی کو

نقصان نہ پہنچ جائے اس لئے اگر دشمن کا اندیشہ ہو تو حفاظت کے طور پر اسلحہ ساتھ رکھ سکتے ہیں اور اس وقت بھی احتیاط شرط ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔

تشریح حدیث حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ جب منیٰ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پیر میں زہر آلود نیزے کی انی چبھی ہے تو میں ان کے ساتھ تھا، چبھونے والے نے اتنی قوت سے کام لیا کہ ان کا قدم رکاب سے چپک گیا، اخمص تلوے کو کہتے ہیں اس لئے مطلب یہ ہوا کہ انی نیچے سے چبھوئی گئی اور وہ رکاب کو پار کرتی ہوئی قدم میں اس طرح چبھی کہ رکاب کا چمڑا اور قدم ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں اترا اور میں نے وہ انی پیر میں سے نکالی، پھر حجاج کو خبر ہوئی تو وہ عیادت کے لئے حاضر ہوا اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا لو نعلم الخ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حرکت کس کی ہے تو اس کو سزا دی جائے، حضرت ابن عمر نے برجستہ ذو معنی جواب دیا جیسا کہ دوسری روایت ہے کہ جس نے آج کے دن ہتھیار لے کر چلنے کی اجازت دی، اسی کی حرکت ہے، اور پہلی روایت کے مطابق صاف طور پر فرمایا انت اصبتنی کہ یہ سب کاروائی تمہاری ہے، حجاج نے کہا وہ کیسے؟ تو فرمایا یہ ایسے کہ حج کے موقع پر اسلحہ لے کر چلنے کی اجازت نہیں تھی، یہ رسم تم نے نکالی کہ لوگ اسلحہ لے کر نکلنے لگے، اس لئے ساری ذمہ داری تمہاری ہے۔

بہر حال حضرت ابن عمر نے اس ظالمانہ کاروائی کا ذمہ دار حجاج کو قرار دیا، لیکن جواب میں طرح طرح کی باتیں منقول ہیں، کسی روایت میں ابتداءً تعریض کی گئی ہے، پھر اس کی توجیہ ہے، کسی روایت میں صاف الزام عائد کیا ہے، شارحین نے کتاب الصریفینی کے حوالہ سے صاف الفاظ میں تقتلنی ثم تعودنی نقل کیا ہے، بعض روایات میں یہ ہے کہ ابن عمر نے سر جھکا لیا اور حجاج کی طرف التفات ہی نہیں کیا، اس لئے تطبیق کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یا تو حجاج عیادت کے لئے بار بار گیا اور ہر موقع پر جواب الگ الگ دیا گیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی بار گیا ہو لیکن بار بار سوال کرنے پر جواب میں تنوع ہوا ہو کہ پہلے تعریض کی، پھر صراحت سے نام لیا، پھر بے التفاتی کا اظہار فرمایا۔

کچھ حجاج کے بارے میں حجاج اپنی سفاکانہ کاروائیوں کے لئے بہت بدنام انسان گذرا ہے، تمام صحابہؓ اور تابعینؒ کے ساتھ اس ظالم کا یہی رویہ تھا، ہشام بن حسان محدث کہتے ہیں کہ گرفتار کر کے جو صحابہ و تابعین وغیرہ اس کی تیغ ستم کا شکار ہوئے ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے گویا معرکوں میں کام آنے والے شہداء کی تعداد اس سے الگ ہے۔

رسول پاک ﷺ نے قبیلۂ ثقیف کے بارے میں اطلاع دی تھی ان فی ثقیف کذابا ومبیرا (مشکوۃ ص: ۵۵۲ بحوالہ مسلم) کہ قبیلۂ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک تباہی مچانے والا پیدا ہوگا، کذاب کا مصداق مختار بن ابو عبید ثقفی کو قرار دیا گیا ہے اور مبیر کا مصداق یہی حجاج بن یوسف ثقفی ہے، عبداللہ بن عصمہ تابعی نے حضور ﷺ

کے ارشاد کی تعیین میں یہی فرمایا ہے، اور اس سے پہلے حضرت اسماء بنت ابی بکر نے حجاج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا اما الکذاب فرأيناه و اما المبير فلا اخالك الا اياه کہ کذاب کو تو (یعنی مختار بن ابو عبید کو) ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، رہا مبیر کا مصداق تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ تو ہی ہے۔ (مشکوۃ ص:۵۵۲)

حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ اس ظالمانہ حرکت کی بنیاد یہ ہے کہ انہوں نے حجاج کے متعدد کاموں پر جیسے خانہ کعبہ پر منجنیق نصب کرنے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے شہید کئے جانے پر نکیر کی تھی، تمام مسلمان اس کے ان کاموں سے بیزار اور ناراض تھے، اسی زمانہ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھا کہ وہ ابن عمر کی مخالفت نہ کرے اور مناسک کی ادائیگی میں ان کے احکام کی پابندی کرے، حجاج عبدالملک کے حکم سے کھلا انحراف نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اس نے حضرت ابن عمر کو قتل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی شخص کو زہر آلود نیزہ تیار کر کے ایام حج میں انہیں نقصان پہنچانے کے لئے مقرر کر دیا اور اس شخص نے حجاج کے حکم سے یہ زہر آلود نیزہ قدم میں چبھو دیا، یہ واقعہ ایام حج ۷۳ھ کا ہے اور اسی کے اثر سے ۷۴ھ میں ابن عمر کا انتقال ہوا۔ واللہ اعلم

[۱۰] بَابُ التَّبْكِيْرِ لِلْعِيْدِ

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ اِنْ كُنَّا فَرَغْنَا فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَذٰلِكَ حِيْنَ التَّسْبِيْحِ

(۹۶۸) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ فَقَامَ خَالِيْ اَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اُصَلِّيَ وَعِنْدِيْ جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ فَقَالَ اجْعَلْهَا مَكَانَهَا اَوْ قَالَ اذْبَحْهَا وَلَنْ تُجْزِئَ جَذَعَةٌ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ . (گذشتہ:۹۵۱)

ترجمہ باب، عید کی نماز کے لئے سویرے جانے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن بسر نے فرمایا کہ بے شک اس وقت ہم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے اور یہ اشراق کے وقت فرمایا۔ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن ہمارے سامنے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ آج کے دن ہم سب سے پہلے جو کام کریں گے وہ نماز ہے، پھر ہم واپس ہو جائیں گے پھر قربانی کریں گے، چنانچہ جو شخص ایسا کرے گا تو وہ ہماری سنت کے مطابق عمل کرے گا، اور جس نے نماز سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو وہ محض گوشت کے لئے ہوا جسے اس نے اپنے اہل خانہ کے لئے جلد ذبح کر لیا ہے، قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، پھر میرے ماموں ابو بردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے

اللہ کے رسول! میں نے نماز سے پہلے ذبح کرلیا اور میرے پاس بکری کی ایک ایسی پٹھیا ہے جو پوری عمر والی بکری سے اچھی ہے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اس پٹھیا کو اس کی جگہ کردو، یا فرمایا ذبح کردو، اور تمہارے بعد کسی اور کی طرف سے بکری کی یہ کم عمر والی پٹھیا جائز نہ ہوگی۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ عید کی نماز کا وقتِ مسنون، صبح کو وقتِ مکروہ ختم ہونے کے فوراً بعد ہے، چنانچہ فرمایا کہ عید کی نماز کے لئے جلد نکلنا چاہئے، پھر تعلیقاً حضرت عبداللہ بن بسرؓ کی روایت ذکر کی حضرت عبداللہ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں، اور حضرت عبداللہ قبلتین کی طرف نماز پڑھنے والے قدیم صحابی ہیں، ملک شام میں ۸۸ھ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں، وہ شام کے کسی امام کے نماز عید کے لئے تاخیر سے آنے پر نکیر فرمارہے ہیں، ابن ماجہ میں ہے أنہ (عبد اللّٰہ) خرج مع الناس یوم فطر او اضحی فانکر ابطاء الامام وقال ان کنا لقد فرغنا ساعتنا ھذہ و ذلک حین التسبیح (ابن ماجہ باب وقت صلاۃ العیدین) امام کے تاخیر کرنے پر نکیر فرماتے ہوئے حضرت عبداللہ نے کہا کہ ہم لوگ تو عہد رسالت میں اس وقت فارغ ہوجایا کرتے تھے اور یہ اشراق کا وقت تھا۔

حین التسبیح سے مراد یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد جب وقتِ مکروہ ختم ہوجاتا اور نماز پڑھنا درست ہوتا، اس وقت نماز عید پڑھنے کا معمول تھا طبرانی کی روایت میں و ذلک حین تسبیح الضحیٰ کی صراحت ہے، گویا اشراق کا وقت مراد ہے بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا کہ عہدِ رسالت میں عید کی نماز اول وقت میں پڑھی جاتی تھی۔

تشریح حدیث روایت کئی بار گذر چکی ہے، یہاں مقصد اس طرح ثابت ہے کہ روایت میں فرمایا گیا کہ عید کے دن کاموں کی ابتداء نماز سے کی جائے گی، یعنی دوسرے کام جیسے قربانی وغیرہ اس کے بعد کئے جائیں گے، اور جب نماز سب سے پہلے ہے تو اس کے لئے تیاری اور پہلے سے کی جائے گی اس سے بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا۔ واللہ اعلم

[۱۱] بَابُ فَضْلِ الْعَمَلِ فِی اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِی اَیَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ اَیَّامُ الْعَشْرِ وَالْاَیَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ وَاَبُوْھُرَیْرَۃَ یَخْرُجَانِ اِلَی السُّوْقِ فِی الْاَیَّامِ الْعَشْرِ یُکَبِّرَانِ وَیُکَبِّرُ النَّاسُ بِتَکْبِیْرِھِمَا وَکَبَّرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ خَلْفَ النَّافِلَۃِ۔

(۹۶۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَۃَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ سُلَیْمٰنَ عَنْ مُسْلِمِ الْبَطِیْنِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا الْعَمَلُ فِی اَیَّامٍ اَفْضَلُ مِنْھَا فِی ھٰذِہٖ

قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْئٍ.

ترجمہ باب، ایام تشریق میں عملِ صالح کی فضیلت کا بیان۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سورۃ الحج میں ایام معلومات میں ذکر الٰہی کا جو حکم ہے اس سے مراد یہی ذی الحجہ کے دس دن ہیں اور جو سورۂ بقرہ میں ایام معدودات آیا ہے اس سے مراد ایام تشریق ہیں، اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ ان ایام عشر میں تکبیر کہتے ہوئے بازار جاتے اور لوگ ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتے، اور محمد بن علی (محمد باقر) نے نفل نماز کے بعد تکبیر کہی۔ حضرت ابن عباسؓ، حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، کبھی بھی ایام میں عمل کرنا، ان ایام میں عمل کرنے سے افضل نہیں ہے، صحابہ نے عرض کیا، کیا جہاد بھی نہیں؟ تو فرمایا کہ ہاں جہاد بھی نہیں مگر وہ انسان جو اپنی جان اور مال کو خطرہ میں ڈال کر جہاد کے لئے نکلا اور ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہ لوٹ سکا۔

مقصد ترجمہ ایام تشریق میں عمل کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں، ایام تشریق سے مراد وہ ایام ہیں جن میں گوشت سکھایا جاتا تھا، گوشت کے پارچے بنا کر ان پر نمک وغیرہ لگا دیتے تھے، پھر اس کو سوکھنے کے لئے پھیلا دیتے تھے یا لٹکا دیتے تھے، اور یہ ایام دراصل ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخیں ہیں اور دسویں تاریخ یوم النحر ہے، بعض اہل علم کے یہاں اس کو بھی ایام تشریق میں شمار کیا گیا ہے، اور اگر ایام تشریق سے مراد وہ ایام لئے جائیں جن میں تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے تو چونکہ اس کا سلسلہ نویں کی صبح سے شروع ہو جاتا ہے اس لئے اس کو بھی ایام تشریق میں شمار کیا جا سکتا ہے، تو اب گویا تکبیر تشریق، قربانی اور تشریق (گوشت سکھانا) کا کام جن ایام سے متعلق ہے، ان میں عمل کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں۔

قال ابن عباسؓ الخ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورۃ الحج میں جو **ویذکروا اسم اللّٰہ فی ایام معلومات** (آیت ۲۸) (تاکہ ان معلوم دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کیا کریں) فرمایا گیا ہے اس سے ذی الحجہ کے اولین دس دن مراد ہیں، اور جو سورہ بقرہ میں **واذکروا اللّٰہ فی ایام معدودات** (آیت ۲۰۳) (ان چند ایام میں اللہ کا ذکر کرو) آیا ہے اس سے مراد ایام تشریق ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق اور ایام عشر دونوں میں ذکر خداوندی کا حکم دیا گیا ہے جس سے ان ایام میں عمل کی فضیلت ثابت ہوئی، البتہ اس تعلیق میں ذکر کردہ الفاظ، قرآن کریم کی آیت سے کچھ مختلف ہیں، وجہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد ایام معلومات اور ایام معدودات کی مراد کو متعین کرنا ہے اور اسکے لئے آیت کا تلاوت کرنا ضروری نہیں، آیت کر طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔

وکان ابن عمر الخ ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ ذو الحجہ کے عشرۂ اولی میں تکبیر کہتے ہوئے بازار جاتے اور دیگر حضرات بھی ان کے ساتھ تکبیر کہتے۔ عام شارحین کا خیال ہے کہ اس تعلیق کا ترجمۃ الباب یعنی ایام تشریق کی فضیلت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ امام بخاریؒ کی اُس عادت کے مطابق ہے کہ وہ ترجمہ میں معمولی مناسبت سے

بعض چیزوں کا اضافہ کردیتے ہیں، البتہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اسکا منشاء یہ ہے کہ ایام تشریق اور ایام عشر فضیلت میں برابر ہیں لیکن ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی، جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

وکبر محمد بن علی الخ محمد بن علی یعنی امام باقرؒ فرائض کی طرح نفل نمازوں کے بعد تکبیر کہتے تھے، امام باقرؒ کا یہ عمل ایام تشریق سے متعلق ہے جیسا کہ دارقطنیؒ نے اس کو موتلف میں موصولاً ذکر کیا ہے۔

ترجمہ سے ذکر کردہ تعلیقات کا ربط ترجمہ ہے ایام تشریق کی فضیلت، اور اس کے تحت امام بخاریؒ نے تین چیزیں ذکر کی ہیں (۱) ابن عباسؓ کے قول میں ایام عشر اور ایام تشریق دونوں کا ذکر ہے (۲) حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا عمل صرف ایام عشر سے متعلق ہے، اور (۳) امام باقرؒ کا عمل صرف ایام تشریق سے ہے۔ اس لئے حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ بظاہر امام بخاریؒ کا منشاء یہ ہے کہ فضیلت میں ایام عشر اور ایام تشریق برابر ہیں، لیکن ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ ترجمہ میں صرف ایام تشریق کا ذکر ہے اس لئے مقصدا انہی ایام میں عمل کی فضیلت کا بیان ہونا چاہیئے اور ایام عشر کے تذکرہ کو ضمنی سمجھنا چاہیئے۔

ہمارے ذوق کے مطابق ابن عباسؓ کے ارشاد میں ایام تشریق میں عمل کی فضیلت کا بیان مقصود ہے، چنانچہ انہوں نے بیان فرمادیا کہ **ایام معدودات** سے یہی مراد ہیں، پھر اسی مناسبت سے انہوں نے یہ بھی ذکر کردیا کہ **ایام معلومات** سے ایام عشر مراد ہیں تاکہ کسی کو ان دونوں کے ایک ہونے کا شبہ نہ ہوجائے، پھر چونکہ ان دونوں ایام میں ذکر کی تاکید تھی اس لئے ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کے عمل سے واضح کردیا کہ ان ایام معدودات اور ایام معلومات میں جس ذکر کی تاکید کی جارہی ہے وہ مخصوص ذکر تکبیر ہے اور جس طرح حاجی کے لئے تلبیہ شعار کی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح عام مسلمانوں کے لئے ان دنوں کا مخصوص ذکر تکبیر ہے، پھر چونکہ ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کے عمل میں صرف ایام عشر کا تذکرہ تھا اس لئے امام باقرؒ کے عمل سے یہ واضح کردیا کہ ایام تشریق میں بھی ذکر کی یہی صورت ہے۔ اس طرح ترجمہ کے ذیل میں ذکر کردہ تینوں تعلیقات کا ربط بھی معلوم ہوگیا، اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ بخاری کا مقصد صرف ایام تشریق میں عمل کی فضیلت کا بیان ہے، ایام تشریق اور ایام عشر دونوں میں عمل کی فضیلت کا برابر ہونا ان کے مقصد سے زائد بات ہے۔

تشریح حدیث اور ایام کی تعیین اب روایت پر غور کیجئے، فرمایا **ما العمل فی ایام افضل من العمل فی هذه**، کسی بھی ایام میں عمل کرنا ان ایام میں عمل کرنے سے افضل نہیں ہے، اور ان ایام سے مراد ذوالحجہ کی دس تاریخیں ہیں جیسا کہ دیگر روایات میں **من هذه الایام العشر** کی صراحت ہے، ان دس دنوں میں آخری دن نحر کا ہے جس کا شمار ایام تشریق میں ہے اور اس سے ایک دن پہلے یوم عرفہ ہے جس پر بعض ائمہ نے تشریق کا اطلاق کیا ہے، باقی تین دن یعنی ۱۱/۱۲/۱۳/ ذوالحجہ، تو وہ ایام تشریق ہی ہیں، اور یہی وہ پانچ ایام ہیں جن میں حج کے جملہ ارکان ادا کئے جاتے ہیں، ۹/ کو وقوف عرفہ ہے جس کے ادراک سے حج مل جاتا ہے اور جس کے چھوٹ

جانے سے حج فوت ہوجاتا ہے، پھر اسی دن مغرب کے بعد مزدلفہ آجاتے ہیں، وقوف مزدلفہ کر کے صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب کے قریب منی کی طرف چل پڑتے ہیں اور وہاں جاکر دسویں تاریخ کو قربانی، حلق، رمی اور طواف زیارت کرنا ہوتا ہے، طواف زیارت دوسرا رکن ہے اور اگر یہ دسویں کو نہ کیا جاسکے تو بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے، طواف زیارت کے بعد پھر منی لوٹ آتے ہیں اور وہاں ۱۱؍۱۲؍ کو رمی کرنی ہوتی ہے، پھر تیرہویں تاریخ میں رہیں تو رمی کرنی ہوگی اور وہاں سے چلے آئے تو مضایقہ نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حج کا تعلق انہی پانچ ایام سے ہے اور ان پانچ ایام میں کا پہلا اور دوسرا دن، ایام عشر کا نواں اور دسواں دن ہے، اس لئے ان پانچ ایام یعنی ایام تشریق کی فضیلت کا راز یہ ہے کہ ان میں حج کے ارکان کی ادائیگی ہے اور ایام عشر کی فضیلت کا راز یہ ہوا کہ وہ ایام حج کی تمہید ہیں اور اصل ارکانِ حج یعنی وقوف عرفہ اور طواف زیارت کی ادائیگی انہی ایام عشر کے آخری دو دنوں سے متعلق ہے اور جب ایام عشر میں عمل کی فضیلت ثابت ہوئی جو تمہیدی ایام تھے تو ایام تشریق میں عمل کی فضیلت بہ درجۂ اولی ثابت ہوگئی اور یہی امام بخاریؒ کا مقصد تھا۔

ایام عشر کے اعمال روایت میں مذکور ہے کہ کسی بھی ایام میں عمل کرنا، ان ایام میں عمل کرنے سے افضل نہیں ہے، اس کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ ان ایام میں کیا گیا ہر عملِ خیر، دوسرے ایام میں کئے گئے اس طرح کے عمل خیر سے افضل ہوگا، یعنی ان ایام کی نمازیں دوسرے ایام کی اسی طرح کی نمازوں سے افضل، ان ایام کے روزے دوسرے ایام کے اسی طرح کے روزوں سے افضل ہیں وغیرہ، تو اس صورت میں ان ایام میں ہر عمل کی فضیلت ثابت ہوگی، اسی لئے بعض اربابِ تحقیق نے فرمایا ہے کہ ایام میں ایام عشر افضل ہیں کہ ان میں نماز، روزہ، قربانی، حج، اور انفاق فی سبیل اللہ گویا تمام بنیادی عبادتیں پائی جاتی ہیں اور لیالی میں رمضان کے عشرۂ آخر کی راتیں افضل ہیں کہ ان میں شب قدر رہوتی ہے، لیکن اس صورت میں صحابۂ کرامؓ کے سوال کی وجہ بہ ظاہر سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ بیان کردہ مطلب کے مطابق جہاد کے سلسلے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ ان ایام میں کیا گیا جہاد، دوسرنے ایام کے جہاد سے افضل ہے۔

لیکن غور کیا جائے تو اس سوال کی یہ وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان ایام میں ایک عمل ایسا ہے جو دوسرے ایام میں نہیں ہے یعنی حج، ظاہر ہے کہ حج کرنے والا ان ایام میں حج کرے گا تو وہ جہاد نہیں کر سکے گا اس لئے صحابۂ کرامؓ کا یہ سوال بالکل برمحل ہے کہ کیا ان ایام کے اعمال جہاد سے بھی افضل ہیں، چنانچہ آپ نے واضح فرمادیا کہ ہاں ان ایام کے اعمال جہاد سے بھی افضل ہیں، البتہ جہاد کی ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے جو ایام کے شرف سے متاثر نہیں ہوتی اور وہ یہ کہ مجاہد اپنے جان ومال کو اللہ کے راستے میں قربان کردے۔

اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ان ایام کے خصوصی اعمال، دیگر ایام کے اعمال سے افضل ہیں، روایت میں

العمل معرف باللام لایا گیا ہے عمل نکرہ نہیں لایا گیا ہے جس سے عمل کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان ایام کے خصوصی اعمال کیا ہیں؟ تو ان ایام کا ایک خصوصی عمل تو تکبیر ہے، اور اس کے لئے امام بخاری نے ترجمۃ الباب کے ذیل میں چند آثار نقل فرمائے ہیں مگر اس کے دو درجہ ہیں ایک درجہ تو وجوب کا ہے جو حنفیہ کے یہاں وہ تکبیر ہے جو ۹ر ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳ر کی عصر تک جماعت کے ساتھ ادا کی گئی نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہے، یہ تکبیر دیگر ائمہ کے یہاں سنت یا مندوب ہے، اور دوسرا درجہ فضیلت کا ہے کہ تکبیر ان ایام عشر اور ایام تشریق کا شعار ہے، ہر نماز کے بعد، فرض ہو یا نفل، جماعت سے ہو یا انفرادی، بازار جاتے وقت، بازار سے لوٹتے ہوئے، بلکہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، مرد ہو یا عورت، سب کے لئے تکبیر پڑھتے رہنا افضل ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے ما من ایام اعظم عند اللّٰہ سبحانه ولا احب الیه العمل فیهن من هذه الایام فاکثروا فیهن من التهلیل والتکبیر والتحمید (مسند احمد) کوئی ایام، اللہ کے نزدیک ان ایام سے زیادہ عظمت والے نہیں ہیں، اور نہ اللہ کے نزدیک اُن ایام میں عمل، اِن ایام میں عمل سے محبوب ہے، اس لئے ان ایام میں لاالٰه الا اللّٰه، اللّٰه اکبر اور الحمد للّٰه کا بہ کثرت ورد کیا کرو۔

اور ان ایام عشر کا دوسرا خصوصی عمل روزہ ہے اور اس صورت میں ایام کو عشر کہنا مجاز اور تغلیب کے طور پر ہے کیونکہ روزے نو ہی دن کے ہیں، دسویں تاریخ کا روزہ نہیں ہے، ایام عشر کے ان روزوں کی بڑی فضیلت ہے، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے، لیکن اس روایت کو ضعیف کہا گیا ہے اور یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں حضرت ابو قتادہ کی روایت میں ہے کہ وہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ۔

اس دوسرے مطلب کا حاصل یہ ہوا کہ ان ایام کے خصوصی اعمال یعنی تکبیرات اور روزہ، دیگر ایام کے تمام نفلی اعمال سے افضل ہیں، اور جب مطلب یہ ہوا تو صحابۂ کرام کا یہ سوال اپنی جگہ درست ہے کہ کیا یہ اعمال جہاد سے بھی افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے بھی افضل ہیں مگر جہاد کی ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے۔ واللہ اعلم

[۱۲] بَابُ التَّكْبِيْرِ اَيَّامَ مِنًى وَاِذَا غَدَا اِلَى عَرَفَةَ

وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ فِي قُبَّتِهٖ بِمِنًى فَيَسْمَعُهٗ اَهْلُ الْمَسْجِدِ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيُكَبِّرُ اَهْلُ الْاَسْوَاقِ حَتّٰى تَرْتَجَّ مِنًى تَكْبِيْرًا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُكَبِّرُ بِمِنًى تِلْكَ الْاَيَّامَ وَخَلْفَ الصَّلَوَاتِ وَعَلٰى فِرَاشِهٖ وَفِي فُسْطَاطِهٖ وَمَجْلِسِهٖ وَمَمْشَاهُ وَتِلْكَ الْاَيَّامَ جَمِيْعًا وَكَانَتْ مَيْمُوْنَةُ تُكَبِّرُ يَوْمَ النَّحْرِ وَكَانَ النِّسَآءُ

يُكَبِّرْنَ خلفَ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَيَالِيَ التَّشْرِيْقِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ .

(۹۷۰) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ اَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَنَحْنُ غَادِيَانِ مِنْ مِنًى اِلَى عَرَفَاتٍ عَنِ التَّلْبِيَةِ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّي لَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ . (آئندہ:۱۶۵۹)

(۹۷۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِي عَنْ عَاصِمٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُؤْمَرُ اَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيْدِ حَتّٰى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا حَتّٰى نُخْرِجَ الْحُيَّضَ فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيْرِهِمْ وَيَدْعُوْنَ بِدُعَائِهِمْ يَرْجُوْنَ بَرَكَةَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهٗ . (گذشتہ:۳۲۴)

ترجمہ باب، منیٰ کے ایام میں اور نویں کی صبح کو عرفات جاتے ہوئے تکبیر کہنے کا بیان۔ اور حضرت عمرؓ منیٰ میں اپنے خیمے میں تکبیر کہتے تو اس کو اہلِ مسجد سن لیتے پھر وہ تکبیر کہتے اور بازار والے تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ تکبیر سے گونج اٹھتا اور ابن عمرؓ ان ایام میں منیٰ میں تکبیر کہتے، اور نمازوں کے بعد، اور اپنے بچھونے پر اور اپنے خیمے میں اور اپنی مجلس میں اور چلتے ہوئے تکبیر کہتے اور ان تمام ایام میں کہتے، اور حضرت میمونہ یوم النحر میں تکبیر کہتیں، اور عورتیں ابان بن عثمانؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے پیچھے تشریق کے ایام میں مردوں کے ساتھ مسجد میں تکبیر کہتیں۔ محمد بن ابی بکر الثقفی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے تلبیہ کے بارے میں پوچھا۔ اور ہم دونوں صبح کے وقت منیٰ سے عرفات جارہے تھے۔ کہ آپ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس سلسلے میں کیا صورت اختیار کرتے تھے؟ تو فرمایا کہ تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ پڑھتا تھا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا، اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا تھا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا، حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ ہم عورتوں کو عہد رسالت میں عید میں حاضری کا حکم دیا جاتا تھا یہاں تک کہ ہم پردے سے نکال کر کنواری لڑکیوں کو اور حائضہ عورتوں کو وہاں لیکر جاتیں، پھر یہ سب عورتیں مردوں کے پیچھے رہتیں اور ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں، اور ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں کرتیں اور وہ اس دن کی برکت اور پاکی کی امید رکھتیں۔

مقصد ترجمہ ایام منیٰ سے مراد ہیں یوم النحر یعنی ۱۰ رذی الحجہ اور اس کے بعد ۱۱/۱۲/۱۳ رتاریخیں، اور اذا غدا الی عرفة سے مراد ہے ۹ رذی الحجہ، کہ نویں تاریخ کو منیٰ سے روانہ ہو کر عرفات جانا ہوتا ہے، عرفات سے مزدلفہ آتے ہیں اور وہاں رات گذار کر ۱۰ رتاریخ کو منیٰ آجاتے ہیں، اس لئے یہ کہنا چاہیئے کہ امام بخاریؒ نے پہلے باب میں ایام تشریق میں عمل کی فضیلت بیان کی تھی اور اس کے لئے جو حدیث ذکر کی تھی اس میں ایامِ عشر میں عمل کی فضیلت کا ذکر تھا اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ان ایام کا خصوصی عمل تکبیر ہے۔

اب اس باب میں امام بخاریؒ ان ایام کی تعیین کرنا چاہتے ہیں جن میں تکبیر پڑھنے کا تاکیدی حکم ہے، اور ان کے ترجمہ کا مفہوم یہ ہے کہ تکبیر کا عمل ۹ رسے شروع ہوگا اور ایام منیٰ کے آخری یوم تک جاری رہے گا۔

تکبیر کے بارے میں ائمہ کے مذاہب اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے پہلے چند آثار پھر دو روایتیں ذکر کی ہیں، ان آثار و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان ایام میں فرائض کے بعد بھی اور دیگر اوقات میں بھی تکبیر پڑھی گئی ہے، لیکن اس کا درجہ کیا ہے اور اس کی ابتدا کب سے ہوگی اور انتہاء کا وقت کیا ہے؟ تو یہ باتیں ان آثار وروایات سے واضح نہیں ہیں، اس سلسلے میں ائمہ اور فقہاء کے اقوال میں بڑا اختلاف ہے کہ اس کا پڑھنا واجب ہے یا مسنون، اس کا تعلق صرف فرائض سے ہے یا نوافل سے بھی ہے، ابتداء یومِ عرفہ سے ہے یا یوم النحر سے، پھر یہ کہ ابتداء فجر سے ہے یا ظہر سے، اسی طرح اس کی انتہاء یوم النحر ہے یا ایام تشریق کا آخری دن ہے، پھر یہ کہ وہ ظہر ہے یا عصر ہے، وغیرہ۔

پچھلے باب میں بیان کیا جاچکا ہے کہ حنفیہ کے یہاں اس کے دو درجے ہیں، مردوں کی نماز باجماعت کے بعد اہل مصر کے لئے سلام کے فوراً بعد بلافصل اس کا پڑھنا واجب ہے اور بقیہ اوقات میں اس کا پڑھنا فضیلت کے درجہ میں ہے، نیز یہ کہ امام اعظم کے یہاں یہ تکبیر کل اٹھارہ نمازوں کے بعد ہے یوم عرفہ کی فجر سے یوم النحر کی عصر تک اور صاحبین کے نزدیک ۱۳ رتاریخ کی عصر تک ہے اور تکبیر کے الفاظ یہ ہیں **اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد،** یہ الفاظ مصنف بن ابی شیبہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہیں۔

جب کہ شوافع کے یہاں یہ تکبیر یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ ر کی عصر تک ہے اور مستحب یا مسنون ہے، اور تمام نمازوں کے بعد ہے، فرض ہو یا نفل، باجماعت ہو یا انفرادی، پڑھنے والا مرد ہو یا عورت، مقیم ہو یا مسافر، حد یہ کہ وہ ان دنوں میں نمازِ جنازہ کے بعد بھی تکبیر کے قائل ہیں، مالکیہ کے یہاں یہ تکبیر یوم النحر کی نماز ظہر سے ۱۳ رتاریخ کی فجر تک یعنی پندرہ نمازوں کے بعد ہے، ابن قدامہ نے اس کا صرف فرائض کے بعد مشروع ہونا بیان کیا ہے اور دوسرے فقہاء مالکیہ نے تمام نمازوں کے بعد - فرائض ہوں یا نوافل باجماعت ہوں یا انفرادی - اس کو مندوب لکھا ہے، حنابلہ کے یہاں یہ تکبیر فرض کی نماز باجماعت کے بعد مسنون ہے اور ان کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ محرم کے لئے اس کی ابتداء یوم النحر کی ظہر سے ہے اور غیر محرم کے لئے یوم عرفہ کی فجر سے اور انتہاء سب کے لئے ۱۳ رتاریخ کی عصر ہے، اور تکبیر کے الفاظ بھی وہی ہیں جو عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کئے گئے؛ دیگر ائمہ کے یہاں تکبیر کے الفاظ میں فرق ہے۔

امام بخاری کے پیش کردہ آثار اب امام بخاری کے پیش کردہ آثار پر غور کیجئے، سب سے پہلے انہوں نے حضرت عمرؓ کے بارے میں بیان کیا کہ وہ ایام منیٰ میں اپنے قبہ میں تکبیر کہتے اور اہل مسجد اور اہل بازار ان کی تکبیر کو سن کر تکبیر کہتے اور منیٰ تکبیرات کی آواز سے گونج اٹھتا، پھر ابن عمر کے بارے میں بیان

کیا کہ وہ ان ایام میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور نمازوں کے بعد تکبیر پڑھتے تھے، پھر حضرت میمونہ کے بارے میں بیان کیا کہ وہ یوم النحر میں تکبیر پڑھتی تھیں، پھر یہ بتایا کہ ایام تشریق میں عہد تابعین میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ نماز باجماعت کے بعد تکبیر پڑھتی تھیں، ان آثار سے ترجمۃ الباب کا یہ جز ثابت ہوا کہ ان ایام میں تکبیر پڑھی جاتی تھی، نیز یہ کہ ان آثار سے حنفیہ کے مسلک کی دو باتیں بھی ثابت ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ حنفیہ عید الاضحیٰ میں عیدگاہ جاتے ہوئے جہر کے ساتھ تکبیر پڑھنے کو مسنون کہتے ہیں، ان آثار کے قدرِ مشترک سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ اگر عورتیں بھی جماعت میں شریک ہوں تو انہیں بھی تکبیر تشریق پڑھنی چاہیئے لیکن ان کو جہراً نہیں سراً پڑھنے کا حکم ہے۔

تشریح احادیث حضرت انسؓ کی پہلی روایت میں ہے کہ منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے ان سے تلبیہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس سلسلے میں حضور ﷺ کے ساتھ آپ حضرات کا کیا معمول تھا؟ تو فرمایا کہ تلبیہ کہنے والا تلبیہ پڑھتا تھا اور تکبیر کہنے والا تکبیر، اور دونوں میں سے کسی پر نکیر نہیں ہوتی تھی، اس روایت کا تعلق ترجمۃ الباب کے جزو اذا غدا الی عرفة سے ہے، مراد یہ ہے کہ اس وقت تلبیہ تو تھا ہی لیکن اس کے ساتھ تکبیر کا عمل بھی تھا، امام بخاریؒ کا مقصد یعنی یوم عرفہ میں تکبیر کا عمل ثابت ہوگیا، دوسری روایت ام عطیہ سے ہے کہ پردہ نشین عورتوں کو بھی عید میں حاضری کا حکم تھا، یہ عورتیں مردوں سے پیچھے رہتیں اور مردوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں، دعائیں کرتیں تاکہ اس دن کی برکتوں اور سعادتوں میں مردوں کے ساتھ شریک رہیں، عورتوں کی حاضری سے متعلق مستقل باب آرہا ہے، یہاں روایت پیش کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ایام منیٰ کی طرح عید کے دن بھی تکبیر مشروع ہے، رہا ایام منیٰ کی دیگر تاریخوں میں تکبیر کا ثبوت تو اس کے لئے پیش کردہ آثار پر غور کرنا کافی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۳] بَابُ الصَّلٰوةِ اِلَى الْحَرْبَةِ يَوْمَ الْعِيْدِ

(۹۷۲) حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ تُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ قُدَّامَهٗ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ ثُمَّ يُصَلِّيْ. (گذشتہ: ۴۹۴)

ترجمہ باب، عید کے دن چھوٹے نیزے کو سترہ بنا کر نماز پڑھنے کا بیان۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں چھوٹے نیزے کو حضور ﷺ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا پھر آپ نماز پڑھاتے تھے۔

مقصد ترجمہ مدینہ طیبہ میں عید کی نماز کے لئے جو جگہ مقرر تھی وہاں کوئی عمارت نہیں تھی، کھلا میدان تھا، اس لئے بیان کرتے ہیں کہ عید کی نماز کھلی جگہ میں ہو تو سترہ قائم کرلینا چاہیئے یہ اتفاق ہے کہ عہد رسالت میں سترہ کا کام حربہ سے لیا جاتا تھا اور اس وجہ سے امام بخاریؒ نے الفاظ حدیث کی رعایت کرتے ہوئے ترجمۃ الباب میں

حربة کالفاظ ذکر کردیا، حربة نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے اور اس کا پھل قدرے چوڑا اور اس کا پیکان نوک دار ہوتا ہے۔

ابواب سترہ میں اسی طرح کا عنوان باب الصلوٰۃ الی الحربة گذر چکا ہے اور اس کے تحت بھی امام بخاری نے یہی روایت ذکر فرمائی تھی، وہاں مقصد یہ تھا کہ سترہ ہر اس چیز کو بنایا جاسکتا ہے جو نمازی اور گذرنے والے کے درمیان روک بن سکے، اور یہاں مقصد یہ ہے کہ عید کی نماز کے لئے بھی سترہ کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ عہد رسالت میں اس مقصد کے لئے حربہ لیجایا جاتا تھا۔ واللہ اعلم

[۱۴] بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ اَوِ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْاِمَامِ يَوْمَ الْعِيْدِ

(۹۷۳) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمْرٍو الْاَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْدُوْ اِلَى الْمُصَلّٰى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّىْ اِلَيْهَا ۔ (گذشتہ:۴۹۴)

ترجمہ باب، عید کے دن امام کے آگے آگے نیزے یا چھوٹے نیزے کو لے کر چلنے کا بیان۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ صبح کے وقت عیدگاہ جاتے اور نیزہ آپ کے آگے لے جایا جاتا اور اس کو عیدگاہ میں آپ کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا، پھر آپ اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھاتے۔

مقصد ترجمہ جب سترہ قائم کرنے کے لئے نیزے کی ضرورت ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو لے جانا پڑے گا اور پہلے باب ما یکرہ من حمل السلاح الخ میں مجمع اور عیدین وغیرہ میں ہتھیار لے جانے کی ممانعت بیان کر چکے ہیں، اس لئے اس باب میں واضح کرتے ہیں کہ اس ممانعت کی علت، اندیشہ نقصان اور اذیٰ ہے اور اس کا تعلق عام لوگوں سے ہے کہ وہ احتیاط نہیں کر سکتے، لیکن امام یا اس کا چوبدار اگر ہتھیار لے کر چلے تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ امام احتیاط پر قادر ہے، اس کو اختیارات حاصل ہوتے ہیں؛ دوسرے یہ کہ وہ سب سے آگے چلتا ہے اس کے لئے احتیاط کرنا آسان ہے، تیسرے یہ کہ اس کا ہتھیار رکھنا بے ضرورت بھی نہیں ہے، روایت گذر چکی ہے۔

[۱۵] بَابُ خُرُوْجِ النِّسَآءِ وَالْحُيَّضِ اِلَى الْمُصَلّٰى

(۹۷۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَعَنْ اَيُّوْبَ عَنْ حَفْصَةَ بِنَحْوِهٖ وَزَادَ فِىْ حَدِيْثِ حفصة قَالَ اَوْ قَالَتِ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى ۔ (گذشتہ:۳۲۴)

ترجمہ | باب، عام عورتوں اور حائضہ عورتوں کے عیدگاہ جانے کا بیان۔ حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم پردے والی جوان عورتوں کو عیدگاہ لے کر جائیں، ایوب نے حفصہؓ سے اسی طرح کی روایت کی اور حضرت حفصہؓ کی روایت میں یہ بات زائد بیان کی کہ جوان عورتیں اور پردے والی عورتیں، اور جو عورتیں بہ حالتِ حیض ہوں وہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔

مقصد ترجمہ | بیان کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں نمازِ عید کے لئے پردہ نشین خواتین، غیر شادی شدہ لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدگاہ لے جانے کا حکم دیا جاتا تھا، اور یہ معلوم ہے کہ حائضہ نماز نہیں پڑھے گی اس لئے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ میں عورتوں کی حاضری کی بنیاد نماز میں شرکت نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی شان وشوکت کا مظاہرہ ہے، اس طرح جو عورتیں نماز پڑھ سکتی ہیں وہ نماز پڑھیں گی اور جو نماز کی اہل نہیں ہیں وہ دعاؤں میں شریک ہو جائیں گی۔

عورتوں کے لئے حاضری کا یہ حکم ایک تو مبنی بر مصلحت تھا، دوسرے یہ کہ خیر وصلاح کے زمانہ میں تھا، اب یہ مصلحت باقی نہیں ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور شان وشوکت کا مظاہرہ اس پر موقوف نہیں نیز یہ کہ زمانہ میں خیر وصلاح کی جگہ شر وفساد روز افزوں ہے، حضرت عائشہؓ نے پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے کچھ دنوں بعد ہی فرما دیا تھا لـــو رأی رسول اللہ ﷺ ما احدثت النساء لمنعھن اگر حضور ﷺ وہ صورتِ حال دیکھ لیتے جو عورتوں نے آپ کے بعد اختیار کرلی ہے تو ان کو ضرور منع فرما دیتے، چنانچہ عہدِ صحابہ میں عورتوں کو حاضری سے منع کر دیا گیا اور یہ ممانعت آج تک برقرار ہے، البتہ بعض اہل ظاہر اپنی ظاہر پرستی پر قائم ہیں اور عورتوں کے لئے عیدگاہ میں حاضری کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم

[۱۶] بَابُ خُرُوْجِ الصِّبْيَانِ اِلَى الْمُصَلّٰى

(۹۷۵) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي سُفْيٰنُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰى فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ اَتَى النِّسَآءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ
(گذشتہ:۹۸)

ترجمہ | باب، بچوں کے عیدگاہ جانے کا بیان۔ عبدالرحمٰن ابن عابس سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کو فرماتے سنا کہ میں یوم فطر یا یوم اضحیٰ میں حضور ﷺ کے ساتھ گیا، چنانچہ آپ نے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر آپ عورتوں میں آئے اور ان کے سامنے وعظ کہا اور نصیحت کی، اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔

مقصد ترجمہ | عیدگاہ میں بچوں کی حاضری کئی اعتبار سے محلِ نظر ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ چھوٹے بڑے سب بچے نماز میں شریک نہیں ہو سکتے اور یہ اجتماع نماز کے لئے ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ بچے کتنے بھی مہذب

ہوں کھیل کود سے باز نہیں آتے اس لئے ان کی شرکت نمازوں کے لئے سخت تشویشِ خاطر کا سبب ہوتی ہے، اور تیسری بات یہ کہ رسول اللہ علیہ نے مسجدوں میں بچوں کو لانے سے منع فرمایا ہے، ابن ماجہ میں ہے جنبوا صبیانکم مساجدکم (اپنے بچوں کو، اپنی مسجدوں سے دور رکھو) اگر چہ اس روایت کو حارث بن نبہان کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے لیکن پھر بھی حسن لغیرہ کے درجہ میں قابلِ قبول ہے، اس باب سے امام بخاری کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود عیدگاہ میں بچوں کو حاضری کی اجازت ہے۔

تشریح حدیث چنانچہ عیدگاہ میں بچوں کی حاضری کے لئے ابن عباسؓ کی روایت پیش کردی لیکن واضح رہے کہ اگر چہ روایت کے مذکورہ الفاظ سے بچوں کی حاضری پر استدلال مشکل ہے، مگر اس روایت کے دیگر طرق میں موجود ہے، لو لا مکانی منه ما شهدته یعنی من صغره، کہ اگر رسول اللہ علیہ سے میرا خاص تعلق نہ ہوتا تو بچپن کی وجہ سے مجھے حاضری کی اجازت نہ ملتی، معلوم ہوا کہ ابن عباس بچے تھے اور عیدگاہ میں حاضر تھے، امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا، تاہم یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ حکم باشعور اور تمیز رکھنے والے بچوں کے لئے ہے، ابن عباسؓ کا قصہ کو یاد رکھنا اور روایت کرنا اس کی دلیل ہے، اور اگر بچے چھوٹے ہوں تو ضروری ہوگا کہ ان کا کوئی نگراں ہو کہ بچے نمازیوں کے لئے تشویشِ خاطر کا سبب نہ بنیں۔ یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے اور بعد میں بھی کئی جگہ آئے گی۔ واللہ اعلم

[۱۷] بَابُ اِسْتِقْبَالِ الْاِمَامِ النَّاسَ فِیْ خُطْبَةِ الْعِیْدِ

وَقَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ قَامَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ مُقَابِلَ النَّاسِ

(۹۷۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ عَنْ زُبَیْدٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ یَوْمَ اَضْحٰی اِلَی الْبَقِیْعِ فَصَلّٰی رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ نُسُكِنَا فِیْ یَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نَبْدَاَ بِالصَّلٰوةِ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذٰلِكَ فَاِنَّمَا هُوَ شَیْءٌ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَیْسَ مِنَ النُّسُكِ فِیْ شَیْءٍ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ ذَبَحْتُ وَعِنْدِیْ جَذَعَةٌ خَیْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ قَالَ اذْبَحْهَا وَلَا تَفِیْ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ.　(گذشتہ:۹۵۱)

ترجمہ باب، عید کے خطبہ میں امام کے لوگوں کی طرف رخ کرنے کا بیان۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے، حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ عید الاضحیٰ میں بقیع کی طرف گئے اور دو رکعتیں پڑھائیں پھر آپ نے ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ ہمارے اس دن میں ہماری عبادتوں میں پہلی عبادت یہ ہے کہ ہم نماز سے عمل شروع کریں پھر نماز سے فارغ ہو کر لوٹیں

اور قربانی کریں، پس جو شخص ایسا کرے گا اس نے ہماری سنت کے مطابق عمل کیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کے جانور کو ذبح کر دیا تو وہ صرف ایک چیز ہے جسے اس نے اپنے اہل خانہ کے لئے پیش کرنے میں جلدی کی ہے اس کا قربانی میں کسی طرح شمار نہیں ہوگا، پھر ایک شخص کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ذبح کر دیا اور اب میرے پاس ایک سال سے کم عمر کی پٹھیا ہے جو پوری عمر والی سے اچھی ہے، آپ نے فرمایا تم اس کو ذبح کر دو اور یہ تمہارے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہ ہوگا۔

مقصد ترجمہ مقصد واضح ہے کہ نمازِ عید کے بعد امام کو حاضرین کی طرف رخ کر کے خطبہ دینا چاہیئے، کتاب الجمعہ میں بھی اس طرح کا عنوان **باب استقبال الناس الامام اذا خطب** گذر چکا ہے لیکن دونوں خطبوں میں فرق ہے کہ خطبۂ جمعہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور خطبۂ عیدین نماز کے بعد، خیال ہوسکتا ہے کہ حاضرین کی طرف رخ کرنے میں بھی دونوں خطبوں میں فرق نہ ہو اس لئے امام بخاریؒ نے بتا دیا کہ اس سلسلے میں فرق نہیں ہے اور عیدین کے خطبہ میں بھی حاضرین کی طرف رخ کرنا مسنون ہے۔

روایت میں **ثم اقبل علینا بوجهه** مذکور ہے کہ آپؐ نے نماز کے بعد ہماری طرف رخ کیا، نماز کے بعد خطبہ ہی کا وقت ہے اس لئے ان الفاظ سے بخاریؒ کا مقصد ثابت ہوگیا، روایت گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۸] بَابُ الْعَلَمِ بِالْمُصَلّٰى

(۹۷۷) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيٰنَ قَالَ حَدَّثَنِىْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قِيْلَ لَه' اَشَهِدْتَ الْعِيْدَ مَعَ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِىْ مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُه' حَتّٰى اَتَى الْعَلَمَ الَّذِىْ عِنْدَ دَارِ كَثِيْرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ اَتَى النِّسَآءَ وَمَعَه' بِلَالٌ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يَهْوِيْنَ بِاَيْدِيْهِنَّ يَقْذِفْنَه' فِىْ ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ . (گذشتہ:۹۸)

ترجمہ باب، اس نشان کا بیان جو عید کی جگہ مقرر کرنے کے لئے لگا دیا جائے۔ عبد الرحمٰنؒ بن عابس نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباسؓ سے سنا، ان سے پوچھا گیا کیا آپ عید میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں، تو انہوں نے فرمایا ہاں! اور اگر حضور ﷺ کی نظر میں بچپن کی وجہ سے میری قدر نہ ہوتی تو میں حاضر نہ ہو پاتا، یہاں تک کہ آپ اس نشان تک آئے جو کثیر بن الصلت کے گھر کے پاس ہے پھر آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا، پھر عورتوں میں پہنچے اور آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے، پھر آپ نے عورتوں میں وعظ کہا اور ان کو نصیحت کی اور ان کو صدقہ کا حکم دیا تو میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پھیلا کر اپنے صدقات حضرت بلال کے کپڑے میں ڈال رہی ہیں، پھر اس

کے بعد آپ اور حضرت بلال اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

مقصد ترجمہ عَلَم، علامت اور نشان، اس سے ہر وہ چیز مراد ہو سکتی ہے جو نمازِ عید کی جگہ کی نشاندہی کے لئے کر دی جائے خواہ کوئی پتھر رکھ دیا جائے، زمین میں کوئی چیز گاڑ دی جائے، جھنڈا لگا دیا جائے یا کوئی عارضی یا مستقل ستون یا تعمیر کر دی جائے وغیرہ، بخاری کا مقصد یہ ہے کہ نمازِ عید کے لئے مقرر کردہ جگہ پر اگر کوئی علامت قائم کر دی جائے تاکہ لوگ اس مقام پر جمع ہو جائیں تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں اور ایسا کرنا جائز ہے۔

روایت میں آ گیا حتی اتی العلم الذی عند دار کثیر بن الصلت فصلی الخ یہاں تک کہ آپ اس علم کے پاس پہنچے جو کثیر بن الصلت کے گھر کے پاس ہے اور نماز پڑھائی، بخاری کا مقصد یعنی نمازیوں کو بتانے کے لئے نمازِ عید کی جگہ نشان لگانا ثابت ہو گیا، لیکن یہ واضح رہے کہ امام بخاریؒ کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کے ظاہرِ الفاظ سے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں نمازِ عید کی جگہ ایک کھلا میدان تھا، ابن ماجہ میں ہے ان المصلی کان فضاء اً، بعد میں اس جگہ کثیر بن الصلت کا مکان بنا دیا گیا اور حضور علیہ السلام کے مصلّی کی نشاندہی کے لئے کوئی علامت قائم کر دی گئی، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں وظهر من هذا الحديث انهم جعلوا لمصلاه شيئا عرف به وهو المراد بالعلم۔

اس لئے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاریؒ نمازِ عید کی جگہ جس علم کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، مذکور روایت سے عہدِ رسالت میں اس کا ثبوت محلِ نظر ہے، البتہ ابن عباسؓ کے الفاظ حتی اتی العلم الذی عند دار کثیر بن الصلت کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں والا ظهر عندی انه اشارة الى الجواز بتقرير ابن عباس فانه ذكره بلا انكار عليه یعنی ابن عباس چونکہ علم کا ذکر کسی انکار کے بغیر کر رہے ہیں اس لئے ابن عباس کی تقریر سے علم قائم کرنے کے جواز کا اشارہ مل رہا ہے۔ واللہ اعلم

[۱۹] بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَآءَ يَوْمَ الْعِيْدِ

(۹۷۸) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَطَآءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ قَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰى فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ ثُمَّ خَطَبَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ فَاَتَى النِّسَآءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّاُ عَلٰى يَدِ بِلَالٍ وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهٗ تُلْقِيْ فِيْهِ النِّسَآءُ الصَّدَقَةَ قُلْتُ لِعَطَآءٍ زَكٰوةُ يَوْمِ الْفِطْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ صَدَقَةً يَتَصَدَّقْنَ حِيْنَئِذٍ تُلْقِيْ فَتَخَهَا وَيُلْقِيْنَ قُلْتُ لِعَطَآءٍ اَتَرٰى حَقًّا عَلَى الْاِمَامِ ذٰلِكَ وَيُذَكِّرُهُنَّ قَالَ اِنَّهٗ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُوْنَهٗ۔ (گذشتہ:۹۵۸)

(۹۷۹) قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَاَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاؤسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدْتُ الْفِطْرَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَاَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ يُصَلُّوْنَهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يُخْطَبُ بَعْدُ، خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم كَاَنِّي اَنْظُرُ اِلَيْهِ حِيْنَ يُجَلِّسُ بِيَدِهٖ ثُمَّ اَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتّٰى جَآءَ النِّسَآءَ مَعَهٗ بِلَالٌ فَقَالَ يَااَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ الْآيَةَ ثُمَّ قَالَ حِيْنَ فَرَغَ مِنْهَا اَنْتُنَّ عَلٰى ذٰلِكَ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا نَعَمْ لَا يَدْرِي حَسَنٌ مَنْ هِيَ قَالَ فَتَصَدَّقْنَ فَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهٗ ثُمَّ قَالَ هَلُمَّ لَكُنَّ فِدَآءٌ اَبِي وَاُمِّي فَيُلْقِيْنَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيْمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ، قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ الْفَتَخُ الْخَوَاتِيْمُ الْعِظَامُ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. (گذشتہ:۹۸)

ترجمہ | باب، عید کے دن امام کے عورتوں کو نصیحت کرنے کا بیان۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی، کہ پہلے آپ نے نماز سے عمل کا آغاز کیا پھر خطبہ دیا، پھر جب خطبہ سے فارغ ہو گئے تو نیچے اترے پھر عورتوں میں پہنچے اور ان کو نصیحت کی اور اس وقت آپ حضرت بلالؓ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور بلالؓ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے جس میں عورتیں صدقہ کا مال ڈال رہی تھیں، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ کیا یہ صدقۃ الفطر تھا، انہوں نے کہا نہیں، بلکہ یہ اور صدقہ تھا جسے وہ اس وقت دے رہی تھیں، کوئی عورت اپنا بڑا چھلا دیتی تھی اور دوسری عورتیں بھی ایسا کرتی تھیں، پھر میں نے عطاء سے پوچھا کہ کیا امام پر عورتوں کو نصیحت کرنا ضروری ہے؟ تو انہوں نے کہا بے شک بہت ضروری ہے اور اماموں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ یہ کام نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں عید الفطر میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ساتھ شریک ہوا، یہ سب عید کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے پھر اس کے بعد خطبہ ہوتا تھا، حضور ﷺ نماز کے لئے نکلے گویا کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں جب آپ اپنے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو بٹھا رہے تھے، پھر آپ مردوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکلے یہاں تک کہ عورتوں میں پہنچے اور آپ کے ساتھ بلالؓ تھے، آپ نے سورۂ ممتحنہ کی آیت یا ایھا النبی الآیہ پڑھی اے نبی! جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لئے آئیں تو آپ ان کو بیعت کرلیں، آپ نے عورتوں سے پوچھا کہ کیا تم اس پر قائم ہو، تو ایک عورت نے کہا ہاں، اس کے علاوہ کسی نے جواب نہیں دیا، حسن بن مسلم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت کون تھی آپ نے عورتوں سے کہا تم صدقہ دو، پھر بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا پھر کہا لاؤ، ڈالو، تم پر ماں اور باپ قربان، چنانچہ وہ بڑے چھلے اور انگوٹھیاں بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں، عبدالرزاق نے کہا کہ فتخ، بڑی انگوٹھیوں کو کہتے ہیں جو ایام جاہلیت میں مستعمل تھیں۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ عورتیں عید گاہ میں حاضر ہوں گی تو ظاہر ہے کہ امام کو خطبہ میں ایسے مضامین بیان کرنے ہوں گے جن میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی بھی رعایت ہو، پھر اگر مجمع کی کثرت یا کسی اور عذر کی وجہ سے عورتوں تک آواز کا پہنچنا دشوار ہو تو مردوں کے خطبہ سے فراغت کے بعد عورتوں کے قریب جا کر ان کے احوال کے مطابق وعظ و نصیحت کر دینا مناسب ہوگا تا کہ ان کی حاضری کا مقصد بھی پورا ہو جائے، نیز یہ کہ امام کے ان مصلحتوں کی بنا پر عورتوں سے خطاب کو مستقل خطبہ دینے کے بجائے وعظ و نصیحت کا نام دینا بہتر ہے جیسا کہ امام بخاریؒ کے عنوان **موعظة الامام النساء** سے واضح ہے۔

تشریح حدیث اول اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے دو روایت ذکر کی ہیں جو پہلے بھی گذر چکی ہیں، پہلی روایت حضرت جابرؓ کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ نے عید کے دن پہلے نماز کے بعد مردوں کے مجمع میں خطبہ دیا، ثم نزل، پھر آپ اتر گئے اس تعبیر کا تقاضہ یہ ہے کہ خطبہ آپ نے کسی اونچی چیز پر کھڑے ہو کر دیا، لیکن بعض شارحین نے اس کو انتقل کے معنیٰ میں لیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے، مردوں سے فارغ ہو کر آپ عورتوں میں پہنچے اور ان کے احوال کے مطابق وعظ و نصیحت کا عمل کیا، انہیں صدقہ دینے کی ترغیب دی اور عورتوں نے اس کے مطابق عمل کیا۔

قلت لعطاء الخ خطبہ چونکہ عید کا تھا، اس لئے ابن جریج کا ذہن صدقہ سے صدقۃ الفطر کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ انہوں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ صدقہ سے مراد صدقۃ الفطر ہوگا؟ عطاء نے کہا کہ نہیں، صدقۃ الفطر کے علاوہ یہ ایک نفلی صدقہ تھا جسے عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں کیا۔

قلت اترى حقا الخ ابن جریج نے دوسرا سوال کیا کہ کیا امام پر عورتوں کو نصیحت کرنا ضروری ہے، عطاء نے کہا جی ہاں! بہت ضروری ہے، لیکن حیرت کی بات ہے کہ ائمہ اس کا اہتمام نہیں کر رہے ہیں، عطاء کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عیدین میں عورتوں کو نصیحت کرنا واجب ہے، لیکن وجوب کی بات کسی سے منقول نہیں، نوویؒ اور دیگر علماء نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

امام بخاریؒ کا ترجمۃ الباب **موعظة الامام النساء** ہے جو روایت سے ثابت ہے اور عطاء کے قول سے وہ اس کی اہمیت بیان کرنا چاہتے ہیں، ہمارے خیال میں امام نے اگر مردوں سے خطاب کے دوران عورتوں کی بھی رعایت کی ہو اور انہوں نے اس سے استفادہ کر لیا ہو تو یہ سب کے لئے کافی ہے، لیکن اگر عورتیں استفادہ سے محروم رہ جائیں تو ان کے قریب جا کر ان کے حال کے مناسب وعظ و نصیحت کرنا بہتر ہے، کیونکہ باب **عظة الامام النساء و تعليمهن** میں یہی روایت گذر چکی ہے اور اس میں عورتوں سے الگ خطاب کی وجہ **فظن انه لم يسمع النساء فوعظهن** بیان کی گئی ہے، ابن بطالؒ نے بیان کیا کہ عورتوں کے پاس جا کر وعظ و نصیحت کرنے کو اہل علم نے حضور ﷺ کی

خصوصیت قرار دیا ہے کیونکہ آپ کی شان پوری امت کے لئے مشفق باپ کی ہے، بقیہ ائمہ کے لئے اہل علم کا اتفاق ہے کہ ان پر عورتوں کے لئے الگ سے نصیحت کرنا لازم نہیں ہے۔

تشریح حدیث دوم دوسری روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عیدین میں رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کا عمل نماز کے بعد خطبہ کا رہا ہے، پھر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے مردوں سے خطاب کیا، پھر مردوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے عورتوں کی طرف گئے اور مردوں کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کا حکم دیا تاکہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم نہ آئے، پھر آپ نے عورتوں کے مجمع میں جاکر پہلے سورہ ممتحنہ کی آیت یا ایھا النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك الآیہ پڑھی، اس آیت کا پڑھنا گویا فتح مکہ کے موقع پر کی گئی عورتوں کی بیعت کی یاددہانی تھا، آیت پڑھ کر آپ نے پوچھا انتنّ علیٰ ذالك؟ یعنی اس آیت کے مطابق جو عہد و پیان تم سے لیا گیا تھا کیا تم اس پر قائم ہو؟ تو تمام عورتیں خاموش رہیں مگر ایک عورت نے جواب دیا کہ ہاں ہم عورتیں اس پر قائم ہیں، روایت میں آیا کہ اس عورت کے بارے میں حسن بن مسلمؒ نے لاعلمی کا اظہار کیا، لیکن شارحین کا رجحان یہ ہے کہ یہ عورت اسماء بنت یزید السکن ہوسکتی ہیں جو خطیبۃ النساء کے نام سے مشہور اور حضور ﷺ سے گفتگو کرنے میں جری سمجھی جاتی ہیں اور طبرانی و بیہقیؒ کی روایت میں ان سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں میں پہنچے اور فرمایا انکن اکثر حطب جھنم کہ جہنم کے ایندھن میں تم عورتوں کی کثرت ہوگی تو میں نے عرض کیا، ایسا کیوں ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا لأ نکنّ تکثرن اللعن و تکفرن العشیر کہ تم بیشتر لعنت کے کلمات استعمال کرتی ہو اور شوہر کی ناسپاسی تمہارا شیوہ ہے، تو عین ممکن ہے کہ اس روایت میں جواب دینے والی خاتون یہی حضرت اسماءؓ ہوں۔ پھر آپ نے عورتوں کو صدقہ دینے کی تلقین کی تو انہوں نے اپنے کان، اور ہاتھ وغیرہ کے زیورات اور چھلے دینے شروع کئے جنہیں آپؐ کے حکم کے مطابق حضرت بلالؓ اپنے کپڑے میں جمع کرتے رہے، بہر حال دونوں روایات سے عید کے موقع پر عورتوں کو وعظ و نصیحت کرنے کا امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہوگیا۔ واللہ اعلم

[۲۰] بَابُ اِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ فِي الْعِيْدِ

(۹۸۰) حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ قَالَتْ كُنَّا نَمْنَعُ جَوَارِيَنَا اَنْ يَخْرُجْنَ يَوْمَ الْعِيْدِ فَجَاءَ تِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ فَاَتَيْتُهَا فَحَدَّثَتْ اَنَّ زَوْجَ اُخْتِهَا غَزٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ غَزْوَةً فَكَانَتْ اُخْتُهَا مَعَهٗ فِيْ سِتِّ غَزَوَاتٍ قَالَتْ فَكُنَّا نَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى وَنُدَاوِي الْكَلْمٰى فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعَلٰى اِحْدَانَا بَأْسٌ اِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ اَلَّا تَخْرُجَ فَقَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا

مِنْ جِلْبَابِهَا فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ حَفْصَةُ فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ أَتَيْتُهَا فَسَأَلْتُهَا اَسَمِعْتِ فِي كَذَا وَكَذَا فَقَالَتْ نَعَمْ بِأَبِي وَقَلَّ مَا ذَكَرَتِ النَّبِيَّ عَلَيْهِ اِلَّا قَالَتْ بِأَبِي قَالَ لِتَخْرُجَ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُوْرِ اَوْ قَالَ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ شَكَّ اَيُّوْبُ وَالْحُيَّضُ فَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهَا الْحُيَّضُ قَالَتْ نَعَمْ اَلَيْسَ الْحَائِضُ تَشْهَدُ عَرَفَاتٍ وَتَشْهَدُ كَذَا وَتَشْهَدُ كَذَا ؟ . (گذشتہ:۳۲۴)

ترجمہ باب، اگر کسی عورت کے پاس عید کے دن پردے کے لئے چادر نہ ہو۔ حفصہ بنت سیرین سے روایت ہے کہ ہم اپنی جوان لڑکیوں کو عید کے دن باہر نکلنے سے منع کیا کرتے تھے پھر ایک عورت آئی اور اس نے قصر بنی خلف میں قیام کیا جب میں اس سے ملنے گئی تو اس نے بیان کیا کہ ان کی بہن کے شوہر نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی اور چھ غزوات میں ان کی بہن بھی ان کے ساتھ تھی، ان کی بہن نے کہا کہ ہمارا کام بیماروں کی خدمت اور زخمیوں کا علاج اور مرہم پٹی تھا، میری بہن نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو اس کے لئے عید کے دن، عیدگاہ نہ جانے میں کوئی مضائقہ تو نہیں ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں اس کے ساتھ والی عورت کو اسے اپنی چادر پہنا دینی چاہیئے تا کہ وہ سب خیر کی مجلس اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں، حفصہ نے کہا کہ جب ام عطیہ آئیں تو میں نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے ان ان باتوں (عیدگاہ جانے) کے سلسلے میں کچھ سنا ہے تو انہوں نے کہا ہاں میرے باپ آپ پر قربان ہوں -اور ام عطیہ کی عادت تھی کہ وہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتیں تو بہت ایسا ہوتا کہ بابی (میرے باپ آپ پر قربان) کہتیں- آپ نے فرمایا کہ جوان پردے والی عورتیں، یا جوان اور پردے والی عورتوں- ایوب کو حرف عطف ہونے نہ ہونے میں شک ہو گیا- اور حیض والی عورتوں کو عید کے لئے نکلنا چاہیئے پھر یہ کہ حیض والی عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور خیر کے کام اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں، حفصہ کہتی ہیں کہ میں نے ام عطیہ سے کہا کہ حیض والی عورتیں بھی نکلیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں! کیا حائضہ عرفات میں اور فلاں فلاں مقامات پر حاضر نہیں ہوتی۔

مقصد ترجمہ عیدین میں مسلمانوں کی شوکت کے اظہار کے لئے تمام مسلمانوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی حاضری کی ہدایت کا بیان ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ عورتیں پردے کے اہتمام کے ساتھ ہی حاضر ہو سکتی ہیں، اب یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی عورت کے پاس پردے کے لئے برقعہ یا چادر وغیرہ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں محض صورتِ حال کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے حل کے لئے روایت پیش کر دی کہ پردہ بھی ضروری ہے اور حاضری کا بھی امر ہے اس لئے ایسی عورت کو دوسری کسی عورت سے پردے کے لئے چادر یا کپڑا حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، عاریۃً ملے یا اجرت پر، یا ایک چادر میں دو عورتیں بھی جا سکتی ہیں، لیکن اگر کچھ

بھی ممکن نہ ہو تو ظاہر ہے کہ پردہ زیادہ ضروری ہے حاضری اتنی ضروری نہیں، اس لئے پردہ ممکن نہ ہو تو حاضری کا حکم ساقط ہو جائے گا، روایت بھی گذر چکی ہے اور عورتوں کی حاضری کا مسئلہ بھی بساب خروج النسآء والحیض الی المصلی میں گذر چکا ہے۔ واللہ اعلم

[۲۱] بَابُ اِعْتِزَالِ الْحُيَّضِ الْمُصَلّٰى

(۹۸۱) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَتْ اُمُّ عَطِيَّةَ اُمِرْنَا اَنْ نَخْرُجَ فَنُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ اَوِ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَاَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ . (گذشتہ: ۳۲۴)

ترجمہ | باب، حیض والی عورتوں کے عیدگاہ سے الگ رہنے کا بیان۔ حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ ہمیں عیدین میں جانے کا حکم دیا گیا تھا، چنانچہ ہم حیض والی عورتوں، جوان عورتوں اور پردے والی عورتوں کو عیدگاہ میں لے جاتے تھے، اور ابن عون کی روایت میں او العواتق ذاوت الحذور (پردے والی جوان عورتوں) کا لفظ ہے پھر یہ کہ حیض والی عورتیں مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شرکت کریں اور عیدگاہ سے الگ رہیں۔

مقصد ترجمہ | بیان کرتے ہیں کہ عیدین میں پردے کے ساتھ تمام عورتوں کو حاضری کا حکم ہے، لیکن جو عورتیں بحالتِ حیض ہوں انہیں عیدگاہ سے الگ رہنا چاہیئے، وجہ یہ نہیں کہ مصلائے عید مسجد جماعت کے حکم میں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب نماز نہیں پڑھنی ہے تو نمازیوں کے درمیان جانے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ اس سے تو نمازیوں کی صفوف میں انقطاع یا نمازیوں کے درمیان فصل کی نوبت آئے گی جو درست نہیں، جہاں تک دعا اور خیر و برکت میں حصہ داری کا معاملہ ہے تو وہ دور رہتے ہوئے بھی حاصل ہو جائے گا، روایت گذر چکی ہے، واللہ اعلم

[۲۲] بَابُ النَّحْرِ وَالذَّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُصَلّٰى

(۹۸۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي كَثِيْرُ بْنُ فَرْقَدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْحَرُ اَوْ يَذْبَحُ بِالْمُصَلّٰى .

(آئندہ: ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۵۵۵۱، ۵۵۵۲)

ترجمہ | باب، عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں قربانی کے جانور کے نحر اور ذبح کا بیان۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ میں نحر یا ذبح کیا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ دسویں تاریخ قربانی کا دن ہے جسے یوم النحر کہتے ہیں، یوم النحر کہنے سے خیال ہوسکتا ہے کہ صرف اسی جانور کی قربانی درست ہو جس کا نحر کیا جاتا ہے اور اس کا تعلق اونٹ سے ہے امام بخاریؒ نے ترجمہ میں نحر اور ذبح کو جمع کر کے بتادیا کہ نحر سے مراد قربانی ہے خواہ وہ جانور ہو جس کا نحر کیا جاتا ہے یا وہ جانور ہو جسے ذبح کرتے ہیں، پھر لفظ بالمصلی کہہ کر اشارہ کردیا کہ نحر اور ذبح کی صورت میں قربانی کا یہ عمل خطبہ سے فارغ ہوکر عیدگاہ ہی میں کردینا درست ہے اور اس میں مختلف مصلحتیں ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اصل سنت یہی ہے کہ عیدگاہ میں نحر اور ذبح کیا جائے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ بعد کے زمانے میں جو گھروں میں قربانی کا رواج ہوا ہے وہ امر محدث ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عیدگاہ میں امام کی جانب سے قربانی کی ابتداء، تمام مسلمانوں کے لئے عملی رہنمائی ہوگی اور ان کے لئے راستہ کھل جائے گا، تیسری بات یہ کہ جب امام اور تمام مسلمان مصلائے عید میں قربانی کریں گے تو یہ ایک دوسرے کے لئے ترغیب کا سبب ہوگی اور چوتھی مصلحت یہ کہ مصلائے عید میں قربانی کا فائدہ یہ ہوگا کہ فقراء آسانی کے ساتھ اپنا حصہ لے سکیں گے جب کہ گھروں میں کی جانے والی قربانی تک ان کا پہنچنا دشوار ہوسکتا ہے۔

تشریح حدیث حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ - نحر ہو یا ذبح - مصلائے عید میں کیا کرتے تھے روایت کا مضمون اور ترجمہ کا ثبوت واضح ہے، بس اتنی بات ہے کہ روایت کان ینحر او یذبح کلمۂ او کے ساتھ ہے جو تردید کے لئے آتا ہے اور اس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید مصلّٰی میں ان دونوں کاموں میں سے ایک کام ہوگا، دونوں عمل نہیں ہوں گے، امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں کلمۂ واؤ ذکر کر کے واضح کردیا کہ نحر اور ذبح کا جمع کرنا ممنوع نہیں، جواز میں دونوں برابر ہیں۔ یہی روایت جلد دوم میں کتاب الاضاحی میں آئے گی، اور وہاں کان رسول اللہ ﷺ یذبح وینحر بالمصلی کلمۂ واؤ کے ساتھ آجائے گا۔ واللہ اعلم

[۲۳] بَابُ كَلَامِ الْإِمَامِ وَالنَّاسِ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدِ وَإِذَا سُئِلَ الْإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ

(۹۸۳) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَتِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ فَقَامَ أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ لَقَدْ نَسَكْتُ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ فَتَعَجَّلْتُ وَأَكَلْتُ وَأَطْعَمْتُ أَهْلِيْ وَجِيْرَانِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ قَالَ فَإِنَّ عِنْدِيْ عَنَاقًا جَذَعَةً لَهِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَهَلْ تُجْزِئُ عَنِّيْ قَالَ نَعَمْ وَلَنْ تُجْزِئَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ. (گذشتہ: ۹۵۱)

(۹۸۴) حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ فَأَمَرَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ أَنْ يُعِيدَ ذِبْحَهُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ جِيرَانٌ لِي إِمَّا قَالَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَإِمَّا قَالَ بِهِمْ فَقْرٌ وَإِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَعِنْدِي عَنَاقٌ لِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَرَخَّصَ لَهُ فِيهَا. (گذشتہ: ۹۵۴)

(۹۸۵) حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ أُخْرَى مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللَّهِ. (آئندہ: ۵۵۰۰، ۵۵۶۲، ۶۶۷۴، ۷۴۰۰)

ترجمہ باب، خطبۂ عید کے درمیان امام کے اور لوگوں کے گفتگو کرنے کا بیان۔ اور جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرنے کا بیان، حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر میں نماز کے بعد ہمارے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ جس نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کی تو بے شک اس کی قربانی درست ہوئی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کردی تو وہ گوشت کی بکری ہوئی، تو حضرت ابو بردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے تو نماز کے لئے نکلنے سے پہلے ہی قربانی کردی اور میں نے یہ سمجھا کہ آج کا دن تو کھانے اور پینے کا دن ہے اس لئے میں نے جلدی کی اور خود بھی کھایا اور اپنے اہل وعیال اور اپنے پڑوسیوں کو بھی کھلایا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو گوشت کھانے کی بکری ہوگئی، پھر ابو بردہؓ نے کہا کہ میرے پاس ایک تنومند ایک سال سے کم کی بکری ہے جو میرے نزدیک گوشت کی دو بکریوں سے زیادہ پسندیدہ ہے تو کیا وہ میری طرف سے کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں اور تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہرگز کافی نہ ہوگی۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور اس میں حکم دیا کہ جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا ہو وہ دوبارہ ذبح کرے تو انصار میں سے ایک شخص کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے کچھ پڑوسی ہیں اور ان کے بارے میں انہوں نے یا تو یہ کہا کہ انہیں بھوک کی تکلیف ہے یا یہ فرمایا کہ وہ فقر میں مبتلا ہیں اور یہ کہ میں نے ان کی وجہ سے نماز سے پہلے ذبح کردیا اور میرے پاس ایک سال سے کم کی تنومند پٹھیا ہے جو میرے نزدیک گوشت کی دو بکریوں سے زیادہ پسندیدہ ہے تو آپ نے ان کو اس کی اجازت دے دی، حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر ذبح کیا اور فرمایا کہ جس نے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کیا ہو تو وہ اس کی جگہ دوسرا ذبیحہ کرے اور جس نے ذبح نہ کیا ہو تو وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

مقصد ترجمہ کئی تراجم میں جمعہ اور عیدین کے درمیان فرق کے اشارات گذرے ہیں، یہ ترجمہ بھی اسی نوعیت کا ہے کہ خطبۂ جمعہ اور خطبۂ عیدین میں فرق ہے، اس فرق کو بیان کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں دو باتیں ذکر کی ہیں ایک تو یہ کہ امام اور سامعین کو خطبۂ عید کے دوران کلام کی اجازت ہے، اور دوسری بات یہ کہ خطبہ کے دوران امام سے اگر کچھ دریافت کیا جائے تو یہ بھی درست ہے اور یہ کہ امام کو اس کا جواب دینا چاہیئے، جب کہ خطبۂ جمعہ میں نہ کلام کی اجازت ہے نہ کچھ دریافت کرنے کا حق ہے، اور نہ امام کو جواب دینے کی اجازت ہے، صرف یہ کہ امام اپنے طور پر کسی امر منکر پر تنبیہ کرسکتا ہے۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے تین روایات ذکر کی ہیں، تینوں روایات سے ترجمہ کے پہلے جز یعنی کلام الامام کا ثبوت واضح ہے البتہ ترجمہ کے دوسرے جز یعنی سوال وجواب کی اجازت کا ثبوت صرف پہلی اور دوسری روایت سے ہے کہ خطبۂ عید کے دوران حضرت ابو بردہؓ نے سوال کیا اور حضور ﷺ نے جواب دیا۔ واللہ اعلم

[۲۰۴] بَابُ مَنْ خَالَفَ الطَّرِيْقَ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيْدِ

(۹۸۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ تُمَيْلَةَ يَحْيَى بْنُ وَاضِحٍ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ، تَابَعَهٗ يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ فُلَيْحٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَحَدِيْثُ جَابِرٍ اَصَحُّ .

ترجمہ باب، جب عید کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو راستہ تبدیل کر کے آئے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب عید کا دن ہوتا تو راستہ بدل کر واپس آتے تھے، اس حدیث میں یونس بن محمد نے یہ روایت فلیح عن سعید عن ابی ہریرہؓ، ابوتمیلہ یحیی بن واضح کی متابعت کی ہے، اور جابرؓ کی روایت اصح ہے۔

مقصد ترجمہ نماز، خطبۂ عید اور دیگر افعال سے فراغت کے بعد ظاہر ہے کہ اہل وعیال کی طرف واپسی ہوگی، اس کے لئے بیان کرتے ہیں کہ جس راستے سے عیدگاہ جانا ہوا تھا واپسی میں وہ راستہ تبدیل کر دینا چاہیئے راستے کی یہ تبدیلی اولویت یا استحباب کے درجہ کی بات ہے اور اس میں بعض شرعی مصلحتیں بھی ہوسکتی ہیں، بعض ائمہ نے اس کو محض امام کی خصوصیت قرار دیا ہے، لیکن جمہور نے اس کو امام اور عوام سب کے لئے تسلیم کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے تفصیل کے ساتھ ان حکمتوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں یہ ہے کہ دونوں راستے، اور ان راستوں پر رہنے والی مخلوق اس عمل صالح کی شہادت دے گی، اسلام کی عظمت سامنے آئے گی، دونوں راستوں پر رہنے والے احباب سے ملاقات ہوگی وغیرہ۔

تشریح حدیث روایت میں آگیا کہ حضور ﷺ عید کے دن واپسی میں راستہ تبدیل فرماتے تھے، بعض مرسل روایت میں ہے کہ جانے کے لئے طویل راستہ اختیار کرتے تھے اور واپسی میں مختصر، اس سلسلے میں اصل تو حضور ﷺ کا عمل ہی ہے، رہا حکمتوں اور مصلحتوں کا بیان تو وہ اہل علم کے اپنے اپنے ذوق کی بات ہے بیس سے زائد حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

تابعه یونس بن محمد الخ یہاں نسخوں میں بڑا اختلاف ہے، فتح الباری میں جو نسخہ دیا گیا ہے اس کی عبارت ہے **تابعه یونس بن محمد عن فلیح وحدیث جابر اصح**، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلیح سے روایت کرنے میں ابوتمیلہ متفرد نہیں ہیں بلکہ یونس بن محمد بھی ان سے روایت نقل کرتے ہیں، اس صورت میں اس کے بعد جو **حدیث جابر اصح** کہا گیا ہے، اس کا مطلب واضح نہیں ہوتا کیونکہ اس نسخہ کے مطابق تو ذکر صرف حضرت جابرؓ کی روایت کا ہوا، کسی دوسری روایت کا نہیں ہوا جب کہ کسی روایت کو اصح کہنے کے لئے ضروری ہے کہ یہاں کوئی دوسری روایت بھی مذکور ہو جسے اصح کے مقابل صحیح قرار دیا جائے، اس لئے حافظ ابن حجرؒ نے اپنے اختیار کردہ نسخہ کی توجیہ کے لئے طویل گفتگو کی ہے۔

ہمارے ہندوستانی نسخہ میں **تابعه یونس بن محمد عن فلیح عن سعید عن ابی هریرة و حدیث جابر اصح** دیا گیا ہے، اس نسخہ کے مطابق حدیث جابرؓ اصح کہنا تو صحیح ہے کہ یہاں دو روایات مذکور ہو گئیں ایک ابوتمیلہ کی روایت جو حضرت جابر سے ہے اور دوسری **تابعه یونس بن محمد** جو حضرت ابوہریرۃؓ سے ہے اور ان دونوں میں بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت کو اصح قرار دے دیا لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت پر متابعت کا اطلاق محل نظر ہے کیونکہ متابعت تامہ ہو یا قاصرہ، اسی صحابی سے آنے والی روایت کو کہتے ہیں، لیکن توجیہ کی جاسکتی ہے کہ یہاں تابعه مقررہ اصطلاحی معنٰی میں نہیں، **وافقه** کے معنٰی میں ہے، مگر یہ توجیہ عام شارحین میں کسی نے ذکر نہیں کی۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ فتح الباری کے نسخہ کو لیا جائے اور ہمارے ہندوستانی نسخہ میں جو حاشیہ پر دوسرا نسخہ دیا گیا ہے اس کو لیا جائے تو عبارت اس طرح ہو جائے گی **تابعه یونس بن محمد عن فلیح، وقال محمد بن الصلت عن فلیح عن سعید عن ابی هریرة وحدیث جابر اصح**، اس صورت میں مفہوم زیادہ واضح ہو جائے گا کہ ابوتمیلہ کی روایت کو جو حضرت جابر سے ہے اور جو اصل قرار دی گئی ہے اس کو یونس بن محمد کی متابعت حاصل ہو گئی، اور اس متابعت کی وجہ سے وہ تقویت حاصل کر کے اصح قرار پائی، اور محمد بن الصلت کی روایت جو حضرت ابوہریرہ سے ہے متابعت نہ ہونے کی بنیاد پر صحیح ہونے کے باوجود غریب ہوگی اور اسی لئے امام ترمذی نے حدیثِ ابوہریرۃؓ کو **غریبٌ** کہا ہے۔ واللہ اعلم

[۲۵] بَابُ اِذَا فَاتَهُ الْعِيْدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ

وَكَذٰلِكَ النِّسَآءُ وَمَنْ كَانَ فِي الْبُيُوْتِ وَالْقُرٰى لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ هٰذَا عِيْدُنَا يَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَاَمَرَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلَاهُ ابْنَ اَبِي عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ اَهْلَهُ وَبَنِيْهِ وَصَلّٰى كَصَلٰوةِ اَهْلِ الْمِصْرِ وَتَكْبِيْرِهِمْ وَقَالَ عِكْرِمَةُ اَهْلُ السَّوَادِ يَجْتَمِعُوْنَ فِي الْعِيْدِ يُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْنِ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ وَقَالَ عَطَآءٌ اِذَا فَاتَهُ الْعِيْدُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ .

(۹۸۷) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي اَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَالنَّبِيُّ ﷺ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْ بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ اَيَّامُ مِنًى . (گذشتہ:۹۴۹)

(۹۸۸) وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتُرُنِيْ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَى الْحَبَشَةِ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعْهُمْ اَمْنًا بَنِي اَرْفِدَةَ يَعْنِيْ مِنَ الْاَمْنِ .
(گذشتہ:۴۵۴)

ترجمہ باب، اگر کسی کی نمازِ عید فوت ہو جائے تو وہ دو رکعت نماز پڑھے، اور اسی طرح عورتیں اور وہ لوگ جو گھروں اور گاؤں میں ہوں یہی عمل کریں اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے اہلِ اسلام! یہ ہماری عید ہے، اور حضرت انس بن مالک نے اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو زاویہ نام کے موضع میں حکم دیا پھر انہوں نے حضرت انس کے اہلِ خانہ اور بیٹوں کو جمع کیا اور اہل شہر کی طرح نماز پڑھی اور تکبیرات کہیں اور عکرمہ نے کہا کہ اہل دیہات عید کے دن جمع ہوں گے اور جس طرح امام نماز پڑھتا ہے اسی طرح دو رکعت نماز پڑھیں گے اور عطاء نے کہا کہ اگر کسی کی عید کی نماز فوت ہو جائے تو وہ دو رکعت نماز پڑھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر ان کے پاس آئے تو منی کے ایام میں دو بچیاں ان کے پاس دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے میں منھ لپیٹ کر لیٹے تھے چنانچہ حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا تو حضور ﷺ نے اپنا منھ کھولا اور فرمایا، ابوبکر! ان کو چھوڑ دو کہ یہ عید کے دن ہیں اور منی کے ایام ہیں، اور حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ میرا پردہ کئے ہوئے تھے اور میں اہل حبشہ کو دیکھ رہی تھی کہ وہ مسجد میں کھیل رہے تھے، ان کو حضرت عمرؓ نے ڈانٹا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو، اور اے بنی ارفدہ! تم اطمینان کے ساتھ کھیلو۔

مقصد ترجمہ جو لوگ عید کے مبارک افعال و اعمال میں شریک ہوں ان سے متعلق احکام بیان کرنے کے بعد اب بتانا چاہتے ہیں کہ نمازِ عید فوت ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ پھر یہ کہ فوت ہو جانے کی دو صورتیں ہیں

ایک صورت یہ ہے کہ کسی عذر کی بنیاد پر سب کی نماز رہ جائے تو اس صورت میں عید الفطر کی نماز دوسرے دن اور عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے اور تیسرے دن یعنی ۱۲ر ذی الحجہ تک پڑھی جائے گی لیکن یہ مسئلہ، مقصدِ ترجمہ سے متعلق نہیں ہے، فوت ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ عید کی نماز تو پڑھی جائے، لیکن کوئی شخص امام کے ساتھ شرکت سے محروم رہ جائے تو ترجمۃ الباب میں اسی مسئلہ کو امام بخاریؒ نے بیان کیا کہ اس صورت میں دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیئے، پھر اس کے ساتھ ہی امام بخاریؒ بیان کرتے ہیں کہ اسی طرح عورتیں اور اپنے گھر اور گاؤں میں رہنے والے وہ لوگ جو امام کے ساتھ نماز عیدین میں شرکت نہ کرسکیں وہ بھی دو رکعت پڑھ لیں لیکن بخاری نے یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ دو رکعتیں نفل ہوں گی یا عیدین کی قضا، پھر یہ کہ ان کو تکبیراتِ زوائد کے ساتھ پڑھا جائے گا یا ان کے بغیر، ترجمۃ الباب سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ یہ دو رکعتیں عید سے متعلق ہیں۔

اسی طرح ترجمۃ الباب کئی مسائل سے متعلق ہو گیا، اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ اتفاق سے کوئی امام کے ساتھ نمازِ عید میں شرکت نہ کرسکے تو وہ عید کا حق ادا کرنے کے لئے دو رکعت پڑھ لے، دوسرا مسئلہ عورتوں اور گھر میں رہ جانے والوں سے متعلق ہوا کہ وہ بھی دو رکعت پڑھ لیں، اور تیسرا مسئلہ اہلِ دیہات سے متعلق ہوا کہ وہ بھی اس صورت میں دو رکعت پڑھ لیں، گویا امام بخاریؒ نے اس ترجمہ میں گاؤں میں نمازِ عید کے جواز کا مسئلہ ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ گاؤں میں رہنے کی وجہ سے نمازِ عید میں شرکت نہ کرنے والے حضرات کے لئے عید کا حق ادا کرنے کی صورت یعنی دو رکعت پڑھنے کا مسئلہ بیان کیا ہے۔

اور ان تمام مسائل کے لئے استدلال ہے **هذا عيدنا اهل الاسلام**، **هذا عيدنا** حضرت عائشہؓ کی روایت کا جز ہے اور **اهل الاسلام** حضرت عقبہ بن عامر کی روایت کا جو ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں ہے کہ آپؐ نے ایام تشریق کے بارے میں فرمایا **ايام منى عيدنا اهل الاسلام**، استدلال اس طرح ہے کہ **هذا** کا مشار الیہ ہوئیں دو رکعتیں اور **اهل الاسلام** سے مراد ہیں تمام مسلمان، امام کے ساتھ شریک نماز ہوں یا نہ ہوں، مرد ہوں یا عورت، شہر کے رہنے والے ہوں یا گاؤں کے امام بخاریؒ کے نزدیک اس طرح ہر مسلمان کے لئے ان دو رکعتوں کا ثبوت ہو گیا۔

بیان مذاہب رہا یہ کہ ائمہ فقہاء اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں تو تفصیلات تو فقہ کی کتابوں میں دیکھیئے مختصر یہ کہ حنفیہ کے یہاں جماعت نمازِ عید کی صحت کی شرط ہے، اس لئے اگر نماز امام کے ساتھ ادا نہ کی جاسکے تو اس کی قضا نہیں ہے البتہ اگر بہ نیت عید تکبیراتِ زوائد کے بغیر دو رکعت یا چار رکعت پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، اور حنفیہ کے یہاں ان رکعتوں کے لئے مصریت کی بھی شرط نہیں ہے بلکہ اس فائتہ عید کو شہر ہو یا گاؤں ہر جگہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سعید بن منصور نے بہ سندِ صحیح **من فاته العيد مع الامام فليصل اربعا** نقل کیا ہے۔ مالکیہ کے یہاں نمازِ عید سنت ہے، اور یہ سنت امام ہی کے ساتھ ادا ہوگی، البتہ کسی کی نماز رہ جائے تو زوال سے پہلے

انفرادی طور پر چار رکعت پڑھنے کی اجازت ہے شوافع کے یہاں کسی بھی وقت دو رکعت پڑھی جا سکتی ہیں البتہ زوال سے پہلے انہیں ادا اور زوال کے بعد قضا کہا جائے گا، حنابلہ کے یہاں بھی دو رکعت کسی بھی وقت پڑھنے کی اجازت ہے۔

امام بخاریؒ کے پیش کردہ آثار امام بخاری نے اس ترجمہ کے تحت تین تعلیقات ذکر کی ہیں، **امر انس بن مالك الخ** حضرت انسؓ کا بیشتر قیام، مقام زاویہ میں رہتا تھا جو بصرہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھا کتاب الجمعہ میں گذرا کہ حضرت انس جمعہ کے دن بصرہ جاتے تو وہاں جمعہ میں شرکت فرما لیتے اور زاویہ میں رہتے تو ظہر ادا کرتے تھے، اس تعلیق میں نماز عید کے بارے میں جو بات مذکور ہے وہ بھی ان کا عام معمول نہیں ہے، بلکہ بصرہ میں امام کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکنے کی صورت میں ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے غلام کو اہل وعیال کو جمع کرنے کا حکم دیا اور پھر عید کی نماز پڑھائی۔ بیہقی میں اس تعلیق کی تفصیلات میں **اذا فاتته الصلوٰة مع الامام** اور **اذا كان بمنزله بالزاوية فلم يشهد العيد بالبصرة** دیا گیا ہے، مصنف بن ابی شیبہ میں بھی یہ تعلیق **الرجل تفوته الصلوٰة في العيد كم يصلي** کے تحت دی گئی ہے، جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت انس کا معمول عید کی نماز کے لئے بصرہ جانے کا رہا ہوگا، لیکن اگر کسی موقع پر بصرہ نہ جاسکے تو فائتہ عید کے طور پر زاویہ ہی میں نماز پڑھا دی، بس اتنا ہے کہ انہوں نے فائتہ عید کو بھی باجماعت اور تکبیراتِ زوائد کے ساتھ ادا کیا۔

وقال عكرمة الخ عکرمہ نے کہا کہ اہل دیہات ایک جگہ جمع ہو جائیں اور جس طرح امام نے نماز پڑھائی ہے اسی طرح وہ نماز پڑھیں، یہ بالکل ادا کی صورت معلوم ہوتی ہے اور بظاہر یہ اثر ان لوگوں کے خلاف ہے جو دیہات میں نماز عید کے قائل نہیں، لیکن امام بخاری نے اس کو **اذا فاته العيد صلى ركعتين** کے تحت دیا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں قدرے تفصیل ہے **قال في القوم يكونون في السواد وفي السفر في يوم عيد يجتمعون فيصلون** کہ جو لوگ گاؤں میں اور سفر میں ہوں انہیں جمع ہو کر نماز عید ادا کرنی چاہیئے، اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ سفر اور گاؤں میں ہونے کی وجہ سے جو لوگ امام کے ساتھ شریک نہ ہو سکیں عکرمہ ان کے بارے میں فرمارہے ہیں، اس طرح یہ یہ اثر بھی فائتہ عید سے متعلق ہو جائے گا، لیکن اگر اس کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ عکرمہ ان لوگوں کے خلاف گئے جو دیہات میں نماز عید کے قائل نہیں، ان کے لئے حضرت علیؓ کا اثر **لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع او قرية عظيمة** کافی ہے، نیز بخاری ہی میں **كتاب الاضاحي** میں آئے گا کہ حضرت عثمان غنیؓ نے جمعہ کے دن مدینہ طیبہ میں عید کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ میں فرمایا **يا ايها الناس ان هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن احب ان ينتظر الجمعة من اهل العوالي فلينتظر ومن احب ان يرجع فقد اذنت له** (حدیث: ۵۵۷۲) آج دو عیدوں کا اجتماع ہے، (عید اور جمعہ) اس لئے اہلِ عوالی میں جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہتا ہے تو وہ انتظار کرے اور جو لوٹنا چاہتا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے، حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے جو بات ارشاد فرمائی

ہے وہ رائے سے نہیں کہی جاسکتی ہے، غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے وہ حکماً مرفوع ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عوالی میں نہ جمعہ ہوتا تھا نہ عیدین کی نماز، یہ لوگ ان نمازوں کے لئے مدینہ طیبہ آتے تھے، گویا دیہات کے لوگوں پر نہ جمعہ واجب ہے نہ عیدین، شہر آئیں گے تو پڑھ لیں گے ورنہ جمعہ کے دن ان کے لئے ظہر ہے اور عیدین میں فائتۂ عیدین پڑھ لینا ان کے لئے کافی ہے۔

وقال عطاء الخ یہ اثر فائتۂ عیدین کے سلسلے میں صاف ہے، جو امام بخاریؒ کا اصل مقصد ہے۔

ترجمہ اور حدیث کا ربط ترجمہ کے ذیل میں امام بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت ذکر کی ہے جس کی تشریحات بیان ہو چکی ہیں، روایت میں عید کے دن اہلِ حبشہ کے فنون حربیہ کے مظاہرے کا اور حضرت عائشہ کے دیکھنے کا تذکرہ ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ترجمۃ الباب سے روایت کا کیا تعلق ہے؟ ترجمۃ الباب میں تین مسائل تھے، نماز عید کے فوت ہونے پر بہ نیت عید دو رکعت پڑھنا، اور عورتوں اور اہل دیہات کا اس حکم میں شریک ہونا، جب کہ روایت میں ان تینوں مسائل میں سے کسی کا ذکر نہیں۔

چنانچہ بعض شارحین نے کہا کہ روایت میں جو انہا ایام عید، وتلک الایام ایام منیٰ فرمایا گیا ہے اس سے مقصد ثابت ہے، کیونکہ عید کو ایام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لئے اس دن نماز قائم کرنا، جماعت کے ساتھ ہو یا انفرادی مرد و عورت، اور اہل دیہات و اہل شہر سب کے لئے ثابت ہو گیا، نیز چونکہ ایام منیٰ فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز عید یا فائتۂ عید کو ان ایام میں ادا کیا جائے گا۔

حضرت الاستاذؒ کا ارشاد حضرت نے فرمایا اور اس سے زیادہ صاف اور آسان بات یہ ہے کہ روایت میں عید کے دن اہل حبشہ کے فنونِ حرب کے مظاہرے اور کھیل تماشے کا ذکر آیا اور اس میں حضرت عائشہؓ کی بھی ایک گونہ شرکت معلوم ہوئی اور جب عید میں ان چیزوں کی گنجائش ہے تو نماز تو یوم عید کی اصل عبادت اور اسلامی عید کا امتیازی شعار ہے، اس کا تو بہ درجۂ اولیٰ اہتمام ہونا چاہیئے، اور جو لوگ کسی عذر کی بنیاد پر یا شرائط پورا نہ کرنے کی وجہ سے امام کے ساتھ نماز میں شرکت نہ کرسکیں تو انہیں عید کا حق ادا کرنے کے لئے فائتۂ عید کے طور پر دو رکعت پڑھ لینی چاہیئے۔ واللہ اعلم

[۲۶] بَابُ الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْعِيْدِ وَبَعْدَهَا

وَقَالَ اَبُوْ الْمُعَلّٰى سَمِعْتُ سَعِيْدًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَرِهَ الصَّلٰوةَ قَبْلَ الْعِيْدِ

(۹۸۹) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ

قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَمَعَهٗ بِلَالٌ .

ترجمہ باب، عید سے پہلے اور عید کے بعد نماز پڑھنے کا حکم اور ابوالمعلّٰی نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے سنا انہوں نے ابن عباس سے روایت کی کہ انہوں نے عید سے پہلے نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف نکلے، پھر وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی نہ اس سے پہلے نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد، اور آپ کے ساتھ حضرت بلال تھے۔

کتاب الجمعہ کے باب سے موازنہ یہ باب ایسا ہی ہے جیسا کتاب الجمعہ میں گذرا تھا **باب الصلوٰة بعد الجمعة وقبلها** وہاں بعد کو مقدم کیا تھا اور یہاں قبل کو مقدم کر کے **باب الصلوٰة قبل العيد وبعدها** فرمایا ہے، محض تفنن کے لئے ایسا کرنا تو بخاری سے مستبعد ہے، بلکہ الفاظ کی یہ تقدیم وتاخیر ان کے غور وفکر کا نتیجہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے سلسلے میں بعد الجمعہ کے لئے نص موجود تھی قبل الجمعہ کے لئے نہیں تھی اس لئے انہوں نے بعد کو مقدم کر دیا اور قبل کا مسئلہ ظہر کے اوپر محول کر دیا، عید کے سلسلے میں قبل العید کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس نص میں ممانعت کی گئی ہے اس میں جہاں یہ احتمال ہے کہ مطلقاً ہر نفل سے ممانعت ہو وہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ ممانعت سنن راتبہ سے متعلق ہو، یا صرف عیدگاہ سے متعلق ہو، پھر بخاری نے ابن عباسؓ کے اثر سے **قبل العيد** مطلقاً ممانعت کو ترجیح دی اور اسی کو ترجمۃ الباب میں مقدم کر دیا، اور **بعد العيد** کی ممانعت کے مطلق ہونے کو ترجیح دینے کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو اس کو مؤخر کر دیا اور اس کی تفصیل کی طرف اشارہ کر گئے۔

مقصد ترجمہ اس موازنہ کے بعد اب مقصد پر غور کیجئے، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عید کے لئے راتبہ کے طور پر نہ سنن قبلیہ ہیں نہ بعدیہ، اس لئے پہلے یا بعد میں جو نماز پڑھی جائے گی وہ نفل کے درجہ کی ہوگی، امام بخاریؒ اسی کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں اور ترجمۃ الباب میں گو حکم کی صراحت نہیں مگر ابن عباس کے اثر سے حکم کی تصریح کر دی کہ عید سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے اور جب کراہت کے لئے **قبل العيد** کی قید لگا دی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ **بعد العيد** کے لئے دوسرا حکم ہے۔

چنانچہ اس کے بعد روایت پیش کر دی کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن مصلّٰی تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت پڑھائیں اور نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ بعد میں، ظاہر ہے کہ یہ بیان عیدگاہ سے متعلق ہے، اس لئے اب یہ حکم ہوا کہ عید سے پہلے تو نفل نماز کی مطلقاً ممانعت تھی اور بعد کا مسئلہ یہ ہوا کہ عیدگاہ میں ممانعت ہے، عیدگاہ سے گھر واپس آکر کیا حکم ہے تو بخاری نے اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا، البتہ ابن ماجہ میں بہ سند حسن حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے **كان رسول الله ﷺ لا يصلي قبل العيد شيئا فاذا رجع الى منزله صلى ركعتين**، کہ آپ عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے اور عید کے بعد مصلّٰی میں نہیں پڑھتے تھے، گھر واپس آکر دو رکعت پڑھتے تھے۔

حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ عید سے پہلے نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے، حد یہ کہ اشراق وغیرہ کی بھی اجازت نہیں اور عید کے بعد عیدگاہ میں مکروہ ہے، گھر لوٹنے کے بعد نوافل کی اجازت ہے شوافع کے یہاں امام کے لئے عید سے پہلے بھی نفل نماز کی ممانعت ہے اور عید کے بعد بھی، لیکن مقتدی کے حق میں ممانعت نہیں، مالکیہ نے عیدگاہ میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد نفل کو مکروہ کہا ہے، عیدگاہ کے علاوہ گھر وغیرہ میں نوافل کی اجازت دی ہے، اور حنابلہ کے یہاں نماز عید سے پہلے اور نماز عید کے بعد نوافل کی مطلقاً ممانعت ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۱۴] ﴿اَبْوَابُ الْوِتْرِ﴾

[۱] بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ

(۹۹۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى . (گذشتہ:۴۷۲)

(۹۹۱) وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتّٰى يَاْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهٖ .

(۹۹۲) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمٰنَ عَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهٗ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَهْلُهٗ فِي طُوْلِهَا فَنَامَ حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ اَوْ قَرِيْبًا مِنْهُ فَاسْتَيْقَظَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ قَرَءَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ فَصَنَعْتُ مِثْلَهٗ وَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَاْسِيْ وَاَخَذَ بِاُذُنِيْ يَفْتِلُهَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ اَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَآءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ .

(۹۹۳) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ

الْحَارِثِ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَه' عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَنْصَرِفَ فَارْكَعْ رَكْعَةً تُوْتِرُ لَكَ مَا قَدْ صَلَّيْتَ، قَالَ الْقَاسِمُ وَرَاَيْنَا اُنَاسًا مُنْذُ اَدْرَكْنَا يُوْتِرُوْنَ بِثَلٰثٍ وَاِنَّ كُلًّا لَوَاسِعٌ وَاَرْجُوْ اَنْ لَا يَكُوْنَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَاسٌ . (گذشتہ:۴۷۲)

(۹۹۴) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُرْوَةُ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً كَانَتْ تِلْكَ صَلٰوتَه' تَعْنِيْ بِاللَّيْلِ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَءُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ آيَةً قَبْلَ اَنْ يَرْفَعَ رَاْسَه' وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلٰوةِ . (گذشتہ:۶۲۶)

ترجمہ باب، ان باتوں کا بیان جو وتر کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے صلوۃ اللیل کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو، دو رکعت ہے، پھر جب تم میں کسی کو طلوع صبح کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت پڑھ لے، یہ رکعت اس کی پڑھی ہوئی ساری نماز کو طاق بنادے گی، اور اسی سند سے نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ عمل نقل کیا کہ وہ وتر کی ایک رکعت اور دو رکعتوں کے درمیان سلام کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی کسی ضرورت کا حکم بھی دے دیتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے پاس گذاری تو میں گدے کی چوڑائی میں لیٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ اور ام المومنین لمبائی میں لیٹ گئے اور آپ سو گئے یہاں تک کہ آدھی رات یا اس کے قریب قریب وقت گذر گیا تو آپ نیند کا خمار دور کرنے کے لئے ہاتھ کو چہرے پر ملتے ہوئے بیدار ہو گئے پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں، پھر آپ لٹکے ہوئے پانی کے مشکیزے کی طرف کھڑے ہوئے، اور آپؐ نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی پھر میں نے بھی اٹھ کر آپ کی طرح سب کام کئے اور آپ کے برابر میں کھڑا ہو گیا، تو آپ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے کان کو پکڑ کر مروڑا، پھر آپ نے دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھے پھر آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن نے آکر اطلاع دی پھر آپ کھڑے ہوئے پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر مسجد کے لئے نکلے اور صبح کی نماز پڑھائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے پھر جب تم نماز سے فارغ ہونے کا ارادہ کرو تو ایک رکعت اور شامل کرلو، یہ رکعت تمہاری پڑھی ہوئی پوری نماز کو طاق بنادے گی، قاسم بن محمدؒ نے کہا کہ جب سے ہمیں ہوش آیا ہم نے لوگوں کو تین رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا اور یہ کہ بے شک ہر طرح پڑھنے کی گنجائش ہے اور میں امید

کرتا ہوں کہ کسی بھی طرح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے، یہ آپ کی رات کی تہجد کی نماز تھی، ان میں آپ سر اٹھانے سے پہلے تم میں سے کسی آدمی کے پچاس آیات پڑھنے کے بقدر سجدہ کیا کرتے تھے اور نمازِ فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے آتا تھا۔

مقصد ترجمہ ترجمہ کے الفاظ میں بڑا ابہام ہے کہ وتر کے سلسلے میں کیا آیا ہے، یعنی وتر کی شان اور حیثیت کیا ہے، یہ کوئی مستقل نماز ہے یا نمازِ تہجد کے ساتھ شامل ہے، پھر اگر یہ مستقل نماز ہے تو اس کی رکعات کی تعداد کیا ہے، ایک رکعت ہے یا تین؟ اور تین ہے تو دو سلام کے ساتھ ہے یا ایک سلام کے ساتھ، امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ان باتوں کو الگ الگ بیان نہیں کیا، محض ابہام کے ساتھ **ما جاء فی الوتر** کہہ دیا۔

بہ ظاہر امام بخاری کا رجحان یہ ہے کہ اگرچہ یہ دونوں نمازیں ایک دوسرے سے کسی نہ کسی درجہ میں مربوط ہیں، مگر ان دونوں کو ایک قرار دینا صحیح نہیں ہے، یہ دونوں نمازیں بالکل الگ الگ ہیں، اسی لئے بخاری دیگر محدثین کی طرح صلوۃ اللیل کے ابواب الگ ذکر کریں گے اور یہاں وتر کے ابواب مستقل طور پر لا رہے ہیں۔ جبکہ حضرات شوافع کا رجحان یہ ہے کہ نماز تہجد اور وتر درحقیقت ایک ہی نماز ہے، جسے دو وقت میں پڑھا جا سکتا ہے اور اسی اختلافِ اوقات کی وجہ سے اس کے دو نام ہو گئے ہیں، اگر اس نماز کو عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھ لیا جائے تو اس کا نام وتر ہے اور اگر سونے کے بعد آخرِ شب میں اٹھ کر پڑھا جائے تو اس کا نام تہجد یا صلوۃ اللیل ہے، امام بخاری نے صلوۃ اللیل اور صلوۃ الوتر کو مستقل اور الگ الگ ذکر کرکے واضح کر دیا کہ ان دونوں نمازوں کو ایک سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

امام بخاریؒ نے اس طرز سے وتر کی شان اور حیثیت بیان فرما دی کہ وہ مستقل اور اہم نماز ہے، ابن حجر نے فرمایا کہ اگر بخاری نے سواری پر وتر پڑھنے کی روایت ذکر نہ کی ہوتی تو سمجھا جا سکتا تھا کہ بخاری وجوب کے قائل ہیں، لیکن یہ حافظ کا اپنا خیال ہے، یہ بھی تو ممکن ہے کہ بخاری وجوب کے قائل ہوں اور وجوب کے باوجود سواری پر ادا کرنے کی گنجائش سمجھتے ہوں۔

دوسری بات جس کی طرف امام بخاریؒ نے اشارہ کیا وہ رکعات کی تعداد ہے، پیش کردہ روایات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ بخاری صرف ایک ایسی رکعت کے - جس سے پہلے شفعہ نہ ہو - قائل نہیں، اس رکعت سے پہلے شفعہ ہونا چاہیئے، گویا بخاری کی رائے کے مطابق وتر میں رکعات کی تعداد تین ہی ہے، البتہ وہ فصل بالسلام کو اولیٰ اور افضل مانتے ہیں۔

تشریح حدیث اول اس باب کے تحت امام بخاری نے کئی روایات ذکر کی ہیں جن سے ان کے مقاصد یعنی وتر کی اہمیت، تعداد اور تین رکعتوں کے درمیان فصل بالسلام وغیرہ معلوم کئے جا سکتے ہیں، سب سے پہلے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے جو پہلے بھی گذر چکی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے صلوۃ اللیل

کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ صلوۃ اللیل کا طریقہ یہ ہے کہ دو دو رکعت پڑھتے رہو اور جب یہ دیکھو کہ دوگانہ کے بعد وتر کا وقت نہیں رہتا تو ایک رکعت ملا کر اس کو وتر بنا دو۔

بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کا سوال صرف صلوۃ اللیل سے متعلق ہے، لیکن مسلم شریف کی روایت میں ہے، کہ راوی نے صلوۃ اللیل اور وتر دونوں کے بارے میں سوال کیا تھا مسلم کے الفاظ ہیں کیف اوتر صلوٰۃ اللیل (مسلم ج:۱،ص:۲۵۶) ارشاد فرمایئے کہ میں صلوۃ اللیل کو وتر بنانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں؟ چنانچہ حضور ﷺ نے سائل کے سوال کا جو مقصد متعین فرمایا وہ یہ ہے کہ سائل صرف صلوۃ اللیل کے بارے میں نہیں پوچھ رہا ہے، کیونکہ وہ تو نافلہ ہے اور اس کا طریقہ اور تفصیلات معلوم ہیں بلکہ سائل کا منشا یہ ہوا کہ رات کے وقت دو چیزیں ہیں ایک صلوۃ اللیل اور دوسرے وتر، اور ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان تعلق ہے، سائل کا منشا یہ ہوا کہ صلوۃ اللیل کے ساتھ وتر ادا کرنے کا طریقہ بیان فرمایا جائے۔ چنانچہ آپ نے طریقہ بتادیا کہ صلوۃ اللیل دو، دو رکعت ہے، اس لئے دو، دو رکعت پڑھتے رہو اور جب طلوع فجر کا اندیشہ ہو تو دوگانہ کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اسے وتر بنالو۔

اگر صرف صلّی رکعۃ واحدۃ ہوتا اور توتر لہ ما قد صلّی کا اضافہ نہ ہوتا تو حضرات شوافع کے اختیار کردہ ان معنی کو ظاہر کہا جا سکتا تھا کہ دو رکعت پر سلام ہو اور اس کے بعد ایک رکعت علیحدہ پڑھی جائے مگر توتر لہ ما قد صلّی سے اِن معنی میں ظہور ختم ہو گیا کیونکہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ رکعت الگ نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے شفعہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، گویا وتر صرف ایک رکعت کا نام نہیں، شفعہ اور موترہ سے مرکب نماز کا نام ہے، بلکہ توتر لہ ما قد صلّی کی روشنی میں یہ دعویٰ زیادہ قوی ہے کہ اس ایک رکعت کو آخری شفعہ سے ملانے کی ہدایت کی جارہی ہے، کیونکہ اس رکعت سے پہلے شفعہ نہ ہو تو پھر یہ رکعت کس چیز کو وتر اور طاق بنائے گی۔

رہی یہ بات کہ دو رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوں اور اس کے بعد ایک رکعت مستقل تحریمہ سے ادا کی جائے اور اس مجموعہ کو صلوۃ واحدہ کہا جائے تو الفاظ میں اگر چہ اس کا بھی احتمال ہے مگر اس احتمال کو عمل کے لئے قبول کرنا حدیث کی تصریح کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں سلام کے بارے میں تحلیلھا التسلیم فرمایا گیا ہے یعنی سلام قاطع صلوۃ ہے اس سے نماز ختم ہوگئی، سلام کے بعد جو نماز پڑھی جائے گی وہ بالکل الگ ہوگی اور اس صورت میں وتر کو تین رکعت کہنا مشکل ہوگا، البتہ اس سلسلے میں یعنی وتر میں دو رکعت پر سلام پھیرنے کے سلسلے میں کوئی نص ہوتی تو اس کو وجہ ترجیح قرار دیا جا سکتا تھا مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔

نص میں تو صرف مثنیٰ مثنیٰ کی تعبیر ہے اور سائل کے اس سوال کے جواب میں ہے کہ صلوۃ اللیل کے وتر بنانے کا کیا طریقہ ہے، چنانچہ پہلے تمہید کے طور پر صلوۃ اللیل کا بیان فرمایا کہ انسان جب تہجد کے لئے اٹھتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کو یقینی طور پر معلوم ہو کہ کتنا وقت ملے گا ہو سکتا ہے کہ وقت بہت کم ہو اس لئے سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا کہ

دو، دو رکعت پڑھتے چلے جاؤ، دو اس لئے کہا کہ یہ ادنی درجہ ہے، اگر یوں کہتے کہ چار چار رکعت پڑھتے چلے جاؤ تو شبہ ہوتا کہ چار کی شاید کوئی خصوصیت ہے، اس لئے فرمایا کہ دوگانہ پڑھتے چلے جاؤ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دوگانہ پر سلام پھیرتے ہیں تو مزید وقت نہیں رہے گا تو تمہیں چاہیئے کہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا لو اور اس آخری شفعہ کو وتر بنا دو۔

رہی یہ بات کہ الفاظ میں یہ احتمال بھی تو ہے کہ اس آخری شفعہ پر سلام پھیر دیا جائے اور اس کے بعد ایک رکعت پڑھی جائے تو یہی کہا جائے گا کہ صرف احتمال کی بنیاد پر اس چیز کو راجح قرار نہیں دیا جاسکتا، حافظ ابن حجر نے حضرت ابن عمر کی روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

واستدل بقولہ ﷺ صلی رکعۃ واحدۃ علی ان فصل الوتر افضل من وصلہ، وتعقب بانہ لیس صریحا فی الفصل فیحتمل ان یرید بقولہ صلی رکعۃ واحدۃ ای مضافۃ الی رکعتین مما مضی . (فتح الباری ج:۲،ص:۵۵۸)

حضور ﷺ کے قول، صلی رکعۃ واحدۃ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ وتر کی رکعتوں میں فصل کرنا، وصل سے افضل ہے، اور اس پر یہ گرفت کی گئی ہے کہ یہ قول فصل کے بارے میں صریح نہیں ہے اور یہ احتمال ہے کہ صلی رکعۃ واحدۃ سے مراد یہ ہو کہ یہ رکعت، پچھلی دو رکعتوں سے ملا کر پڑھی جائے۔

دیکھئے حافظ ابن حجر نے توتر لہ ما قد صلی سے مکمل صرف نظر کرتے ہوئے، اپنے مسلک کے لئے صرف صلی رکعۃ واحدۃ سے فصل بالتسلیم کی افضلیت پر استدلال کیا لیکن تعقب کہہ کر انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ یہ الفاظ فصل کے لئے صریح نہیں ہیں، حافظ ابن حجر چونکہ تعقب کا کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اس روایت سے فصل بالتسلیم پر استدلال میں کمزوری کا اعتراف کر رہے ہیں، یہی بات ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت دو رکعت پر سلام ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں نص نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ اس سے پہلے نافلہ کی جو دو، دو رکعتیں پڑھی گئیں ان میں سلام ہوتا رہا اس لئے اوہام کا تبادر ہوا کہ اس آخری دوگانہ پر بھی سلام ہوگا، جب کہ رسول پاک ﷺ سے کسی بھی صحیح روایت میں وتر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیرنے کی ہدایت صراحت کے ساتھ منقول نہیں اور نہ عملی طور پر آپؐ سے ایسا کرنا کسی صحیح روایت سے ثابت ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فصل بالتسلیم کے لئے جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ سب مبہم ہیں ان میں دونوں احتمال کی گنجائش ہے اور احناف جو روایات وصل کے لئے پیش کرتے ہیں وہ اس سلسلے میں صاف اور صریح ہیں، اور صریح روایات کے مقابلہ میں مبہمات کو پیش کرنا خلاف قاعدہ ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث دوم دوسری روایت بھی حضرت ابن عمر کی ہے اور اس میں صراحت کے ساتھ حضرت ابن عمر کا یہ عمل منقول ہے کہ وہ وتر کی دو رکعت اور ایک رکعت کے درمیان سلام کا فصل کرتے تھے، بلکہ بعض

اوقات اپنی کسی ضرورت کا حکم بھی دیتے تھے۔

امام بخاری نے حضرت ابن عمر کا عمل پیش کر کے اپنا رجحان ظاہر کر دیا کہ وتر کی رکعتوں کی تعداد تو تین ہی ہے البتہ ان میں فصل بالتسلیم ہے، نیز یہ کہ امام بخاریؒ نے پہلی مرفوع روایت **فاذا خشی احدکم الحدیث،** پیش کر کے حضرت ابن عمر کے اس عمل کی بنیاد کو بھی واضح کر دیا۔

امام بخاریؒ کے استدلال پر نظر

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ امام بخاری حضرت ابن عمرؓ کے جس عمل سے اپنا رجحان یا مسلک مختار بیان کر رہے ہیں وہ عمل خود حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک بھی راجح اور مختار ہے یا ابن عمر کے عمل سے صرف جواز یا گنجائش کی بات سمجھ میں آتی ہے، دوسرے یہ کہ حضور ﷺ کی نمازِ وتر کا مشاہدہ کرنے والے صحابہ کرام کیا نقل کرتے ہیں، تیسرے یہ کہ تابعین اور فقہاء سبعہ کے زمانہ میں کس عمل کو ترجیح دی گئی۔

حضرت ابن عمر کے عمل کی وضاحت

طحاوی میں بہ سند صحیح مذکور ہے کہ عقبہ بن مسلم نے، حضرت ابن عمر سے وتر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا **أتعرف وتر النهار،** عرض کیا جی ہاں **صلاة المغرب** تو ابن عمر نے فرمایا **صدقت او احسنت،** ظاہر ہے کہ مغرب میں تین رکعتیں ہیں اور ان میں فصل بالتسلیم نہیں ہے، اس لئے تشبیہ کا مطلب یہ ہوا کہ وتر میں تین رکعتیں ہوں گی اور ان میں فصل بالسلام نہیں ہوگا۔

اسی لئے امام بخاری کے پیش کردہ اثر ابن عمر کی تشریح میں حافظ ابن حجر نے فرمایا

ظاهره انه كان يصلي الوتر موصولا فان عرضت له حاجة فصل ثم بنى على ما مضى . (فتح الباری: ج:۲، ص:۵۵۹)	اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر وتر کو موصولاً پڑھتے تھے، البتہ اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو فصل کر لیتے تھے پھر سابقہ نماز ہی پر بنا کر لیتے تھے۔

ذکر کیا جا چکا ہے کہ حدیث کی تصریح **تحليلها التسليم** کے مطابق، فصل بالسلام کے بعد سابقہ نماز پر بنا کر لینے کی کوئی گنجائش نہیں، تمام فرائض ونوافل میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ سلام اور کلام کے بعد بنا کرنا صحیح نہیں ہے، البتہ وتر کے بارے میں امام ترمذی نے بعض صحابہ سے نقضِ وتر کا قول نقل کیا ہے، نقضِ وتر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی نے اول شب میں وتر پڑھ لئے، پھر آخرِ شب میں نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس کو چاہیئے کہ پہلے سابقہ وتر کو ایک رکعت پڑھ کر شفعہ بنا دے پھر نماز پڑھے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس میں **اجعلوا آخر صلوتكم بالليل وترا** کی خلاف ورزی ہوگی، ان حضرات کے نزدیک وتر کا آخر میں پڑھنا ضروری ہے جب کہ دوسرے فقہاء دلائل کی روشنی

میں اس کو صرف استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر انہی صحابہ میں ہیں، ان کی روایت مسند احمد اور طحاوی میں ہے **اما انا فلو اوترت قبل ان انام ثم اردت ان اصلی باللیل شفعت بواحدة ما مضی من وتری ثم صلیت مثنی مثنی فاذا قضیت صلوتی اوترت بواحدة** (الحدیث) میرا عمل تو یہ ہے کہ اگر میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لیتا ہوں پھر رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا چاہتا ہوں تو پہلے سابقہ وتر کو شفعہ بنانے کے لئے ایک رکعت پڑھتا ہوں، پھر دو، دو رکعت نماز پڑھتا ہوں، پھر جب نماز سے فارغ ہو جاتا ہوں تو ایک رکعت کے ذریعہ اس کو وتر بنا دیتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ ابن عمر نقضِ وتر کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک وتر کے سلسلے میں سابقہ نماز پر بنا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، نہ **تحلیلها التسلیم** مانع ہے نہ نوم، نہ طول فصل، نہ سلام و کلام اور نہ حدث کا طریان، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو وہ روایت نہیں پہنچی جس میں **لا وتر ان فی لیلة** فرمایا گیا ہے، یہ روایت حضرت طلق بن علی کی ہے، ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے، ابن حبان اور بعض دیگر محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے وتر کے سلسلے میں اسی طرح کی بات علم میں آنے کے بعد فرمایا ہوگا کہ ایک رات میں دو مرتبہ وتر پڑھنے کی گنجائش نہیں، جب کہ نقضِ وتر کا عمل کرنے والے دو بار نہیں، ایک رات میں تین بار وتر پڑھنے کا ارتکاب کر رہے ہیں، ایک اول شب میں، دوسری مرتبہ اس وتر کو شفعہ بنانے کے لئے اور تیسری مرتبہ صلوۃ اللیل سے فارغ ہونے کے بعد۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر کے نزدیک وتر کی رکعتوں کی تعداد تین ہی ہے البتہ وہ نقضِ وتر کے جواز کا قول کرنے والوں کی طرح فصل بالتسلیم کو جائز سمجھتے ہیں اور ابن حجر کے بیان **فان عرضت له حاجة فصل** کے مطابق بوقت ضرورت اس پر عمل بھی کر لیتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ عہدِ صحابہ میں ایک رائے یہ بھی تھی اور اس کی بنیاد وہی مبہم روایات تھیں جن سے ان حضرات نے فصل بالتسلیم کا مضمون سمجھا تھا، ان لوگوں میں سے کسی ایک نے بھی ایسی کوئی روایت پیش نہیں کی جس میں صراحت کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام نے فصل بالتسلیم کی اجازت دی ہو یا کسی صحابی نے آپ کے فصل بالتسلیم کے عمل کا مشاہدہ نقل کیا ہو، صرف حضرت ابن عمر سے ایک روایت میں **کان رسول الله ﷺ یفعل ذلك** نقل کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا مشاہدہ نہیں ہے بلکہ جو بات انہوں نے مبہم روایات سے سمجھی ہے اسی کو مرفوعاً بیان فرما دیا ہے۔

وتر بلا فصل کی صریح روایات جب کہ دوسرے صحابہ کرام جن کی تعداد بھی زیادہ ہے تین رکعتوں کو موصولاً اور بلا فصل پڑھنے کی صریح روایات پیش کرتے ہیں اور یہ بات اُن کی سمجھی ہوئی نہیں بلکہ مشاہدہ پر مبنی ہے، مثلاً حضرت عائشہؓ جو حضور ﷺ کے وتر کا سب سے زیادہ مشاہدہ کرنے والی ہیں فرماتی ہیں **کان**

النبی ﷺ لا یسلّم فی رکعتی الوتر (نسائی ج:۱ص:۲۴۸) یا کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لا یقعد الا فی آخرھن (سنن دارقطنی ج:۲ص:۲۳)

اسی طرح حضرت ابی ابن کعبؓ سے بہ سند صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں سبح اسم ربک الاعلی، اور قل یآ ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے ولا یسلم الا فی آخرھن (نسائی ج:۱ص۲۴۹)

اسی طرح مسور بن مخرمہ نقل کرتے ہیں کہ جس رات میں ۱۳ھ حضرت ابوبکرؓ کی تدفین ہوئی، اس رات میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں وتر نہیں پڑھ سکا، وہ وتر پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ہم نے صف بندی کی، اور حضرت عمرؓ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھائیں، اور لم یسلم الا فی آخرھن. (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۲ص:۸۹وطحاوی بسند صحیح)

اور انہی ناموں پر انحصار نہیں، وتر کی تین رکعتوں میں فصل بالتسلیم نہ کرنیوالوں میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت انسؓ، اور حضرت ابوامامہؓ وغیرہ کے نام ہیں۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے دور میں فصل بلاتسلیم پر عمل صحابۂ کرام کے بعد، خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنے دور میں فقہاء سبعہ سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمان، خارجہ بن زید، عبیداللہ بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار کے قول کے مطابق مدینہ طیبہ میں وتر کی تین رکعتوں پر عمل درآمد کرایا، طحاوی میں بہ سند صحیح نقل ہے اثبت عمر بن عبد العزیز الوتر با لمدینۃ بقول الفقھاء ثلاثا لا یسلم الا فی آخرھن، اسی وجہ سے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث رکعات لا یسلم الا فی آخرھن (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۲ص:۹۰)

اب غور کیجئے کہ امام بخاریؒ جن دلائل سے وتر کی رکعتوں کے درمیان فصل بالتسلیم کو راجح قرار دے رہے ہیں ان میں فصل بالتسلیم کی تصریح نہیں ہے بلکہ وہ مبہمات کی قسم سے ہیں جب کہ تین رکعتوں کو موصولاً پڑھنے کی بات صحیح نصوص کے ذریعہ صراحت کے ساتھ ثابت ہے، اور ان کی روایات پیغمبر علیہ السلام کی نماز کے مشاہدہ پر مبنی ہیں، نیز یہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانہ میں فقہاء سبعہ اور دیگر اہل علم کے اتفاق سے تین رکعات بلافصل کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل درآمد کرایا، تو اس صورتِ حال میں امام بخاریؒ کے مسلک مختار کو کیسے راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث سوم تیسری روایات ابن عباسؓ کی ہے، کئی بار گذر چکی ہے، ابن عباسؓ اسی غرض سے رات کے وقت حضور ﷺ کے پاس لیٹے تھے کہ رات کے اعمال کو دیکھیں اور محفوظ کر کے اپنے والد حضرت عباسؓ کو بتائیں، چنانچہ انہوں نے آپ کی تمام باتیں ذکر کیں کہ آپ بیدار ہوئے تو یہ کیا، ایسا کیا وغیرہ، اس کے بعد انہوں نے نماز کی تفصیل کی کہ صلی رکعتین، ثم رکعتین الخ اور چھ مرتبہ رکعتین کے بعد ثم اوتر، بارہ رکعتیں پہلے پھر ایک وتر کی، کل تعداد تیرہ ہوگئی۔

اس روایت میں اگر چہ وتر کی تین رکعتوں کے درمیان فصل بالتسلیم کی صراحت نہیں، لیکن امام بخاریؒ کے مقصد کو ثابت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سابقہ تمام شفعات میں ہر شفعہ پر سلام ہے اس لئے شفعۂ وتر میں بھی اس کو نافذ مان لیا جائے۔

لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان تیرہ رکعتوں میں پہلی دو رکعتیں وہ ہیں جن سے آپؐ تہجد کا آغاز فرماتے تھے جنھیں عام طور پر راوی خفیفتین کہتے ہیں، انہیں آپ تحیۃ الوضوء کہہ لیجئے، یا تجدید نشاط کے لئے مان لیجئے، اس کے بعد آٹھ رکعتیں ہیں تہجد کی، پھر تین رکعتیں وتر کی ہیں، اب وتر کی تین رکعتوں میں، آخری رکعت کو شفعۂ وتر سے وصل کر کے پڑھا گیا ہے یا فصل کیا گیا ہے تو روایت اس سلسلے میں مبہم ہے۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر صرف اسی روایت کو پیش نظر رکھیں اور حضرت ابن عباسؓ کی اس کثیر الطرق روایت کے تمام طرق سے صرف نظر کر کے ظاہر پرستی کو اختیار کر لیں تب بھی وتر میں امام بخاریؒ کا فصل بالتسلیم کا مقصد صراحت سے ثابت نہیں۔

اس روایت کے دیگر طرق اور اگر دیگر طرق پر نظر کریں اور کرنی چاہیئے تو ابن عباسؓ کی یہ روایت کہیں طویل اور کہیں مختصر دسیوں طرق سے آرہی ہے اور ان میں مسلم شریف کی روایت میں ثم اوتر بثلٰث کی تصریح ہے، امام طحاویؒ نے بھی اس روایت کے مختلف طرق میں ثم اوتر بثلٰث کی تصریح نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ جن طرق میں ثم اوتر بواحدة ہے ان کے معنٰی بھی بواحدة مع الثنتين قدتقدمتا لئے جائیں گے تا کہ روایت کے معنٰی میں تضاد باقی نہ رہے۔

ابن عباسؓ کی دوسری روایات ایک روایت کے مختلف طرق میں تضاد ختم کرنے کے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے نسائی اور طحاوی میں بہ سند صحیح روایت ہے ان رسول اللهﷺ كان يوتر بثلٰث ركعات، نیز یہ کہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بہ سند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے كان رسول اللهﷺ يقرأ في الوتر بسبح اسم ربك الاعلىٰ، وقل يآ ايها الكفرون، وقل هو الله احد في ركعة ركعة. وتر میں انہی تین سورتوں کو پڑھنے کی روایت نسائی میں حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی ہے اور اس کے آخر میں ولا يسلم الا في اخرهن کی تصریح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتوں میں فصل بالتسلیم کے لئے امام بخاریؒ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے اُن الفاظ سے استدلال کر رہے ہیں جن میں فصل بالتسلیم کی صراحت نہیں، صرف ثم اوتر کے ابہام سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، جب کہ اسی روایت کے دیگر طرق میں كان يوتر بثلٰث اور حضرت ابن عباسؓ کی دیگر روایات میں ان تین رکعات میں پڑھی جانے والی سورتوں کو بیان کیا گیا ہے اور حضرت ابی ابن کعبؓ کی انہی تین سورتوں والی روایت

کے آخر میں لا یسلم الا فی اخرھن کی صراحت ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث چہارم دوسری سند سے یہ حضرت ابن عمرؓ کی وہی روایت ہے جس پر گفتگو ہو چکی ہے، مگر اس میں الفاظ کا فرق ہے، پہلی روایت میں تھا اذا خشی احد کم الصبح اور اس روایت میں ہے اذا اردت ان تنصرف، ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ پہلے الفاظ سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ ایک رکعت کا وتر صرف ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنھیں طلوع فجر کا اندیشہ ہو اور اس روایت سے بات صاف ہو گئی کہ طلوع فجر کا اندیشہ ہو یا نہ ہو، بہر صورت وتر کی ایک رکعت ہے۔

لیکن یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ ان معنی کو اس وقت ظاہر کہا جا سکتا تھا جب توتر لك ماصلیت کا اضافہ نہ ہوتا اور یہ اضافہ اس روایت میں بھی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ ایک رکعت الگ اور مستقل نہیں ہے، یہ موتر ہے اور اس کے لئے اس سے پہلے اس چیز کا ہونا ضروری ہے جسے یہ وتر بنائے، روایت کا حاصل یہ ہوا کہ پوچھنے والے کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ دو دو رکعت پڑھتے چلے جاؤ اور جب تہجد کی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اب صرف دو رکعت کا ارادہ نہ کرو، بلکہ اب وتر کا عمل کرنا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آخری دو رکعت پڑھو اور اس کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اس کو وتر بنا دو۔

قاسم بن محمدؒ کا قول ابن عمرؓ کی روایت کے بعد بیان کرتے ہیں کہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ جو تابعی ہیں اور فقہاء سبعہ میں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے صحابہ کرام کو وتر کی تین رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے، معلوم ہوا کہ عہدِ صحابہ میں رواج صرف تین ہی رکعتوں کا رہا ہے اور ایک رکعت کا پڑھنا گویا قاسم بن محمدؒ کے مشاہدہ ہی میں نہیں آیا۔ نیز یہ کہ یوترون بثلاث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ تینوں رکعتیں موصولاً تھیں، اس لئے قاسم بن محمدؒ کے قول کا یہ پہلا جملہ تو امام بخاریؒ کے مسلک مختار کے خلاف ہے۔

پھر امام بخاریؒ نے اس کو کیوں پیش فرمایا، تو مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارکع رکعة توتر لك ما صلیت میں دو احتمال تھے، ایک تو یہ کہ یہ رکعت مستقل اور الگ ہو، اور دوسرے یہ کہ اس کو شفعۂ سابقہ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے، امام بخاریؒ نے قاسم بن محمدؒ کے قول سے دوسرے احتمال کو ترجیح دیدی گویا بخاری اس رکعتِ فردہ کے قائل نہیں ہیں جس سے پہلے شفعہ نہ ہو، پھر اپنے مسلک مختار کے لئے انہوں نے وانّ کلا لواسع ذکر کیا کہ وتر میں ہر طرح کی گنجائش ہے، یعنی ایک رکعت پڑھیں یا تین، پھر یہ کہ تین میں فصل کریں یا وصل، ہر طرح کی گنجائش ہے، مگر یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اول تو ان کلا لواسع قاسم بن محمد کی دیکھی ہوئی بات نہیں بلکہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد سے گنجائش کی بات کر رہے ہیں، دوسرے یہ کہ قاسم بن محمد، مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں اور ان کے بارے میں گذر چکا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے، اپنے دور میں انہی فقہاء کے اتفاق کی بنیاد پر، مدینہ طیبہ میں تین وتر پر عمل

درآمد کرایا تھا جن میں فصل بالتسلیم بھی نہیں تھا، اس لئے قاسم بن محمد کے نزدیک وتر کی بلا فصل تین رکعتیں پڑھنا ہی راجح ہے اور یہ جو امام بخاری ان کــلا لـو اسـع نقل کررہے ہیں، یہ ان کے نزدیک مرجوح بات ہے، گویا ایسا کرنا ان کے اجتہاد کے مطابق راجح نہ سہی مگر جائز ہے، اور یہ معلوم ہے کہ تابعین کرام کا اجتہاد حجت نہیں ہے۔

تشریح حدیث پنجم پانچویں روایت حضرت عائشہ کی ہے، اس میں صلوۃ اللیل کا ذکر ہے کہ وہ گیارہ رکعت تھیں، روایت میں صراحت کے ساتھ وتر کا تذکرہ نہیں، لیکن ظاہر ہے اور بخاری کا مقصد یہی ہوگا کہ ان گیارہ رکعتوں میں آٹھ رکعت صلوۃ اللیل ہے اور تین رکعت وتر، حضرت عائشہ ہی سے بخاری میں ایک دوسری روایت ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت عائشہ سے رمضان میں صلوۃ اللیل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا **ما کـان یـزیـد فـی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ**، پھر اس کی تفصیل فرمائی **یصلی اربـعـا فـلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنھن وطولھن**، یہ آٹھ رکعت تہجد اور صلوۃ اللیل کی ہوئیں، پھر فرمایا **ثم یصلی ثلاثا**، یہ تین رکعت وتر کی ہوئیں۔

صلوۃ اللیل کی روایت پیش کر کے بخاری نے بتادیا کہ وتر کی تعداد تین ہی ہے، لیکن چونکہ امام بخاری کے یہاں ان تین رکعتوں میں فصل بالسلام ہے اس لئے انہوں نے یہاں حضرت عائشہ کی روایت ذکر نہیں کی جس میں **ثـم یـصـلـی ثـلاثـا** کی صراحت ہے، اس لئے کہ اس کا ظاہر تین رکعت بلا فصل ہے جو امام بخاری کا مسلک مختار نہیں، اور ان کی عادت ہے کہ جو چیز ان کا مختار نہیں ہوتی اور ان کی شرائط کے مطابق ہوتی ہے اسے وہ کسی دوسری جگہ ذکر کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ کی لا توتروا بثلاث کی روایت امام بخاری کی ذکر کردہ روایات کی تشریح مکمل ہوئی اور ان کا حاصل یہ ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ہیں اور ان میں وہ فصل بالتسلیم کے قائل ہیں مگر اس فصل کے لئے ان کے پاس کوئی صریح نص نہیں ہے، وہ صرف مبہم روایات سے کام لے رہے ہیں، اسی طرح کی ایک مبہم روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً وموقوفاً آرہی ہے **لا تـوتـروا بـثـلاث، تشبھوا بصلاۃ المغرب**، یعنی وتر کی ایسی تین رکعتوں سے منع کیا گیا ہے جو نماز مغرب سے مشابہ ہوجائیں کہا جاسکتا ہے کہ تین رکعتوں میں فصل بالتسلیم بھی مغرب سے مشابہت ختم کرنے کی ایک صورت ہے لیکن سوال یہ ہے کہ فصل بالتسلیم کی صراحت تو اس میں بھی نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے الفاظ ہیں **لاتوتروا بثلاث، اوتروا بخمس او سبع ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب (رواہ الدار قطنی باسنادہ وقال کلھم ثقات)** یہ روایت طحاوی میں بھی ہے، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اور اس کو متعدد ائمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

روایت کا مضمون یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتیں نہ پڑھی جائیں، پانچ یا سات پڑھی جائیں اور مغرب کی نماز

سے مشابہت اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ روایت، ان تمام روایات کے خلاف ہے جن میں وتر کی رکعتوں کی تعداد تین بتائی گئی ہے، اس لئے حافظ ابن حجر نے اس کی یہ توجیہ کی کہ مغرب کی نماز سے مشابہت ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتوں میں دو تشہد نہ ہوں، ان تینوں رکعتوں کو ایک تشہد سے پڑھا جائے جب کہ نمازِ مغرب میں دو تشہد ہیں، اور امام بخاری کے ذوق کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ مغرب کی نماز سے مشابہت ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ وتر کی دو رکعتوں پر فصل بالتسلیم ہو۔

لیکن ہم مغرب سے مشابہت ختم کرنے کے لئے حافظ ابن حجر یا امام بخاری کے ذوق کے مطابق کیوں غور کریں؟ روایت میں خود اس مشابہت کو ختم کرنے کا طریقہ اوتروا بخمس أو سبع بیان کیا گیا ہے، اس لئے سب سے اچھی بات وہ ہے جو امام طحاوی نے ارشاد فرمائی کہ لا تشبھوا بصلاۃ المغرب کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی صرف تین رکعتوں پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اس سے پہلے دو یا چار رکعت نفل پڑھی جائیں، وتر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کو اوتروا بخمس اور چار رکعت پڑھنے کو اوتروا بسبع فرمایا گیا ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی تدریس کے ابتدائی ایام میں حضرت الاستاذ علامہ کشمیری قدس سرہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی اسی روایت کے بارے میں خط لکھ کر سوال کیا تھا، حضرت الاستاذ نے جو جواب تحریر فرمایا تھا وہ میرے پاس محفوظ ہے، پھر حضرت نے وہ خط پڑھ کر سنایا، اس کا متن درج ہے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کا نادر مکتوب

عنایت نامہ بہ استفسار حدیث لا توتروا بثلاث، اوتروا بخمس الحدیث صادر ہوا، جناب نے یہ حدیث غالباً فتح الباری، تلخیص الحبیر، نیل الاوطار سے لی ہے، اور محمل حدیث کا وہی قرار دیا ہے جو حافظ فرماتے ہیں والجمع بین ھذا وبین ما تقدم من النھی عن التشبہ بصلوۃ المغرب ان یحمل النھی علی صلوۃ الثلاث بتشھدین. اھ، اس واسطے جواب کا ذمہ دار فقط حنفیہ کو قرار دیا ہے، حالانکہ یہ محمل جو حافظؒ نے ذکر کیا ہے صحیح نہیں اور یہ حدیث تشہد کے مسئلے میں سرے سے آئی ہی نہیں، اس حدیث میں فقط یہ حکم مذکور ہے کہ تین پر اقتصار نہ کیا جائے بلکہ کچھ اور رکعتیں بھی ساتھ ہوں وعلی ہذا یہ حدیث بالاجماع افضلیت پر محمول ہے، اعنی افضل یہ ہے کہ وتر کے ساتھ کچھ اور صلوۃ لیل سے ہو جس مجموع کو بعض احادیث میں وتر کہا گیا ہے۔

جس لفظ میں یوں واقع ہوا ہے لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او بسبع ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب، اس میں ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب، کوئی جداگانہ حکم علاوہ لا توتروا بثلاث کے نہیں ہے، اعنی لا تشبھوا بصلاۃ المغرب، سے تو تشہد کا مسئلہ مراد ہو اور لاتوتروا بثلاث سے عدد کا، ایسا نہیں بلکہ ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب، علت ہے لاتوتروا بثلاث کے لئے، اور حدیث میں فقط حکم عدد کا مذکور ہے نہ کہ تشہد کا اور تصریح

اس کی دوسرے لفظ میں واقع ہے لاتوتروا بثلاث، تشبهوا بصلاة المغرب ولكن اوتروا بخمس الحديث، تو اس لفظ میں تصریح واقع ہوئی کہ حدیث عدد کے بارے میں ہے نہ کہ تشہد کے بارے میں اور وہ نہی بالاجماع افضلیت پر محمول ہے اور مراد اجماع سے، اجماع ائمہ متبوعین کا ہے۔

حديث صلوة الليل مثنى مثنى فاذا خشى احدكم الصبح صلى ركعة واحدة توتر له ما قد صلّى کے ذیل میں حافظ فرماتے ہیں واستدل به على تعيين الشفع قبل الوتر وهو عن المالكية بناء على ان قوله "ما قد صلى" اى من النفل وحمله من لا يشترط سبق الشفع على ماهو اعم من النفل والفرض وقالوا ان سبق الشفع شرط فى الكمال لا فى الصحة، اور خود شوافع نے تصریح کی ہے کہ ثلاث افضل ہیں بہ نسبت واحد کے البتہ اختلاف ہے تو تشہد میں، سو وہ حدیث مزبور میں مذکور نہیں اور اگر اس حدیث سے مسئلہ تشہد کا مراد ہوتا تو کسی معارض کو جائز تھا کہ دوسری حدیث سے معارضہ بالمثل کر لیتا اور وہ یہ ہے مالك عن عبدالله بن دينار ان عبد الله بن عمر كان يقول صلوة المغرب وتر صلوة النهار، قال الزرقاني وهذا رواه ابن ابى شيبة مرفوعا عن ابن عمر ان النبى ﷺ قال صلوة المغرب وتر النهار فاوتروا صلوة الليل ولاحمد عن ابن عمر ان النبى ﷺ قال صلوة المغرب اوترت صلوة النهار فاوتروا صلوة الليل، قال الحافظ العراقى اسناده صحيح (انتهى) ورواه الدار قطنى عن ابن مسعود مرفوعا ايضا لكن سنده ضعيف وقال البيهقى الصحيح وقفه على ابن مسعود . اھ۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس روایت سے بھی مراد تشبیہ تشہد کی نہیں بلکہ غالباً مجرد ایتار وجہ شبہ ہے، واللہ اعلم

تو جب یہ محقق ہو گیا کہ حدیث مذکور السوال سے مراد مسئلہ تشہد کا نہیں بلکہ مجرد عدد ہے تو اب اس حدیث کے جواب کی ذمہ داری فقط حنفیہ پر نہیں بلکہ سارے ذمہ دار ہیں اور قطع نظر اس سے خود احادیث قولیہ اور فعلیہ کے بھی مخالف ہے، اس واسطے کہ کوئی حدیث مرفوع قولی یا فعلی یاد نہیں آتی کہ جس میں رکعت متفردہ بعد شفعتین مفصولاً بسلام منصوص ہو، اگر حدیثیں آتی ہیں تو مجمل۔

حدیث عائشہؓ میں علی اختلاف الفاظہ یہ بھی ہے يصلى اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلاثاً، حدیث ابن عباسؓ میں علی اختلاف الفاظہ یہ بھی ہے عن حبيب بن ابى ثابت عن محمد بن على بن عبدالله بن عباس عن ابيه عن عبدالله بن عباس انه رقد عند رسول الله ﷺ الحديث الى ان قال ثم فعل ذلك ثلاث مرات بست ركعات كل ذلك يستاك ويتوضا ويقرأ هولاء الآيات ثم اوتر بثلاث. رواه مسلم والنسائى فى صلوة النبى ﷺ بالليل، اور تکلم حبیب بن ابی ثابت میں مسموع نہیں۔ اور حدیث سعد بن هشام عن عائشه ويصلى

تسع رکعات لا یجلس فیھا الا فی الثامنة فیذکر اللّٰہ ویحمدہ ویدعوہ ثم ینھض ولا یسلم ثم یقوم فیصلی التاسعة ثم یقعد فیذکر اللّٰہ ویحمدہ ویدعوہ ثم یسلم تسلیما یسمعنا میں یہ بھی آیا ہے عن سعد بن ھشام ان عائشہ حدثته ان رسول اللّٰہ ﷺ کان لا یسلم فی رکعتی الوتر (رواہ النسائی وغیرہ) اور چونکہ مخرج حدیث کا ایک ہے تو لامحالہ یہ تفسیر قاضی ہوگی دوسرے لفظ کے اجمال پر اور کل روایات میں وتر ثلاث ہی رہے گا اور حدیث ام سلمہ قالت کان رسول اللّٰہ ﷺ یوتر بسبع او بخمس لا یفصل بینھن بسلام ولا بکلام "تسلیم میں مرجع ضمیر رکعاتِ وتر ہیں اور قرینہ دوسرا طریقہ اسی روایت کا ہے قالت کان رسول اللّٰہ ﷺ یوتر بخمس وبسبع لا یفصل بینھما بسلام ولا بکلام (رواہ النسائی) اگر بینھما سے مراد رکعتین وتر ہیں والا حدیث عائشہ قرینہ ہے جو ابھی گذری۔

اور حدیث ابی ایوب من احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة فلیفعل حجت نہیں ہوسکتی لما فی التلخیص وصحح ابو حاتم والذھلی والدار قطنی فی العلل والبیھقی وغیر واحد وقفه وھو الصواب. اھ، وجہ صواب ہونے کی ظاہر ہے اس واسطے کہ اس روایت کے سوا رکعت متفردہ مرفوعاً اور کہیں واقع نہیں۔ واللہ اعلم۔ اور مثل حدیث صلوٰة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی . اھ۔ تو بالکل ہی حجت نہیں، اس واسطے کہ راوی نے اس روایت اور مثل اس کی میں تحلیل کردیا ہے، دوگانہ کو مثنی مثنی میں شمار کردیا ہے اور رکعت واحدہ کو الگ، تو یہ تعبیر کا ملحظ ہے کہ ثلاثِ موصولہ کو رکعتین و رکعتِ کی طرف تحلیل کردیا ایسا تو فصحاء وبلغاء کثرت سے کرتے ہیں، ناواقفی سے اوہام کا تبادر خلاف مراد کی طرف ہوجاتا ہے اور یہ تحلیل ایسی ہے جیسے کہ شاعر کہتا ہے۔

وکان مجنی دون من کنت اتقی ثلاث شخوص کاعبان ومعصر

ویؤیدہ ما وقع خبر احمد وابی داؤد من روایة عبداللّٰہ بن ابی قیس عن عائشة بلفظ. کان یوتر باربع و ثلاث وثمان وثلاث وعشر وثلاث ولم یکن یوتر باکثر من ثلاث عشرة ولا انقص من سبع، قال الحافظ فی الفتح وھذا أصح ما وقفت علیه من ذلك وبه یجمع بین ما اختلف عن عائشة من ذلك. واللہ اعلم

اور روایت ابوداؤد کی عن عروة عن عائشة ان النبی ﷺ کان یصلی ما بین ان یفرغ من العشاء الی الفجر احدی عشرة رکعة یسلم بین کل رکعتین جس کو حافظ صاحبؒ نے فصل کی تصریح سمجھا ہے، شفعہ اخیرہ کے غیر پر محمول ہے کما مر فی روایة أبی داؤد عنھا ولما فی روایة ابن شھاب عن عروة عنھا ان رسول اللّٰہ ﷺ کان یصلی من اللیل من احدی عشرة رکعة یوتر منھا بواحدة، تو یوتر منھا بواحدة شفعہ اخیرہ کی انتہاء ہے اور یہ گذر چکا ہے کہ ان روایات میں ثلاثِ موصول کو دو حصوں میں اعنی رکعتین

ورکعۃ میں تحلیل کردیا ہے اور یہ مجرد تعبیر کا ملحظ ہے اور ظاہر ہے کہ حس کے اعتبار سے تو وتریت رکعت اخیرہ ہی سے ہے اگرچہ نزدیک حنفیہ مجموع ثلاث صلوۃ مستقلہ ہو، لیکن راوی اگر حس اور اپنے احساس پر تعبیر کو بنا کرے تو کیا حرج ہے، اور روایت هشام عن ابیه عنها انه کان یوتر من ذلک بخمس لا یجلس فی شیئ من الخمس الا فی آخرهن رواه حماد بن سلمة وابو عوانة ووهب وغیرهم . سو اس میں زرقانی نقلاً عن ابن عبداللہ کہتے ہیں واکثر الحفاظ رووه عن هشام کما رواه مالک والروایة المخالفة له انما حدث ههنا عن هشام اهل العراق وما حدث به هشام قبل خروجه الی العراق اصح عندهم . (انتہی)

یہ تو محدثانہ تنقید ہے ورنہ اس کا محمل بلا تکلف یہ ہے کہ اس جلوس سے مراد جلوسِ فراغ ہو یعنی تہجد کو تو آنحضرت ﷺ کچھ مکث فرماتے تھے اور جب وتر پڑھتے تو تین رکعتیں وتر کی اور دو تطوع ان کے بعد لگا تار پڑھتے جاتے تھے، درمیان میں مثل سابق کے مکث نہیں فرماتے تھے، یہ مراد نہیں کہ درمیان میں سلام بھی نہیں فرماتے تھے لما مر فی الروایات عنها اور جلوس سے جو اس وقت جلوسِ صلوۃ متبادر ہے یہ تبادر تقریر عرف کے بعد ہے ورنہ نفسِ حدیث میں تو جلوس سے جلوس مذکور الصدر بھی مراد نہیں لینا مفید فائدہ ہے، حدیث میں تو علاوہ فقہ کے سیر بھی ہوتے ہیں، اور حدیث طحاوی من طرق سالم بن عبد الله بن عمر عن ابیه انه کان یفصل بین شفعه ووتره بتسلیمة واخبر ان النبی ﷺ کان یفعل ذلک، قال الحافظ واسناده قوی مسئلہ متنازع فیہا میں مضر نہیں، معلوم نہیں کہ استشہاد کس جز میں ہے، وعلیٰ ہذا باقی صرائح کو ترک کرنا خلافِ تحقیق ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

[۲] بَابُ سَاعَاتِ الْوِتْرِ،

قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ

(۹۹۵) حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ سِيْرِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ اَرَاَيْتَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ اُطِيْلُ فِيْهِمَا الْقِرَاءَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يُصَلِّیْ مِنَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَيُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ وَيُصَلِّیْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَكَاَنَّ الْاَذَانَ بِاُذُنَيْهِ قَالَ حَمَّادٌ اَیْ بِسُرْعَةٍ . (گذشتہ: ۴۷۲)

(۹۹۶) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِیْ مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُلُّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَانْتَهٰى وِتْرُهٗ اِلَى السَّحَرِ.

ترجمہ باب، نمازِ وتر کے اوقات کا بیان، حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا تاکیدی حکم دیا۔ انس بن سیرین نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر سے کہا، آپ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کیا میں اس میں قراءت طویل کروں؟ فرمایا کہ حضور ﷺ رات کو دو، دو رکعت پڑھتے تھے اور ایک رکعت وتر کی پڑھتے تھے اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت سنت پڑھتے تھے اور گویا کہ کلماتِ اقامت آپ کے کانوں میں ہیں، حماد کہتے ہیں یعنی جلدی کرتے تھے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رات کے ہر حصہ میں حضور ﷺ نے وتر پڑھے اور آخر عمر میں آپ کے وتر صبح صادق سے پہلے ہوا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث نمازِ وتر کا وقت بیان کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو ہریرہؓ کی تعلیق پیش کی کہ مجھے رسولِ اللہ ﷺ نے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی تاکید فرمائی، پھر حضرت ابن عمر کی روایت پیش کی، یصلی من اللیل الخ کہ حضور ﷺ رات کے وقت دو، دو رکعتیں تہجد کی پڑھتے تھے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے، گو کہ یہ سب نمازیں رات کے آخری حصہ میں ہوتی تھیں لیکن امام بخاریؒ من اللیل کے ابہام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ اس سے رات کا ہر حصہ مراد ہو سکتا ہے، پھر حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کی کہ حضور ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں نماز پڑھی ہے البتہ آخری عمر میں معمول آخر شب کا رہا ہے۔

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ وتر کا وہی وقت ہے جو عشاء کا ہے، مگر عشاء اور وتر میں ترتیب ضروری ہے، عشاء کی نماز کے بعد اختیار ہے کہ صبح صادق سے پہلے رات کے کسی بھی حصہ میں وتر پڑھ سکتا ہے، آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو جو حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ جسے آخر شب میں اٹھنے میں تردد ہو اس کو اولِ شب میں وتر پڑھ لینا چاہئے اور جسے آخر شب میں بیدار ہو جانے کا یقین ہو اس کے لئے آخر شب میں پڑھنا بہتر ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا آخری معمول یہی رہا ہے، مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے **من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اوله ومن طمع ان یقوم آخره فلیوتر آخر اللیل۔**

پہلی روایت میں انس بن سیرین نے حضرت ابن عمر سے فجر کی سنتوں میں قراءت کے بارے میں سوال کیا کہ وہ طویل ہو گی یا نہیں؟ تو انہوں نے پہلے وہی روایت بیان کی کہ حضور ﷺ رات کے وقت دو، دو رکعت پڑھتے تھے اور پھر ایک رکعت وتر پڑھتے تھے، اس پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے کہ دیگر روایات کی روشنی میں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ رکعت الگ اور مستقل نہیں تھی، مستقل طور پر صرف ایک رکعت پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخری شفعہ کے ساتھ یہ رکعت ملی ہوئی تھی اور وتر تین رکعت کا تھا، پھر حضرت ابن عمر نے ابن سیرین کے اصل سوال کا جواب دیا کہ فجر کی سنتوں میں قراءت طویل نہیں تھی بلکہ وہ اس انداز کی تھی **کان الأذان باذنیه** جیسے کوئی شخص نماز کی نیت باندھے ہو اور اقامت ہو جائے تو وہ فطری طور پر جلدی کرتا ہے، چنانچہ حماد نے یہی معنی بیان کر دیئے **ای بسرعة**، مطلب یہ ہوا کہ ان رکعتوں میں قراءت مختصر تھی۔ واللہ اعلم

[۳] بَابُ اِیْقَاظِ النَّبِیِّ ﷺ أَھْلَه بِالْوِتْرِ

(۹۹۷) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْییٰ قَالَ حَدَّثَنَا ھِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ وَاَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰی فِرَاشِهٖ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یُوْتِرَ اَیْقَظَنِیْ فَاَوْتَرْتُ . (گذشتہ:۳۸۲)

ترجمہ باب، نبی کریم ﷺ کا اپنے اہل خانہ کو وتر کے لئے جگانے کا بیان، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے بستر کے عرض میں سوتی رہتی تھی، پھر جب وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے جگا دیتے تھے، پھر میں اٹھ کر وتر پڑھتی تھی۔

مقصد ترجمہ حضور ﷺ حضرت عائشہ کو تہجد کے لئے بیدار نہ کرتے، بلکہ صرف وتر کے لئے اٹھا دیتے تھے، معلوم ہوا کہ تہجد الگ چیز ہے اور وتر الگ نماز ہے؛ نماز تہجد کے لئے اس درجہ اہتمام نہیں ہے جس درجہ کا وتر کے لئے ہے، وتر کے لئے سوتے ہوئے انسان کو جگانا ہوگا جبکہ تہجد کے لئے ایسا نہیں ہے۔

پھر یہ کہ طحاوی میں اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کو بیدار فرماتے اور کہتے ھذہ صلوۃ زدتموھا وتر وہ نماز ہے جس کا تمہارے لئے اضافہ کیا گیا ہے، طحاوی کا یہ اضافہ جس سند سے ہے اس کے رجال ثقہ ہیں اور وہ کم از کم درجہ حسن کی سند ہے۔

حافظ ابن حجر سمجھ رہے ہیں کہ امام بخاری وجوب کی طرف جا رہے ہیں اس لئے ان کی کوشش یہ ہے کہ امام بخاریؒ کو اس راہ سے ہٹائیں، فرماتے ہیں کہ اس روایت سے وتر کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس کے لئے وجوب کا طریقہ اختیار فرمایا یعنی حضرت عائشہؓ کو سونے نہ دیا بلکہ جگا دیا، لیکن کہا جا سکتا ہے کہ اس سے وجوب لازم نہیں آتا ہاں موکد ہونا اور رات کی نوافل سے زیادہ اہم ہونا سمجھا جا سکتا ہے۔

لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ تہجد کے لئے بیدار نہ کرنا، اور صرف وتر کے لئے جگا دینا اور اس کے ساتھ ھذہ صلوۃ زدتموھا فرمانا، وجوب سے کم پر دلالت نہیں کرتا۔　　واللہ اعلم

[٤] بَابٌ لِیَجْعَلْ آخِرَ صَلَاتِهٖ وِتْرًا

(۹۹۸) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِکُمْ بِاللَّیْلِ وِتْرًا .

ترجمہ باب، نمازی کو اپنی نماز کے آخر میں وتر کو رکھنا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم رات میں اپنی نماز کے آخر میں وتر کو رکھو۔

مقصد ترجمہ یہ دوسرا ترجمہ بھی اسی انداز کا ہے جس سے وجوب کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ رات کی نماز میں وتر کو سب سے آخر میں پڑھنا چاہیئے، اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ صلوٰۃ اللیل الگ ہے اور وتر الگ، اور جب یہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں تو احکام میں بھی فرق ہوگا، اور وہ فرق بیان کیا جاچکا ہے کہ صلوٰۃ اللیل نفل ہے اور اس کے لئے جگانے کی ضرورت نہیں اور وتر واجب ہے اس کے لئے جگانا ضروری ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وتر کی ایک رکعت سے پہلے کسی نماز کا ہونا ضروری ہے تاکہ یہ آخری رکعت جو مُوتر ہے اسے وتر بنادے، اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صلوٰۃ اللیل اور وتر کے درمیان ترتیب ہے، اور ترتیب بھی وجوب کی علامت ہے کہ یہ نوافل میں نہیں ہوتی۔

اس باب پر بھی حافظ ابن حجرؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اس سے وجوب پر استدلال ہوسکتا ہے، لیکن ان کی نظر میں یہ استدلال کمزور ہے اس لئے کہ جب صلوٰۃ اللیل واجب نہیں تو اس کے آخر میں پڑھے جانے والے وتر کا بھی یہی حکم ہونا چاہیئے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ ارشاد، ان کے اس نظریہ پر مبنی ہے کہ صلوٰۃ اللیل اور وتر ایک ہی نماز کے دو نام ہیں، جب کہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ یہ دونوں نمازیں الگ ہیں، اور ان کا حکم بھی الگ ہے کہ ایک کی تاکید بہت زیادہ ہے اور دوسری کا یہ حکم نہیں ہے۔

امام بخاریؒ کا رجحان ان دو ابواب میں امام بخاریؒ نے وتر کی اتنی اہمیت بیان فرمادی کہ اس سے وجوب سمجھا جاسکتا ہے، حافظ ابن حجر کو بھی یہ اعتراف ہے کہ بخاری کے یہ دونوں تراجم اور ان کے ذیل میں ذکر کردہ روایات وجوب پر دلالت کرتی ہیں، لیکن چونکہ وہ امام بخاریؒ کے اس رجحان سے اتفاق نہیں کرتے اس لئے وہ رخ پھیرنے کے لئے کوشاں ہیں حالانکہ اس کی کوئی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ وتر کے بارے میں وجوب اور سنتِ موکدہ کا یہ اختلاف، محض اصطلاحی اختلاف معلوم ہوتا ہے، حقیقت سب کے نزدیک یہ ہے کہ نہ پڑھنے کی کسی امام کے یہاں گنجائش نہیں، چھوڑ دینا گناہ ہے، اور رہ جائے تو سب کے نزدیک قضا کا حکم ہے۔ وغیرہ

حنفیہ نے اس کے لئے وجوب کی اصطلاح استعمال کی، جو فرض اور سنت کے درمیان ایک درجہ ہے، اصول فقہ کی اصطلاح میں جو چیزیں ایسی دلیل سے ثابت ہوں جس میں کوئی شبہ ہو اس کو واجب کہتے ہیں، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا تو لازم ہوتا ہے مگر اس کے عقیدے سے بحث نہیں کی جاتی، اس لئے اس کے منکر کی طرف کفر کا انتساب درست نہیں، جب کہ فرض کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا بھی لازم ہے اور اس پر عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے اور اس کے منکر کو کافر کہتے ہیں، نور الانوار میں ہے الواجب ما ثبت بدليل فيه شبهة وحكمه اللزوم عملا لا علما فهو مثل الفرض في العمل دون العلم حتى لا يكفر جاحده ويفسق تاركه۔ (نور الانوار ص: ۱۷۰)

وجوب کی حقیقت عہد رسالت میں بعض اہل علم حنفیہ کی وجوب کی اصطلاح اور فرض وواجب کے درمیان فرق کے بارے میں بے اطمینانی ظاہر کرتے ہیں کہ ان چیزوں کا عہد رسالت اور عہد صحابہ میں پتہ نہیں چلتا، اس لئے وہ واجب کو فرض کے معنیٰ میں سمجھتے ہیں اور فرق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر چہ واجب کی اصطلاح اس زمانہ میں مستعمل نہیں تھی مگر اس کی حقیقت تو اسی زمانہ سے پائی جاتی ہے، کیونکہ واجب اس چیز کا نام ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو اور اسی شبہ کی وجہ سے وہ چیز قطعیت کے درجہ سے کم ہو کر ظنیت کے درجہ میں آتی ہے، شبہ دو طرح کا ہو سکتا ہے ایک ثبوت میں شبہ، دوسرے الفاظ کے معنی مرادی پر دلالت میں شبہ، صحابہ کرام، خصوصاً اُن صحابہؓ کرام کے بارے میں جنہوں نے براہ راست حضور ﷺ سے وہ بات سنی، تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے حق میں ثبوت میں شبہ کی بات قابل قبول نہیں، لیکن جن صحابہ نے وہ بات براہ راست نہیں سنی اور ان تک وہ بات خبر واحد کے درجہ میں پہنچی، یا پھر الفاظ کے معنی مرادی پر دلالت میں شبہ رہا اور حضور ﷺ سے اس کی تحقیق کی نوبت نہیں آئی، تو وہاں ثبوت اور معنی مرادی پر دلالت میں شبہ کی بات صادق آئے گی۔

بعض روایات کا تذکرہ وتر کا معاملہ ایسا ہی ہے کہ اس کی تاکید میں متعدد صحابہؓ کرام سے دسیوں روایات آ رہی ہیں، لیکن انکو ثبوت یا معنی مرادی پر دلالت میں شبہ سے خالی نہیں کہا جا سکتا، زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں اور علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں ان روایات کو ذکر کر دیا ہے، ان میں مرفوع روایات کی تعداد انیس ہے، جن میں حضرت خارجہ بن حذافہ، عمرو بن العاص، عقبہ بن عامر، ابن عباس، ابو بصرہ، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، بریدہ، ابو ہریرہ، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایات ہیں۔

مثلاً حضرت بریدہؓ کی روایات کے الفاظ ہیں: **الوتر حقٌّ فمن لم یوتر فلیس منّا، الوتر حقٌّ فمن لم یوتر فلیس منّا، الوتر حقٌّ فمن لم یوتر فلیس منّا**، یہ روایت ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں ہے، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ **فمن لم یوتر فلیس منّا** وعید شدید ہے اور اس طرح کے وعیدی کلمات ، فرض یا واجب کے تارک کے بارے میں ہی کہے جا سکتے ہیں، خصوصاً تین مرتبہ کی تاکید کی وجہ سے یہی معنیٰ متعین ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اس طرح کے الفاظ اتنی تاکید کے ساتھ سنتوں کے بارے میں منقول نہیں۔

یا مثلاً حضرت خارجہؓ بن حذافہ کی روایت کے الفاظ ہیں: **انّ الله امدکم بصلاة هی خیر لکم من حمر النعم و هی الوتر فجعلها لکم فیما بین صلوٰة العشاء الیٰ صلاة الفجر** اللہ نے تمہارے لئے ایک ایسی نماز کا اضافہ کر دیا ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، پھر یہ کہ اللہ نے اس کا وقت عشاء اور فجر کے درمیان مقرر فرمایا ہے۔ (**اخرجه الحاکم فی المستدرك وقال صحیح الاسناد وصححه الذهبی**) اس روایت

کے بعض طرق میں امدکم کے بجائے زادکم صلاۃ کے الفاظ ہیں اور سیاق وسباق کے قدرے تغیر کے ساتھ لفظِ زیادت نقل کرنے والے صحابۂ کرام کی تعداد آٹھ یا نو ہے۔ ان الفاظ کا تقاضہ بھی وجوب ہے اس لئے کہ مزید کو مزید علیہ کی جنس سے ہونا چاہیئے،

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اضافہ کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہوتی اور اس پر آپ نے مواظبت نہ فرمائی ہوتی تو وجوب مراد نہ ہوتا، لیکن حضور ﷺ اضافہ کی نسبت خدا کی طرف کررہے ہیں اس لئے وجوب کے علاوہ کوئی اور معنٰی نہیں سمجھے جاسکتے۔

انہیں دو روایات پر انحصار نہیں وجوب پر دلالت کرنے والی روایات اور بھی ہیں، لیکن جو لوگ وجوب کے منکر اور وتر کی سنیت کے قائل ہیں وہ ان روایات کے بارے میں دو کام کرتے ہیں، اول تو یہ کہ یہ سب اخبار احاد ہیں، پھر اگر کوئی راوی بھی متکلم فیہ نظر آگیا تو گویا ثبوت میں شبہ ہوگیا، اور دوسرا کام یہ کہ معنٰی مرادی پر دلالت میں کوئی احتمال پیدا کردیا، مثلاً یہ الوتر حق میں حق کا واجب کے معنٰی میں ہونا ضروری نہیں، یا مثلاً فمن لم یوتر فلیس منا وعید تو ہے مگر یہ اسی طرح کی وعید ہے جیسے نکاح کے بارے میں من رغب عن سنتی فلیس منی آیا ہے، اس لئے ان حضرات کے نزدیک اِن روایات سے فرضیت یا انہی حضرات کے نزدیک اس کے ہم معنٰی وجوب کا ثبوت نہیں ہوا، گویا حنفیہ کی تردید ہوگئی۔

مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ واجب کی تعریف ہی ما ثبت بدلیل فیہ شبھۃ ہے، اگر ثبوت اور معنٰی مرادی پر دلالت میں اس طرح کے شبہات نہ ہوتے تو اس سے فرضیت ثابت ہوتی، انہی شبہات کی وجہ سے وجوب کی بات کہی گئی ہے۔

پھر یہ کہ وتر کے بارے میں وجوب کے فیصلہ کے لئے اس کے علاوہ اور بھی بنیادیں ہیں، مثلاً

۱۔ وتر کی نماز کو حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر یا حضر میں کبھی ترک نہیں فرمایا، اور مواظبت بلا ترک احیاناً وجوب کی دلیل ہے

۲۔ وتر کی نماز رہ جائے تو اس کو قضاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ سنن کی قضاء کا حکم نہیں ہے

۳۔ وتر کو ترک کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ عدم ترک پر اجماع ہے، وجوب کا حکم ہی یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہو اور ترک جائز نہ ہو

۴۔ وتر کو اگرچہ عشاء کے تابع کیا گیا ہے، لیکن اس کے لئے وقت کی تعیین کی گئی ہے کہ عشاء کے بعد سے طلوعِ فجر کے درمیان اس کو پڑھا جائے، وقت کی یہ تعیین واجبات ہی کے لئے ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حنفیہ نے وجوب کے جو اصطلاحی معنٰی بیان کئے وہ عہدِ صحابہ سے پائے جاتے ہیں اور وہ معنٰی نمازِ وتر پر صادق ہیں، دیگر ائمہ اگرچہ یہ اصطلاح استعمال نہیں کرتے، لیکن ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کا حکم یہی ہے

کہ اس کا ادا کرنا ضروری ہے اور ترک کرنا گناہ ہے، اور اگر سہواً رہ جائے تو اس کی قضاء ہے، اس لئے حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا: لم یجعله أحد جائز الترك فسمّه ما شئت!

ان تمام تفصیلات کے بعد غور کرنا چاہئے کہ اگر امام بخاریؒ وتر کے بارے میں وجوب کی طرف میلان ظاہر کریں، تو حافظ ابن حجر کو رُخ پھیرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، بلکہ بخاری کے ذوق کے مطابق یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ وجوب کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔　　　　واللہ اعلم

[۵] بابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ

(۹۹۹) حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيْلُ، قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَسِيْرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ، فَقَالَ سَعِيْدٌ: فَلَمَّا خَشِيْتُ الصُّبْحَ، نَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ، ثُمَّ لَحِقْتُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَيْنَ كُنْتَ؟ فَقُلْتُ: خَشِيْتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلٰى وَاللّٰهِ! قَالَ: فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ عَلَى الْبَعِيْرِ.　　(آئندہ: ۱۰۰۰، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۸، ۱۱۰۵)

ترجمہ باب، سواری پر وتر پڑھنے کا بیان۔ حضرت سعید بن یسارؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مکہ کے راستے میں سفر کر رہا تھا، سعید کہتے ہیں کہ جب مجھے طلوع فجر کا اندیشہ ہوا تو میں سواری سے اتر گیا اور میں نے وتر ادا کیے، پھر میں حضرت عبداللہ بن عمر سے جا ملا، تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: تم کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا کہ طلوع فجر کا اندیشہ ہوا تو میں سواری سے اتر گیا اور میں نے وتر ادا کیے، تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ کیا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں قابل تقلید بہترین نمونہ نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ بخدا ہے! تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر وتر ادا فرماتے تھے۔

مقصد ترجمہ پچھلے ابواب میں بیان کر چکے ہیں کہ وتر واجب ہے، اب اس باب میں وتر اور مکتوبہ یعنی واجب اور فرض کے درمیان حدود کی تعیین کرنا چاہتے ہیں کہ مکتوبہ کا عذر کے بغیر دابہ پر ادا کرنا جائز نہیں، جبکہ وتر کا حکم یہ نہیں ہے، وہ عذر اور مجبوری کے بغیر بھی دابہ پر ادا کیا جا سکتا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر نے اپنے نقطۂ نظر کی رعایت کرتے ہوئے فرمایا کہ پچھلے دو ابواب سے وجوب سمجھا جا سکتا تھا، اس لیے امام بخاریؒ نے اس کے بعد ابن عمرؓ کی وہ روایت پیش کر دی جس سے وجوب کی نفی ہوتی ہے اور اس کو دو ترجموں میں ذکر کیا، پہلا ترجمہ: الوتر على الدابة وتر کے نفل ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ فرائض کا دابہ پر ادا

کرنا درست نہیں۔ اور دوسرا ترجمہ: الوتر في السفر بتلاتا ہے کہ یہ نفل دیگر نوافل سے زیادہ مؤکد ہے۔

حافظؒ کی بات بظاہر قابل قبول معلوم ہوتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آپ جب امام بخاریؒ کو اپنے فن میں مجتہد مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ کلی طور پر کسی فقہی مسلک کے پابند نہیں ہیں، تو کیا ضروری ہے کہ وہ وجوب کا قول اختیار کریں تو وجوب کا قول اختیار کرنے والوں کے ساتھ تمام جزئیات اور فروع میں بھی اتفاق کریں اور وتر کو دابہ پر ادا کرنے کو درست قرار نہ دیں، جیسے مثلاً شوافع صلاۃ اللیل کو حضور علیہ السلام پر واجب قرار دیتے ہیں، لیکن اس کو دابہ پر ادا کرنے کے جواز کے قائل ہیں اور اس کو حضور علیہ السلام کی خصوصیت قرار دیتے ہیں، شرح مہذب میں ہے: من خصائصه ﷺ جواز هذا الواجب الخاص عليه على الراحلة (ج:۴،ص:۲۰)

اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کی بات کسی اصل یا ایسے ضابطے پر متفرع نہیں ہے جس کا امام بخاریؒ کو پابند قرار دیا جائے، بلکہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب امام بخاریؒ پہلے ابواب میں وجوب کا اشارہ کر چکے ہیں تو اب اس باب میں اس سے رجوع نہیں کر رہے ہیں، بلکہ واجب اور فریضہ کے درمیان فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تشریح حدیث امام بخاریؒ نے اس فرق کو بیان کرنے کے لیے حضرت ابن عمرؓ کی روایت پیش کر دی، سعید بن یسار کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے سفر میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھا، آخرِ شب میں وتر پڑھنے کے لیے میں دابہ سے اتر گیا، اُس وقت تو حضرت ابن عمرؓ نے خیال نہیں کیا، لیکن نماز سے فارغ ہو کر جب میں نے تیز رفتاری کے ساتھ ان کو جا پکڑا، تو فرمایا: کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ وتر نہیں پڑھے تھے اور طلوع فجر کا اندیشہ پیدا ہو گیا، اس لیے سواری سے اتر کر وتر پڑھنے لگا تھا، ابن عمرؓ نے فرمایا: اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا پیغمبر علیہ السلام کا اسوہ سامنے نہیں ہے؟ پیغمبر علیہ السلام اونٹ کی پشت پر ہی وتر پڑھ لیتے تھے۔ امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا کہ وتر اگرچہ واجب ہے لیکن اس کو سواری پر پڑھنا جائز ہے۔

لیکن اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا سواری پر وتر پڑھنے کی یہ اجازت بالکل عام ہے یا یہ خصوصی احوال کا حکم ہے؟ تو اس سلسلے میں بخاری کے ترجمۃ الباب میں تو کوئی اشارہ نہیں ہے، البتہ روایت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے، اور اگر اس سفر میں صرف سعید بن یسارؒ اور ابن عمرؓ ہیں، تو سعید خادم ہونے کی حیثیت سے ابن عمرؓ کے ساتھ ہیں اور اگر یہ کوئی قافلہ ہے تو یہ دونوں حضرات شریک قافلہ ہیں، صورت کوئی بھی ہو، ہوا یہ کہ سعید بن یسارؒ نے عشاء کی نماز تو اول شب میں پڑھ لی ہوگی، اب آخرِ شب میں حضرت ابن عمرؓ سے اجازت لئے بغیر وتر کے لئے اتر گئے، معلوم ہوا کہ اس وقت کا عام رجحان وتر کو سواری سے اتر کر پڑھنے کا تھا اور سواری پر وتر کے جواز سے وہ ناواقف تھے۔

حضرت ابن عمرؓ نے تنبیہ کی اور ان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم دوسرں کے ساتھ ہو، آخرِ شب کا وقت ہے، اگر قافلہ والے رک جاتے یا مجھے معلوم ہوتا اور میں رُک جاتا تو تمہارا یہ عمل بھی درست قرار دیا جا سکتا تھا، لیکن دوسرے لوگ

چلے جارہے ہیں اور تم اُتر گئے، اگر راستہ پُر خطر ہو تو ایسی صورت میں تو فریضہ بھی دابہ پر ادا کیا جاسکتا ہے، پھر وتر کے بارے میں کیا تردد ہوسکتا ہے، اسی کو فرمایا الیس لک فی رسول اللہ اسوۃ ۔ بہر حال اس روایت کو سمجھنے میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ وتر کو سواری پر پڑھنے کی بات کو عام نہ سمجھا جائے بلکہ خصوصی احوال پر محمول کیا جائے۔

ابن ہمامؒ کا ارشاد اس طرح کی بات شیخ ابن ہمامؒ نے بھی کہی ہے، فرماتے ہیں انہ واقعۃ حال لاعموم لھا فیجوز کون ذالک لعذر والاتفاق علی ان الفرض یصلی علی الدابۃ لعذر الطین والمطر و نحوہ، کہ یہ ایک جزوی واقعہ ہے، اس کو عام نہیں کہا جاسکتا، عین ممکن ہے سواری پر وتر پڑھنے کی وجہ کوئی عذر ہو، کیونکہ عذر کی صورت میں سب کا اتفاق ہے کہ فریضہ بھی سواری پر ادا کیا جاسکتا ہے جیسے بارش ہو یا راستہ گلناک ہو یا اس طرح کا کوئی اور عذر ہو۔ (فتح القدیر ج:۱ص:۳۷۱)

حضرت ابن عمرؓ کا دوسرا عمل حضرت ابن عمرؓ کے اسی واقعہ یعنی سواری پر وتر پڑھنے کی روایت کے عام نہ ہونے اور جزوی واقعہ یا خصوصی احوال پر منطبق کرنے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے سواری سے اتر کر وتر پڑھنے کی روایات بھی موجود ہیں، طحاویؒ نے بہ سند صحیح نقل کیا ہے، انہ کان یصلی علی راحلتہ ویو تر بالارض و یزعم ان رسول اللہ ﷺ یفعل ذالک ، اسی طرح موطاء امام محمد میں ابن عمرؓ کے بارے میں بہ سند صحیح روایت ہے یحي اللیل علی ظھر البعیر اینما کان وجھہ، ینزل قبیل الفجر فیوتر بالارض، ایک دوسری روایت میں مجاہدؒ نقل کرتے ہیں کہ میں مکہ سے مدینہ تک حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ رہا وہ مکتوبہ اور وتر کے علاوہ تمام نمازیں سواری پر پڑھتے رہے اور ان دونوں کو اتر کر پڑھتے تھے میں نے وجہ معلوم کی تو فرمایا کان رسول اللہ ﷺ یفعلہ. حضور ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ کا عمل دونوں طرح کا تھا، اور وہ ان دونوں کو حضور ﷺ کی طرف منسوب فرماتے تھے، تطبیق کی آسان صورت یہ ہے کہ ان دونوں کو دو حالتوں پر محمول کیا جائے، حافظ ابن حجرؒ نے بـــاب الصلوٰۃ علی الدابۃ کے تحت اس روایت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: ویحتمل ان یتنزل فعل ابن عمرؓ علی حالین فحیث اوتر علی الراحلہ کان مجدافی السیر وحیث نزل واوتر علی الارض کان بخلاف ذالک، یعنی سفر میں تیز رفتاری کی ضرورت ہوئی تو سواری پر وتر پڑھ لئے، اور جہاں یہ ضرورت نہ ہوئی تو اتر گئے۔

جس طرح حافظ ابن حجرؒ نے تطبیق کے لئے اپنے ذوق اور مسلک کی رعایت سے الگ الگ دو حالتیں تجویز کیں اسی طرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ سواری پر وتر پڑھنے کا عمل کسی عذر شرعی کی بنیاد پر اختیار کیا اور جہاں عذر شرعی نہ ہوا تو اتر کر وتر ادا کئے۔

امام طحاویؒ کا ارشاد جب کہ امام طحاویؒ دونوں طرح کے عمل کی توجیہ کے لئے فرماتے ہیں کہ سواری پر وتر ادا کرنے کا حضور ﷺ کا عمل ہوسکتا ہے کہ وتر کے بارے میں تاکیدی احکام نازل ہونے سے پہلے کی بات ہو، گویا ان کی تحقیق میں وتر کے دو، دور ہیں، پہلے دور میں اس کی حیثیت صلوٰۃ اللیل اور نافلہ کی تھی، اور نقضِ وتر کی بات اسی دور کی معلوم ہوتی ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر اولِ شب میں وتر پڑھ لیا جائے پھر آخرِ شب میں تہجد کے لئے اٹھنے کی نوبت آئے تو پہلے وترِ سابق کو ایک رکعت پڑھ کر ختم کر دیا جائے، اور تہجد سے فارغ ہو کر پھر وتر پڑھے جائیں۔

پھر دوسرا دور آیا تو وتر کے بارے میں تاکیدی احکام نازل کئے گئے اور لا وتران في ليلة فرمادیا گیا کہ ایک رات میں دومرتبہ وتر نہیں ہوں گے، اسی دور کا اہم قرینہ إن اللّٰه أمدّ كم بصلاة هي خيرٌ لكم من حمر النعم ہے، کہ گو پہلے بھی یہ نماز پڑھی جاتی تھی مگر اب اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور یہ وہ نماز ہے جس کا اللہ نے تمہارے لئے اضافہ کر دیا ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، آگاہ رہو کہ وہ وتر ہے، اسی دور میں الوتر حقّ فمن لم يوتر فليس منّا، فرمایا گیا، وتر کا وقت مقرر کر دیا گیا، اس کی قضاء کا حکم دیا گیا وغیرہ۔

امام طحاویؒ کی بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ سواری پر وتر ادا کرنا دورِ اول کی بات ہے، اور سواری سے اتر کر ادا کرنا دورِ ثانی کا عمل ہے، رہا یہ کہ حضرت ابن عمرؓ کا عمل تو حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی سواری پر وتر پڑھنے کا تھا، تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ جس طرح انہوں نے نقضِ وتر کے سلسلے میں دورِ اول کی بات کو یاد رکھا اور اسی پر عمل فرماتے رہے اسی طرح وتر على الراحلة کے سلسلے میں بھی وہ دورِ اول کی بات پر عمل کرتے تھے، یا یہ کہنا چاہئے کہ انہوں نے دورِ اول اور دورِ ثانی کے درمیان فرق کو قبول نہیں کیا اور دونوں باتوں پر عمل کرتے رہے، کبھی راحلہ پر وتر ادا کئے اور کبھی اتر کر پڑھ لئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ابن عمرؓ کی روایت سے سواری پر وتر پڑھنے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے، یہ الگ بات ہے کہ گہرائی کے ساتھ غور کیا جائے تو ابن ہمامؒ اور طحاویؒ وغیرہ کے نزدیک اس روایت سے ہر حال میں سواری پر وتر پڑھنے کی اجازت پر استدلال محلِ نظر ہے لیکن امام بخاریؒ کا مقصد ظاہر روایت سے ثابت ہو گیا کہ وتر کو سواری پر پڑھا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

[٦] بَابُ الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ

(۱۰۰۰) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ، يُوْمِي إِيْمَاءً،

صَلاَةَ اللَّيْلِ إِلاَّ الْفَرَائِضَ، وَ يُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهِ . (گذشتہ:۹۹۹)

ترجمہ سفر میں وتر پڑھنے کا بیان۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں اپنی سواری پر ــ وہ کسی بھی سمت میں آپ کو لے جارہی ہو ــ نماز پڑھا کرتے تھے علاوہ فرائض کے اور آپ اپنی سواری پر وتر ادا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں بتایا تھا کہ نمازِ وتر کو واجب ہونے کے باوجود سواری پر ادا کیا جاسکتا ہے، سواری پر ادا کرنے کا یہ مسئلہ سفر سے ہی متعلق تھا اب سفر میں وتر کے مسئلہ کو مستقل طور پر ذکر کررہے ہیں کہ سفر میں وتر پڑھے جائیں گے، اس طرح پچھلے باب سے وتر کے نافلہ ہونے کا جو شبہ ہوسکتا تھا، اس کا بھی ازالہ ہوگیا کہ اس کی تاکید اتنی زیادہ ہے کہ سفر میں بھی ترک کی گنجائش نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے بھی وتر کی تاکید کا مضمون سمجھا ہے مگر انہوں نے اس کو بیان اس طرح کیا ہے کہ اس باب میں امام بخاریؒ کے پیشِ نظر ان لوگوں کی تردید ہے جو سفر میں وتر کو مسنون نہیں کہتے اور یہ بات ضحاکؒ سے منقول ہے، روایت پچھلے ہی باب میں گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۷] بَابُ الْقُنُوْتِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَ بَعْدَهُ

(۱۰۰۱) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَقَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الصُّبْحِ؟ قَالَ: نَعَمْ! فَقِيْلَ: أَقَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ؟ قَالَ: بَعْدَ الرُّكُوْعِ يَسِيْراً . (آئندہ:۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۳۰۰، ۲۸۰۱، ۲۸۱۴، ۳۰۶۴، ۳۱۷۰، ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰، ۴۰۹۲، ۴۰۹۴، ۴۰۹۶، ۶۳۹۴، ۷۳۴۱)

(۱۰۰۲) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ، فَقَالَ: قَدْ كَانَ الْقُنُوْتُ! قُلْتُ: قَبْلَ الرُّكُوْعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ: قَبْلَهُ، قَالَ: فَإِنَّ فُلاَناً أَخْبَرَنِيْ عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ! فَقَالَ: كَذَبَ، إِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْراً، أُرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْماً يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ، زُهَاءَ سَبْعِيْنَ رَجُلاً إِلٰى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ دُوْنَ أُولٰئِكَ، وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ، فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَهْراً يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ . (گذشتہ:۱۰۰۱)

(۱۰۰۳) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ مِجْلَزٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ شَهْراً يَدْعُوْ عَلٰى رِعْلٍ وَ ذَكْوَانَ . (گذشتہ:۱۰۰۱)

(۱۰۰۴) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيْلُ قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِيْ قِلاَبَةَ، عَنْ أَنَسٍ

ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

ترجمہ | باب، قنوت کے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد پڑھنے کا بیان۔ محمد بن سیرین نے کہا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی ہے؟ فرمایا ہاں پڑھی ہے! ان سے پوچھا گیا کہ کیا رکوع سے پہلے پڑھی ہے؟ فرمایا کہ رکوع کے بعد تھوڑے دنوں پڑھی ہے، عاصم نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے دعائے قنوت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا بے شک دعائے قنوت پڑھی جاتی تھی، میں نے کہا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟ فرمایا رکوع سے پہلے، عاصم نے کہا کہ مجھے تو آپ کی جانب سے فلاں نے یہ بتایا کہ آپ نے رکوع کے بعد فرمایا ہے، انسؓ نے کہا انہوں نے غلط بیان کیا، رکوع کے بعد تو حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ دعائے قنوت پڑھی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کو جنھیں قراء کہتے تھے جو تقریباً ستر آدمی تھے مشرکین کی ایک قوم (یعنی اہل نجد) کے پاس بھیجا تھا، جو ان بددعاء کے مستحق مشرکین کے علاوہ تھے۔ اور ان (اہل نجد) اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدہ تھا (انہوں نے بدعہدی کی) تو رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت (نازلہ) پڑھا جس میں آپ ان کو بددعاء دیتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ماہ تک قبیلہ رعل وذکوان پر بددعاء کیلئے قنوت پڑھا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ قنوت پڑھنے کا عمل مغرب اور فجر کی نماز میں ہوتا تھا۔

مقصد ترجمہ | قنوت کے کئی معنٰی ہیں، یہاں مراد ہے نماز میں قیام کے دوران کی جانے والی خاص دعاء۔ اور چونکہ امام بخاریؒ وتر کے ابواب میں قنوت کا مسئلہ ذکر کر رہے ہیں اس لئے یہ باور کرنا چاہئے کہ وہ وتر میں دعائے قنوت کے قائل ہیں، قنوت فی الفجر اور قنوتِ نازلہ سے اس باب کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ باب صرف قنوت فی الوتر سے متعلق ہے۔

ترجمہ کے الفاظ ہیں: القنوت قبل الرکوع و بعدہ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ترجمہ کے دو جز ہیں: ایک قنوتِ وتر کی مشروعیت کا بیان، دوسرے یہ کہ اس کا محل کیا ہے؟ رکوع سے پہلے ہے یا رکوع کے بعد؟

زین بن المنیرؒ کے حوالے سے حافظ ابن حجرؒ نے یہ بیان کیا کہ امام بخاریؒ قنوت کی مشروعیت بیان کر کے ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو قنوت کو بدعت کہتے ہیں جیسے حضرت ابن عمرؓ، لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ بخاریؒ وتر میں قنوت کی مشروعیت بیان کرنا چاہتے ہیں اور حضرت ابن عمرؓ یا دوسرے بعض صحابہ نے فجر میں قنوت کو بدعت کہا ہے، اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ وتر میں قنوت کی مشروعیت سے، قنوتِ فجر کو بدعت کہنے کی تردید کیسے ہو جائے گی۔

پھر حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ بخاریؒ اس باب کی چوتھی روایت: کان القنوت

في المغرب و الفجر سے اپنے مقصد کے ثبوت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور وہ اس طرح ہے کہ جب مغرب میں قنوت ثابت ہوا اور مغرب وترِ نہار ہے تو وتریت میں اشتراک کی بنیاد پر وترِ لیل میں بھی اس کو ثابت کیا جا سکتا ہے، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر چہ امام بخاریؒ کے استدلال میں اس طرح کے تکلفات پائے جاتے ہیں مگر یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس باب کی دوسری روایت سے ان کا مقصد اس سے بہتر طریقہ پر ثابت ہے، اور اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

تشریح حدیث اول اس باب کی چاروں روایتیں حضرت انسؓ کی ہیں، پہلی روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھا ہے؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے، پوچھا گیا کیا رکوع سے پہلے پڑھا ہے؟ تو فرمایا کہ رکوع کے بعد تھوڑے عرصہ کے لئے۔ گویا قنوت قبل الرکوع کا فجر میں انکار کر دیا، اور بعد الرکوع کے بارے میں بتا دیا کہ یہ قنوت دوامی نہیں تھا، تھوڑے عرصے کے لئے تھا، بعد میں اس کو بھی ترک کر دیا، ابوداؤد میں اسی روایت میں قنت شهرا ثم تركه آیا ہے۔

گویا اس روایت میں فجر میں قنوتِ راتبہ کا - رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد - کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ صحیح بخاری میں باب غزوة الرجيع میں ذکر کردہ روایت میں یہ بھی ہے: وذلك بدء القنوت وما كنا نقنت یعنی فجر میں قنوت کی ابتدا ہی اس واقعہ کے بعد ہوئی، اس سے پہلے ہم قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو قنوت فجر میں پڑھا گیا، وہ قنوت نازلہ تھا اور رکوع کے بعد تھا، رکوع سے پہلے قنوتِ راتبہ فجر میں نہیں ہے، پھر یہ کہ رکوع سے پہلے کے قنوتِ راتبہ کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ اور ثبوت ہے تو وہ کس نماز میں ہے؟ اس کے لیے حضرت انس کی دوسری روایت میں غور کیجیے۔

تشریح حدیث دوم عاصم احول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے قنوتِ نازلہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: قد كان القنوت قنوت ثابت ہے، جواب بتا رہا ہے کہ حضرت انسؓ نے یہ سمجھا کہ عاصم قنوت کی مشروعیت کے بارے میں سوال کر رہے ہیں، اس لیے جواب میں فرمایا: قنوت ثابت ہے، عاصم نے دوسرا سوال کیا کہ رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟ فرمایا: رکوع سے پہلے! اب یہ بات کہ رکوع سے پہلے کا یہ قنوت کس نماز میں ہے، تو اس روایت میں تو کوئی بات مذکور نہیں، البتہ امامؒ بخاری نے اس روایت کو ابواب الوتر میں لا کر اشارہ کر دیا کہ یہ نمازِ وتر ہے، اس طرح امامؒ بخاری کا مقصد ثابت ہو گیا کہ وتر میں قنوت مشروع ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی جگہ رکوع سے پہلے ہے۔

اس کے بعد عاصمؒ نے کہا کہ مجھے آپ کے بارے میں فلاں شخص نے یہ بتایا کہ آپ نے قنوت کو رکوع کے بعد فرمایا ہے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا، اس نے غلط کہا، رکوع کے بعد کا قنوت تو حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ پڑھا ہے اور اس کی وجہ بیر معونہ کا واقعہ تھا، اس کی تفصیل کتاب المغازی میں آئیگی مختصر یہ کہ آپ نے ستر صحابہ کو جو قراء تھے

مشرکینِ نجد کی طرف بھیجا تھا، راستہ مامون تھا مگر راستہ والوں نے بدعہدی کی اور اُن کو شہید کر دیا، آپ نے ان بدعہدی کرنے والوں کے لئے بددعاء کی اور رکوع کے بعد قنوتِ نازلہ پڑھا گیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت انسؓ نے قنوتِ فجر کے بارے میں یہ واضح کر دیا کہ وہ رکوع کے بعد تھا اور چند دنوں کے لئے تھا، اور قنوت کی مشروعیت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ قنوت ثابت ہے اور اس کی جگہ انہوں نے قبل الرکوع بیان کی، امام بخاریؒ نے ابواب الوتر میں روایت لاکر بتا دیا کہ اس کو قنوتِ وتر پر محمول کرنا چاہیئے، اور اسطرح ان کا مقصد ثابت ہو گیا۔

تشریح روایتِ سوم و چہارم تیسری روایت میں ان قبیلوں کے نام آگئے جن کے لئے قنوتِ نازلہ میں بددعاء کی گئی اور معلوم ہو گیا کہ وہ قبائل رعل و ذکوان تھے، اس روایت سے قنوتِ نازلہ کی مشروعیت ثابت ہو گئی، قنوتِ وتر سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

چوتھی روایت میں آیا کہ قنوت مغرب اور فجر میں تھا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ترجمہ قنوتِ وتر سے متعلق ہے اور اس کا روایت میں ذکر نہیں، حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اسی روایت سے اشارۃً قنوتِ وتر کو ثابت کر رہے ہیں کہ جب قنوت مغرب میں ثابت ہے جو وترِ نہار ہے تو وتریت میں اشتراک کی وجہ سے وترِ لیل میں بھی اس کو ثابت ماننا جائے گا، حافظؒ کی بات امام بخاریؒ کے ذوق اور طرز سے مطابقت رکھتی ہے اور اگر بخاریؒ کے مقصد کو ثابت کرنے کے لئے کوئی صورت نہ بنتی تو اس کو قبول کرنا ضروری تھا، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے، آپ دیکھ چکے ہیں کہ اسی باب کی دوسری روایت سے امام بخاریؒ کا مقصد بہتر طریقہ پر ثابت ہے۔ اس لئے اس تکلف کی چنداں ضرورت نہیں۔

پھر یہ کہ مغرب اور فجر میں جس قنوت کا ذکر ہے وہ یقیناً قنوتِ نازلہ ہے اس لئے یہ کہنا کہ بخاریؒ مغرب کے قنوتِ نازلہ سے، وتر کے قنوتِ راتبہ کی مشروعیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بہت کمزور ہے۔

کمزوری کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قنوتِ نازلہ وقتی اور ہنگامی دعاء ہے، اس سے دائمی قنوت کے لئے استدلال ضعف سے خالی نہیں، اور اس سے زیادہ اہم دوسری بات یہ ہے کہ مغرب اور فجر میں کچھ دنوں کے لئے گو قنوتِ نازلہ پڑھا گیا ہے لیکن روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس کو ترک کر دیا گیا تھا، ابوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت میں ثمّ ترکه مذکور ہے اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں، ثمّ بلغنا أنّه ترك ذالك لما أنزل الله ليس لك من الأمر شيء کی صراحت ہے، اس لئے امام بخاریؒ کے استدلال کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ وہ فجر اور مغرب کے ترک کردہ قنوت سے، وتر کے دائمی قنوت کے ثبوت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ بات باوزن نہیں ہو سکتی، لیکن حافظ ابنِ حجرؒ شاید اس بات کو اس لئے پسند کر رہے ہیں کہ اس سے قنوت في الفجر کو تقویت ملتی ہے جو ان کا مسلک ہے۔

اس لئے ہم یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ بخاریؒ کے مقصد کو اسی باب کی حضرت انسؓ کی دوسری روایت کے الفاظ قد کان القنوت سے ثابت مانا جائے کہ اس استدلال میں کوئی ضعف نہیں، رہا یہ کہ پھر امام بخاریؒ نے یہ روایت ابواب الوتر میں کیوں دی تو ظاہر ہے کہ ان کے ترجمہ کے دو جز تھے، ایک قنوتِ وتر کا ثبوت، اور دوسرا قنوت کا قبل الرکوع یا بعد الرکوع ہونا، بخاریؒ نے قنوت کے ثبوت کے لئے تو دوسری روایت دی جو ذرا مفصل ہے، اور بقیہ روایات سے بتایا کہ رکوع کے بعد قنوتِ نازلہ ہے، راتبہ نہیں۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۱۵] ﴿أَبْوَابُ الاسْتِسْقَاءِ﴾

[۱] بَابُ الْإِسْتِسْقَاءِ وَخُرُوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ

(۱۰۰۵) حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِيْ وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ. (آئندہ: ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۶۳۴۳)

ترجمہ استسقاء کے ابواب۔ باب، استسقاء کا بیان۔ اور نبی کریم ﷺ کے استسقاء کے لئے آبادی سے باہر نکلنے کا بیان۔ عبّاد بن تمیم اپنے چچا عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے لئے آبادی سے باہر نکلے اور آپ نے اپنی چادر کو پلٹ دیا۔

سابق سے ربط امام بخاریؒ نے عیدین اور وتر کے بعد استسقاء اور کسوف وغیرہ کے ابواب ذکر کئے، کیونکہ عید اور وتر کی نمازیں شکر نعمت کی قسم سے ہیں، عید کا شکر نعمت ہونا تو ظاہر ہے اور وتر کے بارے میں فرمایا گیا إنّ اللہ امدّ کم بصلاۃ هي خير لکم من حمر النعم، نعمتوں کے موقع پر پڑھی جانے والی نمازوں کے بعد اب ان نمازوں کا بیان کرتے ہیں جو پریشانیوں کے وقت رفع مصائب کے لئے پڑھی جاتی ہیں کہ بارش نہ ہونا بھی بڑی آزمائش ہے اور کسوف وخسوف اس کائنات میں اللہ کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں۔

مقصد ترجمہ ابواب استسقاء میں پہلا باب ہے کہ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعائیں مانگنے کے لئے آبادی سے باہر نکلے۔ استسقاء، سقيٌ کے مادہ سے باب استفعال کا مصدر ہے، لغوی معنٰی ہیں پانی طلب کرنا، اور شریعت کی اصطلاح میں معنٰی ہیں قحط کے وقت تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خاص طریقہ اختیار کر کے بارش کے لئے دعائیں کرنا۔

اس پہلے باب کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اگر قحط کے آثار نمایاں ہوں تو اس کو برطرف کرنے کے لئے شریعت نے استسقاء کی تعلیم دی ہے اور اس کے لئے بہتر ہے کہ تمام لوگ آبادی سے باہر جمع ہوں اور امام کے ساتھ مل کر دعائیں کریں۔ امام بخاریؒ نے ترجمہ اور روایت دونوں کے ذریعہ اشارہ کر دیا کہ اس کے لئے نماز کا ہونا ضروری نہیں اور وہ اس طرح کہ ترجمہ میں انہوں نے نماز کا ذکر ہی نہیں کیا، صرف آبادی سے باہر نکلنے کی بات کہی، روایت سے اشارہ کس طرح ہے یہ تشریح حدیث کے ذیل میں آ رہا ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آبادی سے باہر نکل کر استسقاء کی دعائیں کیں اور دعا کے درمیان اپنی چادر کو بھی پلٹ دیا، معلوم ہوا کہ استسقاء کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگ آبادی کو چھوڑ دیں کہ گناہ کے کام آبادیوں میں کثرت سے انجام دیے جاتے ہیں اور کسی میدان میں جمع ہو کر گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ استسقاء کے لیے نکلیں تو زینت اور لباس فاخرہ کو چھوڑ دیں، معمولی کپڑے پہن کر نکلیں، ندامت سے گردنیں جھکی ہوں، دلوں میں خشیت ہو، آنکھوں میں آنسو ہوں، زبانوں پر عاجزی ہو اور اس حال میں خدا سے گناہوں کی مغفرت کی دعائیں کی جا رہی ہوں اور انہی دعاؤں کے درمیان تحویل رداء کا عمل کیا جائے، چادر پلٹنے کا عمل صرف تفاؤل کے لیے ہے کہ اے پروردگار! جو ہمارے بس میں تھا ہم نے کر لیا، اپنی وضع بدل ڈالی، آبادی چھوڑ دی اور تیری بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور جو چادر تھی اس کو بھی پلٹ دیا، اے پروردگار! رحم فرما اور ہمارے احوال تبدیل کر دے۔

کیا استسقاء کے لیے نماز ضروری ہے امام بخاریؒ نے باب کے ذیل میں جو روایت ذکر فرمائی ہے اس کے طرق میں بخاری ہی میں **فصلی رکعتین** یعنی نماز کا بھی ذکر ہے، لیکن یہاں انھوں نے وہ روایت نقل کی جس میں نماز کا ذکر نہیں، امام بخاریؒ کے اس طرز عمل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ استسقاء کے لئے نماز کو ضروری قرار نہیں دے رہے ہیں، جبکہ آگے وہ **باب صلاۃ الاستسقاء رکعتین** بھی لائیں گے اور **باب الاستسقاء في خطبة الجمعة** بھی ذکر کریں گے، ان متعدد تراجم سے سمجھا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ فقہاء کی طرح استسقاء کی تمام صورتوں کے قائل ہیں کہ اس میں صرف دعاء بھی کافی ہے اور اس کے لیے بہتر ہے کہ آبادی سے باہر نکل کر مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق دعائیں کی جائیں، دوسرے یہ کہ نمازوں کے بعد، خصوصاً جمعہ کے خطبہ میں استسقاء کی دعاء کا اہتمام کیا جائے اور تیسرے یہ کہ اس مقصد کے لیے نماز پڑھ کر دعائیں کی جائیں۔ امام اعظمؒ سے اس سلسلے میں جو یہ بات منقول ہے کہ استسقاء دعا، استغفار، توبہ، گریہ وزاری وغیرہ کا نام ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نماز استسقاء کی مشروعیت کا انکار کر رہے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا، استغفار اور خشوع وخضوع کی

حقیقت جس صورت میں بھی متحقق ہو جائے استسقاء کی سنت ادا ہو جائے گی، وہ صورت محض دعا و استغفار ہو یا خطبۂ جمعہ میں اس کے لیے دعا کر لی جائے یا انفرادی نمازیں پڑھ کر دعائیں کی جائیں یا پھر اس کے لیے روایت میں ذکر کردہ تفصیلات کے مطابق نماز باجماعت کا اہتمام کیا جائے ہر صورت میں استسقاء کی سنت ادا ہو جائے گی۔

روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ استسقاء کے لیے کوئی ایک صورت معین طور پر اختیار نہیں کی گئی بلکہ موقع بموقع ہر صورت پر عمل کیا گیا اور جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے نقل کیا گیا۔

فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیك مدرارا ۔ (سورۂ نوح آیت: ۱۰-۱۱) پھر میں نے (نوحؑ نے) کہا کہ اپنے پروردگار سے استغفار کرو، بلا شبہ وہ بخشنے والا ہے، وہ تمہارے لیے موسلا دھار برسنے والا بادل بھیجے گا۔

اصول یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ امم سابقہ اور پچھلی شریعتوں کا کوئی حکم انکار کے بغیر نقل کریں تو وہ امت محمدیہ کے لیے بھی مشروع سمجھا جاتا ہے، یہاں حضرت نوحؑ کی زبانی یہ نقل کیا جا رہا ہے کہ تم گناہوں کی وجہ سے قحط اور خشک سالی میں مبتلا ہو، صدقِ دل سے استغفار کرو تو اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرمائے گا اور خشک سالی کا عذاب اٹھا لیا جائے گا، دیکھنے کی بات یہ ہے قرآن کریم میں صرف استغفار کی بات نقل کی گئی ہے اور اس کی کوئی صورت معین نہیں کی گئی، معلوم ہوا کہ توبہ و استغفار کی حقیقت جس صورت میں بھی متحقق ہو جائے وہ استسقاء کی سنت ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔ واللہ اعلم

[۲] بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ اِجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ

(۱۰۰۶) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُغِيْرَةُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِيْ رَبِيْعَةَ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ. وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: غِفَارٌ، غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، وَأَسْلَمُ، سَالَمَهَا اللّٰهُ. (گذشتہ: ۷۹۷) قَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيْهِ: هٰذَا كُلُّهُ فِي الصُّبْحِ.

(۱۰۰۷) حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ح حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوْقٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى مِنَ النَّاسِ إِدْبَارًا فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ سَبْعًا كَسَبْعِ يُوْسُفَ. فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ، حَتّٰى أَكَلُوْا

الْجُلُوْدَ، وَالْمَيْتَةَ، وَالْجِيَفَ، وَ يَنْظُرُ أَحَدُكُمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرَى الدُّخَانَ مِنَ الْجُوْعِ، فَأَتَاهُ أَبُوْ سُفْيَانَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ، وَ بِصِلَةِ الرَّحِمِ، وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوْا، فَادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ . قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى﴾ (دخان:۱۰،۱۶).
فَالْبَطْشَةُ يَوْمَ بَدْرٍ، فَقَدْ مَضَتِ الدُّخَانُ.وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَآيَةُ الرُّوْمِ .

(آئندہ: ۱۰۲۰، ۴۶۹۳، ۴۷۶۷، ۴۷۷۴، ۴۸۰۹، ۴۸۲۱، ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۴، ۴۸۲۵،)

ترجمہ باب، نبی کریم ﷺ کا قریش کے حق میں بددعا کرنے کا بیان کہ اے اللہ! ان پر قحط کے سال مسلط کردے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ہفت سالہ قحط آیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب آخری رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے، اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے، اے اللہ! اہل ایمان میں جو کمزور ہیں ان سب کو نجات دے، اے اللہ قبیلۂ مضر پر اپنی گرفت سخت کردے، اے اللہ! ان پر قحط کے سال مسلط کردے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں ہفت سالہ قحط مسلط کیا تھا۔ اور یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبیلۂ غفار، اللہ اس کی مغفرت کرے اور قبیلۂ اسلم اللہ اس کو سلامتی عطا کردے، ابوالزناد نے کہا کہ یہ سب دعائیں فجر کی نماز میں تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کے کفار کی روگردانی کو دیکھ لیا تو آپ نے بددعا کی کہ اے اللہ! ان پر سات سالہ قحط مسلط فرمادے، جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں کیا تھا، چنانچہ ان کو قحط نے پکڑلیا، جس نے ان کی ہر چیز کو تباہ کردیا، یہاں تک کہ وہ کھالوں کو، مردار کو، اور سڑے ہوئے مردار کو کھانے پر مجبور ہوگئے اور حال یہ ہوگیا کہ ان میں سے کوئی آسمان کو دیکھتا تو بھوک کی شدت سے اس کو دھواں نظر آتا تھا، چنانچہ مجبور ہوکر ابوسفیان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے محمد! بے شک آپ اللہ کی فرماں برداری کا حکم دیتے ہیں اور رشتہ کی حفاظت کی بات کہتے ہیں اور یہ کہ بے شک آپ کی قوم تباہ ہوگئی اس لیے آپ ان کے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں سورۂ دخان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین تا انکم عائدون یوم نبطش البطشة الکبریٰ (سورۂ دخان آیت ۱۰ تا ۱۶) پھر آپ انتظار کیجئے اس دن کا جب آسمان میں صاف نظر آنے والا دھواں پیدا ہوجائے گا جو سب لوگوں پر چھائے گا اور وہ کہیں گے کہ یہ دردناک عذاب ہے، اے اللہ! ہم سے یہ عذاب اٹھالے ہم ضرور ایمان لائیں گے، وہ کب نصیحت قبول کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کا رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آچکا ہے، پھر انہوں نے اس سے پشت پھیرلی اور کہنے لگے کہ یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے، پھر یہ کہ ہم عذاب کو تھوڑی مدت کے لیے ختم کئے دیتے ہیں، بیشک تم اپنی پہلی حالت پر

لوٹ آؤ گے جس دن ہم بڑی سخت گرفت کریں گے بے شک ہم بدلا لینے والے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ بطشۃ (گرفت والے دن) سے مراد یوم بدر ہے اور یہ دخان اور بطشۃ (جن کا ذکر اسی روایت میں ہے) اور لزام (جس کا ذکر سورۃ فرقان میں فسوف یکون لزاما میں ہے) اور آیتِ روم (جس میں وھم من بعد غلبھم سیغلبون کی پیشین گوئی ہے) یہ سب واقعات ماضی میں وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ جس طرح قحط کے رفع کرنے کے لیے دعا مشروع ہے اسی طرح بعض مصلحتوں کی بنا پر قحط مسلط کرنے کی دعا بھی مشروع ہے، مثلاً یہ کہ اعداء اسلام دشمنی اور سرکشی پر تلے ہوں اور صورت حال یہ ہو جائے کہ اُن کو سمجھانے کی ہر کوشش سرکشی اور تمرد میں اضافہ کا سبب ہو، گویا ان سے احکام خداوندی پر غور کرنے اور ان کو قبول کرنے کی تمام توقعات ختم ہو جائیں تو ایسی صورت میں مصلحت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے حق میں اللہ تعالیٰ سے قحط مسلط کر دینے کی دعا کی جائے، امام بخاریؒ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شرعاً نہ صرف یہ کہ اس کی گنجائش ہے بلکہ اس عمل کو ان کے حق میں تقاضائے رحمت و شفقت سمجھنا چاہیئے جیسے باپ کبھی کبھی اولاد کی بے راہ روی اور بدعنوانی سے ناامید ہو جاتا ہے تو اولاد کو راہِ راست پر لانے کے لیے سزا کے طریقے عمل میں لاتا ہے اور باپ کا یہ عمل دشمنی کے طور پر نہیں شفقت کے تقاضے میں ہوتا ہے۔ قوم کے ساتھ رسول پاک ﷺ کی شفقت اس سے کہیں زیادہ ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم	تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے، تم
عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم	کو جو تکلیف پہنچے وہ اس پر بہت گراں گذرتی ہے
بالمو منین رؤ ف رحیم .	وہ تمہاری بھلائی کے لیے حریص ہے اور ایمان
(سورۃ توبہ آیت: ۱۲۸)	والوں پر تو وہ بہت ہی شفیق اور مہربان ہے۔

سورۃ الشعراء میں حضور ﷺ کی شفقت اور قوم کے ایمان نہ لانے پر آپ کے تأسف کے بارے میں فرمایا گیا۔ لعلّک باخع نفسک علٰی ان لا یکونوا مومنین (سورۃ شعراء آیت: ۲) شاید کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے، قوم پر اس بے پناہ شفقت ہی کا نتیجہ ہے کہ اللھم اھلکھم یا ھرّق دمائھم وغیرہ کی دعا نہیں کی گئی اس لیے کہ مقصود یہ نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ احکام خداوندی کے سامنے سر جھکائیں۔ قحط مسلط کرنے کی دعا کی گئی کہ پریشان ہو کر توبہ کریں گے اور اگر ان کے اندر انسانیت ہوگی تو از خود ہی ہدایت قبول کریں گے ورنہ ان سے قول و قرار لے لیا جائے گا اور پھر اس پر انہیں قائم رہنا چاہیئے، یہ الگ بات ہے کہ وہ انسانیت ہی سے خارج ہوں اور قول و قرار کرنے کے بعد بھی اپنی پرانی سرکشی پر لوٹ آئیں۔

تشریح حدیث اول پہلی روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے جو پہلے بھی گذر چکی ہے، اس روایت میں پہلے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ فرمایا کہ آخری رکعت کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد حضور ﷺ دعا فرماتے

تھے، گویا یہ قنوت نازلہ ہے، اس قنوت نازلہ میں تین مسلمانوں کے نام لیکر، پھر کمزور مسلمانوں کے لیے عام الفاظ میں نجات کی دعا ہے، پھر قبیلۂ مضر کے لیے بددعا ہے کہ اے اللہ! ان کو قحط سالی میں مبتلا کردے، پھر قبیلۂ غفار و اسلم کے لیے دعائیہ کلمات ہیں اور آخر میں ابن ابی الزناد کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ یہ سب دعائیں فجر کی نماز میں ہوتی تھیں۔

اور چند باب پہلے یہ گذر چکا ہے کہ فجر میں قنوتِ نازلہ کی ابتداء، شہداء بیر معونہ کے واقعہ کے بعد ہوئی جب کہ روایتِ باب میں جو واقعات ہیں ان میں کفار کے لیے بددعا کی بات ہجرت سے پہلے کی ہے، اور اسی باب کی دوسری روایت میں اس کی تفصیل آرہی ہے، اور چند مسلمانوں کا نام لیکر نجات کی دعا، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے، یہ دو الگ الگ واقعات تھے جو اس روایت میں جمع ہو گئے ہیں، امام بخاریؒ یقیناً اس بات پر مطلع ہوں گے، مگر ان کی طرف سے یہ عذر کیا جاتا ہے کہ انہیں روایت جس طرح پہنچی تھی، انہوں نے اس کو اسی طرح نقل فرمایا۔

وان النبي ﷺ قال : غفار غفر الله لها الخ، حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہ دوسری حدیث ہے، لیکن امام بخاریؒ کے پاس وہ اسی سند سے تھی اس لیے، **کانه سمعه هکذا فاورده کما سمعه** جیسے انہوں نے اپنے استاد سے سنا تھا اسی طرح نقل کردیا اور ترجمہ سے اس کا تعلق اِدھر اشارہ کرنا ہوسکتا ہے کہ اعداء اسلام کے حق میں قحط سالی کی بددعا کرنا ان لوگوں کے لیے بجا ہے جو برسرِ پیکار ہوں اور جن لوگوں سے مصالحت وغیرہ ہو جائے ان کے لیے مناسب نہیں، یہاں جن دو قبیلوں کا ذکر ہے ان میں قبیلۂ غفار بہت پہلے اسلام قبول کر چکا تھا اور قبیلۂ اسلم سے معاہدہ ہو چکا تھا اس لیے ان کے حق میں دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔

تشریح حدیثِ دوم دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے کہ جب کفار مکہ نے دلائل قطعیہ کے باوجود حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کردیا اور وہ اپنی سرکشی پر نہ صرف یہ کہ قائم رہے بلکہ آپ کی دعوت و تبلیغ کی جدوجہد کو روکنے کی منصوبہ بند کوششیں جاری رکھیں اور ان کے راہ راست پر آنے کی امیدیں ختم ہوگئیں تو آپ نے کفر کا زور توڑنے کے لیے ان کو مبتلائے قحط کئے جانے کی بددعا کی **اللهم اجعلها سنين الخ**، اے اللہ! بارش کو روک دے اور ان پر ایسا قحط مسلط کردے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہفت سالہ قحط مسلط کیا تھا، چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ایسا قحط مسلط کردیا جس سے زمین کی پیداوار بالکل ختم ہوگئی اور یہ لوگ مردار گوشت، ہڈیاں اور چمڑا وغیرہ کھانے پر مجبور ہوگئے اور نوبت یہاں تک آگئی کہ ان میں سے کوئی شخص نظر اٹھا کر دیکھتا تو بھوک کی شدت سے اس کو آسمان میں صاف طور پر دھواں نظر آتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ قوتِ برداشت نے جواب دے دیا اور مجبور ہو کر ابوسفیان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ تو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور صلہ رحمی کی تلقین کرتے ہیں اور یہ جو آپ کی قوم یعنی آپ کے ذوالارحام ہیں یہ آپ کی بددعا کے سبب تباہ ہو رہے ہیں، اس لیے آپ ان کے حق میں اللہ سے دعا فرمائیں، بخاری ہی کی کسی روایت میں آئیگا کہ آپ نے ابوسفیان کی درخواست

پر دعا کی، پھر اللہ نے بارش عطا کی اور قحط ختم ہو گیا، ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔

قال اللّٰہ تعالی فارتقب الخ، اس موقع پر حضور ﷺ نے ابوسفیان کو یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں کہ اے محمدؐ آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان میں صاف طور پر دھواں نظر آئے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا اور یہ ایک دردناک عذاب ہوگا، اس وقت یہ لوگ بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! اس عذاب کو ہم سے دور کر دیجئے ہم ایمان لے آئیں گے، مگر قرآن میں فرمایا گیا کہ ان کو اس سے کب نصیحت ہوتی ہے حالانکہ ان کے پاس کھلے دلائل پیش کرنے والا رسول آچکا ہے اور وہ لوگ رسول کی دعوت سے روگردانی کرتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ تو کسی کا سکھایا ہوا دیوانہ ہے اور یہ کہ ہم اتمامِ حجت کے طور پر تھوڑی مدت کے لیے عذاب ہٹا دیں گے مگر تم اپنے اس قول وقرار پر قائم نہیں رہو گے بلکہ پچھلی سرکشی کی طرف لوٹ جاؤ گے، پھر جس دن ہم سخت گرفت کریں گے اس دن ہم پورا انتقام لیں گے۔

چند پیشین گوئیوں کا ذکر

فالبطشة یوم بدر الخ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں جو یوم نبطش البطشة الکبری فرمایا گیا ہے اس سے مراد غزوہ بدر ہے جس میں کفارِ قریش کے رؤساء قتل ہوئے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ صرف بطشہ ہی نہیں بلکہ مختلف آیات میں جو پیشین گوئیاں دخان، لزام اور وھم من بعد غلبھم سیغلبون کی گئی تھیں وہ سب وقوع میں آچکی ہیں، کیونکہ دخان سے مراد مکہ میں قحط کے زمانہ میں پائی جانے والی حالات کی وہ شدت ہے کہ دیکھنے والوں کو آسمان میں دھواں نظر آتا تھا، اسی طرح بطشة سے مراد یوم بدر ہے اور سورۂ فرقان میں جو فسوف یکون لزاما فرمایا گیا ہے اس سے مراد غزوۂ بدر میں قتل کیے گئے کفار اور گرفتار کیے گئے قیدی یا قلیبِ بدر میں ڈالے گئے مقتولین ہیں، اور اس تفصیل کے مطابق بطشة اور لزام کے معنی مرادی میں کوئی خاص فرق نہیں رہتا۔

اسی طرح سورہ روم کی وھم من بعد غلبھم سیغلبون کی پیشین گوئی بھی پوری ہو چکی ہے کہ حضور ﷺ کے قیامِ مکہ کے زمانے میں فارس نے روم کو ایسی عبرتناک اور فیصلہ کن شکست دی تھی کہ اس کے بعد رومیوں کا سنبھلنا بہت مشکل نظر آتا تھا، اور قرآن کریم نے اسی موقع پر چند سالوں میں رومیوں کے غالب آنے کی پیشین گوئی کی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بضع سنین کے لغوی مصداق یعنی نو سال کے اندر حالات میں تبدیلی پیدا کر دی کہ ہجرت کے ایک سال بعد ہی یہ خبر آگئی کہ رومیوں نے جو اہلِ کتاب تھے فارس کو جو مجوسی تھے اور مشرکین مکہ سے قریب تھے شکست دے دی، اور قرآنِ کریم کی اس پیشین گوئی کی سچائی دیکھ کر متعدد مشرکین نے اسلام قبول کر لیا۔

دخان کے دوسرے معنی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس روایت میں دخان کے جو معنی بیان فرمائے وہ اگرچہ بالکل درست ہیں لیکن اسی روایت کے مطابق وہ مرفوعاً ثابت نہیں اس لیے کہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا اور چونکہ یہ بات ایسی ہے جس کا بیان کرنا حضور ﷺ سے سننے پر موقوف بھی نہیں ہے، اس لیے اس کو حکماً بھی مرفوع نہیں کہا جائے گا، گویا یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ جب کہ دخان کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ علامات قیامت میں سے ہے اور اس کا وقوع قیامت کے بالکل قریب ہوگا مسلم شریف میں حضرت حذیفہ ابن اسید غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیوں کو نہ دیکھ لو، پھر آپ نے ان کی تفصیل بیان فرمائی جن میں آفتاب کا مغرب سے طلوع، دخان، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج کا خروج، حضرت عیسیٰؑ کا نزول اور دجال کا خروج وغیرہ ہیں، معلوم ہوا کہ دخان کا وقوع قربِ قیامت میں ہوگا، پھر یہ کہ ابن کثیر وغیرہ نے اس کی تفصیل میں جو روایات ذکر کی ہیں اور ان کے بارے میں ھذا اسنا د جید بھی کہا ہے ان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں تین چیزوں سے ڈراتا ہوں، ایک دخان جو مومن کے لیے صرف زکام کی سی کیفیت پیدا کرے گا اور کافر کے پورے بدن میں بھر جائے گا، یہاں تک کہ اس کے جسم کے تمام مسامات سے نکلنے لگے گا اور دوسرے دابۃ الارض اور تیسرے دجال۔

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اگر چہ علاماتِ قیامت والا دخان مرفوعاً ثابت ہے لیکن کسی روایت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے آیت میں مذکور دخان کے یہ معنی بیان کئے ہوں، گویا علاماتِ قیامت والا دخان ایک حقیقتِ ثابتہ ہے مگر قرآن کی آیت یوم تأتی السمآء بدخان مبین میں یہی دخان مراد ہے اس کے ثبوت کو مرفوع کہنا مشکل ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ دخان کی تفسیر میں دو رائے ہیں، ایک رائے کے مطابق یہ واقعہ گذر چکا ہے اور دوسری رائے کے مطابق اس کا وقوع قربِ قیامت میں ہوگا، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر چہ یہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں، ایک کا تعلق ماضی سے ہے اور دوسری کا مستقبل سے، لیکن قرآنِ کریم کے الفاظ میں دونوں کی گنجائش ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بطشۃ اور دخـان کا جو مصداق قرار دیا وہ یقیناً صحیح ہیں اور چونکہ وہ باتیں وقوع پذیر ہو چکی ہیں اس لیے ان کے بارے میں یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ گذر چکی ہیں؛ اور جو حضرات یہ فرما رہے ہیں کہ دخان علاماتِ قیامت میں سے ہے اور بطشۃ سے مراد آخرت کی گرفت ہے وہ بھی صحیح ہے اور اس اعتبار سے یہی کہا جائے گا کہ یہ باتیں ابھی وقوع میں نہیں آئی ہیں، بس اتنا ہے کہ دخان ایک نہیں بلکہ دو ہوں گے، روح المعانی میں علامہ سفارینیؒ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے ھـمـا دخـانـا ن، مـضـی واحد والذی بقی یملأ ما بین السماء والارض الخ، مطلب یہ کہ دخان دو ہیں جن میں سے ایک گذر گیا ہے اور دوسرا باقی ہے اور جو باقی ہے وہ آسمان اور زمین کو پُر کردے گا اور اس سے مومن کو صرف زکام جیسی کیفیت لاحق ہوگی اور وہ کافر کے جسم کے تمام مسامات کو پھاڑ ڈالے گا، پھر اللہ تعالیٰ یمن سے ایک جنوبی ہوا بھیجے گا جو تمام اہل ایمان کی روح کو قبض کرلے گی اور دنیا میں صرف شرار الناس رہ جائیں گے۔

صاحبِ روح المعانی نے اس روایت کی صحت کے بارے میں تذبذب ظاہر کیا ہے اور دخان سے دونوں طرح کے دخان مراد لینے کی کمزوری کو بھی وحمل ما في الأية علٰى ما يعم الدخانين لا يخفي حاله کہہ کر ظاہر کیا ہے، لیکن ہمارے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ اگر روایت نہ بھی ہو، اور قرآن کے الفاظ یعنی ان کا مفہوم لغوی دونوں مواقع پر منطبق ہو تو اس میں کوئی اصول اور فنی اشکال پیش نہیں آتا۔ واللہ اعلم

[۳] بَابُ سُوَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ الْإِسْتِسْقَاءَ إِذَاقَحِطُوا

(۱۰۰۸) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ قُتَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ .

وَ أَبْيَضُ يَسْتَسْقِي الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ☆ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

(آئندہ: ۱۰۰۹)

(۱۰۰۹) وَقَالَ: عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا سَالِمٌ عَنْ أَبِيْهِ وَ رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلٰى وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَسْقِي فَمَا يَنْزِلُ حَتّٰى يَجِيْشَ كُلُّ مِيْزَابٍ .

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ☆ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وَهُوَ قَوْلُ أَبِي طَالِبٍ . (گذشتہ: ۱۰۰۸)

(۱۰۱۰) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضى اللّٰه تَعَالٰى عَنْهُمْ كَانَ إِذَا قَحِطُوا إِسْتَسْقٰى بِالعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ رضى اللّٰه عنه فَقَالَ: أَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتُسْقِيْنَا وإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَأَسْقِنَا قَالَ: فَيُسْقَوْنَ . (آئندہ: ۳۷۱۰)

ترجمہ باب، قحط کے موقع پر لوگوں کے امام سے استسقاء کے لیے دعا کی درخواست کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن دینارؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سنا کہ وہ حضرت ابو طالب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے وابيض يستسقي الخ اور وہ روشن چہرے والے کہ ان کے روئے مبارک کے وسیلے سے پانی طلب کیا جاتا ہے اور وہ یتیموں کے لیے جائے پناہ اور بیوہ عورتوں کے محافظ ہیں۔ عمر بن حمزہؒ حضرت سالم سے اور وہ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ مجھے شاعر کا یہ قول اس وقت یاد آیا جب میں حضور ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور آپ استسقاء کے لیے دعا کر رہے تھے، چنانچہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ منبر سے نہیں اتر پاتے تھے اور پانی کا ہر ہر نالہ پوری طرح بہنے لگتا تھا اور یہ شعر

وابیض یستسقی الغ حضرت ابوطالب کا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ میں جب قحط پڑتا تھا تو وہ حضرت عباسؓ ابن المطلب کے وسیلے سے دعا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے پیغمبر ﷺ کو دعاؤں میں وسیلہ بنایا کرتے تھے اور تو بارش عطا فرماتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے چچا کو دعا میں وسیلہ بنا رہے ہیں، تو ہمیں بارش عطا فرما دے، چنانچہ بارش برستی تھی۔

مقصد ترجمہ ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح جمعہ اور عیدین اور دیگر اجتماعی امور کو امام سے متعلق رکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کا ان کاموں کو از خود انجام دینا نامناسب ہے اور ان کو امام کی اجازت اور اسی کے زیر انتظام عمل میں لایا جاتا ہے، اسی طرح استسقاء بھی ایک اجتماعی ضرورت ہے اس لیے جب ایسے آثار نمایاں ہوں جن سے قحط کا اندیشہ ہو جائے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ از خود کوئی کاروائی نہ کریں بلکہ امام سے درخواست کریں۔ ابن بطالؒ کہتے ہیں إن الخروج إلى الإستسقاء والبروز لایکون الاباذن الامام وھذہ سنن الامم السالفة قال الله وأوحينا إلى موسیٰ .إذاستسقاہ قومه، (الاعراف آیت:۱۶)

پھر امام کو چاہیئے کہ وہ وقت اور جگہ کا تعین کر کے اعلان کرے کہ فلاں وقت، فلاں جگہ پر جمع ہو جائیں اور امام کے زیر انتظام یا اس کی اجازت سے یہ کام کیا جائے سخت ضرورت کے باوجود امام کی طرف التفات نہ کر کے از خود کوئی اقدام ایک طرح کی سرکشی کہلائے گا جو کسی صورت مناسب نہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر احادیث میں صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں استسقاء کا عمل امام کے زیر انتظام ہوا، یا عام مسلمانوں نے امام کی طرف رجوع کئے بغیر اس کو اپنے طور پر انجام دیا، چنانچہ روایات سے معلوم ہو گیا کہ عہد رسالت میں عملِ استسقاء حضور ﷺ کی نگرانی میں، اور خلافت راشدہ میں حضرت عمرؓ کی نگرانی میں انجام دیا گیا۔ اس مقصد کے مطابق اس بات کی ضرورت نہیں کہ ترجمہ کے الفاظ: سوال الناس الامام، کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے یہ تلاش کیا جائے کہ استسقاء کا عمل لوگوں کی درخواست پر ہوا تھا یا امام کو اس ضرورت کا خود احساس ہوا تھا۔

لیکن ترجمہ کے الفاظ: باب سوال الناس الامام کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے اگر مقصد یہی قرار دیا جائے کہ قحط کے آثار ہوں تو عوام کو امام سے استسقاء کی درخواست کرنی چاہیئے، تو اگرچہ روایات میں اس کی تصریح نہیں تاہم دوسری تفصیلی روایت کی مدد سے بخاری کے ذوق اور ان کے طریقہ استدلال کے مطابق اس کو بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ دونوں احادیث میں سوال الناس کی نوبت آئی، پہلی روایت سے متعلق بیہقیؒ نے دلائل النبوت میں نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا أتیناك وما لنا بعیر یئط ولا صبی یغط، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور حال یہ کہ ہمارے یہاں ایک اونٹ بھی ایسا نہیں ہے جس پر پالان باندھنے سے آواز نکلتی ہو اور نہ کوئی ایسا بچہ ہے جو آرام سے خراٹا لیکر سو جائے، مطلب یہ تھا کہ نہ تو جانوروں کی خوراک کے لیے کچھ

باقی ہے نہ بچوں کی غذا کے لیے، قحط سالی میں مبتلا ہیں، یہ ہوگیا سوال الناس الاستسقاء پھر سوال کے جواب میں حضور ﷺ اپنی چادر کھینچتے ہوئے منبر پر تشریف لائے، دعا کی اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اس پر آپ کی زبان مبارک سے نکلا: لو کان ابو طالب حیا لقرت عیناہ، من ینشدنا شعرہ؟ ابو طالب حیات ہوتے تو اپنے شعر کا مصداق دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور کیا کوئی ہے جو ان کا شعر سنائے؟ چنانچہ حضرت علیؓ نے آپ کی منشاء کے مطابق وہ شعر سنائے: وابیض یستسقی الغمام الخ.

اس پورے واقعہ سے معلوم ہوا کہ پہلے حضور پاک ﷺ سے استسقاء کے لیے درخواست کی گئی، اس لیے سوال الناس الإمام ثابت ہوگیا، اسی طرح دوسری روایت سے سوال الناس الامام کو ثابت کرنے کے لیے حافظ ابن حجرؒ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، پہلی بات تو انہوں نے مسند عبد الرزاق سے نقل کی کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں استسقاء کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا قم فاستسق، معلوم ہوا کہ حضرت عباسؓ امام کی جگہ مسئول تھے اور حضرت عمرؓ سائل، اس لیے سوال الناس الامام ثابت ہوگیا، دوسری بات انہوں نے یہ بیان کی کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بہ سند صحیح مذکور ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تو ایک شخص نے حضور ﷺ کے مزار پر کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! استسق لا متک فانھم قد ھلکوا، پھر انہی صاحب کو خواب میں ہدایت کی گئی إیتِ عمرَ عمر کے پاس جایئے، پھر حافظ ابن حجرؒ نے کسی حوالہ سے یہ بھی نقل کیا کہ قبر کے قریب کھڑے ہو کر عرض کرنے والے حضرت بلال بن حارثؓ مزنی تھے جو صحابی ہیں، اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ سوال الناس کی نوبت آئی تب حضرت عمرؓ نے انتظام کیا۔

تشریح روایت اول و دوم پہلی روایت میں صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو طالب کا شعر وابیض یستسقی الخ پڑھا کرتے تھے، یتمثل بشعر ابی طالب، تمثل کسی دوسرے کے اشعار کو پڑھنے کے لیے بولا جاتا ہے، شعر ابو طالب کا ہے اور اس کو کسی موقع پر ابن عمرؓ نے پڑھا تو اس کو راوی نے لفظ تمثل سے تعبیر کر دیا، رہا یہ کہ کس موقع پر پڑھا تو یہ بات دوسری روایت میں مذکور ہے، ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو طالب کا یہ شعر اس وقت یاد آجاتا تھا جب رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ کر استسقاء کی دعا کرتے تھے میری نظر حضور ﷺ کے روئے مبارک پر ہوتی تھی اور آپ کے منبر سے اترنے سے پہلے ہی اللہ ایسی بارش نازل فرما دیتا تھا کہ تمام پرنالے بھر کر چلنے لگتے تھے۔

شعر کی تشریح حضرت ابن عمرؓ نے جو شعر پڑھا وہ حضرت ابو طالب کے ایک سو سے زائد اشعار پر مشتمل قصیدہ کا ہے جس کے کچھ اشعار حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے ذکر کیے ہیں اس قصیدے میں ابو طالب نے متعدد مضامین ذکر کیے ہیں کہ حضور ﷺ کی وجہ سے انہیں قریش کی مخالفت کا سامنا ہے، پھر انہوں نے اپنی اور اپنے نسب کی

اہمیت بیان کی ہے جس سے وہ اپنی سیادت ثابت کرنا چاہتے ہیں، پھر انہوں نے حضور ﷺ کی حمایت ونصرت اور اس کے اسباب کا ذکر کیا ہے، پھر حضور ﷺ کی مدح کی ہے اور مخالفت کرنے والوں کو برے انجام سے ڈرایا ہے وغیرہ وغیرہ، انہی مدحیہ اشعار میں سے ایک شعر ہے،

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ☆ ثمال الیتامی عصمة للأرامل

ترجمہ یہ ہے کہ آپ کا چہرہ روشن اور منور ہے، آپ کے روئے مبارک کی بدولت بارش طلب کی جاتی ہے، آپ یتیموں کی پشت پناہ اور بیوہ عورتوں کی عصمت کے محافظ ہیں، مطلب واضح ہے کہ شعر میں تین باتیں مذکور ہیں، پہلی بات ابیض یستسقی الخ ہے، معروف پڑھیں تو ترجمہ ہوگا کا بادل آپ کے روشن چہرہ کی وجہ سے پانی طلب کرتا ہے، یعنی بادل جو پانی لیکر آتا ہے وہ آپ کے چہرے کی برکت ہے، اور اگر مجہول پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی برکت ہے کہ بادلوں سے بھی آپ کے چہرے کی بدولت برسنے کی امید کی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ یتیموں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں، آپ نے خود ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی اپنے ذمہ قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ کر انتقال کرتا ہے تو میں اس کا کفیل ہوں، اور تیسری بات یہ ہے کہ آپ بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں، چنانچہ عورتوں کو دئے گئے اسلامی حقوق خصوصاً نکاح بیوگان کی ترغیب اور عملی ترویج سے عصمت کے تحفظ کو سمجھا جاسکتا ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو طالب کو حضور ﷺ کے بارے میں ان باتوں کا علم کیسے ہوا تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ قصیدہ حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد کا ہے کیونکہ وہ اس قصیدہ میں قریش کی مخالفت کا تذکرہ کر رہے ہیں، جو حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد کی بات ہے، پھر بھی یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ یتیموں کی پشت پناہی اور بیواؤں کی عصمت کے تحفظ کے لیے آپ کی کوششوں اور کردار کا تو انہوں نے مشاہدہ کیا تھا، لیکن استسقاء کا عمل تو مکہ مکرمہ میں نہیں ہوا جو ابو طالب کے علم میں آتا؟ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یا تو ابو طالب اس قحط کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو حضرت عبد المطلب کے زمانہ میں پڑا تھا، اور اس وقت کے عمل استسقاء میں حضور ﷺ کم عمر ہونے کے باوجود موجود تھے اور اس وقت آپ کی برکات مشاہدہ میں آئی تھیں، یا پھر حضرت ابو طالب نے اپنے قیافہ اور فراست سے یہ بات سمجھی اور اس کو ذکر کردیا، یعنی وہ حضور ﷺ پر خدا کی ہزاروں نعمتوں کو دیکھ کر، اگر بادل سے برسنے کی امید کا مضمون بھی بیان کردیں تو اس میں کیا استبعاد ہے، وغیرہ وغیرہ،

تشریح روایت سوم تیسری، روایت میں حضرت عمرؓ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ۱۸ھ میں جسے عام الرمادہ کہتے ہیں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے ذریعہ استسقاء کیا، حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کے ساتھ منبر پر گئے، پہلے حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا کہ اے اللہ! ہم تیرے پیغمبر کے چچا اور ان کے والد کے ہمسر کو وسیلہ بنا کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں تو ہمیں بارش عطا فرمادے اور محروم نہ کر، پھر انہوں نے حاضرین سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ حضور

پاک ﷺ کے نزدیک، حضرت عباسؓ کی وہی قدر و منزلت تھی جو بیٹے کے نزدیک باپ کی ہوتی ہے، اس لیے اے حاضرین! آپ حضرات حضرت عباسؓ کے بارے میں حضور ﷺ کی اقتداء کریں اور ان کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بنائیں، پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے دعا کرنے کی درخواست کی، تو حضرت عباسؓ نے دعا کی کہ اے اللہ! ہمیں یقین ہے یعنی ہم اعتراف کرتے ہیں کہ کوئی بھی مصیبت اور آزمائش صرف گناہوں کی وجہ سے پیش آتی ہے اور اس کو ختم کیے جانے کا ذریعہ صرف توبہ ہے اور ان لوگوں نے تیری بارگاہ میں حاضری کے لیے مجھے اس لیے وسیلہ بنایا ہے کہ تیرے پیغمبر ﷺ سے مجھے خصوصی تعلق اور رشتہ حاصل ہے، اور اے پرورگار! گناہوں سے استغفار کے لیے ہمارے ہاتھ اٹھ رہے ہیں اور توبہ کے لیے ہماری پیشانیاں جھک رہی ہیں، اس لیے اے پروردگار! بارش عطا فرمادے، چنانچہ آسمان پر پہاڑ نما بادل چھا گئے اور زمین کو اللہ نے سیراب کردیا۔

ترجمہ کا ثبوت اس روایت کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت عباسؓ کے وسیلے سے دعا کرنے کی تلقین کی، پھر اُن کے کہنے پر حضرت عباسؓ نے دعا کرائی اور ترجمہ ہے سوال الناس الامام، اب اگر مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو از خود استسقاء کا عمل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسی کو امام کی نگرانی میں انجام دینا چاہیئے تو بات بالکل صاف ہے، لیکن اگر ترجمہ کے ظاہر کے مطابق سوال الناس ہی پر نظر ہو تو روایت میں یہ بات مذکور نہیں لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ثابت کرنے کے لیے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں جن کی تفصیل مقصدِ ترجمہ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

توسّل کا ذکر روایت میں آیا کہ حضرت عمرؓ نے دعا میں کہا اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں حضور ﷺ کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور اب ہم حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنا رہے ہیں، بارش عطا فرمادے، اس کے بعد انہوں نے حضرت عباسؓ سے دعا کے لیے کہا اور انہوں نے دعا کی جس کے الفاظ گذر چکے ہیں۔

روایت میں نتوسل کا لفظ آیا کہ ہم حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنا رہے ہیں، لیکن وسیلے کی کیا صورت ہوئی؟ اس کو جاننے کے لیے تفصیل میں جانا ہوگا اور وسیلے کی مختلف صورتوں کو ذہن میں لانے کے بعد مسئلہ کو سمجھنا آسان ہوگا۔

وسیلے کے معنٰی اردو زبان میں وسیلہ، ذریعہ کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی زبان میں اس کے معنٰی کچھ مختلف ہیں، اور یہ وَسَل / اض سے فعیلة کے وزن پر مشتق ہے وسل کے معنٰی التوصل الی الشیء برغبة کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔

الوسیلة، التوصل الی الشیء برغبة	وسیلہ، کسی چیز کی طرف رغبت سے پہنچنے کا نام ہے
وھی اخص من الوصیلة لتضمنھا	اور یہ وصیلہ سے خاص ہے کیونکہ یہ رغبت کے معنٰی
لمعنی الرغبة قال تعالٰی وابتغوا	پر مشتمل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وابتغوا الیہ
الیہ الوسیلة وحقیقة الوسیلة الی اللہ	الوسیلة وسیلہ الی اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ

مراعاة سبیله بالعلم والعبادة وتحری مکارم الشریعة وهی کالقربة والواسل الراغب الی الله .
(مفردات ص: ۵۴۵)

اللہ راستے پر چلنے میں علم وعبادت اور شریعت میں بیان کردہ اخلاق کریمہ کو پیش نظر رکھا جائے اور یہ وسیلہ قربت (عبادت) کی طرح ہے واسل کے معنی ہیں راغب الی اللہ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ دو جگہ استعمال ہوا ہے ایک سورہ مائدہ میں: یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وابتغوا الیه الوسیلة. (آیت: ۳۵) اور دوسرے سورۂ اسراء میں: أولئك الذین یدعون یبتغون الی ربهم الوسیلة. (آیت: ۵۷)۔

پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور رضا ورغبت سے اللہ تک پہنچنے کی تدبیریں اختیار کرو اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مشرکین جن کو پکارتے ہیں وہ خود رضا ورغبت سے اللہ تک پہنچنے کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ خدا تک پہنچنے کی راہ اور تدبیر وہی ہو سکتی ہیں جن کی اللہ کی طرف اجازت ہے جن باتوں کو خدا ناپسند کرتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے ان باتوں کو اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

انسان خدا تک پہنچنے کے لیے جن چیزوں کو وسیلے کے طور پر اختیار کرتا ہے ان کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ وسیلے کے طریقے کو مسلماتِ شرعیہ پر پرکھنے کے بعد کیا جائے گا کہ کونسا طریقہ مشروع اور جائز ہے اور کونسا طریقہ ناجائز اور غیر مشروع ہے۔

وسیلے کی مختلف صورتیں دعا میں توسل اختیار کرنے والوں کا ذہن مختلف ہوتا ہے اور ان کے احکام الگ الگ ہیں، مثلاً ۱- اگر توسل کے ساتھ دعا مانگنے والے کا ذہن یہ ہے کہ اگرچہ حقیقۃً عطا کرنے والا تو خدا ہی ہے، لیکن جس کو وہ وسیلہ اور واسطہ بنا رہا ہے اس کو خدا نے مستقل طور پر یا عارضی طور پر خصوصی اختیارات تفویض کر دیے ہیں اور ان اختیارات کی وجہ سے متوسل بہ مانگنے والوں کو عطا کرتا ہے، تو اس ذہن کا انسان دعا میں خدا کا نام محض تبرک کے لیے ذکر کرتا ہے، اصل مقصود اسی وسیلے اور واسطے سے مانگنا ہوتا ہے، چنانچہ ایسا انسان ان واسطوں سے ان چیزوں کو بھی مانگتا ہے جن کا دینا صرف باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اگر ایسا ہے تو یہ شرک ہے اور اس کی کسی کے یہاں گنجائش نہیں، حضرت شاہ عبد العزیزؒ صاحب لکھتے ہیں۔

چیزیکہ خصوصیت بجناب الٰہی دارد, مثل دادن فرزند یا بارش باراں یا دفع امراض یا طول عمر و مانند ایں چیز ہا بے آنکہ دعا و سوال

جس چیز کا دینا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، جیسے بیٹا دینا یا بارش برسانا یا بیماریوں کو دور کرنا، یا عمر درازی عطا کرنا، اور اس جیسی دوسری چیزیں

از جناب الٰہی در نیت نظر باشد از مخلوقے درخواست نماید این نوع حرام مطلق بلکہ کفر است (فتاوی عزیزی ج:۱ص:۳۴)

اس کے بغیر کہ نیت میں ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ سے مانگنا پیش نظر ہو۔کسی بھی مخلوق سے ان کی درخواست کرنا مطلقاً حرام بلکہ کفر ہے۔

۲۔اور اگر سائل کا ذہن یہ ہے کہ وہ واسطہ اور وسیلہ کو صاحبِ اختیار نہیں سمجھتا اور نہ ان سے کچھ مانگ رہا ہے اور نہ مانگنے کو جائز سمجھتا ہے بلکہ وسیلہ کے بارے میں اس کا تصور یہ ہے کہ یہ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں،اور اپنے اعمال صالحہ اور اپنی بہتر دینی خدمات کے سبب بارگاہِ خداوندی میں ان کو مقبولیت ہونی چاہیئے اس لیے ان کے وسیلے سے دعا کے مقبول ہونے کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے،اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ سائل کسی زندہ مسلمان یا بزرگ سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرے، یہ صورت بالاجماع درست ہے حضور پاک ﷺ نے حضرت عمرؓ سے لاتنسنا یا اخی فی دعائك فرمایا تھا۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مرحوم مسلمان یا بزرگ سے دعا کی درخواست کرے یعنی قبر کے قریب جاکر یہ کہے کہ اے فلاں! خدا سے میرے لیے دعا کیجئے کہ وہ میری فلاں ضرورت پوری کردے،تو اس مسئلہ کا تعلق سماع موتی سے ہے، جو سماع موتی کے قائل ہیں وہ اس کو جائز کہتے ہیں اور جو سماع موتی کے منکر ہیں وہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔لیکن چونکہ خیر القرون میں مرحومین سے دعا کی درخواست کا معمول نہیں رہا اس لیے اس سے اجتناب ہی کرنا چاہیئے۔[1]

۳۔اور اگر سائل دعا کے لیے کسی زندہ یا مرحوم سے درخواست نہیں کرتا بلکہ خود دعا کرتا ہے اور دعا کی قبولیت کے لیے بارگاہ خداوندی میں کسی چیز کو وسیلہ کے طور پر ذکر کرتا ہے،تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرے جیسا کہ صحیح روایات میں امم سابقہ کے تین افراد کا واقعہ ہے کہ غار کا منھ بند ہوجانے کے بعد انہوں نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلے سے دعا کی،ایک نے والدین کی خدمت، دوسرے نے قدرت کے باوجود زنا سے اجتناب،اور تیسرے نے اداء امانت کے وسیلے سے دعا کی اور اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا،حضور ﷺ نے امم سابقہ کے اس واقعہ کو استحسان کے طور پر ذکر فرمایا،اس لیے دعا میں نیک اعمال کو وسیلہ بنانا سب کے نزدیک جائز ہے،اس طریقہ کو توسل بالاعمال الصالحہ کہتے ہیں،اور

[1] لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کو علماء حق نے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے،شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں واما الاستمداد باهل القبور فی غیر النبی والانبیاء علیهم السلام فقد انكره كثير من الفقهاء (لمعات:ج:۴،ص:۴۷۸)فقہاء نے انبیاء کے علاوہ دیگر اہل قبور سے استمداد کا انکار کیا ہے،یعنی انبیاء کرام سے استمداد کا انکار نہیں ہے،انبیاء کے استثناء پر حضرت گنگوہی نے فرمایا:انبیاء کو اس وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔(فتاوی رشیدیہ:ج:۱،ص:۶۹)

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسی شخصیت کے وسیلے سے دعا کرے جس کو وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول سمجھتا ہے، اس کو توسل بالاعیان کہتے ہیں، جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر چہ اس وسیلہ کا ظاہر توسل بالاعیان ہے لیکن اس کی حقیقت توسل بالاعمال الصالحہ ہی ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرتا ہے، اللّٰھم انی اتوسل الیک بعبدک فلان۔ یعنی اے اللہ! میں فلاں بزرگ کے توسل سے دعا کرتا ہوں اس کی بنیاد کوئی غلط عقیدہ نہیں کہ وہ اس بزرگ کو متصرف فی الامور سمجھ رہا ہے یا یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ سے دعا قبول کرا سکتے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ بزرگ اپنے اعمال صالحہ اور اپنی دینی خدمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں اور مجھے ان سے تعلق ہے، محبت ہے، اور اس طرح دعا کرنے وجہ یہ ہے کہ اے اللہ! میرے اس تعلق کی برکت سے میری دعا قبول فرمالے وغیرہ، اس لیے اس کی حقیقت توسل بالعمل الصالح ہی کو قرار دیا جائے گا۔

البتہ حافظ ابن تیمیہؒ کو اس توسل بالاعیان سے اختلاف ہے، اور اس موضوع پر انہوں نے مستقل ایک رسالہ القاعدة الجليلة في التوسل والوسيلة تصنیف کیا ہے، اس رسالہ میں بھی اور اپنی دوسری تحریروں میں بھی وہ توسل بالاعیان کا انکار کرتے ہیں، بلکہ علامہ سبکیؒ کی تحقیق کے مطابق ابن تیمیہ سے پہلے کسی شخص نے اس طرح کے توسل کا انکار نہیں کیا، علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں۔

وحسبك ان انكار ابن تيمية للاستغاثة والتوسل لم يقله عالم قبله وصار به بين اهل الاسلام مثلة . (شفاء السقام، ص:۱۲۰)	آپ کے اطمینانؓ کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ابن تیمیہؒ کا استغاثہ اور توسل سے انکار ایسا قول ہے جو ان سے پہلے کسی عالم سے ثابت نہیں اور اس قول کے سبب اہلِ اسلام کے درمیان ان کی شبیہ بگڑ گئی یعنی وہ بدنام ہو گئے

خلاصہ یہ ہوا کہ جس ذات کو دعا میں وسیلہ بنایا جائے اگر دعا کرنے والا اس کو متصرف سمجھ رہا ہے تو یہ شرک اور حرام ہے اور اگر وہ اس کو کسی بھی درجہ میں متصرف فی الامور نہیں سمجھتا، دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے اور وسیلے کے طور پر پیغمبر علیہ السلام یا اللہ کے کسی مقرب بندے کا نام بھی ذکر کرتا ہے تو ابن تیمیہؒ اس کے منکر ہیں اور جمہور اس کی گنجائش سمجھتے ہیں، لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ ابن تیمیہؒ کا انکار صرف کسی کی ذات کو وسیلہ بنانے سے متعلق ہے اور اگر اسی ذات سے محبت، اسکی تعلیمات پر عمل، یا اس کی اطاعت کے عہد و پیمان کو توسل کے طور پر ذکر کیا جائے تو وہ اس کے منکر نہیں ہیں، لکھتے ہیں۔

اما اذا سال اللّٰه بالاعمال الصالحة او بدعاء نبيه والصالحين	بہر حال اگر اللہ تعالیٰ سے اعمال صالحہ کے وسیلے سے سوال کر رہا ہے اور پیغمبر اور نیک بندوں کی دعا کے

من عباده فالاعمال الصالحة سبب للاثابة والدعاء سبب للإجابة فسواله بذلك سوال بما هو سبب لنيل المطلوب فالتوسل إلى الله بالنبيين هوا لتوسل بالإيمان بهم وبطاعتهم كالصلاة والسلام عليهم ومحبتهم وموالاتهم أو بدعائهم أو شفاعتهم وأما نفس ذواتهم فليس فيها ما يقتضي حصول مطلوب العبد وإن كان لهم عند الله الجاه العظيم والمنزلة العالية بسبب اكرام الله لهم واحسانه اليهم وفضله عليهم وليس في ذلك ما يقتضي اجابة دعاء غيرهم.	وسیلے سے سوال کر رہا ہے، تو اعمال صالحہ ثواب کا سبب ہیں اور دعا قبولیت کا سبب ہے اس لیے اس طرح سوال کرنا مطلوب کے حصول کے سبب کے ساتھ سوال کرنا کہلائے گا۔ اس لیے اللہ کی بارگاہ میں پیغمبروں کو وسیلہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ایمان لانے کو اور ان کی اطاعت کرنے کو وسیلہ بنایا جائے جیسے ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کو، اور ان سے محبت اور تعلق رکھنے کو یا ان سے دعا کرانے یا ان سے شفاعت کرانے کو (وسیلہ بنایا جائے) رہا ان کی ذات کا معاملہ تو ذات کو وسیلہ بنانے میں ایسی کوئی چیز نہیں جس سے بندے کا مطلوب حاصل ہو اگرچہ ان کو اللہ کے یہاں اس سبب سے جاہ عظیم اور بلند درجات حاصل ہیں کہ اللہ نے ان کو عزت واکرام عطا کیا ہے، ان پر احسان فرمایا ہے اور ان پر فضل وکرم کیا ہے، لیکن ان چیزوں میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جو دوسروں کی دعاؤں کی قبولیت کی متقاضی ہو۔
(فتاوی کبری: ج:۲۷،ص:۱۳۳)	

بلکہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ اگر دعا میں وسیلہ اختیار کرنے والے کا منشاء ذات نہ ہو، اس ذات پر ایمان یا اس سے محبت وغیرہ کو وسیلہ بنایا گیا ہو تو انہیں اس سے اختلاف نہیں، فرماتے ہیں۔

فإن قيل: إذا كان التوسل بالايمان به ومحبته وطاعته على وجهين، تارة يتوسل بذالك الى ثوابه و جنته (وهذا أعظم الوسائل) وتارة يتوسل بذالك في الدعاء كما ذكرتم نظائره، فيحمل قول القائل: أسألك بنبيك محمد على انه	اگر یہ کہا جائے کہ جب پیغمبر پر ایمان اور ان کی محبت واطاعت کو وسیلہ بنانے کی دو صورتیں ہیں کبھی تو اس کو حصول ثواب اور حصول جنت کا وسیلہ بنایا جاتا ہے (اور یہ سب سے بڑا وسیلہ ہے) اور کبھی اس کو دعا میں وسیلے کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے جیسا کہ تم نے اس کے نظائر ذکر کیے، تو توسل اختیار کرنے والے کے قول: اسئلك بنبيك محمد، کو اسی معنی پر محمول کرنا

أراد: إني أسألك بإيماني به وبمحبته وأتوسل إليك بإيماني به ومحبته ونحو ذالك وقد ذكرتم ان هذا جائز بلا نزاع قيل: من أراد هذا المعنىٰ فهو مصيب في ذالك بلا نزاع، وإذا حمل على هذا المعنىٰ كلام من توسل بالنبي ﷺ بعد مماته من السلف — كما نقل عن بعض الصحابة والتابعين وعن الامام أحمد وغيره كان هذا حسنا وحينئذ فلا يكون في المسئلة نزاع. (فتاویٰ کبریٰ، ج:۱، ص:۲۲۱)

چاہیے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے پیغمبر پر ایمان کے وسیلے سے اور ان کی محبت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں اور ان پر ایمان اور ان کی محبت کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں، ونحو ذالك، اور تم ذکر کر چکے ہو کہ اس طرح دعا کرنا بلا نزاع درست ہے، تو جواب میں کہا جائے گا کہ جس سائل نے یہ معنی مراد لیے تو وہ بلا نزاع درست ہیں اور اگر اسی معنی پر سلف میں سے ان لوگوں کے کلام کو محمول کیا جائے جنھوں نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے وسیلے سے دعا کی جیسا کہ بعض صحابہ وتابعین سے اور امام احمدؒ سے منقول ہے تو یہ بہتر ہوگا، اور اس صورت میں مسئلہ میں کوئی نزاع باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح توسل کی بعض صورتوں کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں،

وقول القائل ببركة الشيخ قد يعني بها دعاءه وهو اسرع الدعاء اجابة دعاء غائب لغائب وقد يعني بها بركة ماأمره به وعلمه الخير وقد يعني بها بركة معاونته له على الحق وموالاته في الدين ونحو ذالك، وهذه كلها معان صحيحة. (زیارۃ القبور والاستنجاد بالقبور، ص:۱۱۸)

قائل کا قول (شیخ کی برکت سے) کبھی اس کا مطلب ہوتا ہے (ان کی دعا کی برکت سے) اور قبولیت میں سب سے سریع الاثر وہ دعا ہے جو ایک غائب دوسرے غائب کے لیے کرے اور کبھی مراد یہ ہوتی ہے کہ جن چیزوں کا انہوں نے حکم دیا ہے یا جس خیر کی تعلیم دی ہے اس کی برکت سے اور کبھی مراد یہ ہوتی ہے کہ حق کے سلسلے میں جو ان کی معاونت ہے یا دین کی وجہ سے جو ان سے تعلق ہے اس کی برکت سے یا اس طرح کے دوسرے معنی، تو یہ سب معانی درست اور صحیح ہیں۔

غرض یہ کہ ابن تیمیہؒ نے کچھ غلط فہمیوں کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے، ذات کو وسیلہ بنانے سے انکار کیا ہے، جب کہ دیگر اہل سنت نے ان غلط فہمیوں کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ ذات کو وسیلہ بنانے کی حقیقت ان کے یہاں وہی ہے جس کا ابن تیمیہؒ کو انکار نہیں ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں۔

الثالث دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول ...... و حقيقة هذا المعنى الثالث اللّٰهم ان العبد الفلاني أو العمل الفلاني لنا أو لفلان مقبول ومرضى عندك ولنا تلبس و تعلق به أما مباشرة له في العمل وأما محبة له في العبد أو عمله وانت وعدت الرحمة لمن له هذا التلبس فنسألك هذه الرحمة، فياليت شعرى أى محذور فيه نقلا أو عقلا. (البوادر والنوادر، ص:۷۰۹)	تیسری صورت، اس مخلوق مقبول کی برکت سے اللہ سے دعا کرنا، اور اس تیسرے معنی کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں بندہ یا ہمارا فلاں عمل ، یا فلاں بندے کا عمل آپ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے اور ہم کو اس بندے سے یا عمل سے تلبس اور تعلق ہے، خواہ تو اس عمل میں ارتکاب کا، اور خواہ اس بندے یا اس کے عمل میں اس سے محبت رکھنے کا، اور آپ نے ایسے شخص پر رحمت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جس کو یہ تعلق ہو پس ہم اس رحمت کا آپ سے سوال کرتے ہیں، پس کاش مجھے کوئی یہ بتلادے کہ اس معنی میں کونسی عقلی یا نقلی خرابی ہے۔

غور کیجئے کہ ابن تیمیہؒ توسل بالاعیان کو جس تشریح کے ساتھ درست قرار دے رہے ہیں، حضرت تھانویؒ کے یہاں بھی توسل بالاعیان کی وہی حقیقت ہے کہ جمہور کسی شخصیت کو اس کے اعمال صالحہ اور اس کی دینی خدمات سے الگ کر کے وسیلہ نہیں بتاتے بلکہ وہ اس ذات سے اس کے اوصاف اور علمی وعملی کمالات کی وجہ سے محبت کرتے ہیں اور اپنے اس تعلق کو وسیلہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور ابن تیمیہؒ بھی اس تفصیل کے ساتھ اجازت دیتے ہیں، اس لیے توسل بالاعیان کے سلسلے میں جمہور سے ابن تیمیہؒ کا اختلاف نزاع لفظی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

حضرت عباسؓ سے توسل کی حقیقت وسیلے کی مختلف صورتوں اور ان کے احکام کو جان لینے کے بعد یہ سمجھنا آسان ہے کہ استسقاء کے موقع پر جو حضرت عباسؓ کا توسل اختیار کیا گیا وہ ہمارے زمانہ میں رائج وسیلے سے مختلف ہے، رائج وسیلہ کا طریقہ یہ ہے کہ خدا سے دعا مانگنے والا انبیاء وصالحین کا نام اور ان سے اپنے تعلق کا ذکر کر کے اپنی دعا کی قبولیت کی امید رکھتا ہے، یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! فلاں کے وسیلے سے یعنی فلاں سے میرے تعلق کی برکت سے میری دعا قبول فرمالے اور حضرت عباسؓ کے توسل میں یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ استسقاء کے لیے حضرت عباسؓ سے دعا کرائی گئی اور دوسرے حضرات شریک دعا ہوئے ، گویا یہاں نہ توسل بالاعیان ہے نہ توسل بالاعمال الصالحہ، بلکہ یہاں توسل بالدعاء ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔

وبعده استسقى عمرؓ بمن معه بالعباسؓ عمّ النبي ﷺ فجعلوه كالإمام يسأل فيه لأنّه كان أمس بالنبي ﷺ وأقربهم إليه رحما (عمدۃ القاری)

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے مع اپنے ساتھیوں کے حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے وسیلے سے استسقاء کیا، چنانچہ حضرت عباسؓ کو امام کی طرح پیشوا بنایا کہ وہ سوال (دعا) کریں، کیونکہ ان کا تعلق حضور ﷺ سے سب سے زیادہ مضبوط تھا اور وہ رشتہ میں آپ کے سب سے زیادہ قریب تھے۔

اس لیے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانے کا مطلب یہ ہوا کہ اُن کو دعا میں پیشوا بنایا گیا اور باقی تمام حضرات شریک دعا رہے، اور توسل بالدعاء کا یہ طریقہ عہد صحابہ میں معروف تھا کہ صحابہؓ حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے اور اسی طریقے کے مطابق حضرت عباسؓ سے استسقاء کے لیے دعا کی درخواست کی گئی۔

رائج وسیلہ کا ثبوت لیکن یہاں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ اگرچہ اس روایت میں رائج وسیلہ کی بات نہیں ہے مگر دیگر صحیح روایات سے رائج وسیلہ ثابت ہے، امام ترمذیؒ نے کتاب الدعوات میں بسند صحیح نقل کیا ہے،

عن عثمان بن حنيف ان رجلا ضرير البصراتى النبي ﷺ فقال أدع الله ان يعافيني، قال: إن شئت دعوت وإن شئت صبرت فهو خير لك قال: فادعه قال: فأمره أن يتوضا فيحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء اللّهم إنّي أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمّد نبي الرّحمة، إنى توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي اللّهم فشفعه في، (هذا حديث حسن صحيح غريب).

حضرت عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے شفا عطا فرمائے (یعنی بینا کر دے) آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو اور صبر کرنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے، انہوں نے عرض کیا دعا فرمائیے تو ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ وضو کریں اور اچھی طرح وضو کریں اور یہ دعا کریں اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد ﷺ کو متوجہ کرتا ہوں جو نبی رحمت ہیں، بے شک میں نے اے محمد! آپ کے وسیلے سے اپنی اس ضرورت میں اپنے پروردگار کی طرف رخ کیا ہے تاکہ میری یہ ضرورت پوری ہو جائے، اے اللہ! پس تو حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ (یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے)

روایت کے بارے میں محدثین کا فیصلہ محدثین کا فیصلہ ہے کہ یہ روایت صحیح ہے، ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے ابن ماجہ نے باب صلاۃ الحاجۃ میں حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا، قال: ابو اسحٰق ھذا حدیث صحیح، مستدرک حاکم میں یہ روایت کئی جگہ آئی ہے، ایک جگہ اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح علی شرط الشیخین، اور دوسری جگہ صحیح علی شرط البخاری، کہا ہے، بیہقی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، طبرانی اور حدیث کی متعدد کتابوں میں یہ روایت معتبر سند کے ساتھ ذکر کی گئی ہے، طبرانی نے بھی تصحیح کی ہے، خود حافظ ابن تیمیہ نے روایت پر کوئی کلام نہیں کیا بلکہ رواہ اہل السنن وصححہ الترمذی کہہ کر اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

روایت سے مروجہ توسل کا ثبوت اس روایت سے دعا میں مروجہ توسل کا ثبوت بالکل ظاہر ہے، مروجہ توسل کا حاصل یہ ہے کہ دعا کرنے والا صرف خدا سے دعا مانگتا ہے اور صرف خدا ہی کو کارساز اور قاضی الحاجات سمجھتا ہے البتہ وہ کسی شخصیت کو اس کے اعمال صالحہ یعنی زہد و عبادت، تقوی و طہارت اور اس کی دینی خدمات وغیرہ کی وجہ سے مقبولِ بارگاہ خداوندی تصور کرتا ہے، اور اس مقبول بندے سے اپنے مخلصانہ تعلق کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ کے طور پر پیش کر کے خدا سے اپنی دعا کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہے۔

اس روایت میں یہ بات صراحت سے آگئی کہ ایک نابینا صحابی نے حضورﷺ سے آنکھوں کی بیماری سے شفا کی دعا کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم دعا چاہتے ہو تو میں دعا کروں گا اور اگر تم اس پر صبر کرلو تو صبر کرنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے، بہتر ہونے کا مطلب یہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیہ ثم صبر عوضتہ منھما الجنۃ کہ جب میں اپنے بندے کو دونوں آنکھوں کے سلسلے میں مبتلا کرتا ہوں پھر بندہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کو ان کے بدلے میں جنت عطا کرتا ہوں، نابینا نے عرض کیا کہ آپ دعا فرما دیں، تو آپ نے بذاتِ خود دعا نہیں کی، البتہ انہی نابینا کو حکم دیا کہ تم اچھی طرح وضوء کرو اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ پھر دو رکعت نماز پڑھو اور اس کے بعد ان الفاظ میں دعا کرو۔

آپ کی تلقین کردہ دعا میں تین جملے ہیں، پہلا جملہ ہے **اللّٰھم انی اسالك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة**، دوسرا جملہ ہے **انی توجھت بك الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی**، اور تیسرا جملہ ہے **اللّٰھم فشفعه فی**، پہلے اور دوسرے جملے میں کلمہ باء کا استعمال ہوا ہے جو تعدیہ، استعانت اور دیگر معانی میں استعمال ہوتی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ باء کو دونوں جملوں میں استعانت کے لیے مان رہے ہیں، ترجمہ کرتے ہیں۔

"خداوندا بدرستیکہ من سوال می کنم و رو بسوئے تو می آرم بوسیلہ پیغمبر تو کہ نام پاکِ وے محمد است، پیغمبر رحمت است،

بدرستیکہ من روئے آوردم بوسیلہ تو بسوئے پروردگار خود تا حکم کند برائے من در حاجت من کہ انیست"

شیخ طیبی فرماتے ہیں والباء في "بنبيك" للتعدية، وفي "بك" للاستعانة، پہلے جملہ کی با کو تعدیہ کے لیے اور دوسرے جملہ کی باء کو استعانت کے لیے مانیں تو ترجمہ اس طرح ہوگا اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے پیغمبر محمد ﷺ کو- جو نبی رحمت ہیں- تیری طرف متوجہ کرتا ہوں اے محمد! میں آپ کے وسیلے سے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوگیا ہوں تاکہ وہ میری اس ضرورت میں میرے حق میں فیصلہ فرمادے۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ پہلے جملہ میں جو اتوجه اليك بنبيك فرمایا گیا ہے اس میں من ذا الذي يشفع عنده الا باذنه کا مضمون ہے، مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو سائل کی درخواست کے باوجود دعا نہیں کی تو شاید آپ کو اذنِ خداوندی کا انتظار ہے، اس لیے اس جملہ میں تیرے پیغمبر کو تیری طرف متوجہ کرتا ہوں کا مقصود یہ ہے کہ اے اللہ! پیغمبر علیہ السلام کو میرے لیے شفاعت کا اذن عطا فرمادے، پھر دوسرے جملے میں حضور ﷺ کو خطاب کر کے عرض کیا گیا ہے کہ میں نے آپ کے وسیلے سے اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کیا اور تیسرے جملے میں خدا سے پیغمبر علیہ السلام کے وسیلے سے کی گئی دعا کو قبول کرنے کی درخواست ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ تو دعا کے پہلے اور دوسرے دونوں جملوں سے پیغمبر علیہ السلام کی ذات کے توسل کا مضمون سمجھ رہے ہیں اور شیخ طیبی کے بیان کے مطابق پہلے جملہ میں گو توسل نہیں ہے، مگر دوسرے جملہ میں آپ کی ذاتِ پاک کا توسل ہے۔

شیخ عبد الغنی اور شیخ عابد سندھی کا استدلال

شیخ عبد الحق اور شیخ طیبی پر انحصار نہیں، اس روایت سے عام طور پر اہلِ علم نے یہی سمجھا ہے کہ دعاؤں میں انبیاء وصالحین کا توسل جائز ہے، شیخ عبد الغنی مجددی نے انجاح الحاجۃ میں لکھا ہے کہ ہمارے استاد شیخ عابد سندھی نے توسل کے موضوع پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول پاک ﷺ کی ذاتِ پاک کا توسل جائز ہے، زندگی میں تو اسی روایت سے ثابت ہے اور بعد وفات کے لیے انہوں نے طبرانی کی وہ روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت عثمان بن حنیف نے اس شخص کو یہ دعا تلقین کی ہے جسے حضرت عثمان غنیؓ سے کام تھا اور وہ اس کی طرف توجہ نہیں فرمارہے تھے۔

قاضی شوکانی کا استدلال

قاضی شوکانی نے اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے انبیاء اور صالحین کے توسل کو جائز قرار دیا ہے، لکھتے ہیں۔

وفي الحديث دليل على جواز التوسل برسول الله ﷺ الى الله عزوجل. (تحفۃ الذاکرین)

یہ حدیث بارگاہ خداوندی میں رسول اللہ ﷺ سے توسل کے جواز کی دلیل ہے۔

پھر آگے بحث کرتے ہوئے انبیاء وصالحین کے توسل کو جائز قرار دیا ہے، اور اسی موضوع پر انہوں نے ایک رسالہ الدر[1] النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید لکھا ہے جس میں پہلے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دیگر صالحین کے توسل کا انکار کرتے ہیں لکھتے ہیں، وعندی انہ لا وجہ لتخصیص جواز التوسل بالنبی ﷺ، پھر انہوں نے انبیاء وصالحین سے توسل کے جواز کو مدلل کیا ہے، اور منکرین کے دلائل کو ذکر کر کے ان کی تردید کی ہے، پھر ذات کے توسل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل علم اور ارباب فضل سے توسل، درحقیقت ان کے صالح اعمال اور ان کے خصوصی فضائل کا توسل ہے اس لیے کہ کسی بھی بافضیلت انسان کو اس کے اعمال صالحہ اور علمی خدمات کی بدولت ہی صاحبِ فضیلت سمجھا جاتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ کا موقف لیکن حافظ ابن تیمیہ کا موقف اس کے خلاف ہے، وہ حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کی صحت تو تسلیم کرتے ہیں مگر وہ اس سے رائج توسل کو ثابت نہیں سمجھتے، ان کا خیال ہے کہ اس روایت میں دعا کرنے والے نے پیغمبر علیہ السلام کی ذات کا توسل اختیار نہیں کیا، پیغمبر علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی ہے، اور اس روایت سے صرف توسل بالدعاء ثابت ہوتا ہے، فرماتے ہیں۔

وحدیث الأعمی لا حجۃ لھم فیہ فانہ صریح فی انہ انما توسل بدعاء النبی ﷺ وشفاعتہ۔ (التوسل والوسیلہ ص:۶۴)

حدیث الاعمی سے توسل بالذات پر استدلال بالکل درست نہیں اس لیے کہ حدیث میں صراحت ہے کہ اعمی نے صرف حضور ﷺ کی دعا اور شفاعت کا توسل اختیار کیا ہے۔

اسی طرح کی بات قدرے تفصیل کے ساتھ فتاوی میں ارشاد فرمائی۔

وحدیث الأعمی الذی رواہ الترمذی والنسائی ھو من القسم الثانی من التوسل بدعائہ فان الاعمی قد طلب من النبی ﷺ ان یدعو لہ بأن یرد علیہ بصرہ، فقال لہ ان شئت صبرت وان شئت دعوت لک فقال بل ادعہ، فامرہ

نابینا کی وہ حدیث جس کو ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے وہ توسل کی دوسری قسم یعنی توسل بالدعاء ہے، اس لیے کہ نابینا نے حضور ﷺ سے اپنے لیے دعا کی درخواست کی تھی کہ خدا اس کی بینائی واپس کر دے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صبر کرو، اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں؟ اس نے کہا بلکہ آپ دعا

[1] حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بوادر النوادر میں اپنے مضمون کے حاشیہ پر الدر النضید کا پورا ترجمہ شائع کرادیا ہے اور فرمایا ہے کہ چونکہ ابن تیمیہ کے معتقدین قاضی شوکانی کو بھی حجت کہتے ہیں اس لیے اس کا نقل کرنا نافع معلوم ہوتا ہے۔

ان یتوضا ویصلی رکعتین ویقول اللّٰھم انی اسالك بنبیك نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی هذه لیقضیها اللّٰھم فشفعه فی ، فهذا توسل بدعاء النبی ﷺ وشفاعته ودعا له النبی ﷺ ولهذا قال وشفعه فی ، فسأل اللّٰه ان یقبل شفاعة رسوله فیه وهو دعاءه .

(فتاوی: ج:۱، ص:۲۶۶-۲۶۵)

فرمادیں تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ وضوء کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے، اللّٰھم انی اسألك بنبیك نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی هذه لیقضیها اللّٰھم فشفعه فی . تو یہ نبی کریم ﷺ کی دعا اور شفاعت کا توسل ہوا اور اس کے لیے حضور ﷺ نے دعا کی اور اسی لیے اس دعا میں وشفعه فی کہا، یعنی اللہ سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کے حق میں اپنے رسول کی شفاعت قبول فرمائے اور یہی رسول اللہ ﷺ کی دعا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ فرما رہے ہیں کہ روایت توسل بالدعاء کے سلسلے میں صریح ہے اس لیے اس روایت سے صرف توسل بالدعاء کا ثبوت ہوا، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ روایت میں دعا کی صراحت تو کیا ہوتی، یہ بات روایت کے سیاق وسباق کے بھی خلاف ہے اور واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ شواہد مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ روایت کے کسی طریق میں پیغمبر علیہ السلام کا دعا کرنا مذکور نہیں، مذکور صرف اتنا ہے کہ نابینا نے دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خیر لك ، آپ نے نابینا کے حق میں دعا کے مقابلہ پر صبر کو ترجیح دی، گویا دعا نہیں کی، لیکن چونکہ ان دونوں باتوں کے لیے آپ نے ان شئت فرمایا تھا، اس لیے نابینا نے گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فادعه عرض کیا، یعنی دعا کی درخواست کی، اس پر بھی آپ نے خود دعا نہیں کی، نہ دعا کا وعدہ کیا بلکہ خود انہی نابینا کو دعا کے کلمات تلقین فرمادیئے معلوم ہوا کہ اس روایت میں توسل بالدعاء کی بات دور دور تک نہیں ہے، طیبیؒ لکھتے ہیں۔

أسند النبی ﷺ الدعاء الی نفسه وکذا طلب الرجل أن یدعو هو ﷺ ، ثم أمره أن یدعو هو أی الرجل کأنه لم یرض منه اختیاره الدعاء لما قال الصبر خیر لك ، لکن فی جعله شفیعا له ووسیلة فی

حضور ﷺ نے دعا کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اور ایسے ہی اس ضرورت مند نے بھی آپ سے دعا کی درخواست کی، پھر آپ نے اسی شخص کو دعا کرنے کا حکم دیا، گویا آپ ﷺ کو اس کا دعا کی جانب کو ترجیح دینا پسند نہیں آیا اس لیے کہ آپ پہلے الصبر خیر لك فرما چکے تھے، لیکن آپ کو شفیع بنانے سے،

استجابة الدعاء ما يفهم انه شريك فيه . (طیبی: ج ۵، ص ۲۰۹) اور آپ کو دعا کی قبولیت کے لیے وسیلہ بنانے سے یہ سمجھا جا سکتا ہے، کہ آپ دعا میں شریک ہیں۔

طیبیؒ توسل بالدعاء کا انکار کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے چونکہ دعا اور صبر کی دونوں صورتیں بیان کرنے کے بعد صبر کو ترجیح دی تھی، اس لیے آپ کو نابینا کا دعا کی صورت کو ترجیح دینا پسند نہیں آیا اور خود دعا نہیں کی، تاہم آپ نے نابینا کی رعایت فرماتے ہوئے انہیں کو کلمات دعا تلقین فرما دیے، ان کلمات میں دعا کی قبولیت کی امید کے لیے حضور ﷺ کی ذات کا توسل بھی ہے اور آپ کو شفیع بھی بنایا گیا ہے، اور چونکہ آپ نے کلماتِ دعا تلقین کیے ہیں، اس لیے ایک حد تک آپ کو شریک دعا بھی کہا جا سکتا ہے، بہر حال طیبی کی بات کا مفہوم یہی نکلتا ہے کہ اس روایت میں توسل بالدعاء نہیں، بلکہ توسل بذات النبی ﷺ ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ روایت کے طرق میں صراحت ہے کہ نابینا نے حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر فوراً عمل کیا، **قال عثمان بن حنيف فوالله ما تفرقنا وما طال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كانه لم يكن به ضرقط ،** مطلب یہ ہوا کہ نابینا نے بالکل تاخیر نہیں کی، حضور ﷺ اور حضرت عثمان بن حنیف وغیرہ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور نابینا آپ کی ہدایت کے مطابق وضوء، نماز اور دعا کر کے آگئے اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرما لی اور انہیں کوئی شکایت باقی نہ رہی۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف آپ کے ساتھ ہیں، اگر آپ نے نابینا کے لیے دعا کی ہوتی تو وہ اس کو ضرور بیان کرتے؛ کیونکہ آپ کی دعا اس واقعہ کا سب سے اہم جز تھی؛ لیکن وہ اس کو بیان نہیں کر رہے ہیں، پھر جب آپ نے دعا ہی نہیں کی تو روایت کو توسل بالدعاء پر محمول کرنا بالکل خلاف واقعہ ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ اگر بالفرض پیغمبر علیہ السلام نے دعا کی تھی تو اس سے توسل بالدعاء کا ثبوت ہو جائے گا، لیکن جو دعا آپ نے نابینا کو تلقین کی وہ تو اس سے بالکل الگ بات ہے، اور یہ گذر چکا ہے کہ اس دعا کے کلمات سے توسل بذات النبی ﷺ صراحت کے درجہ میں ثابت ہے۔

وفات کے بعد توسل بالذات

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے جب وہ دعا تلقین کی تھی جس میں آپ کی ذات کا توسل ہے تو اس وقت آپ بقید حیات تھے، اور اس میں آپ کو خطاب کر کے **يا محمد انى توجهت بك الى ربى** بھی کہا گیا ہے، تو ایسا تو نہیں ہے کہ توسل آپ کی ذات یا آپ کے زمانہ حیات کے ساتھ خاص ہو، آپ کی ذات کے ساتھ توسل کو خاص کرنے کی بات تو شیخ عز الدین بن عبد السلام نے کہی ہے اور زمانۂ حیات کے ساتھ خاص کرنے کی بات شیخ ابن تیمیہ کی ہے، مناسب ہوگا کہ ان دونوں نظریات پر بھی غور کر لیا جائے۔

شیخ عز الدینؒ کا نظریہ شیخ عز الدین عبد السلام کی وفات ۶۶۰ھ میں ہے، اس وقت تک توسل بالذات کے عدمِ جواز کا کوئی قائل نہیں تھا؛ چنانچہ وہ بھی توسل بالذات کو جائز کہتے ہیں مگر اس کو حضور ﷺ کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں، آپ کے علاوہ دیگر انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کا توسل ان کے یہاں جائز نہیں، عبد الرؤف مناوی نے فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اسی عثمان بن حنیف کی روایت کے ذیل میں توسل پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قال ابن عبد السلام ينبغي كون هذا مقصورا على النبي ﷺ لانه سيد ولد آدم وان لا يقسم على الله بغيره من الأنبياء والملائكة والأولياء لأنهم ليسوا في درجته وان يكون مما خص به تنبيها على علو رتبته وسمو مرتبته . (فیض القدیر: ج:۲،ص:۱۳۴)	ابن عبد السلام کہتے ہیں کہ اس توسل کو حضور ﷺ پر منحصر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ آپ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سب کے آقا ہیں اور آپ کے علاوہ انبیاء، ملائکہ اور صالحین میں کسی کا توسل اختیار کر کے اقسام علی اللہ نہیں کرنا چاہیئے، اس لیے کہ مذکورہ بالا حضرات آپ کے ہم مرتبہ نہیں ہیں اور توسل کو آپ کے ساتھ خاص کرنے میں آپ کے رتبے اور مرتبے کی بلندی پر تنبیہ ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ ان کے نزدیک توسل بذات النبی ﷺ جائز ہے، اور اس کی دلیل یہی حضرت عثمان بن حنیف کی روایت ہے، گویا جواز تو نص سے ثابت ہے، لیکن آگے وہ جو اس کو حضور ﷺ کے ساتھ خاص کر رہے ہیں وہ منصوص نہیں، وہ ان کا اپنا ذوق ہے جیسا کہ ان کے الفاظ ینبغی کون هذا سے سمجھا جاسکتا ہے، اور اس ذوق کی دلیل یہ ہے کہ یہ توسل آپ کے درجاتِ عالیہ میں امتیاز کی بنیاد پر ہے اور کسی کو یہ مقام حاصل نہیں، گویا وہ توسل بالذات کے طریقے کو عام نہیں کرنا چاہتے اور جس طرح فقہاء، خلاف قیاس آنے والے کسی حکم کو اپنے مورد کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اسی طرح وہ جوازِ توسل کو حضور پاک ﷺ کے ساتھ خاص کر رہے ہیں۔

لیکن جمہور کو ان کے دعویٰ تخصیص سے اتفاق نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ بارگاہِ خداوندی میں مقبول کسی ذات کو وسیلہ بنانا، دراصل ان کے اعمال صالحہ اور ان سے اپنی محبت کو وسیلہ بنانا ہے جس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

ان التوسل الى الله عز وجل باهل الفضل والعلم هو في التحقيق توسل باعمالهم الصالحه	اہل فضل اور اہل علم کا توسل درحقیقت ان کے اعمال صالحہ اور ان کے فضیلت والے خصوصی کمالات کا توسل ہے، اس لیے کہ فاضل کو

ومزایاهم الفاضلة اذ لا یکون الفاضل فاضلا الا باعماله ، فاذا قال القائل اللّٰهم انی اتوسل الیك بالعالم الفلانی فهو باعتبار ما قام به من العلم .
(بحوالہ تحفۃ الاحوذی: ج:۱۰،ص:۲۶)

فاضل بنانے میں اس کے اعمال کے علاوہ کسی چیز کا دخل نہیں اس لیے اگر کہنے والے نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں عالم کو وسیلہ بناتا ہوں تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس عالم کو اپنی انجام دی ہوئی خدمات کے ساتھ وسیلہ بنایا گیا ہے۔

اسی طرح مسلک دیوبند کے ترجمان حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے بالکل یہی بات ارشاد فرمائی ہے جیسا کہ بوادر النوادر ص:۷۰۹، کی عبارت دی جا چکی ہے۔

حضور ﷺ کی ذات کے توسل کی بنیاد بھی آپ کے اعمال، کمالات اور آپ سے متوسل کی محبت ہی ہے، کسی بندۂ مؤمن کا یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ وہ آپ کے اعمال آپ کی نبوت اور ختم نبوت سے صرفِ نظر کر کے صرف آپ کی ذات کا توسل اختیار کر رہا ہے، تقی الدین سبکیؒ لکھتے ہیں:

فالتوسل والتشفع والتوجه والاستغاثة بالنبی ﷺ وسائر الأنبیاء والصالحین لیس لها معنی فی قلوب المسلمین غیر ذلك ولا یقصد بها أحد منهم سواه ، فمن لم ینشرح صدره لذلك فلیبك علی نفسه .
(شفاء السقام: ص:۱۲۹)

آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء وصالحین کے وسیلے، سفارش، جاہ اور طفیل وغیرہ سے دعا کرنے کا مطلب، تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس کے علاوہ کچھ نہیں، (کہ ان پر ایمان لانا اور ان سے محبت کرنا عمل صالح ہے) اور مسلمانوں میں کوئی بھی اس کے علاوہ توسل کے کسی معنی کا قصد نہیں کرتا، پس جس انسان کو ان معنی پر شرح صدر نہ ہو اس کو اپنی ذات پر رونا چاہیئے۔

زمانۂ حیات سے توسل کو خاص کرنے کا جائزہ

عز الدین بن عبد السلام نے توسل کو حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص سمجھا، اور ان کے نزدیک یہ توسل آپ کی حیات میں بھی جائز تھا، اور بعد وفات بھی جائز ہے، لیکن حافظ ابن تیمیہ کا نظریہ یہ ہے کہ توسل کسی کی ذات کا جائز نہیں اور ان کی طرف جو یہ بات منسوب ہے کہ وہ توسل کو حضور ﷺ کے زمانۂ حیات کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں اس کا مطلب ان کی تحریروں کے مطابق یہ ہے کہ وہ توسل بالدعاء کے قائل ہیں، اور ظاہر ہے کہ دعا زندگی ہی میں کرائی جاسکتی تھی، اس لیے ان کے یہاں توسل زندگی کے ساتھ خاص ہوگیا، توسل بذات النبی ﷺ کی ان کے یہاں نہ زندگی میں

گنجائش تھی نہ بعد وفات۔

چنانچہ جن روایات سے جمہور توسل بالذات کا جواز سمجھ رہے ہیں ابن تیمیہ ان میں تاویل کررہے ہیں اور ان کو توسل بالدعاء پر محمول کررہے ہیں، یہی عثمان بن حنیف والی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے نہ دعا کی، نہ دعا کا وعدہ فرمایا بلکہ ضرورت مند کو ایک دعا تلقین کردی جس میں أسالك بنبيك اور توجهت بك ہے یعنی توسل بالذات کی صراحت ہے گذر چکا ہے، کہ وہ ان حقائق سے صرف نظر کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں انه صريح في انه انما توسل بدعاء النبي ﷺ۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس میں حضور ﷺ کی دعا کی صراحت کہاں ہے؟ اس میں تو اشارہ بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف صراحت اس بات کی ہے کہ حضور ﷺ نے خود دعا نہیں کی، اور جو دعا آپ نے تلقین کی اس میں توسل بالذات کی صراحت ہے، جیسا کہ طیبی اور شیخ عبدالحق کے حوالہ سے گذر چکا ہے، نیز یہ کہ روایت میں دیئے گئے توسل میں کسی زمانہ وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، اس لیے اس کو مطلق سمجھا جائے گا اور یہ مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا۔

وفات کے بعد توسل کا ثبوت

اس روایت سے توسل بالدعاء مراد نہ ہونے کی ایک مضبوط اور واضح دلیل یہ ہے کہ راوئ حدیث حضرت عثمان بن حنیف نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد بعینہ یہی دعا انہی الفاظ میں ایک ضرورت کے موقع پر کسی کو سکھلائی اور اس کی برکت سے اس کی ضرورت پوری ہوئی، طبرانی کی روایت ہے:

عن عثمان بن حنيف ان رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان في حاجة له فكان عثمان لا يلتفت اليه ولا ينظر في حاجته فلقي عثمان بن حنيف فشكا ذلك اليه فقال له عثمان بن حنيف ايت الميضاة فتوضا ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل ! اللّٰهم انى اسالك واتوجه اليك بنبينا محمد ﷺ نبي الرحمة الى آخر الحديث (قال الطبراني بعد ذكر طرقه	عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی ایک ضرورت میں حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں آمد و رفت رکھتا تھا اور حضرت عثمان (کسی وجہ سے) اسکی طرف توجہ نہیں فرمارہے تھے، نہ ضرورت پر غور کررہے تھے، تو وہ حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور ان سے شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم وضوخانہ میں جاؤ وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ دعا کرو اللهم انی اسالك واتوجه اليك بنبينا محمد نبي الرحمة . (الحدیث) طبرانی نے اس روایت کے طرق

والحديث صحيح) ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ حدیث صحیح ہے۔

پھر اس کے بعد اس صحیح روایت میں یہ ہے کہ اس ضرورت مند نے حضرت عثمان بن حنیف کی ہدایت کے مطابق عمل کیا، پھر وہ حضرت عثمان غنی کے دروازے پر پہنچا تو دربان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان غنی کی خدمت میں پہنچادیا، حضرت عثمان نے انہیں اپنے ساتھ فرش پر بٹھایا، ضرورت معلوم کی اور اس کو پورا کردیا اور یہ فرمایا کہ مجھے آپ کی ضرورت یاد ہی نہ رہی تھی اور آئندہ کوئی ضرورت ہو تو بتلا دینا، پھر اس کے بعد یہ صاحب حضرت عثمان غنی کے یہاں سے نکل کر حضرت عثمان بن حنیف کے پاس پہنچے اور کہا، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، حضرت عثمان غنی میری ضرورت پر غور نہیں فرماتے تھے اور نہ میری طرف التفات کرتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میرے بارے میں بات کی تو حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ بخدا میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی، لیکن میں نے جو دعا آپ کو بتائی تھی اس کا قصہ یہ ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا آئے اور انہوں نے حضور ﷺ سے اپنی نظر کی تکلیف کی شکایت کی، پھر انہوں نے پوری روایت بیان کی۔

طبرانی کی اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بن حنیف نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد ایک ضرورت مند کو بعینہ وہی دعا بتائی جس میں اللّٰهم انی اسالك واتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة ، اور يا محمد انى توجهت بك الى ربى ہے، اس سے یہ بات صراحت کے درجہ میں ثابت ہوگئی کہ اس روایت میں توسل بالدعا نہیں ہے، اس لیے کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے، اور آپ کی دعا سے استفادے کی کوئی صورت نہیں، بلکہ روایت میں آپ کی ذات کا توسل ہے۔

ایک شبہ اور اس کا حل یہاں یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی تلقین کردہ اس دعا میں آپ کی حیات کے ساتھ خاص ہونے کا ایک قرینہ ہے اور وہ ہے دعا کرنے والے کا يا محمد انى توجهت بك الى ربى کہنا، یعنی آپ کو مخاطب بنا کر آپ سے عرض کرنا، اور آپ کو اپنی بات سنانا، جو زندگی ہی میں ہوسکتا ہے۔

مگر یہ سرسری اشکال ہے، اس لیے کہ یہ معلوم نہیں کہ دعا کرنے والے نابینا صحابی نے دعا جہراً کی ہے یا سراً؟ اگر دعا سراً کی ہے جیسا کہ دعا کا ادب ہے تو انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کو کچھ نہیں سنایا، اور اگر دعا جہراً کی ہے تو وہ یقیناً ایسی جگہ نہیں ہیں جہاں سے حضور ﷺ کو ان کی آواز مسموع ہو رہی ہو، گذر چکا ہے کہ اسی روایت کے بعض طرق میں صراحت ہے فوالله ما تفرقنا وما طال بنا المجلس حتى دخل علينا الرجل كانه لم يكن به ضرفط .

معلوم ہوا کہ ان نابینا صحابی نے پیغمبر علیہ السلام کی ہدایت پر ایسی جگہ جا کر عمل کیا کہ اس کی اہل مجلس کو خبر نہیں ہوئی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں یا محمد کہہ کر خطاب کرنا آپ کو سنانے کی غرض سے نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ مان لیں کہ آپ نے ان کی بات کو سنا ہے تو یہ سننا عادت کے مطابق نہیں بلکہ معجزے کے طور پر ممکن ہے، اور معجزے کے

طور پر جیسے زندگی میں سن سکتے ہیں اسی طرح بعد وفات بھی سن سکتے ہیں، خصوصاً اس لیے بھی کہ بعد وفات پیغمبر علیہ السلام کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہ کی تاویل

طبرانی کی اس روایت سے صراحت کے درجہ میں یہ مضمون ثابت ہے کہ توسل بذات النبی ﷺ پر مشتمل یہ دعا، حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی صحابہ کے معمول میں تھی، اس لیے جمہور اہل علم اور اہل سنت والجماعت اس کی مشروعیت کے قائل ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ طبرانی کی اس روایت اور اس روایت سے توسل بذات النبی ﷺ کے ثبوت کا انکار نہیں کر سکے، لیکن انہوں نے یہ تاویل کی کہ اگر حضرت عثمان بن حنیف یا کسی اور سے **یہ ثابت** ہے کہ وہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد توسل بالنبی ﷺ کو مشروع اور مستحب سمجھتے ہیں تو حضرت **عمر اور دیگر اکابر صحابہ** اس کو وفات کے بعد مشروع نہیں سمجھتے کیونکہ وہ استسقاء کے لیے آپ کی زندگی میں آپ کا وسیلہ **اختیار کرتے تھے** اور آپ کی وفات کے بعد انہوں نے آپ کا وسیلہ اختیار نہیں کیا بلکہ صحابہ مہاجرین وانصار کی موجودگی میں عام الرمادہ میں جو دعا کی گئی اس میں حضرت عباس کا وسیلہ ہے، ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اگر وفات کے بعد بھی زندگی ہی کی طرح حضور ﷺ کے توسل کو وہ درست سمجھتے تو افضل الخلائق کا توسل چھوڑ کر کسی دوسرے کا توسل اختیار نہ کرتے، تمام صحابہ کے اتفاقِ رائے کی وجہ سے اس کی حیثیت ابن تیمیہ کے نزدیک اجماع کی ہوگئی، فرماتے ہیں:

هذا دعاء اقره عليه جميع الصحابة ولم ينكره احد مع شهرته وهو من اظهر الاجماعات الاقرارية. (فتاوی کبری: ج:۱،ص:۲۸۴)	حضرت عباس کی استسقاء کی یہ دعا وہ ہے جس کو تمام صحابہ نے برقرار رکھا اور اس کی شہرت کے باوجود اس پر کسی کا انکار ثابت نہیں، اس لیے اجماعاتِ اقراریہ میں یہ سب سے کھلا اور ظاہر اجماع ہے۔

ابن تیمیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر کے توسل بالدعاء کے طریقے سے، حضرت عثمان بن حنیف کے توسل بذات النبی ﷺ کے طریقے کی تردید ہوگئی۔

حافظ ابن تیمیہ کی تاویل کی حیثیت

ابن تیمیہ نے اپنی تاویل کو ثابت کرنے کے لیے فتاوی میں بڑا تفصیلی کلام کیا، لیکن ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ وہ ایک کمزور بات کو زورِ بیان سے تقویت دینے کی کوشش کر رہے ہیں، اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ صحابۂ کرام کی موجودگی میں کی گئی یہ دعا اجماع اقراری کی حیثیت رکھتی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اجماع توسل بالدعاء کی مشروعیت پر ہوا، نہ کہ توسل بالذات کی عدم مشروعیت پر۔

گویا حضرت عمر نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد، حضرت عباس سے جو دعا کرائی وہ توسل بالدعاء کی صورت

ہوئی اور یہ بھی توسل کا ایک طریقہ ہوا کہ ضرورت مند کسی سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرے اور حضرت عثمان بن حنیف نے جو کسی ضرورت مند کو حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد، آپ ہی کی تعلیم کردہ دعا سکھائی وہ توسل کا دوسرا طریقہ ہوا کہ ضرورت مند خود اپنی ضرورت کے لیے حضور علیہ السلام کے توسل سے دعا کرے، توسل اور دعا کے یہ دونوں طریقے درست ہیں اور ان میں کسی ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی نفی نہیں ہوتی۔

پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حافظ ابن تیمیہ کو حضرت عثمان بن حنیف کی روایت سے ثابت ہونے والے توسل بالذات کی نفی پر کیوں اصرار ہے، جب کہ وہ توسل بالذات کے بعض معانی کو درست قرار دیتے ہیں اور ان معنی کے بارے میں من اراد هذا المعنى فهو مصيب في ذلك بلا نزاع بھی کہہ چکے ہیں، تو حضرت عثمان بن حنیف کی روایت سے ثابت ہونے والے توسل کے بارے میں وہی معنی مراد لینے میں کیا مضایقہ ہے یعنی انہیں اسألك بنبيك محمد سے اسألك بايماني به وبمحبته واتوسل اليك بايماني به مراد لینا چاہیے تاکہ اس چیز کے انکار کی نوبت نہ آئے جو روایت سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

توسل کی حیثیت

توسل کے مختلف طریقوں اور ان کے احکام کے ساتھ یہ معلوم کر لینا بھی مناسب ہے کہ توسل کی حیثیت کیا ہے؟ جمہور کے نزدیک دعاؤں میں وسیلہ اختیار کرنا مشروع اور جائز ہے، بعض حضرات نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، اور بعض کے یہاں اس کی اہمیت اس سے بھی کم ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

ومن آداب الدعاء تقديم الثناء على الله والتوسل بنبي الله ليستجاب. (حجۃ اللہ البالغۃ: ج:۲، ص:۶)	دعا کے آداب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی کریم علیہ السلام سے توسل کو مقدم کیا جائے تاکہ دعا قبول ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے توسل کو آدابِ دعا میں شامل کیا، گویا ایسا کرنے سے دعا کی قبولیت کی امید میں اضافہ ہوتا ہے، شاہ اسحاق صاحب کی عبارت سے صرف جواز معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

دعا بہ ایں طور کہ الٰہی بحرمتِ نبی وولی حاجتِ مرا روا کن جائز است۔ (مائۃ مسائل: ص:۳۵)	اس طریقے سے دعا کرنا کہ الٰہی! نبی کی حرمت سے یا ولی کی حرمت سے میری ضرورت کو پورا فرما دے، جائز ہے۔

صاحب روح المعانی توسل کے جواز کو مدلل طور پر بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذا الذي ذكرته انما هو لدفع الحرج عن الناس والضرار عن	اور جوازِ توسل کی جو بات میں نے ذکر کی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو تنگی سے بچایا جائے اور

دعوی تضليلهم كما يزعمه البعض في التوسل بجاه عريض الجاه ﷺ لا للميل الى ان الدعاء كذلك أفضل من استعمال الأدعية المأثورة التي جاء بها الكتاب وصرحت به السنة .	ان کو گمراہی کی طرف منسوب کرنے کے ضرر سے بچایا جائے جیسا کہ بعض لوگوں نے حضور ﷺ کے توسل کو بھی گمراہی کہہ دیا ہے، اس میلان کا اظہار مقصود نہیں ہے، کہ توسل سے دعا کرنا، ان ادعیہ ماثورہ سے افضل ہے جو قرآن کریم میں آئی ہیں یا جن کو احادیث میں صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔

علامہ آلوسی کی بات کا حاصل یہ ہوا کہ توسل جائز ہے، اور اس پر مفصل بحث اس لیے کی گئی ہے، کہ توسل اختیار کرنے والے مسلمان تنگی سے محفوظ رہیں اور جن لوگوں نے توسل کو گمراہی قرار دیا ہے، ان کی تردید ہو جائے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دعاؤں میں توسل اختیار کرنا، نہ ضروری اور واجب ہے، اور نہ اس میں کوئی گمراہی ہے، بلکہ یہ ایک صحیح طریقہ ہے جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ واللہ اعلم

[٤] بَابُ تَحْوِيْلِ الرِّدَاءِ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ

(۱۰۱۱) حَدَّثَنِيْ اِسْحَاقُ قَالَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقٰى فَقَلَبَ رِدَاءَهٗ. (گذشتہ: ۱۰۰۵)

(۱۰۱۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ يُحَدِّثُ اَبَاهُ عَنْ عَمِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَاءَهٗ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ . قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ ابن عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ هُوَ صَاحِبُ الأذَانِ وَلٰكِنَّهٗ وَهِمَ فِيْهِ لِأَنَّ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيُّ مَازِنُ الأَنْصَارِ . (گذشتہ: ۱۰۰۵)

ترجمہ باب، استسقاء میں چادر کو پلٹ کر اوڑھنے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ سے بارش کی دعا کی تو آپ نے اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا، حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے اور اللہ سے بارش طلب کی تو آپ نے قبلے کی طرف رخ کیا، اور اپنی چادر کو پلٹ دیا اور دو رکعت نماز پڑھی، امام بخاریؒ نے فرمایا کہ سفیان بن عیینہ کہتے تھے کہ یہ عبداللہ بن زید وہی ہیں جو اذان کی روایت کے راوی ہیں، لیکن سفیان کو اس سلسلے میں وہم ہوا اس لیے کہ یہ عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی ہیں جو

انصار کے قبیلۂ مازن سے تھے۔

مقصد ترجمہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ترجم لمشروعیته خلافا لمن نفاه ، یعنی امام بخاری تحویلِ رداء کا انکار کرنے والوں کے خلاف اس کی مشروعیت بیان کرنا چاہتے ہیں پھر قلب اور تحویل پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ جمہور تو تحویل کے استحباب کے قائل ہیں وعن أبی حنیفة وبعض المالکیة لا یستحب شیئ من ذلك، گویا حافظ کی نظر میں ترجمہ کا رخ حنفیہ اور مالکیہ کی تردید کی طرف ہے۔

لیکن علامہ عینی نے پہلے صاحب توضیح کی یہ بات نقل کی کہ تحویل رداء جمہور کے نزدیک استسقاء کی سنت ہے، اور تنہا امام ابوحنیفہ اس کے منکر ہیں، پھر علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ امام اعظم کی طرف تحویل کے مطلقاً انکار کی نسبت غلط ہے، امام صاحب نے تحویل کے استسقاء کی سنت ہونے کا انکار کیا ہے، مشروعیت کا نہیں، تحویلِ تو روایات صحیحہ سے ثابت ہے اس کا انکار کیسے ممکن ہے، البتہ مشروع ہونے کے لیے سنت یا مستحب ہونا ضروری نہیں، محض جواز بھی مشروعیت کے لیے کافی ہے۔

امام بخاریؒ بھی مشروعیت ہی بیان کرنا چاہتے ہیں، اور مسئلہ تحویل کو مقدم کر کے۔ اس لیے کہ تحویل کا مسئلہ تو دعا اور خطبہ کے ساتھ آنا چاہیئے تھا۔ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ استسقاء کے لیے اپنے احوال کو تبدیل کرنا اور ان اسباب سے اجتناب کرنا ضروری ہے جن کی وجہ سے یہ قحط نازل ہوا ہے۔

تشریح حدیث اس باب میں حضرت عبداللہ بن زید کی وہی روایت دو سندوں سے ذکر کی ہے جو استسقاء کے شروع میں دی تھی، اس طریق میں نماز کا ذکر نہیں تھا، البتہ قلب رداء کا ذکر وہاں بھی تھا اور یہاں بھی ہے، معلوم ہوا کہ نماز استسقاء میں حضور ﷺ نے تحویل رداء کا عمل کیا ہے، اور چونکہ یہ عمل آپ نے خطبہ کے دوران کیا ہے اس لیے خطبہ کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد یہ عمل کیا جائے گا۔

جن ائمہ نے قلبِ رداء کو استسقاء کی سنت قرار دیا ہے ان کا استدلال حضور ﷺ کے اسی فعل سے ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں آپ کا یہ فعل عبادت کے طور پر نہیں بلکہ تفاؤل کے طور پر تھا، ابن ہمام کہتے ہیں: لانه فعل لا یرجع الی معنی العبادة ، اور آپ کے جو افعال عبادت کے طور پر نہ ہوں بلکہ عادت یا معاملات وغیرہ کے طور پر ہوں تو اگر وہ آپ کا اکثری عمل ہے تو اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے جیسے عمامہ کا استعمال، اور اگر وہ فعل اتفاقی ہے تو اس سے اباحت یا جواز نکلتا ہے، جیسے تنگ آستین کے لباس کا استعمال۔

یہاں یہ بات صاف ہے کہ قلب رداء کا عمل عبادت کے طور پر نہیں، بلکہ تفاؤل کے طور پر تھا جیسا کہ حضرت جابرؓ کی مستدرک کی صحیح روایت میں قال حول رداءہ لیتحول القحط. فرمایا گیا ہے، یا طوالات طبرانی میں حضرت انس کی روایت میں وقلب رداءہ لکی ینقلب القحط آیا ہے، زیلعی نے نصب الرایہ میں اس مضمون کی

کئی روایتیں ذکر کی ہیں، اور جب یہ فعل تفاؤل کے طور پر ہے تو اس سے مشروعیت ثابت ہو جائے گی اور یہی امام بخاریؒ کا مقصد ہے۔

تحویل مقتدی پر نہیں پھر یہ کہ تحویل رداء کی یہ مشروعیت بھی حنفیہ کے یہاں صرف امام کے لیے ہے، مقتدی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، دیگر ائمہ نے اس کو مقتدی کے لیے بھی سنت یا مستحب قرار دیا ہے، ان کی دلیل عباد بن تمیم کی یہی روایت ہے جس میں مسند احمد میں ایک جملہ تحول الناس معه کا اضافہ ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قال قد رأيت رسول الله ﷺ حين استسقى لنا اطال الدعاء وأكثر في المسالة ثم تحول الى القبلة وحول رداءه فقلبه ظهراً لبطن وتحول الناس معه. (مسند احمد: ج:۴، ص:۴۱)	عبداللہ بن زید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ ہمارے لیے استسقاء کر رہے تھے آپ نے دیر تک دعا کی اور سوال میں زیادہ وقت صرف فرمایا پھر آپ نے قبلہ کی طرف رخ کر لیا، اور اپنی چادر کی تحویل کی تو اس کا اندر کا رخ باہر کی طرف پلٹ دیا، اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ قبلہ کی طرف رخ کر لیا۔

مسند احمد کی مطبوعہ نسخہ میں تو تحول الناس معه ہی ہے جس کا مفہوم قلبِ رداء نہیں بلکہ قبلہ رخ ہو جانا ہے، لیکن زیلعی نے اسی روایت کے بارے میں "وزاد احمد وحول الناس معه" نقل کیا ہے اور اس ترجمہ سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ چادر کو پلٹ دیا، حافظ ابن حجر نے بھی ويشهد له ما رواه احمد بن طريق اخرى عن عباد في هذا الحديث بلفظ "وحول الناس معه" فرمایا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ زیلعی اور ابن حجر نے تحول کی جگہ حول کیسے نقل کر دیا، اتنے بڑے لوگوں سے اس طرح کا سہو حیرت انگیز بات ہے نقل کے معاملہ میں ان حضرات کی ثقاہت کی وجہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسند احمد کا جو نسخہ ان کے پاس رہا ہوگا ہو سکتا ہے اس میں حول ہی ہو۔

اب صورت یہ ہوئی کہ مقتدی کی تحویل رداء کے مسئلے میں استدلال کے لیے پورے ذخیرۂ حدیث میں مسند احمد کی روایت کا صرف یہ اضافہ ہے، اور اس سے استدلال کرتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اضافہ تحول کا ہو یا حول کا، یہ درجۂ حسن کی سند کا اضافہ ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہیں، ان کے علاوہ تمام راوی اگرچہ صحیحین کے ہیں، مگر محمد بن اسحاق کے بارے میں محدثین کی رائے یہ ہے کہ وہ اگر تحدیث کی صراحت کریں تو تدلیس کا شبہ ختم ہو جاتا ہے، اور ان کی روایت کو حسن کہا جاتا ہے، اس روایت میں انہوں نے حدثني کہا ہے اس لیے یہ روایت حسن ہوئی، جب کہ دیگر صحیح طرق میں یہ اضافہ نہیں ہے، اس لیے محدثین کی اصطلاح میں اس اضافہ کو۔ جو صحیح کے مقابلہ میں حسن روایت میں ہے۔ شاذ کہا جائے گا،

چنانچہ بدائع میں علامہ کاسانی نے وما روی من الحدیث شاذ (ج:۱،ص:۲۸۴) فرمایا ہے، اسی طرح علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے وما انفرد بہ ففیہ نکارۃ محمد بن اسحاق کسی روایت میں منفرد ہوں تو وہ منکر ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ شاذ اور منکر روایت سے استدلال درست نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اصل روایت حول الناس معہ نہیں ہے، جس کے ظاہری معنی ہیں کہ لوگوں نے آپ کے ساتھ چادر کا رخ پلٹ دیا، بلکہ تحول الناس معہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب خطبہ کے دوران آپ نے دعا کرنے کے لیے قبلہ کی طرف رخ کیا تو حاضرین نے بھی آپ کے ساتھ اسی جانب رخ کرنے کا اہتمام کیا اور اس کی وجہ یہ کہ حاضرین گو پہلے بھی روبقبلہ ہی رہے ہوں گے لیکن خطبہ کے دوران ہر شخص کا باقاعدہ روبقبلہ ہونا ضروری نہیں ہوتا، اس لیے راوی نے اس مقصد کے لیے حاضرین کے اہتمام کو تحول الناس معہ سے تعبیر کردیا، خلاصہ یہ ہوا کہ روایت کے اصل الفاظ تحول الناس معہ کا مقتدیوں کے قلب رداء سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ تحول الناس معہ کے بجائے حول الناس معہ نقل کرنے والے دو ہیں ایک زیلعی اور دوسرے ابن حجر، اور دو سے سہو مستبعد معلوم ہوتا ہے، اس لیے یہ خیال گذرتا ہے کہ سہو دراصل زیلعی سے ہوا اور ابن حجر نے زیلعی کے اعتماد پر نقل کردیا، اس لیے اگر یہ سہو ہے تو استدلال ہی ختم ہوگیا۔

اور اگر اس کو سہو نہ مانا جائے بلکہ اس احتمال کو اہمیت دی جائے کہ ان کے پاس مسند احمد کا جو نسخہ تھا ہوسکتا ہے اس میں حول الناس معہ ہی ہو، تو دونوں نسخوں میں تطبیق کے لیے کہا جائے گا کہ حول الناس معہ کے معنی تحویل رداء کے نہیں، بلکہ حول الناس وجوھھم الی القبلۃ معہ ہیں تا کہ دونوں نسخوں میں تعارض نہ رہے۔

(۴) اور اگر ان تمام تفصیلات سے قطع نظر کر کے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ مقتدیوں نے قلب رداء کا عمل کیا تھا تو کہا جائے گا کہ حضور ﷺ نے اس کام کے لیے کوئی ہدایت نہیں دی تھی بلکہ مقتدیوں نے اپنے طور پر یہ عمل کیا، اب اگر مقتدیوں کا یہ عمل آپ کے علم میں آیا اور آپ نے سکوت اختیار فرمایا تو اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے، مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں، اور اگر مقتدیوں کا یہ عمل آپ کے علم میں آیا ہی نہیں تو اس سے استدلال درست نہ ہوگا، اور بہ ظاہر یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ حضور ﷺ نے دعا کے لیے اپنا رخ قبلہ کی طرف کرلیا ہے، دعا میں انہماک ہے، اور مقتدی آپ کے سامنے نہیں ہیں، پھر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ مقتدی بیٹھے ہوئے ہیں، اور بیٹھے بیٹھے قلب رداء کا عمل دشوار ہے، اس لیے مقتدیوں کے قلب رداء کی بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی، اور خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ مقتدیوں کے قلب رداء کے لیے احادیث میں کوئی استدلال نہیں ہے، اور حنفیہ اسی کے قائل ہیں۔

قلب رداء کا طریقہ　قلب رداء کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے چادر کے نیچے کا بایاں گوشہ، اور بائیں ہاتھ سے چادر کے نیچے کا دایاں گوشہ پکڑ لیا جائے، پھر دونوں ہاتھوں کو کاندھے سے اوپر اٹھایا جائے،

پھر داہنے ہاتھ کو داہنی طرف اور بائیں ہاتھ کو بائیں طرف لایا جائے اور چادر کاندھے پر ڈال لی جائے، اس طرح چادر بالکل پلٹ جائے گی کہ اندرونی حصہ، بیرون، اور بیرونی حصہ اندرون میں آجائے گا، نیز یمین ویسار بھی تبدیل ہو جائیں گے کہ داہنا حصہ بائیں طرف اور بایاں حصہ داہنی طرف آجائے گا، نیز اعلی واسفل بھی بدل جائیں کہ نچلا حصہ اوپر آجائے گا، اور اوپر کا حصہ نیچے چلا جائے گا۔ واللہ اعلم

[۵] بَابُ انْتِقَامِ الرَّبِّ عَزَّوَجَلَّ مِنْ خَلْقِهٖ بِالْقَحْطِ اِذَا انْتُهِكَ مَحَارِمُهٗ

ترجمہ باب، جب اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی بے حرمتی کی جائے تو اللہ عزوجل کا اپنی مخلوق سے قحط میں مبتلا کر کے انتقام لینے کا بیان۔

مقصد ترجمہ تحویلِ رداء کا مسئلہ مقدم کر کے اشارہ کیا تھا کہ استسقاء کے لیے بندوں کو اپنے احوال تبدیل کرنا ضروری ہے کہ وہ معصیت چھوڑ کر اطاعت قبول کریں، اب اس باب میں صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ قحط، اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی بے حرمتی کی سزا ہے، اس لیے خدا سے بارش طلب کرنا چاہتے ہو تو گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔

ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں تفصیل ہے اور اس میں پانچ طرح کے گناہوں پر پانچ طرح کے عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے، قحط اور بارش کے بارے میں ہے لم ینقصوا (قوم) المکیال والمیزان الا اخذوا بالسنین وشدة المؤنة وجور السلطان علیهم ولم یمنعوا زکاة اموالهم الا منعوا القطر من السماء ولولا البهائم لم یمطروا، کوئی قوم ناپ تول میں کمی نہیں کرتی مگر یہ کہ وہ قحط سالی، شدید مشقت اور سلاطین کے ظلم میں گرفتار کر دی جاتی ہے اور کوئی قوم اپنے اموال کی زکوۃ نہیں روکتی مگر یہ کہ اس کو آسمان کی بارش سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اگر چوپائے نہ ہوں تو انہیں بارش نصیب نہ ہو، مثنوی مولانا روم میں ہے:

ابر ناید از پئے منع زکوۃ وز زنا خیزد وبا اندر جہات

اس ترجمہ کے ذیل میں امام بخاری نے احادیث وآثار میں سے کوئی چیز ذکر نہیں کی اور یہ ترجمہ بھی صرف حموی کے نسخے میں ہے، ابن حجر اور عینی نے بعض شارحین کی یہ رائے نقل کی ہے کہ شاید یہ ترجمہ یعنی عنوان امام بخاری نے علیحدہ کسی پرچہ پر لکھا ہوگا اس لیے ایک جگہ نقل ہو گیا اور بقیہ نسخوں میں نقل نہ ہو سکا، نیز یہ کہ امام بخاری کا ارادہ ترجمہ کے مطابق روایت وغیرہ کو ذکر کرنے کا رہا ہوگا مگر کوئی رکاوٹ پیش آگئی، ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو، اور ممکن ہے کہ امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت کی طرف ذہن متوجہ کر رہے ہوں جو بھی باب دعاء النبی ﷺ اجعلها علیهم سنین، کے تحت ذکر کی گئی ہے، جس میں سورۂ دخان کی آیت یوم نبطش البطشة الکبری انا

منتقمون بھی ہے۔

اس آیت میں بھی انتقام کا لفظ ہے اور امام بخاریؒ کا یہ ترجمہ بھی باب انتقام الرب الخ ہے اس لیے عبداللہ بن مسعود کی اس روایت سے ترجمہ کو آسانی کے ساتھ ثابت کیا جا سکتا ہے، انتقام باری تعالیٰ کی صفات متشابہات میں ہے جیسے غضب وغیرہ، اور قرآن میں کئی جگہ اللّٰہ عزیز ذو انتقام فرمایا گیا ہے، اور مجرمین کو جرم کی سزا دینے کی تعبیر انتقام سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

[٦] بَابُ الْإِسْتِسْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ

(۱۰۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَذْكُرُ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ وُجَاهَ الْمِنْبَرِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَائِمًا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُغِيْثَنَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اسْقِنَا اللّٰهُمَّ اسْقِنَا اللّٰهُمَّ اسْقِنَا، قَالَ أَنَسٌ فَلَا وَاللّٰهِ مَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةٍ وَلَا شَيْئًا وَلَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ قَالَ فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُمْسِكَهَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَانْقَطَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِيْ فِي الشَّمْسِ قَالَ هُوَ يَلْفُ فَسَأَلْتُ أَنَسًا أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ قَالَ لَا أَدْرِيْ.

(گذشتہ: ۹۳۲)

مقصد ترجمہ استسقاء ایک عام ضرورت ہے کیونکہ خشک سالی اور قحط سے تمام انسان متاثر ہوتے ہیں اور اسی لیے عملِ استسقاء میں تمام لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں جس کے لیے وسیع و عریض جگہ کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ آبادی سے باہر تو عیدگاہ یا کسی کھلے میدان میں اس کا انتظام کیا جاتا ہے اور اس صورت میں خطبہ، نماز، تحویلِ رداء وغیرہ کی مشروعیت ثابت ہے، اور صرف دعا پر اکتفاء کرنا بھی درست ہے، لیکن چونکہ استسقاء کی روح اور حقیقت صرف دعا ہے، اس لیے امام بخاریؒ اس باب میں بیان کرتے ہیں کہ استسقاء کے لیے آبادی سے باہر

نکلنا ضروری نہیں، بلکہ یہ دعا مسجد جامع میں بھی کی جاسکتی ہے اور جامع مسجد میں کیئے گئے استسقاء میں ان آداب کو بجالانا بھی ضروری نہیں ہے جو آبادی سے باہر کیے گئے استسقاء میں مشروع کیے گئے تھے جیسا کہ حضور ﷺ نے ان آداب کے بغیر خطبۂ جمعہ میں دعا کی اور اللہ نے بارش عطا فرمائی۔

تشریح حدیث روایت کتاب الجمعہ میں مختصر طور پر گذر چکی ہے، استسقاء کے ابواب میں امام بخاری اس کو مفصل طریق سے ذکر کر رہے ہیں اور اس پر انہوں نے متعدد تراجم قائم کیے ہیں روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے بارش کی دعا کی درخواست کی، آپ نے ہاتھ اٹھائے اور خطبہ کے دوران ہی دعا کی، امام بخاریؒ کا مقصد **الاستسقاء فی المسجد الجامع** ثابت ہو گیا۔

حدیث میں ہے کہ جب آنے والے نے بارش کی دعا کے لیے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! خشک سالی کی وجہ سے صورتِ حال بہت خطرناک ہو گئی ہے، چارہ نہ ہونے کی وجہ سے مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، راستے بند ہو گئے ہیں، جب آپ سے یہ عرض کیا گیا اس وقت آسمان بالکل صاف تھا، حضرت انس نے فرمایا کہ ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی، سلع مدینہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے، گویا تا حد نظر آسمان صاف نظر آ رہا تھا، لیکن دعا کرتے ہی اسی سلع کے پیچھے سے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو ڈھال کی طرح گولائی لیے ہوئے تھا، نمودار ہوا اور جب یہ آسمان کے بیچ میں پہنچا تو پھیلنا شروع ہوا اور برسنے لگا، اور بارش کی وجہ سے لوگوں کا گھر پہنچنا دشوار ہو گیا، پھر برابر ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی، چنانچہ اگلے جمعہ کو اسی دروازے سے وہی صحابی یا کوئی دوسرے صحابی داخل ہوئے، آپ اس وقت بھی کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، آنے والے نے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! صورتِ حال بہت تشویشناک ہو گئی ہے، بارش کی کثرت سے مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، اور آمد و رفت کے راستے بند ہو گئے ہیں، دعا فرمائیے کہ اللہ بارش روک دے، چنانچہ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی **اللّٰھم حو الینا و لا علینا یعنی امطر حو الینا** ۔ اے اللہ! ہمارے ارد گرد برسے، ہم پر نہ برسے، دعا سے آپ کا ادب اور خلق واضح ہوتا ہے کہ جس بارش کے نزول کی دعا کی تھی اس کو روکنے کی دعا نہیں کرتے بلکہ ان مقامات پر برسنے کی دعا کرتے ہیں جہاں کسی نقصان کی توقع نہ ہو، پھر دعا میں **حوالینا** کی وضاحت بھی ہے، **اللّٰھم علی الاکام الخ** اے اللہ! ٹیلوں پر، پہاڑوں پر، پہاڑیوں، وادیوں پر اور جنگلات پر برسے، چنانچہ فوراً اللہ نے بارش کو روک دیا، اور لوگ دھوپ میں چل کر گھر پہنچے۔

معلوم ہوا کہ استسقاء کی ایک صورت یہ بھی ہے جس میں نماز اور قلب رداء وغیرہ کی ضرورت نہیں اور امام اعظم نے جو فرمایا ہے وہ ثابت ہو گیا کہ استسقاء دعا اور استغفار کا نام ہے اور اس کے لیے نماز صرف مشروع ہے، مسنون نہیں۔

واللہ اعلم

[۷] بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِي خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ

(۱۰۱۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يُغِيْثُنَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اللّٰهُمَّ اَغِثْنَا قَالَ اَنَسٌ وَلَا وَاللّٰهِ مَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةٍ وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ قَالَ فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتْ انْتَشَرَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ فَلَا وَاللّٰهِ مَا رَاَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يُمْسِكُهَا عَنَّا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَاَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ قَالَ شَرِيْكٌ فَسَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَهُوَ الرَّجُلُ الْاَوَّلُ فَقَالَ مَا اَدْرِيْ. (گذشتہ: ۹۳۲)

ترجمہ باب، جمعہ کے خطبہ میں استقبال قبلہ کیے بغیر استسقاء کا بیان ۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو دار القضاء کی طرف تھا اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے تو وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا، پھر اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! مویشی ہلاک ہوگئے اور راستے بند ہوگئے، آپ اللہ سے دعا کریں کہ بارش عطا فرمائے؛ چنانچہ رسول اللہ نے اپنے ہاتھ اٹھائے، پھر دعا کی اے اللہ! ہمیں بارش عطا کر، اے اللہ! ہمیں بارش عطا کر، اے اللہ! ہمیں بارش عطا کر، حضرت انس نے کہا، کہ بخدا! ہمیں آسمان میں نہ بادل نظر آرہا تھا، نہ بادل کا ٹکڑا اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر یا کوئی مکان بھی حائل نہ تھا، حضرت انس نے کہا کہ پھر سلع کے پیچھے سے ڈھال کی طرح ایک بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا پھر جب وہ آسمان کے بیچ میں آیا تو پھیل گیا، پھر برسنے لگا، پھر یہ کہ بخدا ہمیں ایک ہفتہ تک سورج نظر نہ آیا، پھر دوسرے جمعہ کو اسی دروازے سے ایک شخص داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، چنانچہ وہ شخص بھی سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے بند ہوگئے ہیں اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ بارش کو روک دے، حضرت انس نے کہا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی

اے اللہ! یہ بارش ہمارے چاروں طرف برسے، ہم پر نہ برسے، اے اللہ! ٹیلوں پر، پہاڑوں پر، نالوں کے نشیبی علاقوں پر، اور درخت اگانے والے مقامات پر برسے، حضرت انس نے کہا چنانچہ بارش ختم ہوگئی، اور ہم دھوپ میں چلتے ہوئے نکلے، شریک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ کیا یہ دوسرے جمعہ کو آنے والا پہلا ہی شخص تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں بتایا تھا کہ جامع مسجد کی وسعت کی وجہ سے استسقاء کے لیے آبادی سے باہر نکلنا ضروری نہیں، اس باب میں بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے کثیر حاضرین کی وجہ سے استسقاء کے لیے علیحدہ مجمع کی ضرورت نہیں، یعنی جو کثیر مجمع جمعہ کے لیے آیا ہے، اسی مجمع میں استسقاء کا عمل بھی ہو جائے گا، اور چونکہ یہ عمل خطبہ کے دوران ہوگا اور خطبہ میں امام کا رخ عام مسلمانوں کی طرف ہوتا ہے، اور اسی حالت میں دعا کی جائے گی تو امام روبہ قبلہ نہ ہوگا، اس لیے بخاری نے ترجمۃ الباب میں غیر مستقبل القبلہ بھی بڑھا دیا گویا استسقاء کے لیے نہ نماز ضروری ہے نہ تحویل رداء نہ استقبال قبلہ، بلکہ اس کی حقیقت محض دعا و استغفار ہے۔

ترجمہ بدل دیا ہے، اور روایت وہی ذکر کررہے ہیں، اس روایت میں آیا کہ آنے والا اس دروازے سے داخل ہوا جو دارالقضاء کی جانب تھا، یہاں دارالقضاء سے مراد قاضی کے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ یہ حضرت عمر کا وہ مکان تھا جسے حضرت عمر کی وصیت کے مطابق ان کے قرض کی ادائیگی کے لیے فروخت کیا گیا تھا، اس لیے دارالقضاء کے معنی ہوئے دار قضاء دین عمر اس مناسبت سے یہ مکان بعد میں دارالقضاء کے نام سے مشہور ہوگیا۔ واللہ اعلم

[۸] بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ

(۱۰۱۵) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَحَطَ الْمَطَرُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَسْقِيَنَا فَدَعَا فَمُطِرْنَا فَمَا كِدْنَا اَنْ نَصِلَ اِلٰى مَنَازِلِنَا فَمَازِلْنَا نُمْطَرُ اِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ قَالَ فَقَامَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ اَوْغَيْرُهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَصْرِفَهٗ عَنَّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ السَّحَابَ يَتَقَطَّعُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا يُمْطَرُوْنَ وَلَا يُمْطَرُ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ ۔ (گذشتہ: ۹۳۲)

ترجمہ باب، منبر پر استسقاء کرنے کا بیان۔ حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، کہ اچانک اسی دوران ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! بارش رک گئی ہے اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے؛ چنانچہ حضور ﷺ نے دعا کی اور بارش ہونے لگی، پھر

ہمارا گھر پہنچنا بھی مشکل ہو گیا پھر برابر دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، حضرت انس نے کہا کہ پھر یہی شخص یا کوئی دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ بارش کو ہم سے ہٹا دے؛ چنانچہ حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ! ہمارے اردگرد برسے ہمارے اوپر نہ برسے، حضرت انس نے فرمایا کہ پھر بے شک میں نے دیکھا کہ بادل کٹ کر دائیں اور بائیں منتشر ہونے لگا اور ان لوگوں پر بارش ہو رہی تھی اور اہل مدینہ پر بارش نہیں ہو رہی تھی۔

مقصد ترجمہ استسقاء میں توبہ واستغفار اور ظاہر و باطن سے عجز وانکساری کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اور منبر پر دعا کرنے میں بہ ظاہر یہ بات نہیں اس لیے بخاری نے ترجمہ رکھدیا کہ جمعہ کے موقع پر کیا جانے والا استسقاء منبر پر کیا جائے گا، گویا یہ واضح کر دیا کہ آبادی سے باہر کیے جانے والے استسقاء میں اظہار تذلل کے لیے معمولی کپڑے پہننا، پیدل جانا، خوشبو نہ لگانا مستحسن ہے لیکن جمعہ کے دن لوگ جمعہ کی وجہ سے اچھے کپڑے بھی پہنتے ہیں، خوشبو بھی لگاتے ہیں اور اسی کے ساتھ استسقاء کے لیے دعا بھی کی جاتی ہے اور جمعہ کا یہ اہتمام، استسقاء میں مطلوب عجز وانکساری کے منافی نہیں سمجھا گیا بلکہ یہ بھی استسقاء کا ایک مسنون طریقہ ہے، اسی طرح اگر جمعہ کے خطبہ میں استسقاء کے لیے دعا کی جائے گی تو منبر ہی پر کی جائے گی اور اس کو عجز وانکساری کے خلاف نہیں سمجھا جائے گا۔

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ترجمہ میں امام بخاریؒ نے یوم الجمعہ کی قید ذکر نہیں کی، اس لیے ہوسکتا ہے کہ وہ آبادی سے باہر کیے جانے والے استسقاء میں بھی منبر کی مشروعیت کی طرف اشارہ کر رہے ہوں، لیکن چونکہ یہاں خطبۂ جمعہ کے درمیان کیے جانے والے استسقاء کا اور اس کے متعلقات کا بیان ہے، اس لیے یہ اشارہ مستبعد معلوم ہوتا ہے، خصوصاً اس لیے بھی کہ آئندہ **باب الدعاء فی الاستسقاء قائماً** کے ذیل میں جو روایت ذکر کی ہے اس میں بخاری نے حضرت عبداللہ بن یزید انصاری کا یہ عمل نقل کیا ہے **فقام علی رجلیه علی غیر منبر** کہ حضرت عبداللہ بن یزید نے منبر پر کھڑے ہو کر نہیں، بلکہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر استسقاء کی دعا کی۔

یا یوں کہئے کہ جب جامع مسجد اور خطبۂ جمعہ میں استسقاء کا حکم بیان کیا تو امام بخاری اس سے متعلق دیگر مسائل کی طرف بھی متوجہ ہو گئے جن میں یہ **باب الاستسقاء علی المنبر** بھی ہے اور **باب من اکتفی بصلاۃ الجمعة فی الاستسقاء** وغیرہ بھی ہیں۔ روایت گذر چکی ہے، واللہ اعلم

[۹] بَابُ مَنْ اِكْتَفٰى بِصَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فِى الْاِسْتِسْقَاءِ

(۱۰۱۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ نَمِرٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَوَاشِىْ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَمُطِرُوْا مِنْ جُمُعَةٍ فَجَآءَ رَجُلٌ اِلٰى

رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ عَلٰى رُؤُسِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ اِنْجِيَابَ الثَّوْبِ . (گذشتہ:۹۳۲)

ترجمہ باب، ان لوگوں کے استدلال کا بیان جو استسقاء میں نماز جمعہ کو کافی سمجھتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول! مویشی ہلاک ہو گئے، راستے بند ہو گئے، آپ اللہ سے دعا فرمائیں؛ چنانچہ آپ نے دعا کی تو اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی پھر وہ شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ گھر منہدم ہو گئے اور راستے بند ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے، تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ! پہاڑوں کی چوٹیوں پر، ٹیلوں پر اور وادیوں کے نشیب میں اور درخت اگانے والی زمینوں پر برسے، چنانچہ بادل مدینہ سے اس طرح پھٹ گئے جیسے کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

مقصد ترجمہ جمعہ کے خطبہ کے دوران استسقاء کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے نماز نہیں ہوگی بلکہ بارش کے لیے صرف دعا کی جائے گی اور یہ بھی ایک مسنون طریقہ ہوگا، کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے، اسی لیے بہت سے علماء اور فقہاء کے نزدیک استسقاء مسنون کے بعض طریقوں میں نماز نہیں ہے۔

لیکن جن لوگوں نے استسقاء کے لیے نماز کی صورت کو اصل قرار دیا ہے، انہوں نے خطبۂ جمعہ میں کیے گئے استسقاء یعنی نماز کے بغیر کیے گئے استسقاء کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہاں بھی نماز ہے اور وہ اس طرح کہ جیسے استسقاء کا خطبہ، جمعہ کے خطبہ میں داخل ہو گیا، اسی طرح استسقاء کی نماز بھی جمعہ کی نماز میں ضم ہو گئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ فرض ہے اور استسقاء سنت، اور جس طرح سنن کے ضمن میں تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء ادا ہو جاتے ہیں اسی طرح جمعہ کی نماز کے ضمن میں استسقاء کی نماز بھی ادا ہو گئی، امام بخاریؒ نے اس باب میں اسی توجیہ یا تاویل کو پیش کیا ہے۔ روایت گذر چکی ہے۔

[۱۰] بَابُ الدُّعَاءِ اِذَا تَقَطَّعَتِ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ

(۱۰۱۷) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ نَمِرٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَمُطِرُوْا مِنْ جُمُعَةٍ اِلٰى جُمُعَةٍ فَجَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ عَلٰى رُؤُسِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ اِنْجِيَابَ الثَّوْبِ . (گذشتہ:۹۳۲)

ترجمہ باب، بارش کی کثرت سے راستے بند ہو جائیں تو دعا کا بیان۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، راستے بند ہو رہے ہیں اس لیے آپ اللہ سے دعا کیجئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، اور ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! گھر گر گئے اور راستے بند ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! پہاڑوں کی چوٹیوں پر، ٹیلوں پر، وادیوں کے نشیب میں اور درخت اگنے کی جگہوں پر برسے، چنانچہ بادل مدینہ سے اس طرح پھٹ گیا جیسے کپڑا پھٹتا ہے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ جس طرح خشک سالی میں قحط کو ختم کرنے کے لیے بارش طلب کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ سے بارش ہونے کی دعا کی جاتی ہے اسی طرح اگر بارش کی زیادتی سے نقصان پہنچ رہا ہو تو اس سے بچنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے، دونوں صورتوں میں قدر مشترک دفع ضرر ہے، گویا بارش کی کثرت کے نقصان سے بچنے کے لیے دعا کی جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ رحمت سے گریز ہے، عبدیت کی شان کے منافی ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ بارش تو رحمت ہی رحمت ہے مگر ہمارا ظرف تنگ ہے جیسے غذا انسان کے لیے خدا کی نعمت ہے لیکن معدہ میں فساد ہو تو اس سے نقصان ہوتا ہے، اس موقع پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس صورت میں غذا خدا کا انعام نہیں، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ غذا تو نعمت ہی ہے مگر ہمارے معدے میں اس کے تحمل کی طاقت نہیں ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ آنے والے نے بارش کی کثرت کے نقصانات شمار کر کے بارش رکنے کی دعا کے لیے درخواست کی تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! یہ بارش پہاڑوں پر، وادیوں پر اور فلاں فلاں جگہ پر برسا دے، چنانچہ بادل مدینہ سے اس طرح پھٹ کر الگ ہو گیا جیسے کپڑا پھٹ جاتا ہے، کپڑے کو پھاڑنا ہوتا ہے تو کنارے پر تھوڑا سا کاٹتے ہیں پھر دونوں ہاتھوں میں کناروں کو پکڑ کر کھینچتے ہیں تو کپڑا آسانی سے پھٹتا ہے اور لمبائی میں بالکل سیدھا پھٹتا چلا جاتا ہے، اس لیے تشبیہ کا مطلب یہ ہوا کہ بادل کے درمیان سے دو ٹکڑے ہو گئے، پھر بادل مدینہ سے ہٹ گیا۔

حضور پاک ﷺ کے دعائیہ کلمات سے بارش روکنے کی دعا کا طریقہ اور ادب بھی معلوم ہو گیا کہ آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ اے اللہ! بارش روک دے بلکہ فرمایا کہ اے اللہ! اس بارش کو ان جگہوں پر برسا دے جہاں کوئی نقصان نہ ہو، معلوم ہوا کہ ضرورت ہو تو دعا اس طرح کرنی چاہیئے۔　　واللہ اعلم

[۱۱] بَابُ مَا قِيلَ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُحَوِّلْ رِدَاءَهٗ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۱۰۱۸) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ عَنْ اِسْحٰقَ

بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلاً شَكَا اِلَی النَّبِیِّ ﷺ هَلَاكَ الْمَالِ وَجَهْدَ الْعِیَالِ فَدَعَا اللّٰهَ یَسْتَسْقِی وَلَمْ یَذْكُرْ اَنَّهٗ حَوَّلَ رِدَاءَهٗ وَلَا اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ .

(گذشتہ: ۹۳۲)

ترجمہ باب، ان لوگوں کے استدلال کا بیان جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن استسقاء میں تحویل رداء (چادر پلٹنے) کا عمل نہیں کیا، حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے جانوروں کے مرجانے اور اہل وعیال کے مبتلائے تکلیف ہونے کی شکایت کی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے بارش کے لیے دعا کی اور اس روایت میں راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ نے چادر کو پلٹا اور نہ یہ ذکر کیا کہ آپ نے قبلے کی طرف رخ کیا۔

مقصد ترجمہ جو لوگ تحویل رداء کو استسقاء کی سنت قرار نہیں دیتے ان کی دلیل کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ لوگوں کی درخواست پر حضور ﷺ نے خطبۂ جمعہ میں بارش کے لیے جو دعا کی تھی اس میں تحویل رداء کا عمل نہیں کیا۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے فرق واضح کردیا کہ آبادی سے باہر نکل کر استسقاء کیا جائے تو اس میں تحویل رداء کا عمل کیا جائے گا جیسا کہ گذر چکا ہے اور اگر استسقاء خطبۂ جمعہ کے دوران ہو تو اس میں تحویلِ رداء نہیں ہے اور جس طرح خطبۂ جمعہ کی وجہ سے دعا میں استقبال قبلہ کو ترک کیا گیا اسی طرح تحویلِ رداء کو بھی ترک کردیا گیا، بہرحال اتنی بات معلوم ہوئی کہ تحویل رداء استسقاء کے لیے ضروری چیز نہیں ہے۔

تشریح حدیث روایت گذر چکی ہے، لیکن چونکہ مسائل کا استخراج مقصود ہے اس لیے امام بخاری سند بدل کر کبھی مفصل اور کبھی مختصر ذکر کرتے ہیں، اور چونکہ کسی بھی طریق میں تحویل رداء کا ذکر نہیں ہے اس لیے بخاری نے بیان کردیا کہ یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو خطبۂ جمعہ کے استسقاء میں تحویل رداء کو سنت نہیں کہتے۔

تاہم یہاں امام بخاریؒ نے صیغۂ تمریض یعنی **ما قیل ان النبی ﷺ لم یحول الخ** استعمال کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ روایت کی صحت کے باوجود صیغۂ تمریض کی وجہ یہ ہے کہ اولاً تو **لم یذکر انه حول الخ** کا فاعل متعین نہیں کہ یہ بات حضرت انس کے شاگرد نے کہی یا ان سے نیچے کسی اور راوی نے، دوسرے یہ کہ عدمِ ذکر، عدم وقوع کو مستلزم نہیں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ کسی طریق میں تحویل رداء کا ذکر نہیں ہے اس لیے تحویل رداء کا نہ کیا جانا ہی سمجھا جائے گا، اور اسی بنیاد پر امام بخاریؒ نے ترجمہ منعقد کردیا۔

رہا یہ کہ ترجمۃ الباب میں یوم الجمعۃ کی قید ہے جب کہ روایت میں یہ بات مذکور نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی روایت کے بعض طرق میں جیسے **باب رفع الیدین فی الخطبة** کے ذیل میں دی گئی روایت میں **بینما النبی ﷺ یخطب یوم الجمعة او قام رجل** گذر چکا ہے، اس لیے بخاری نے یہ قید لگادی، بہرحال اس باب سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ استسقاء کی متعدد صورتیں ہیں، بعض میں تحویل رداء ہے، بعض میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم

[۱۲] بَابٌ اِذَا اسْتَشْفَعُوْا اِلَى الْاِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ

(۱۰۱۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ نَمِرٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ فَدَعَا اللّٰهَ فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ اِلَى الْجُمُعَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ عَلٰى ظُهُوْرِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ اِنْجِيَابَ الثَّوْبِ .

ترجمہ باب، جب لوگ امام کو اس کام کے لیے شفیع بنائیں کہ وہ ان کے لیے بارش کی دعا کرے تو امام ان کی بات کو رد نہ کرے۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے بند ہو گئے اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں، چنانچہ آپ نے اللہ سے دعا کی، اور ہم پر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک بارش برستی رہی، پھر ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! گھر گر گئے، راستے بند ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، اے اللہ! پہاڑوں کے اوپر، ٹیلوں پر، وادیوں کے نشیب میں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر برسے، چنانچہ مدینہ سے بادل اس طرح پھٹ گیا جس طرح کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

مقصد ترجمہ پہلے عام مسلمانوں سے متعلق ایک باب سوال الناس الامام الخ گذر چکا ہے، مقصد یہ تھا کہ استسقاء کا عمل، امام کے انتظام میں انجام پانا چاہیئے اب اس باب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جب یہ معاملہ امام سے متعلق ہے تو اگر قوم امام سے بارانِ رحمت کی دعا کی درخواست کرے تو امام کو ان کی درخواست قبول کر کے بے چینی کو دور کرنا چاہیئے، کیونکہ امام درخواست رد کرے گا تو لوگ از خود انتظام کی فکر کریں گے، اور وہ نامناسب بات ہوگی۔

پھر یہ کہ درخواست قبول کر کے اسی وقت دعا کرے جیسا کہ روایتِ باب میں ہے کہ حضور ﷺ نے اسی وقت دعا کی درخواست کو قبول فرمالیا اور خطبۂ جمعہ ہی میں دعا فرمائی، یا پھر امام حکم دے کہ فلاں دن فلاں مقام پر جمع ہو جائیں اور وہاں استسقاء کا عمل کیا جائے گا جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے قحط کی شکایت کی تو آپ نے مصلّی میں منبر کے انتظام کا حکم دیا اور دن مقرر فرمایا، اور پھر آپ نے جو دن مقرر فرمایا تھا، اس میں لوگ جمع ہوئے، اور وہاں خطبہ، نماز استسقاء اور دعا کی گئی۔ واللہ اعلم

[۱۳] بَابٌ إِذَا اسْتَشْفَعَ الْمُشْرِكُوْنَ بِالْمُسْلِمِيْنَ عِنْدَ الْقَحْطِ

(۱۰۲۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ وَالْاَعْمَشُ عَنْ اَبِى الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ اَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ اِنَّ قُرَيْشًا اَبْطَئُوْا عَنِ الْاِسْلَامِ فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِىُّ ﷺ فَاَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَتّٰى هَلَكُوْا فِيْهَا وَاَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ فَجَاءَهٗ اَبُوْسُفْيَانَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ جِئْتَ تَامُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ وَاِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوْا فَادْعُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَقَرَأَ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ الآية : ثُمَّ عَادُوْا اِلٰى كُفْرِهِمْ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى يَوْمَ بَدْرٍ وَزَادَ اَسْبَاطٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسُقُوا الْغَيْثَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ سَبْعًا وَشَكَا النَّاسُ كَثْرَةَ الْمَطَرِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَانْحَدَرَتِ السَّحَابَةُ عَنْ رَاْسِهٖ فَسُقُوا النَّاسُ حَوْلَهُمْ . (گذشتہ:۱۰۰۷)

ترجمہ باب، جب مشرکین، قحط کے وقت خدا سے دعا کے لیے مسلمانوں کو شفیع بنائیں۔ حضرت مسروق سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا کہ قریش کے کفار نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی تو نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں بددعا کی چنانچہ وہ قحط میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ تباہ ہونے لگے اور مردار اور ہڈیاں کھانے لگے، پھر ابوسفیان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے محمد! آپ صلہ رحمی (رشتہ داروں کے ساتھ احسان) کا حکم لیکر آئے ہیں اور یہ کہ بے شک آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، اس لیے آپ اللہ عزوجل سے دعا کیجئے، تو آپ نے سورۂ دخان کی یہ آیت پڑھی فارتقب الآیہ، سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان سے کھلا دھواں نمودار ہوگا جو لوگوں پر چھا جائے گا، یہ دردناک عذاب ہے (آپ کی دعا سے قحط ختم ہوا) پھر وہ کفر کی طرف لوٹ آئے تو اس کا بیان اللہ کے اس قول میں ہے یوم نبطش الخ جس دن ہم سخت پکڑ کریں گے، اس سے مراد بدر کا دن ہے، اسباط نے منصور سے یہ اضافہ کیا، (ابوسفیان کی درخواست پر) رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی تو انہیں بارش سے سیراب کیا گیا، اور سات دن تک بارش ہوتی رہی اور لوگوں نے بارش کی زیادتی کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! اب ہمارے اردگرد برسے ہم پر نہ برسے، چنانچہ اسی وقت بادل آپ کے سر سے سرک گیا، اور اردگرد کے لوگوں پر برستا رہا۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ اگر مشرکین امام کے پاس استسقاء کی دعا کے لیے مسلمانوں کو اپنا سفارشی بنا کر لائیں یا مسلمانوں سے استسقاء کی خود درخواست کریں تو کیا کرنا چاہیئے؟ امام بخاری نے ترجمہ میں حکم کی

صراحت نہیں کی، لیکن ذیل میں ذکر کردہ روایت سے مشرکین کی درخواست قبول کرنا اوران کے لیے دعا کرنا معلوم ہوتا ہے، اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کا اشارہ یہ ہے کہ اگر مشرکین مسلمانوں سے استسقاء کی درخواست کریں تو مسلمانوں کوان کی درخواست رد نہیں کرنی چاہیئے۔

لیکن بخاری کے بیانِ حکم سے سکوت کو اہمیت دی جائے تو کہا جائے گا کہ بخاری درخواست کوقبول کرنے کا رجحان کا اشارہ نہیں کررہے ہیں بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمان اس وقت کی مصلحت کوسامنے رکھ کرقبول اوررد میں مختار ہیں، اگر مصلحت کا تقاضا ہو مثلاً مصیبت عام ہو یا کفار کی تالیف قلب منظور ہوتوامام سے کہہ کر دعا کا اہتمام کرنا چاہیئے ،لیکن اگر مصلحت دوسری ہو، مثلاً یہ کہ مسلمان سمجھتے ہوں کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں، کام نکلنے کے بعداپنی پرانی روش پرلوٹ آئیں گے تو مسلمان ان کی درخواست قبول نہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

تشریح حدیث روایت گذر چکی ہے، روایت میں آیا کہ حضور ﷺ نے مشرکین کے قبول حق سے اعراض کی وجہ سے پہلے ان کے حق میں بددعا کی اور اللہ نے انہیں قحط میں مبتلا کردیا، پھران لوگوں نے حضور ﷺ سے قحط ختم ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے ان کی درخواست کوقبول فرمایااور بارش کے لیے اللہ سے دعا کی۔

اب اگر ترجمہ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کومشرکین کی درخواست رد نہیں کرنی چاہیئے تو وہ ثابت ہوگیا کہ آپ نے دعا کی اور اگر مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کومصلحت کے مطابق قبول اوررد کا اختیار ہے تو روایت سے گویہ بات ظاہر نہیں ہے لیکن کہا جاسکتا ہے کہ روایت میں مذکور عمل کوحضور ﷺ کی خصوصیت پرمحمول کیا جائے کہ آپ کی شان ہی اور ہے کہ آپ نے اپنے دشمنوں کوبھی کبھی دعائے خیر سے محروم نہیں کیا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کومصلحت سے باخبر کردیا گیا ہو، گویا امام بخاریؒ کا ترجمہ میں سکوت اختیار کرنا بتارہا ہے کہ دیگر ائمہ کو ہر حال میں مشرکین کی درخواست قبول کرنے کا پابند نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ مشرکین کی درخواست کے قبول یارد کرنے میں مختار ہیں۔

زاد اسباط الخ بخاری فرماتے ہیں کہ اسباط بن نصر نے اس روایت میں اپنے شیخ منصور سے یہ اضافہ نقل کیا ہے، زاد کے الفاظ اسی وقت لائے جاتے ہیں جب یہ اضافہ ایک ہی واقعہ اور معاملہ سے متعلق ہو، اور یہاں اکثر شارحین کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں، دوالگ الگ واقعات ہیں، ایک واقعہ مکہ کا ہے جس میں مشرکین نے حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کی ہے اور یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود کی ہے، اور دوسرا واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے جس میں سات دن مسلسل بارش کا ذکر ہے یہ حضرت انس کی روایت ہے، اسباط کا اضافہ اسی واقعہ سے متعلق ہے، اکثر شارحین کوحیرت ہے کہ امام بخاریؒ نے دونوں واقعات کو کیسے ملادیا۔

حافظ ابن حجر نے اس طرح توجیہ کی ہے کہ واقعات تو دو ہی ہیں، ایک مکہ مکرمہ کا، دوسرا مدینہ کا، لیکن ممکن ہے

کہ دونوں موقعوں پر پہلے استسقاء کے لیے درخواست کی گئی ہو، پھر دونوں موقعوں پر مسلسل بارش ہوئی ہو، اور پھر بارش روکنے کے لیے دعا کی درخواست کی گئی ہو، دونوں واقعات میں یکساں صورتِ حال کے امکان کو تسلیم کرلیا جائے تو ظاہر ہے کہ اسباط کے اضافہ پر کیا گیا یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے، کہ ایک روایت کو دوسری روایت سے ملا دیا گیا ہے لیکن ابن حجر کی توجیہ پر علامہ عینی نے فیہ نظر لا یخفی کہہ کر اس کی کمزوری ظاہر کی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴] بَابُ الدُّعَاءِ اِذَا كَثُرَ الْمَطَرُ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا

(۱۰۲۱) حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَامَ النَّاسُ فَصَاحُوْا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَحَطَ الْمَطَرُ وَاحْمَرَّتِ الشَّجَرُ وَهَلَكَتِ الْبَهَائِمُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَسْقِيَنَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا مَرَّتَيْنِ وَاَيْمُ اللّٰهِ مَا نَرٰى فِی السَّمَاءِ قَزَعَةً مِنْ سَحَابٍ فَنَشَاَتْ سَحَابَةٌ وَاَمْطَرَتْ وَنَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ لَمْ تَزَلْ تُمْطِرُ اِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِیْ تَلِيْهَا فَلَمَّا قَامَ النَّبِیُّ ﷺ يَخْطُبُ صَاحُوْا اِلَيْهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يَحْبِسُهَا عَنَّا فَتَبَسَّمَ النَّبِیُّ ﷺ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا وَتَكَشَّطَتِ الْمَدِيْنَةُ فَجَعَلَتْ تُمْطِرُ حَوْلَهَا وَمَا تُمْطِرُ بِالْمَدِيْنَةِ قَطْرَةً فَنَظَرْتُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَاِنَّهَا لَفِیْ مِثْلِ الْاِكْلِيْلِ. (گذشتہ:۹۳۲)

ترجمہ | باب، جب بارش زیادہ ہو جائے تو حوالینا ولا علینا (ہمارے اردگرد برسے، ہم پر نہ برسے) کہہ کر دعا مانگنے کا بیان۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ لوگ کھڑے ہو گئے، شور کرنے لگے، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! بارش رک گئی ہے اور درخت (کے پتے) سرخ ہو گئے ہیں اور مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اس لیے آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں سیراب کرے، تو حضور ﷺ نے دومرتبہ فرمایا اے اللہ! ہمیں سیراب فرما، اور قسم خدا کی ہمیں اس وقت آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آرہا تھا، پھر ایک بادل نمودار ہوا اور برسنے لگا اور آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر آپ نماز سے فارغ ہو گئے، بارش برابر اگلے جمعہ تک برستی رہی، پھر جب آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے پھر شور کیا کہ گھر گر رہے ہیں، اور راستے بند ہو گئے ہیں اس لیے آپ اللہ سے دعا فرمائیے کہ وہ بارش کو ہم سے روک دے، چنانچہ حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور دعا کی اے اللہ! ہمارے اردگرد برسے ہم پر نہ برسے، اور مدینہ سے بادل کھل گیا اور چاروں طرف برستا رہا اور مدینہ پر ایک قطرہ بھی نہیں برستا تھا، میں نے اس وقت مدینہ کو دیکھا تو بادل مدینہ کا شاہی تاج کی طرح احاطہ کر رہا تھا (یعنی چاروں طرف بادل تھا اور مدینہ کی فضا درمیان سے صاف تھی)۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اگر بارش کی زیادتی پریشان کن اور نقصان رساں ہو تو اس کو روکنے کے لیے کس طرح اور کن الفاظ میں دعا کی جائے، یعنی شبہ یہ ہوتا ہے کہ بارش خدا کی رحمت ہے، اس لیے اس کو روکنے کی دعا، رحمت کو روکنے کی طلب ہوئی اور یہ مناسب نہیں کہ ایک طرف تو بارش کو رحمت کہتے ہو اور دوسری طرف سے اس سے پناہ طلب کرتے ہو، اس لیے حضور ﷺ کے الفاظ نقل کر کے بخاری نے بتا دیا کہ دفع ضرر کے لیے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن میں خدا کی رحمت سے اعراض بھی نہ ہو اور اپنا مقصد بھی پورا ہو جائے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

تشریح حدیث روایت گذر چکی ہے کہ ایک جمعہ کو بارش کی طلب کے لیے دعا کی درخواست کی گئی اور جب اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی اور بارش کی کثرت کا نقصان سامنے آیا تو دوسرے جمعہ کو حضور ﷺ سے بارش کو روکنے کے لیے دعا کی درخواست کی گئی، پہلے آپ نے تبسم فرمایا کہ انسان کا حال عجیب ہے، بارش خدا کی رحمت تھی اور طلب پر آئی تھی زیادہ ہوئی تو گھبرا گئے، پھر آپ نے دعا فرمائی حوالینا و لا علینا اے اللہ! ہمارے چاروں طرف برسے ہم پر نہ برسے، خدا عالم الغیب ہے وہ بندوں کی مراد جانتا ہے مطلب یہی تھا کہ بارش کو روک دیا جائے کہ نقصان شروع ہو گیا ہے، چنانچہ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور بارش رک گئی۔

معلوم ہوا کہ بارش طلب کرنے کے کئی طریقوں میں ایک طریقہ نماز ہے، لیکن بارش کے نقصان سے بچنے اور اس کو روکنے کے لیے صرف دعا ہے، اس کے لیے نماز مشروع نہیں ہے اور دعا بھی انہی الفاظ میں مناسب ہے جو روایت میں ذکر کئے گئے۔

انها لفی مثل الاکلیل۔ یعنی جس طرح تاج درمیان اور اندر سے خالی اور سر کو ہر طرف سے محیط ہوتا ہے اسی طرح بادل مدینہ سے چھٹ گیا اور چاروں طرف اس کا گھیرا موجود رہا اور مدینہ سے اس کے چھٹ جانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ مدینہ پر بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں گر رہا تھا۔ واللہ اعلم

[۱۵] بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ قَائِمًا

(۱۰۲۲) وَقَالَ لَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ عَنْ زُهَيْرٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ خَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْاَنْصَارِيُّ وَخَرَجَ مَعَهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَزَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ فَاسْتَسْقٰى فَقَامَ لَهُمْ عَلٰى رِجْلَيْهِ عَلٰى غَيْرِ مِنْبَرٍ فَاسْتَسْقٰى ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ وَلَمْ يُؤَذِّنْ وَلَمْ يُقِمْ، قَالَ اَبُوْ اِسْحٰقَ وَرَاٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ النَّبِيَّ ﷺ۔

(۱۰۲۳) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبَّادُ بْنُ تَمِيْمٍ اَنَّ عَمَّهٗ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِيْ

لَهُمْ فَقَامَ فَدَعَا اللّٰهَ قَائِمًا ثُمَّ تَوَجَّهَ قِبَلَ الْقِبْلَةِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ فَأُسْقُوْا ۔ (گذشتہ:۱۰۰۵)

ترجمہ باب، استسقاء میں کھڑے ہوکر دعا کرنے کا بیان۔ ابواسحٰق سے روایت ہے کہ عبداللہ بن یزید انصاری آبادی سے باہر نکلے اور ان کے ساتھ براء بن عازب اور زید بن ارقم بھی نکلے پھر عبداللہ نے بارش کے لیے دعا کی تو وہ منبر کے بغیر دونوں پاؤں پر کھڑے ہوئے اور بارش کی دعا کی پھر انہوں نے دو رکعت نماز پڑھائی جس میں قراءت کا جہر کیا، اور نہ اذان کہی اور نہ اقامت، ابواسحٰق نے کہا کہ عبداللہ بن یزید نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے، عباد بن تمیم نے بیان کیا کہ ان کے چچا (عبداللہ بن زید) نے جو نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے تھے ان کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے لیے لوگوں کو آبادی سے باہر لے کر نکلے، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہوکر اللہ سے دعا کی، پھر آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے اپنی چادر کو پلٹ دیا، پھر بارش ہوئی۔

مقصد ترجمہ بیان یہ کرنا ہے کہ استسقاء کے لیے جب امام قوم کے ساتھ دعا کرے گا تو امام قبلہ رو کھڑے ہوکر دعا کرے گا اور قوم بیٹھ کر دعا میں مشغول ہوگی، حنفیہ کے یہاں استسقاء کی ایک صورت تو یہ ہے کہ صرف دعا اور استغفار پر اکتفاء کیا جائے، اس صورت میں بھی امام ہاتھ اٹھا کر اور قبلہ رو کھڑے ہوکر دعا کرے گا اور بقیہ حضرات بیٹھ کر قبلہ رو ہوکر امام کی دعا کے ساتھ آمین کہیں گے یا اپنی اپنی دعاؤں میں مشغول ہوں گے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نماز پڑھی جائے، نماز کے بعد امام قوم کی طرف رخ کر کے خطبہ دے، خطبہ کے دوران وہ تحویل رداء کا عمل کرے اور اس کے ساتھ ہی وہ قبلہ رُو ہو جائے اور کھڑے ہوکر دعا میں مشغول ہو اور جو لوگ استسقاء کے لیے امام کے ساتھ آئے ہیں وہ بیٹھ کر دعا کریں۔

تشریح احادیث اس باب کے تحت امام بخاری نے دو روایات ذکر کی ہیں، پہلی روایت موقوف ہے اور دوسری مرفوع، موقوف روایت میں حضرت عبداللہؓ بن یزید انصاری کا عمل ذکر کیا گیا ہے، یہ واقعہ ۶۴ھ میں پیش آیا جب عبداللہ بن یزید، حضرت عبداللہ بن زبیر کی جانب سے کوفہ کے امیر تھے اور انہیں عبداللہ بن زبیر نے استسقاء کے لیے مامور کیا تھا، چنانچہ عبداللہ بن یزید نے براء بن عازب اور زید بن ارقم کی معیت میں آبادی سے باہر نکل کر استسقاء کا اہتمام کیا اور کھڑے ہوکر دعا کی، روایت میں ہے **فقام بهم على رجليه على غير منبر**، یعنی منبر پر کھڑے ہوکر نہیں، بلکہ زمین پر اپنے پیروں پر کھڑے ہوکر دعا کی، یہ تو حضرت عبداللہ بن یزید کا عمل ہوا، پھر اسی باب کی مرفوع روایت میں حضور ﷺ کے بارے میں **فدعا الله قائما** آیا ہے اس کا مطلب بھی بہ ظاہر یہی ہے کہ آپ نے بھی منبر پر نہیں بلکہ زمین پر کھڑے ہوکر دعا کی۔

لم يوذن ولم يقم، معلوم ہوا کہ نماز استسقاء کے لیے اذان و اقامت نہیں ہے، ابن بطال نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

[۱۶] بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

(۱۰۲۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِي فَتَوَجَّهَ اِلَى الْقِبْلَةِ يَدْعُوْ وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ. (گذشتہ: ۱۰۰۵)

ترجمہ باب، استسقاء کی نماز میں قراءت میں جہر کرنے کا بیان۔ عباد بن تمیم اپنے چچا (عبد اللہ بن زید) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے لیے آبادی سے باہر نکلے تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی اور آپ نے اپنی چادر کا رخ پلٹ دیا پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جس میں آپ نے قراءت کا جہر کیا۔

مقصد ترجمہ مقصد واضح ہے کہ نماز استسقاء میں قراءت میں جہر کیا جائے گا، یہ مسئلہ اجماعی ہے اور تمام ائمہ اسی کے قائل ہیں، بین السطور میں بھی **هذا مما اجمع عليه الفقهاء** لکھا ہے روایت میں **يجهر فيهما بالقراءة** آیا ہے اس لیے امام بخاری کا مقصد صراحت سے ثابت ہے۔

خطبہ نماز سے پہلے ہے یا بعد میں البتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ نماز سے پہلے ہے اس لیے کہ راوی نے دعا اور تحویل رداء کا عمل پہلے نقل کیا پھر لفظ **ثم** کے بعد **صلی رکعتین** ذکر کیا اور **ثم** ترتیب کے لیے آتا ہے، معلوم ہوا کہ خطبہ پہلے ہے اور نماز اس کے بعد، ابوداؤد کی حضرت عائشہ کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز اور لیث بن سعد اسی کے قائل ہیں، صحابہ میں حضرت عمر، براء بن عازب، ابن زبیر، اور زید بن ارقم سے بھی خطبہ کو مقدم کرنے کی روایت ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں دعا اور تحویل رداء کا عمل تو نماز سے پہلے مذکور ہے، مگر خطبہ کو مقدم کرنے کی صراحت نہیں ہے، تحویل رداء کا عمل چونکہ خطبہ کے متعلقات میں سے ہے اس لیے تحویل رداء کے مقدم ہونے سے خطبہ کا مقدم ہونا سمجھا گیا ہے، جب کہ دیگر متعدد روایات میں خطبہ کے نماز کے بعد ہونے کی صراحت ہے، مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن زید کی روایت ہے جس میں **فبدأ بالصلوة قبل الخطبة** کی تصریح ہے طحاوی میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے جس میں **خرج رسول الله ﷺ يستسقي يوما فصلى ركعتين ثم خطبنا** فرمایا گیا ہے، چنانچہ ائمہ میں امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔

گویا روایات میں اختلاف ہے اس لیے بعض حضرات نے تخییر کا قول کہا، امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ جب روایات سے خطبہ کی تقدیم اور تاخیر دونوں ہی ثابت ہیں تو خطبۂ استسقاء نماز سے پہلے بھی درست ہے اور بعد میں

بھی، جب کہ بعض حضرات نے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا، امام بیہقی نے خطبہ کا نماز کے بعد ہونا راجح قرار دیا ہے، اور بعض حضرات نے جمع اور تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے، حافظ ابن حجر نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی کہ حضور ﷺ نے استسقاء کے موقع پر پہلے دعا کی، پھر نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا، اور راویوں میں کسی نے ایک بات کسی نے دوسری بات کو بیان کیا اور بعض راویوں نے نماز سے پہلے کی دعا کو خطبہ سے تعبیر کر دیا، اس لیے اختلاف پیدا ہو گیا، گویا اصل یہی ہے خطبہ نماز کے بعد ہوا۔

امام طحاوی نے ترجیح کے لیے اپنے انداز میں نظر پیش فرمائی کہ جب روایات میں اختلاف ہوا تو ہم نے مسئلہ پر غور کیا، ہم نے دیکھا کہ جمعہ میں بھی خطبہ ہے، اور وہ نماز سے پہلے ہے، اور عیدین میں بھی خطبہ ہے اور وہ نماز کے بعد ہے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ استسقاء کے خطبہ کو کس خطبہ سے زیادہ مشابہت ہے، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور نماز جمعہ خطبہ کے بغیر نہیں ہوتی، اور عیدین کے خطبہ کا یہ حکم نہیں ہے، کہ اگر چہ اس کا ترک کرنا بھی گناہ ہے لیکن عیدین کی نماز خطبہ کے بغیر بھی درست ہے، بالکل یہی بات نماز استسقاء میں ہے کہ وہ خطبہ کے بغیر ہو جاتی ہے، اور جب استسقاء کا خطبہ، عیدین کے خطبہ سے زیادہ مشابہ ہے تو اس کی جگہ بھی وہی ہونی چاہیئے جو عیدین کے خطبہ کی ہے، یعنی اس کو نماز کے بعد ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم

[۱۷] بَابُ كَيْفَ حَوَّلَ النَّبِيُّ ﷺ ظَهْرَهُ إِلَى النَّاسِ

(۱۰۲۵) حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي قَالَ فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو ثُمَّ حَوَّلَ رِدَاءَهُ ثُمَّ صَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ. (گذشتہ:۱۰۰۵)

ترجمہ باب، نبی کریم ﷺ نے استسقاء میں اپنی پشت کو لوگوں کی طرف کیسے موڑا۔ حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جس دن کہ آپ استسقاء کے لیے آبادی سے باہر نکلے، فرمایا کہ پھر آپ نے گھوم کر اپنی پشت کو لوگوں کی طرف کر دیا، اور دعا کرتے ہوئے قبلہ کی طرف رخ کر لیا، پھر آپ نے اپنی چادر کا رخ پلٹ دیا، پھر آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی جس کی دونوں رکعتوں میں آپ نے قراءت کا جہر کیا۔

مقصد ترجمہ خطبہ میں خطیب کا رخ سامعین کی طرف رہتا ہے یعنی قبلہ کی طرف پشت ہوتی ہے اور دعا کے وقت استقبال قبلہ کی ضرورت ہے اس لیے بخاری بیان کرنا چاہتے ہیں کہ دعا کے لیے جو قبلہ کا استقبال کیا جائے گا اور اس میں امام کو اپنی پشت قوم کی طرف کرنی ہوگی تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ روایت سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے دوران یا اس کے آخر میں تحویلِ رداء کرتے ہوئے خطیب قبلہ رخ ہو جائے گا اور اس کی پشت سامعین کی طرف ہو جائے گی۔

بعض شارحین کا کہنا ہے کہ مقصد ہے یہ بیان کرنا کہ دعا کے وقت قبلہ رخ ہونے کے لیے امام کو کس طرف مڑنا چاہیئے، دائیں طرف یا بائیں طرف، روایت سے چونکہ کسی جانب کی تعیین نہیں ہوتی اس لیے یہ سمجھا جائے گا کہ امام کو دونوں باتوں کا اختیار ہے، یا پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ چونکہ حضور ﷺ کو ہر معاملہ میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند تھا اس لیے اس موقع پر آپ نے داہنی طرف مڑ کر قبلہ کی طرف رخ کیا ہوگا، اس لیے امام کو داہنی طرف مڑ کر قبلہ رو ہونا چاہیئے۔ روایت گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۸] بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ رَكْعَتَيْنِ

(۱۰۲۶) حَدَّثَنِيْ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقٰى فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَاءَهٗ ۔ (گذشتہ:۱۰۰۵)

ترجمہ باب، نماز استسقاء میں دو رکعت ہونے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے استسقاء کیا تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے اپنی چادر کو پلٹ دیا۔

مقصد ترجمہ نماز استسقاء کی مشروعیت اور کمیت بیان کرنا چاہتے ہیں، صلوة الاستسقاء، باب کا مضاف الیہ اور مجرور ہے، اور رکعتین اس کا عطف بیان ہے، مطلب یہ ہوا کہ استسقاء کے لیے نماز ہے اور اس کی دو رکعتیں ہیں، اس سے زیادہ نہیں، تمام فقہاء اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔

بس اتنا فرق ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک استسقاء کی سنت ادا کرنے کے لیے نماز کی صورت متعین ہے اور امام اعظم کے نزدیک استسقاء کی حقیقت استغفار اور دعا ہے اس لیے استسقاء کی سنت ادا کرنے کے لیے دعا اور استغفار پر اکتفا بھی درست ہے جیسا کہ متعدد احادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے اور نماز بھی اس کی مشروع صورت ہے جیسا کہ متعدد روایات میں ہے، بعض حضرات نے امام اعظم کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ نماز کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں مگر یہ امام اعظم کے مسلک کی صحیح ترجمانی نہیں ہے۔

نماز کا طریقہ حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں نمازِ استسقاء عام نمازوں کی طرح ہے یعنی اس میں تکبیرات زوائد نہیں ہیں جیسا کہ روایتِ باب میں قلب رداء کا ذکر ہے مگر تکبیرات زائدہ کا نہیں ہے، جب کہ امام شافعی اور امام احمد کے یہاں اس نماز میں تکبیراتِ زائدہ ہیں، ان حضرات کا مستدل ابن عباس کی روایت ہے، یہ روایت ترمذی میں ہے جس میں صلی رکعتین کما یصلی فی العید فرمایا گیا ہے، اس روایت میں استسقاء کی نماز کو عید کی نماز سے تشبیہ دی گئی ہے، اس لیے ان حضرات نے وجہ شبہ میں تکبیرات زائدہ کو بھی شامل کر لیا ہے، جمہور کے نزدیک تکبیراتِ زائدہ وجہ شبہ میں شامل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ استسقاء کی نماز تعداد میں، قراءت کے جہر میں،

اور خطبہ سے قبل ہونے میں عیدین سے مشابہ ہے، جب کہ طبرانی میں حضرت انس کی روایت میں **فصلی رکعتین ولم یکبر فیھما الا تکبیرہ** کی صراحت ہے۔

البتہ مستدرک حاکم اور سنن بیہقی وغیرہ میں حضرت ابن عباس کی ایک روایت ہے جس میں تکبیرات کی صراحت اور تعداد بیان کی گئی ہے مگر وہ روایت نہایت ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں راوی متکلم فیہ اور نا قابلِ اعتبار ہے، اور اس سے استدلال درست نہیں۔ واللہ اعلم

[۱۹] بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِی الْمُصَلّٰی

(۱۰۲۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ اِلَی الْمُصَلّٰی يَسْتَسْقِیْ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَصَلّٰی رَکْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَاءَهٗ قَالَ سُفْيٰنُ وَاَخْبَرَنِی الْمَسْعُوْدِیُّ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ جَعَلَ الْيَمِيْنَ عَلَی الشِّمَالِ. (گذشتہ: ۱۰۰۵)

ترجمہ باب، عیدگاہ میں استسقاء کرنے کا بیان۔ عباد بن تمیم نے اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زید سے روایت بیان کی کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کرنے کے لیے نکل کر عیدگاہ میں آئے اور آپ نے قبلہ کا استقبال کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور اپنی چادر کو پلٹ دیا، سفیان بن عیینہ نے کہا کہ مجھے عبدالرحمٰن بن عبداللہ مسعودی نے ابوبکر بن محمد سے بیان کیا کہ آپ نے چادر کا داہنا گوشہ بائیں طرف ڈال دیا۔

مقصد ترجمہ ابواب استسقاء میں پہلے باب کا عنوان تھا **خروج النبی ﷺ للاستسقاء**، مقصد یہ تھا کہ قحط کے آثار نمایاں ہوں تو امام کو قوم کے ساتھ آبادی سے باہر نکل کر دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیئے، یہ بات عام تھی کہ آبادی سے باہر کسی بھی جگہ کو استعمال میں لایا جائے، اب امام بخاری اسی طرح کا دوسرا باب منعقد کر رہے ہیں **الاستسقاء فی المصلی** یہ خاص جگہ کا تعین ہے مقصد یہ ہے کہ استسقاء کے لئے جو خروج ہوگا اس میں صحراء تک جانا ضروری نہیں بلکہ اس کے لیے کسی بھی بڑی یا کھلی ہوئی جگہ کو کام میں لایا جاسکتا ہے جیسے مصلّٰی، مصلّٰی مدینہ طیبہ میں معروف جگہ ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ یہ جگہ مسجد نبوی سے ایک ہزار قدم کے فاصلہ پر ہے، یہ کھلی جگہ تھی، بعد میں اس کی چہار دیواری بنادی گئی تھی، پھر اس جگہ ایک مسجد تعمیر کردی گئی، بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا کہ استسقاء کے لیے آبادی سے باہر نکلنا ثابت ہے، فقہاء نے استسقاء کے لیے آبادی سے باہر نکلنے کو استحباب کا درجہ دیا ہے۔

تشریح حدیث روایت متعدد بار گذر چکی ہے، سب سے پہلے یہ روایت **خروج النبی ﷺ للاستسقاء** کے تحت آئی تھی، اور وہاں روایت میں **الی المصلی** کا لفظ نہیں تھا بلکہ فقط **خرج النبی ﷺ**

للاستسقاء وحول رداءہ تھا، اس لیے وہاں بخاری نے استسقاء کے لیے شہر سے باہر نکلنے پر استدلال کرلیا تھا۔

روایتِ باب میں خرج النبی ﷺ الی المصلی آیا ہے اس لیے یہاں بخاری نے دوسرے مقصد کے لیے استدلال کرلیا کہ استسقاء کے لیے صحرا تک جانا ضروری نہیں اس کے لیے کوئی بھی وسیع مقام کافی ہے جیسے مصلّی، اس لیے کہ وسیع جگہ میں مسلمانوں کے اجتماع، نماز، خطبہ اور دعا وغیرہ میں سہولت ہوگی۔

قال سفیان الخ یہ قول نقل کرکے قلب رداء کی صورت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ داہنا گوشہ بائیں طرف اور بایاں گوشہ داہنی طرف کرلیا جائے۔ واللہ اعلم

[۲۰] بَابُ اِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

(۱۰۲۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوْ بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ اَنَّ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ الْاَنْصَارِيِّ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ اِلَى الْمُصَلّٰى يُصَلِّيْ وَاَنَّهٗ لَمَّا دَعَا اَوْ اَرَادَ اَنْ يَدْعُوَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ، قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ هٰذَا مَازِنِيٌّ وَالْاَوَّلُ كُوْفِيٌّ هُوَ ابْنُ يَزِيْدَ. (گذشتہ: ۱۰۰۵)

ترجمہ باب، استسقاء کی دعا میں استقبال قبلہ کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نماز استسقاء کے لیے مصلّی کی طرف نکلے اور یہ کہ جب آپ نے دعا کی یا دعا کا ارادہ کیا تو آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور اپنی چادر کو پلٹ دیا، ابوعبداللہ بخاری نے کہا کہ اس روایت کے راوی عبداللہ بن زید مازنی ہیں، اور پہلے راوی جن کا نام باب الدعاء فی الاستسقاء میں آیا تھا وہ کوفہ کے رہنے والے ہیں اور وہ ابن یزید ہیں۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر استسقاء کے لیے مستقل اجتماع ہو تو دعا کے وقت قبلہ کا استقبال کرنا چاہیے، پہلے ایک باب الاستسقاء فی خطبة الجمعة غیر مستقبل القبلة گذر چکا ہے، اس لیے امام بخاری نے یہ باب منعقد کرکے تنبیہ کردی کہ قبلہ کے استقبال کے بغیر جو دعا کی گئی وہ تو خطبۂ جمعہ کی خصوصیت تھی۔

ترجمہ بتا رہا ہے کہ استسقاء میں دعا کی بہت اہمیت ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ استسقاء میں اصل چیز دعا ہی ہے اور اس میں استقبال قبلہ کی ضرورت ہے کہ دعا کا وقت آیا تو آپ نے قوم کی طرف پشت کی اور قبلہ رخ ہوکر مصروفِ دعا ہوگئے۔

روایت کئی بار گذر چکی ہے اور مقصدِ باب صراحت سے ثابت ہے کہ آپ نے دعا کا ارادہ کیا یعنی خطبہ کے وقت رخ قوم کی طرف تھا، جب دعا میں مشغولیت کا وقت آیا تو چادر کو پلٹ دیا اور اسی اثناء میں قوم کی طرف پشت

کر کے قبلہ رخ ہو گئے معلوم ہوا کہ استسقاء کی دعا میں قبلہ کے استقبال کی بہت اہمیت ہے۔

قال ابو عبد اللّٰه الخ استسقاء کے ابواب میں ایک ہی نام کے دو راوی آرہے ہیں اور ان کے والد کے نام میں صرف یا کا فرق ہے کہ ایک کے باپ کا نام زید اور دوسرے کے باپ کا نام یزید ہے، اس لیے بخاری نے متنبہ کر دیا کہ اس باب میں جو عبداللہ بن زید ہیں وہ قبیلۂ مازن کے ہیں اور اس سے پہلے **باب الدعاء في الاستسقاء** میں جو نام آیا تھا عبداللہ بن یزید وہ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ واللہ اعلم

[۲۱] بَابُ رَفْعِ النَّاسِ اَيْدِيْهِمْ مَعَ الْاِمَامِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

(۱۰۲۹) وَقَالَ اَيُّوْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اُوَيْسٍ عَنْ سُلَيْمٰنَ بْنِ بِلَالٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ اَتٰى رَجُلٌ اَعْرَابِيٌّ مِنْ اَهْلِ الْبَدْوِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَاشِيَةُ هَلَكَ الْعِيَالُ هَلَكَ النَّاسُ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ يَدْعُوْ وَرَفَعَ النَّاسُ اَيْدِيْهِمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُوْنَ قَالَ فَمَا خَرَجْنَا مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى مُطِرْنَا فَمَازِلْنَا نُمْطَرُ حَتّٰى كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْاُخْرٰى فَاَتَى الرَّجُلُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَشِقَ الْمُسَافِرُ وَمُنِعَ الطَّرِيْقُ (گذشتہ:۹۳۲) **بَشِقَ اَيْ مَلَّ .**

(۱۰۳۰) وَقَالَ الْاُوَيْسِيُّ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ وَشَرِيْكٍ قَالَا سَمِعْنَا اَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَاَيْتُ بَيَاضَ اِبِطَيْهِ .

ترجمہ باب، استسقاء میں امام کے ساتھ لوگوں کے ہاتھ اٹھانے کا بیان۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ دیہات کے لوگوں میں سے ایک دیہاتی جمعہ کے دن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے، بال بچے ہلاک ہو گئے، لوگ ہلاک ہو گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کرنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی دعا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے، حضرت انس نے کہا کہ پھر ہم مسجد سے باہر بھی نہیں نکلے تھے کہ ہم پر بارش ہونے لگی، اور برابر ہم پر بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ دوسرا جمعہ آ گیا پھر وہی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ! مسافر دل تنگ اور عاجز ہو گئے اور راستہ بند ہو گیا، بشق کا ترجمہ ہے مل ، دل تنگ اور عاجز ہونا، اور ایک دوسری سند سے حضرت انسؓ سے یہ اضافہ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھایا کہ ہم نے آپ کے دونوں بغل کی سفیدی کو دیکھا۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ قوم کو دعا میں مشغولیت کے لیے امام کی دعا کا انتظار کرنا چاہیئے، یعنی جب امام دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو قوم کو بھی ہاتھ اٹھا کر امام کے ساتھ دعا میں شریک ہو جانا چاہیئے، تا کہ طلب

میں قوت پیدا ہو۔ اس مضمون پر تنبیہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جس طرح قوم کے امام سے پہلے ہاتھ اٹھانے کا احتمال ہے اس طرح یہ بھی احتمال ہے کہ قوم ہاتھ اٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرے۔

مثلاً اگر قوم کا یہ خیال ہو کہ خطبہ بھی دعا ہی کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے امام خطبہ دے رہا ہے تو وہ دعا میں مشغول ہے، ہمیں بھی ہاتھ اٹھا کر دعا میں شریک ہو جانا چاہیئے، تو یہ امام سے پہلے ہاتھ اٹھانے کی صورت ہوگی جو مناسب نہیں، یا مثلاً اگر قوم یہ سمجھتی ہے کہ جس طرح خطبہ اور تحویل رداء امام سے متعلق ہے اسی طرح دعا میں رفع یدین بھی امام ہی کا کام ہے تو قوم کو ہاتھ اٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی، اس لیے امام بخاری نے ترجمہ منعقد کر کے واضح کر دیا کہ یہ دونوں صورتیں مناسب نہ ہوں گی، اصل یہ ہے کہ قوم امام کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا میں مشغول ہو۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ جب حضور ﷺ نے آنے والے اعرابی کی درخواست پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو تمام لوگوں نے آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کی، امام بخاری کا مقصد ثابت ہو گیا، روایت کئی بار گذر چکی ہے۔

فاتی الرجل الخ یہاں لفظ الرجل معرف باللام ہے اور پہلے **رجل اعرابی من اهل البدو** نکرہ ذکر کیا گیا تھا، اگر نکرہ ذکر کرنے کے بعد اسی کلمہ کو معرف باللام ذکر کیا جائے تو الف لام عہد کا ہوتا ہے اور اس سے مراد وہی ہوتا ہے جو سابق میں مذکورہ ہے، مطلب یہ ہوا کہ دوسرے جمعہ کو اسی اعرابی نے بارش کی کثرت اور اس سے ہونیوالے نقصان کی شکایت کی۔

یہاں یہ اعتراض اور جواب نقل کیا گیا ہے کہ حضرت انسؓ کی روایتوں میں بار بار یہ آیا ہے، کہ میں نہیں جانتا کہ دوسرے جمعہ کو آنے والا وہی پہلا شخص تھا یا کوئی دوسرا تھا **لا ادری اهو الرجل الأول او غیره** ، لیکن جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں کہ وہ پہلے بھول رہے ہوں پھر یاد آ گیا ہو یا پہلے یاد رہا ہو پھر بھول گئے ہوں۔

بشق ای مل ، امام بخاری نے **بشق** کا ترجمہ **مل** کیا ہے کہ مسافر دل تنگ اور عاجز ہو گئے، یعنی باہر سے جو مسافر آئے تھے وہ گھر گئے اور پڑے پڑے دل برداشتہ ہو گئے **ومنع الطریق** آگے جانے کا راستہ نہیں رہا، لفظ **بشق، باشق** سے ماخوذ ہے، **باشق** ایک شکاری پرندہ ہے شکرے کی طرح، اور **بشق** کے معنی ہیں **مشی کالباشق، باشق** کی طرح چلنا، **باشق** اپنے پنجوں کے سیدھا نہ ہونے کی وجہ سے ٹھیک طور پر نہیں چل پاتا، نیز یہ کہ وہ پرندہ ہے اگر بھیگ جائے تو اس کی پرواز میں تیزی نہیں رہتی اور وہ شکار پر بھی قادر نہیں رہتا، گویا کلمۂ **بشق** میں **باشق** سے تشبیہ ملحوظ ہے، اور ترجمہ ہوگا کہ مسافر **باشق** کی طرح ہو گئے نہ چلنے پر پوری قدرت ہے، اور نہ امور معاش کے لیے تگ و دو کی صلاحیت ہے۔

حاشیہ میں امام بخاریؒ پر اعتراض نقل کیا ہے، خطابی کہتے ہیں کہ **بشق** غلط ہے، یہ **لثق** تھا (لام اور ثاء سے)

لثق الطریق کے معنی ہیں راستہ گلناک ہوگیا، پھر کہتے ہیں مشق (میم اور شین سے) بھی ہوسکتا ہے، مشق الطریق کے معنی ہیں راستہ پھسلواں ہوگیا، ابن بطالؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ بشق کے کوئی معنی نہیں ہیں، اسی طرح کی اور چند باتیں ہیں اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ غلط ہے، اور اس لفظ کے لکھنے میں غلطی ہوگئی ہے، پھر محشی نے جواب دیا ہے کہ صاحب قاموس نے امام بخاری کے حوالہ سے اس لفظ کے معنی لکھے ہیں، بشق المسافر ای تاخر ولم یتقدم او حبس ومل وعجز عن السفر لکثرة المطر کعجز الباشق عن الطیران الخ اور اسی کی روشنی میں ہم نے اس لفظ کے معنی بیان کیے ہیں اس لیے تغلیط کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم

[۲۲] بَابُ رَفْعِ الْإِمَامِ يَدَهٗ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ

(۱۰۳۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى وَابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهٖ اِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ وَاِنَّهٗ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبِطَيْهِ۔ (آئندہ: ۳۵۶۵، ۶۳۴۱)

ترجمہ باب، استسقاء میں امام کا اپنے ہاتھ کو اٹھانے کا بیان۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ اپنی کسی دعا میں اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا کرتے تھے اور یہ کہ آپ استسقاء میں اتنا اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ استسقاء کے موقع پر دعا کے لیے ہاتھوں کو کتنا اٹھایا جائے گا، یعنی یہ اٹھانا عام معمول کے مطابق ہوگا یا اس سے زائد، روایت سے معلوم ہوا کہ یہ رفع عام معمول سے کہیں زائد تھا، اتنا زائد کہ آپ کی بغلِ مبارک کی سفیدی ظاہر ہوگئی، یہ بات شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ارشاد فرمائی ہے، ابن رشید نے بھی کمزور انداز میں احتمال کے طور پر یجوز ان یکون قصد بھذہ کیفیة رفع الامام یدہ کہہ کر اس مضمون کو ذکر کیا ہے۔

یہاں امام بخاریؒ نے دو ترجمے منعقد کئے ہیں، پہلا ترجمہ رفع الناس ایدیھم مع الامام ہے اور دوسرا رفع الامام یدہ پہلے ترجمہ میں امام کے رفع یدین کا مسئلہ ضمنی طور پر مذکور ہے اور دوسرا ترجمہ تو امام ہی کے رفع یدین سے متعلق ہے، اس لیے یہاں شارحین کو تکرار کا شبہ ہو رہا ہے جو امام بخاریؒ کی عادت کے خلاف ہے۔

اس لیے زین بن منیّر نے فرمایا کہ پہلے ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ رفع یدین میں قوم کو امام کا اتباع کرنا چاہیئے اور دوسرے ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ امام کے لیے استسقاء میں رفع یدین ثابت ہے اور جب دونوں ترجموں کا مقصد الگ الگ ہوگیا تو تکرار نہیں رہا۔

اسی طرح ابن رُشید نے تکرار ختم کرنے کے دو طریقے اختیار کئے، ایک یہ کہ پہلے ترجمہ کا بنیادی مقصد قوم کے

رفع یدین کو ثابت کرنا ہے، اور دوسرے ترجمہ کا اصل مقصد امام کے رفع یدین کا ثبوت ہے، دوسرا طریقہ یہ کہ اگرچہ پہلے ترجمہ میں بھی امام کے رفع یدین کی بات آگئی تھی لیکن یہاں یعنی دوسرے ترجمہ میں امام بخاری ایک اور بات کی طرف متوجہ کررہے ہیں اور وہ یہ کہ دعاؤں میں حضور ﷺ کا رفع یدین صرف استسقاء کے موقع پر تھا یعنی دیگر مواقع پر رفع یدین نہیں تھا، اس طرح تکرار تو ختم ہوگیا لیکن اس کے لیے دیگر مواقعِ دعا کے رفع یدین کا انکار کرنا پڑا جو امام بخاری کے مسلک مختار کے خلاف ہے اور یہاں غیر ضروری بحث ہے۔

دیگر مواقعِ دعا پر رفع یدین جب کہ دعاؤں کے دیگر مواقع پر رفع یدین مضبوط روایات سے ثابت ہے، اور امام بخاریؒ بھی اسی کے قائل ہیں کہ انہوں نے کتاب الدعوات میں ایک باب رفع الایدی فی الدعاء منعقد فرمایا ہے، اور اس کے تحت دیگر دلائل کے ساتھ یہ روایت بھی ذکر کی ہے، نیز نووی نے شرح مہذب میں باب صفة الصلوٰة کے آخر میں دعاؤں میں رفع یدین کے ثبوت میں تقریباً تیس احادیث ذکر کی ہیں، قسطلانی نے لکھا ہے کہ اس موضوع پر منذری کا ایک مستقل رسالہ ہے وغیرہ۔

اور حدیث باب میں جو یہ مضمون ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعاء استسقاء کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ استسقاء کی دعا میں جو رفع بلیغ فرماتے تھے وہ دوسری دعاؤں میں نہیں تھا، یعنی دیگر دعاؤں میں رفع عام معمول کے مطابق تھا، وانه كان يرفع حتى يرى بياض ابطيه، سے یہ مضمون واضح طور پر ثابت ہے۔ واللہ اعلم

[۲۳] بَابُ مَا يُقَالُ اِذَا مَطَرَتْ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَصَيِّبِ الْمَطَرُ وَقَالَ غَيْرُهُ صَابَ وَاَصَابَ يَصُوْبُ

(۱۰۳۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا رَاَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا تَابَعَهُ الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَرَوَاهُ الْاَوْزَاعِيُّ وَعُقَيْلٌ عَنْ نَافِعٍ.

ترجمہ باب، جب بارش ہو تو کیا دعا کی جائے، ابن عباس نے قرآن کے لفظ صیب کا مطلب بتایا کہ اس سے مراد بارش ہے، اور ان کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ لفظ صیب، صاب یصوب، اور اصاب یصیب، کے مادہ سے مشتق ہے، یعنی یہ اجوف واوی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ بارش کو دیکھتے تو یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! اس کو نفع پہنچانے والی بارش بنادے، قاسم بن یحییٰ نے اس حدیث کے عبید اللہ سے نقل کرنے میں محمد بن مقاتل کی متابعت کی ہے، اور اوزاعی اور عُقیل نے اس کو نافع سے روایت کیا ہے۔

مقصد ترجمہ ما یقال میں ما موصولہ بھی ہوسکتا ہے، اور موصوفہ اور استفہامیہ بھی، موصولہ ہوتو تقدیر عبارت ہوگی باب فی بیان الذی یقال ، موصوفہ ہوتو تقدیر عبارت ہوگی باب فی بیان شیئ یقال ، اور استفہامیہ ہوتو تقدیر عبارت ہوگی باب فی بیان ای شیئ یقال ، مطلب بہر صورت یہی ہے کہ جس وقت بارش ہو اس وقت ہمیں کیا کہنا چاہیئے یعنی کن الفاظ میں دعا کرنی چاہیئے ، چنانچہ امام بخاریؒ نے حدیث لاکر بتادیا کہ بارش کے وقت دعا کی ضرورت ہے اور اس موقع پر حضور ﷺ نے اللّٰھم صیبا نافعا کے الفاظ میں دعا کی ہے کہ اے اللہ! اس بارش کو فائدہ منداور نفع بخش بنادے، کہ یہ ہمارے لیے نقصان کا سبب نہ بن جائے۔

قال ابن عباس الخ حدیث میں چونکہ صیب کا لفظ آرہا ہے اس لیے بخاری کا ذہن اس کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوگیا کہ سورۂ بقرہ میں جو کصیب من السماء فیه ظلمت ورعد وبرق آیا ہے ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ مطر کیا ہے، زین بن منیرؒ نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا کہ قرآن کریم کی آیت میں صیب کے ساتھ ناگوار صورتِ حال مذکور تھی اور حدیث میں اس کی صفت میں نافع ذکر کیا گیا ہے اور ان دونوں میں تضاد تھا اس لیے بخاری نے بتادیا کہ صیب کے اصل معنی صرف بارش ہیں جو حکم خداوندی سے نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے اور نفع بخش بھی، ہمیں حضور ﷺ نے بتایا کہ نفع بخش ہونے کی دعا کرنی چاہیئے۔

وقال غیرہ الخ مادۂ اشتقاق بتاتے ہیں کہ یہ لفظ صیب ، صاب یصوب، کے مادہ سے ہے یعنی اجوف واوی ہے، باب افعال میں اصاب یصیب ہوجائے گا، گویا صیّبٌ، اصل میں صَیْوِبٌ تھا، تعلیل کے بعد صیّب ہوگیا۔

تشریح حدیث یہ روایت بس اسی جگہ آئی ہے کہ آپ بارش کے موقع پر اللّٰھم صیبا نافعا کے الفاظ میں دعا کرتے تھے، مسلم شریف میں اتنا اور اضافہ ہے کان اذا کان یوم ریح عرف ذلك فی وجهه ویقول اذا رای المطر رحمة کہ اگر ہوا کا دن ہوتا تو روئے مبارک پر پریشانی ظاہر ہوجاتی اور بارش کو دیکھتے تو دعا فرماتے کہ اے اللہ! اسے رحمت بنادے، ابوداؤد اور نسائی میں اور زیادہ وضاحت ہے کان اذا رأی ناشئا فی افق السماء ترك العمل فان کشف حمد الله ، فان امطرت قال اللّٰھم صیبا نافعا کہ اگر آسمان ابرآلود ہوجاتا تو آپ کام چھوڑ دیتے اور اسی طرف متوجہ ہوجاتے پھر اگر بادل صاف ہوجاتا تو اللہ کی حمد کرتے اور اگر بارش ہونے لگتی تو اللّٰھم صیبا نافعا کی دعا کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تیز ہوا، آندھی اور بارش کے موقع پر بہت فکر مند ہوجاتے تھے، بخاری ہی میں سورہ احقاف کی تفسیر میں روایت آئے گی کہ حضرت عائشہؓ نے آپ کے فکرمند ہونے کی وجہ معلوم کی اور پوچھا کہ لوگ تو بادل کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی، اور اس موقع پر آپ کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہوتی ہے، اس کی

کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا عائشہ! اس کا کیسے اطمینان کیا جائے کہ اس میں عذاب نہ ہوگا، قوم عاد نے خشک سالی کے زمانہ میں بادل کو دیکھ کر امید قائم کر لی تھی قالوا ھذا عارض ممطرنا کہ اب بارش ہوگی، لیکن قرآن کہتا ہے بل ھو ما استعجلتم به ، ریح فیھا عذاب الیم ، بلکہ یہ تو وہ چیز ہے جس کی تمہیں بہت جلدی تھی، یہ ایک طوفانی ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے، پھر اسی آیت میں کچھ تفصیل ہے کہ یہ ہوا حکم خداوندی سے ہر چیز کو تباہ کردے گی اور صرف مکانات کے کھنڈر باقی رہیں گے، پھر اس کے بعد اسی آیت میں ایک عام قانون الٰہی کا اعلان ہے و کذلك نجزی القوم المجرمین ، کہ ہم جرائم پیشہ لوگوں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

تابعه الخ امام بخاری نے متابعت ذکر کی ہے، متابعت کا فائدہ تقویت ہوتا ہے لیکن علامہ عینی فرماتے ہیں: لم یظهر لی وجه هذه المتابعه ، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہاں اس متابعت کو ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ واللہ اعلم

[۲۴] بَابُ مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتّٰى يَتَحَادَرَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ

(۱۰۳۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا الْاَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا اَنْ يَسْقِيَنَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ وَمَا فِي السَّمَآءِ قَزَعَةٌ قَالَ فَثَارَ سَحَابٌ اَمْثَالُ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ قَالَ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ اِلَى الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى فَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِيُّ اَوْ رَجُلٌ غَيْرُهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا، فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا قَالَ فَمَا جَعَلَ يُشِيْرُ بِيَدَيْهِ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّمَآءِ اِلَّا تَفَرَّجَتْ حَتّٰى صَارَتِ الْمَدِيْنَةُ فِيْ مِثْلِ الْجَوْبَةِ حَتّٰى سَالَ الْوَادِيْ وَادِيْ قَنَاةٍ شَهْرًا قَالَ فَلَمْ يَجِئْ اَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ اِلَّا حَدَّثَ بِالْجُوْدِ . (گذشتہ:۹۳۲)

ترجمہ باب، جو بارش کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے یہاں تک کہ پانی اس کی ڈاڑھی سے ٹپکنے لگے۔ حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں لوگوں پر قحط نازل ہوا تو اس درمیان کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے، کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! جانور مر رہے ہیں اور اہل وعیال بھوک میں مبتلا ہیں، آپ اللہ سے دعا فرمائیے بارش عطا کرے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ

اٹھائے اور اس وقت آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا نہیں تھا، حضرت انس نے کہا کہ پھر پہاڑوں کی طرح بادل امنڈ آیا پھر یہ کہ آپ اپنے منبر سے بھی نہیں اترے تھے کہ میں نے دیکھا بارش کا پانی آپ کی ڈاڑھی سے اتر کر ٹپک رہا ہے، حضرت انس نے کہا کہ پھر ہم پر اس دن بارش ہوتی رہی، اور دوسرے دن اور تیسرے دن اور چوتھے دن، اگلے جمعہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی، پھر وہی اعرابی یا کوئی دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مکانات گر گئے، اور جانور ڈوب گئے، اس لیے آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ! ہمارے چاروں طرف برسے، ہم پر نہ برسے، حضرت انس نے کہا، کہ آپ اپنے ہاتھوں سے آسمان کے کسی کنارے کی طرف اشارہ نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ بادل کھل جاتا تھا، یہاں تک کہ مدینہ بادلوں کے درمیان کھلے روشندان کی طرح ہو گیا، اور مدینہ طیبہ کی وادیٔ قناۃ میں ایک مہینہ تک پانی بہتا رہا، حضرت انس نے کہا کہ پھر کسی بھی طرف سے کوئی نہیں آتا تھا مگر یہ بارش کی کثرت کو بیان کرتا تھا۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ بارش کے موقع پر دعائے خیر کے ساتھ اس کا عملی طور پر استقبال کرنا چاہیئے، یعنی حضور ﷺ کے عمل سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس موقع پر راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے بارش میں ٹھہرنا اور بارش کو اپنے بدن پر لینا مستحب ہے، نئی بارش کو حضور ﷺ نے **حدیث عهد بربه** یعنی **قریب العهد بتكوين ربه** کہ قدرتِ خداوندی سے پیدا ہونے کے بعد یہ تازہ تازہ آرہی ہے، مسلم شریف میں ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے جسد مبارک سے کپڑا ہٹایا اور اپنے بدن پر بارش کو لے کر فرمایا **حدیث عهد بربه**۔

روایت میں آیا کہ پہلے آپ نے بارش کے لیے دعا کی، جب بارش ہونے لگی اور چھت ٹپکی تو پانی آپ کے لحیۂ مبارک سے ہو کر ٹپکنے لگا، آپ جگہ بھی بدل سکتے تھے، خطبہ مختصر بھی کر سکتے تھے اور کم از کم یہ پانی سے بچنے کے لیے کپڑا یا کوئی چیز استعمال کر سکتے تھے، لیکن آپ نے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں کی، گویا یہ امر اتفاقی نہیں تھا بلکہ آپ نے قصداً ایسا کیا، معلوم ہوا کہ بارش ہونے لگے تو اللہ کی اس رحمت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، اور اسے اپنے جسم پر لے کر عملاً اس کا استقبال کرنا چاہیئے، روایت گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۲۵] بَابُ اِذَا هَبَّتِ الرِّيْحُ

(۱۰۳۴) حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ حُمَيْدٌ اَنَّهُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَتِ الرِّيْحُ الشَّدِيْدَةُ اِذَا هَبَّتْ عُرِفَ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ .

ترجمہ باب، جب ہوا تیز چلے تو کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تھی تو اس کا اثر حضور ﷺ کے چہرے پر نمایاں ہوتا تھا۔

مقصد ترجمہ اور تشریح بارش سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں، کچھ بادلوں کو اڑا کر لاتی ہیں، کچھ بادلوں کو منتشر کرتی اور پھیلاتی ہیں، کچھ بادلوں کو پھاڑ کر مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ، اس لیے امام بخاری نے استسقاء کے ابواب کے ساتھ یہ باب بھی منعقد کر دیا کہ اگر ہوا تیز چلے اور آندھی کی صورت اختیار کرے تو اس وقت بندوں پر کیسے آثار ظاہر ہونے چاہئیں اور انہیں کیا کرنا چاہیے، امام بخاری نے ترجمہ میں کوئی حکم بیان نہیں کیا، لیکن حدیث لاکر بتادیا کہ ایسے موقع پر آپ کے چہرہ مبارک پر خوف وخشیت کے آثار نمایاں ہوتے تھے، کیونکہ اس چیز کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ ان ہواؤں کا انجام کیا ہوگا، خدا انہی ہواؤں سے کچھ قوموں کی بربادی کا کام لے چکا ہے، گویا ان ہواؤں میں انسان کے لیے فزع کا سامان ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب تک عذاب کے دور ہونے کا یقین نہ ہو اس وقت تک اطمینان کا سانس نہ لے۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کان النبی ﷺ اذا عصفت الریح قال اللّٰھم انی اسالك خیرھا وخیر ما فیھا وخیر ما ارسلت به واعوذ بك من شرھا وشر ما فیھا وشر ما ارسلت به، جب ہوا تیز چلتی تو حضور ﷺ یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی خیر، اس ہوا میں پائی جانے والی خیر اور جن کاموں کے لیے یہ ہوا بھیجی گئی ہے ان کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اور اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کے شر، اور اس میں پائے جانے والے شر اور جن کاموں کے لیے یہ ہوا بھیجی گئی ہے ان کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، اسی طرح کی روایات مختلف کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب وغیرہ سے منقول ہیں۔

معلوم ہوا کہ ہواؤں کے شدت اختیار کرنے اور آندھی چلنے کی حالت میں انسان کو مطمئن نہ ہونا چاہیے، بلکہ ہونا یہ چاہیے اس کے چہرے پر فکر مندی کے آثار ہوں، دل سے وہ اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہو اور اس کی زبان مصروف دعا ہو۔ واللہ اعلم

[۲۶] بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ نُصِرْتُ بِالصَّبَا

(۱۰۳۵) حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ. (آئندہ: ۳۲۰۵، ۳۳۴۳، ۴۱۰۵)

ترجمہ باب، حضور ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ پورب کی ہوا سے میری مدد کی گئی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پورب کی ہوا کے ذریعہ میری مدد کی گئی، اور قوم عاد کو پچھم کی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔

مقصد ترجمہ صبا پُروا ہوا کو اور دبور پچھوا ہوا کو کہتے ہیں، چونکہ پُروا ہوا بادلوں کو جمع کرتی ہے اور ان کو لے کر آتی ہے اس لیے استسقاء کے ابواب میں امام بخاریؒ نے یہ ترجمہ بھی رکھ دیا، مقصد یہ بتانا ہے کہ ہوائیں

اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، اور ان سے اللہ تعالیٰ کسی کی نصرت کا کام لیتا ہے اور کسی کو برباد کر دیتا ہے، اگر انسان اس موقع پر اللہ سے خیر کی طلب کرے اور شر سے پناہ مانگے تو یہ ہوائیں رحمت کا سبب بن جاتی ہیں جیسے باد صبا سے حضور ﷺ کی نصرت کا کام لیا گیا۔

ابن منیر کہتے ہیں کہ پچھلے باب میں حضرت انسؓ کی روایت میں یہ مضمون تھا کہ تیز ہوا اور آندھی کے وقت انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، اس باب میں امام بخاریؒ کا اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پروا ہوا کا اس سے استثناء ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کی مدد کی تھی لیکن روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ بادل کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے تھے اور بادل عام طور پر پُروا ہوا کے کاندھوں پر آتا ہے، اس لیے پُروا ہوا کی تخصیص کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

باد صبا سے نصرت کا واقعہ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے باد صبا کے ذریعہ میری نصرت کی، یہ واقعہ غزوۂ احزاب کا ہے جو ۵ھ میں پیش آیا، بنو نضیر نے جلاوطن ہونے کے بعد مکہ جا کر قریش کو جنگ کے لیے آمادہ کیا، پھر بنو غطفان کو آمادہ کیا اور ابوسفیان نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے ارادہ سے دس ہزار کی فوج سے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا، مسلمانوں کی تعداد اس سے بہت کم تھی اور کفار کے جنگی انتظامات بھی زبردست تھے، حضور پاک ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے خندق کھودی گئی پندرہ دن یا اس سے زائد یہ محاصرہ جاری رہا، صحابہ کرام نے محاصرہ کی شدت کی وجہ سے حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کی، آپ نے فرمایا یہ دعا مانگو اللّٰهم استر عوراتنا وامن روعاتنا اے اللہ! ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور ہماری گھبراہٹ کو امن سے بدل دے، صحابہ کرام دعا مانگتے رہے اور حضور ﷺ نے بھی دعا فرمائی:

اللّٰهم منزل الكتاب ومجرى السحاب وهازم الاحزاب اهزمهم وانصرنا عليهم .	اے اللہ! اے کتاب کو نازل کرنے والے، اے بادلوں کو چلانے والے، اور اے جماعتوں کو شکست دینے والے، انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر غلبہ عطا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور قریش و غطفان کی فوج پر ٹھنڈی رات میں نہایت ٹھنڈی اور طوفانی ہوا مسلط کر دی جس سے کفار کے خیمے اکھڑ گئے، روشنیاں بجھ گئیں، رسیاں ٹوٹ گئیں، دیگیں الٹ گئیں، آگ پھیل گئی اور ان کی آنکھوں میں مٹی اور گرد و غبار بھر گیا، قرآن میں ہے:

واذكروا نعمة الله عليكم اذ جاء تكم جنود فارسلنا عليهم ريحا وجنودا لم تروها.	اللہ کے اس انعام کو یاد کرو جب کفار کے بہت سے لشکر تمہارے سروں پر مسلط تھے تو ہم نے ان پر ایک آندھی مسلط کر دی اور ایسے لشکر اتار دیئے جو تم کو نظر نہیں آرہے تھے یعنی فرشتے۔

چنانچہ کفار اس صورتِ حال سے بری طرح گھبرا گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے، اور اس طوفانی ہوا کے ذریعہ مسلمانوں کی ایسی مدد ہوئی کہ قتل وغارت گری کے بغیر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگئی یہ ہوا **نصرت بالصبا** کا مطلب۔

قوم عاد کی تباہی کا واقعہ دوسری بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ قوم عاد کو پچھوا ہوا کے ذریعہ تباہ کر دیا گیا، عاد ماقبل تاریخ کی قدیم قوم تھی، عاد حضرت نوح کے پوتے اِرَم کی اولاد میں سے تھے اور یہ قوم اپنے مورثِ اعلیٰ کی طرف منسوب تھی، جسمانی اعتبار سے بھی یہ لوگ بڑے قوی ہیکل تھے اور اپنے زمانہ میں متمدن اور ترقی یافتہ شمار ہوتے تھے، جب یہ قوم بت پرستی اور غلط کاریوں میں مبتلا ہوگئی تو ان کی ہدایت کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا، ان کی دعوت کو کچھ لوگوں نے قبول کیا اور قوم کا بڑا طبقہ اپنی گمراہی پر قائم رہا، اور حضرت ہود کی تکذیب کرتا رہا، حضرت ہود نے انہیں عذاب خداوندی سے ڈرایا، لیکن یہ لوگ انکار آخرت، بت پرستی اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو اللہ نے انہیں طوفانی ہوا کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔

وفی عـاد اذا رسلنـا عليهم الريح العقيم، ما تذر من شيئ اتت عليه الا جعلته كالرميم. (ذاریات آیت:۴۲)	اور عاد کے قصے میں بھی عبرت ہے جب ہم نے ان پر نامبارک آندھی کو مسلط کر دیا کہ وہ جس چیز پر گذرتی تھی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی تھی۔

ترمذی اور مسند احمد میں حضرت حارث بن یزید بکری کی روایت میں اس طرح کا مضمون ہے کہ قوم عاد جب قحط میں مبتلا ہوئی تو انہوں نے اپنا وفد دعا کے لیے مکہ بھیجا کہ بارگاہ خداوندی میں بارش کے لیے دعائیں کرے، یہ وفد کسی مہمان کے یہاں پہنچا اور وہاں شراب وکباب اور گانے بجانے میں مشغول ہوگیا، پھر ایک مہینے کے بعد خیال آیا تو پہاڑوں پر جا کر دعا کی دعا کے بعد افق آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور ندا آئی کہ بتاؤ ان میں سے کونسا بادل پسند کرتے ہو، انہوں نے کالا بادل پسند کیا، شاید اس لیے کہ کالا بادل بہت برستا ہے، پھر ندا آئی کہ **خذها رَمَادًا رِمْدِدا ، لا تذر من عاد احدا**، لو یہ تباہ کن اور جلا دینے والا بادل ہے اور یہ قوم عاد میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گا۔

پھر یہ طوفانی ہوا مسلط ہوگئی، سورۂ ذاریات میں ہے کہ یہ آندھی ان پر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلط رہی اور بالآخر حضرت ہود پر ایمان لانے والے چند ہزار انسانوں کے علاوہ سب کو تباہ کر دیا گیا، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے گھروں میں گھس کر دروازے بند کر لیے، مگر ہوا نے دروازے توڑ دیے اور جو ریت اور مٹی اور پتھر برس رہے تھے وہ مکانات میں پہنچے، پتھروں سے ان کی گردنیں ٹوٹ گئیں اور یہ ریت اور مٹی کے طوفان میں دب کر مر گئے، **اهلك عاد بالدبور** کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم

[۲۷] بَابُ مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْآيَاتِ

(۱۰۳۶) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيْكُمُ الْمَالُ فَيَفِيْضُ . (گذشتہ:۸۵)

(۱۰۳۷) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَفِيْ يَمَنِنَا قَالَ قَالُوْا وَفِيْ نَجْدِنَا قَالَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَفِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا وَفِيْ نَجْدِنَا قَالَ هُنَالِكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ . (آئندہ:۷۰۹۴)

ترجمہ باب، زلزلوں اور دیگر نشانیوں یا علامات قیامت کے بارے میں۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ علمِ دین کو نہ اٹھالیا جائے، اور زلزلے کثرت سے نہ آنے لگیں اور زمانہ قریب نہ ہوجائے اور فتنے غالب نہ آجائیں اور جب تک کہ ہرج کی کثرت نہ ہوجائے اور ہرج سے مراد قتل ہے یہاں تک کہ تمہارے درمیان مال کی کثرت ہوجائے گی اور وہ بہنے لگے گا۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) کہ اے اللہ! ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں (یعنی اس کے لیے بھی دعا فرمائیں) آپؐ نے فرمایا کہ اے اللہ! ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں، تو آپ نے فرمایا کہ وہاں زلزلوں کی کثرت ہوگی اور وہیں سے شیطان کا گروہ نمودار ہوگا۔

مقصدِ ترجمہ ذکر طوفانی ہواؤں اور بارش کا چل رہا تھا، اور زلزلے کے وقت بھی عام طور پر تیز ہوائیں چلتی ہیں اور کہیں پہلے اور کہیں بعد میں بارش بھی ہوتی ہے اس۔لیے امام بخاریؒ نے استسقاء کے ابواب میں یہ باب بھی منعقد فرمادیا، مقصد یہ ہے کہ جس طرح بارش، آندھی اور طوفانی ہوائیں انسان کے لیے عبرت اور موعظت کا سبق ہیں، اسی طرح زلزلے اور تکوینی نظام کی بڑی بڑی نشانیوں میں اس سے کہیں زیادہ عبرت کا سامان ہے، اور ان تمام مواقع پر انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرکے ذکر، اور توبہ واستغفار کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اس لیے کہ ان بڑی بڑی نشانیوں کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے ڈرے اور اس میں خوفِ آخرت پیدا ہو، قرآن کہتا ہے وما نرسل بالآیات الا تخویفا. (سورۂ اسراء آیت:۵۹)

اور اگر ترجمہ کا مقصد یہ قرار دیا جائے کہ بخاری کا منشا یہ بیان کرنا ہے کہ زلزلہ اور دیگر آیاتِ عظام کے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے کیا ارشاد فرمایا ہے تو یہ بھی صحیح ہوگا اور احادیث کی مطابقت بھی آسان ہوگی کہ حضور ﷺ نے زلزلوں اور دیگر نشانیوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ان کا ظہور قربِ قیامت میں ہوگا اور ان کا وقوع فلاں خطہ میں دیگر علاقوں سے زائد ہوگا۔

زلزلے کے موقع پر کیا کریں؟ امام بخاریؒ نے ترجمہ میں کوئی حکم بیان نہیں کیا اور نہ حدیث ہی میں اس سلسلے میں کوئی حکم ہے، حدیث میں علاماتِ قیامت بیان کی گئی ہیں جن میں ایک زلزلہ کی کثرت ہے، زلزلہ کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں اور اس کا علاماتِ قیامت میں سے ہونا انسان کی غفلت کو ختم کرنے اور اس کے قلب میں فکرِ آخرت اور اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے اس لیے حنفیہ کے یہاں زلزلے، شدید تاریکی، آندھی اور بارش کے خطرناک تسلسل اختیار کرنے کی صورت میں دعا، استغفار اور نماز وغیرہ کا اہتمام کرنا مستحب ہے، بدائع میں ہے۔

وكذا تستحب الصلوة في كل فزع كالريح الشديدة والزلزلة والظلمة والمطر الدائم لكونها من الافزاع.
(بدائع: ج:۱ص:۲۸۲)

اور اسی طرح نماز ہر پریشانی کے موقع پر مستحب ہے، جیسے تیز آندھی، زلزلہ، تاریکی اور مسلسل بارش، اس لیے کہ یہ سب چیزیں پریشانی کا سبب ہیں۔

اور اس کی دلیل وہی کلمات ہیں جو حضور ﷺ نے گہن کے موقع پر فرمائے هذه الآيات التي يرسل الله لا تكون لموت احد ولا لحياته ولكن يخوف الله بها عباده فاذا رأيتم شيئا من ذلك فافزعوا الى ذكر الله ودعائه واستغفاره (بخاری حدیث ۱۰۵۹) بعض روایات میں فاذا رأيتم ذلك فاذكروا الله وكبروا وصلوا وتصدقوا (بخاری حدیث ۱۰۴۴) کے الفاظ آئے ہیں، اس لیے حنفیہ نے ان مواقع پر نماز کو مستحب کہا ہے، لیکن یہ نماز مطلق نفل ہے، اس لیے اس کے لیے جماعت یا خطبہ وغیرہ نہیں ہوگا بلکہ مسلمانوں کو انفرادی طور پر ذکر، استغفار اور نمازوں کا اہتمام کرنا چاہیے، شوافع اور بعض دیگر فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صرف گہن کے موقع پر نماز پڑھی ہے، دیگر مواقع پر نہیں۔

حدیث میں ذکر کردہ علاماتِ قیامت پہلی روایت میں قیامت کی چند علامات بعیدہ کا بیان ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ علم کو نہ اٹھالیا جائے، مطلب یہ ہے کہ علماء ربانی جن سے دنیا قائم ہے وہ اٹھالیے جائیں گے اور نام کے علماء جن کا وجود دنیا کے لیے باعثِ ننگ و عار ہے، رہ جائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا عمل، علم کے مطابق نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنے عمل کے مطابق علم کو ڈھالیں

گے اور اپنے عمل کو صحیح کرنے اور بدلنے کے بجائے قرآن وحدیث میں تحریف کریں گے، اعاذنا اللہ من ذلك۔

زلزلوں کی کثرت

دوسری علامت ہے زلزلوں کی کثرت، زلزلوں کی کثرت اس بات کی علامت ہوگی کہ اب دنیا چل چلاؤ پر ہے اور وہ وقت قریب ہے جب دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی، زلزلہ انسانوں کے لیے بے پناہ تباہی کا سبب ہوتا ہے اور خدا کی قدرت کا مظاہرہ ہے اس لیے زلزلہ کی تباہ کاریوں کو دیکھو اور عبرت حاصل کرو اور خدا کی قدرت پر نظر کرو کہ وہ اسی طرح نظام عالم کو ختم کرسکتا ہے، زلزلوں کی کثرت گویا قیامت کی آمد کا پیش خیمہ ہوگی۔

تقارب زمان

تیسری علامت ہے یتقارب الزمان کہ وقت کی برکت ختم ہوجائے گی ترمذی نے کتاب الزہد میں ایک باب منعقد کیا ہے باب ما جاء فی تقارب الزمان اور اس کے تحت حضرت انس کی روایت ذکر کی ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ زمانہ قریب نہ ہوجائے، پھر اس کی وضاحت ہے کہ سال مہینہ کی طرح ہوجائے گا، اور مہینہ ہفتہ کی طرح، ہفتہ دن کی طرح، دن ساعت کی طرح، اور ساعت آگ کے شعلہ کی طرح ہوجائے گی، مطلب واضح ہے کہ وقت اتنی برق رفتاری سے گذرے گا کہ انسان کو پتہ ہی نہ چلے گا، خطابی نے کہا کہ یہ بے برکتی حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانہ میں ہوگی، لیکن ہم تو آج بھی یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے جو کام مختصر مدت میں کیا ہے وہ ہم سے طویل مدت میں بھی نہیں ہورہا ہے۔

بے برکتی کے علاوہ اس لفظ کے متعدد مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ انسانوں کی عمریں کم ہوجائیں گی یا لوگ عیش وعشرت میں یا اپنی پریشانیوں میں اس طرح مبتلا ہوں گے کہ انہیں وقت گذرنے کا پتہ ہی نہ چل سکے گا، یا بیضاوی کہتے ہیں کہ حالات اس طرح کے پیش آئیں گے کہ حکمرانوں کی مدتِ حکومت مختصر ہوجائے گی، وغیرہ۔ نیز عصر حاضر میں زمانہ کے قریب ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن کاموں کے لیے پہلے زمانہ میں بہت وقت درکار تھا، وہ آج بہت مختصر وقت میں ہونے لگے ہیں، اور قربِ قیامت کی یہ علامت بالکل سامنے ہے جیسے پہلے مسافتِ سفر طے کرنے میں، حالات سے باخبر ہونے میں، ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے میں بہت وقت صرف ہوتا تھا اور اب ایسے آلات ایجاد ہوگئے ہیں کہ یہ سب کام بہت کم وقت میں انجام پاجاتے ہیں، رسل ورسائل کی سہولتوں اور ذرائع ابلاغ کی کثرت نے وسیع وعریض دنیا کو ایک گھر بنادیا ہے۔

فتنوں کا ظہور اور قتل کی کثرت

پھر فرمایا کہ قربِ قیامت میں فتنے غالب آجائیں گے، ظہور سے مراد فتنوں کی شہرت یا ان کا غالب آنا ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں فتنے روز افزوں ہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نئے نئے فتنے پیدا ہورہے ہیں، خود مسلمانوں کے درمیان باہمی کشمکش اور فرقِ باطلہ کے فتنے ہیں، ان فتنوں سے عداوت بڑھتی ہے اور وہ قتل وغارت گری کی کثرت تک پہنچ جاتی ہے، پھر عالم اسلام ہی نہیں،

دنیا کی ہر قوم طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا ہے انسان کی بے راہ روی نے دنیا کو جہنم بنا دیا ہے، اور ہر طرف ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدى الناس کا منظر ہے، ابن بطال لکھتے ہیں: وقد شاهدناها عيانا، اعاذنا الله من شر المنقلب وختم اعمالنا بالسعادة والنجاة من الفتن ۔

مال کی کثرت

پھر فرمایا کہ یہاں تک کہ مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی، کہ وہ بہنے لگے گا، شارحین نے لکھا ہے کہ فتنوں کی کثرت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ کم رہ جائیں گے، اور جو رہ جائیں گے ان کی دلچسپیاں ختم ہو جائیں گی، قربِ قیامت کا منظر اور اس کا یقین مال کی طرف رغبت کو کم کر دے گا، اور صورتِ حال یہ ہو جائے گی کہ مال بہا پھرے گا اور اس کو لینے والا کوئی نہ ہوگا۔

نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ لوگ آخرت کی فکر اور صحیح اور غلط کی تمیز سے بے پروا ہو کر محض دولت کو جمع کرنے پر لگ جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ بھی انسانی ذرائع میں اضافہ کر دے گا، مثلاً زمین کے پوشیدہ خزانے باہر آ جائیں گے، گویا عصرِ حاضر کے ذرائع آمدنی، اور زمین سے نکلنے والے خزانوں کی وجہ سے انسانی دولت میں جو فراوانی آ رہی ہے، اس کو يكثر المال کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے، اور اس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

تشریح حدیث دوم

دوسری حدیث یہاں حضرت ابن عمر پر موقوف ہے اور کتاب الفتن میں امام بخاری اس کو مرفوعاً بیان کریں گے کہ حضور ﷺ نے شام اور یمن کے لیے برکت کی دعا کی تو صحابہ نے نجد کے بارے میں بھی دعا کے لیے عرض کیا، آپ نے نجد کے لیے دعا نہیں کی بلکہ فرمایا کہ وہاں تو زلزلوں کی کثرت ہوگی اور وہیں سے شیطان کی جماعت ظاہر ہوگی، گویا آپ نے یہ فرمایا کہ وہاں جو احوال اور فتنے پیش آنے والے ہیں وہ برکت کو دور کرتے ہیں۔

قسطلانی کہتے ہیں کہ آپ نے دعا اس لیے نہیں کی کہ آپ کو یہاں کا انجام اور یہاں پیش آنے والے احوال کا علم عطا کر دیا گیا تھا اور آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہاں زلزلوں کا وقوع اور فتنوں کا ظہور مقدر ہو چکا ہے اور امر تقدیری کے انکشاف کی صورت میں اس کے خلاف دعا کرنا کم از کم خلافِ ادب اور بعض صورتوں میں حرام ہے۔ واللہ اعلم

[۲۸] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (واقعہ:۸۲)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شُكْرَكُمْ

(۱۰۳۸) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِىْ مَالِكٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِىِّ اَنَّهٗ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى اَثَرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِىُّ ﷺ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ

فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَكَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِیْ وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِیْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ۔ (گذشتہ:۸۴۶)

ترجمہ اللہ عزوجل کے قول وتجعلون الآیہ (اور تم نے اپنا رزق اور اپنی غذا اسی چیز کو بنا رکھا ہے کہ تم جھٹلاتے ہو) کی تفسیر کا بیان۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رزقکم سے مراد شکر کم ہے، حضرت زید بن خالد الجہنی سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیبیہ میں بارش کے بعد - جو رات میں ہوئی تھی - فجر کی نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کی طرف آپ نے رخ کیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ علم والا ہے، آپ نے فرمایا، اللہ کہتا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں سے کچھ بندے مجھ پر ایمان لانے والے ٹھہرے اور کچھ کافر ہوئے یعنی جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی ہے، تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہم پہ فلاں ستارے کے ایسی اور ایسی جگہ پہنچنے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرا انکار کرنے والے اور ستاروں پر ایمان لانے والے ہیں۔

مقصد ترجمہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ استسقاء کی حقیقت توبہ واستغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا ہے، اب اس باب میں امام بخاریؒ اس حقیقت پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ بارش اللہ کے حکم اور اس کی قضا وتقدیر سے نازل ہوتی ہے، اس کے نزول میں کسی اور چیز کو مؤثر حقیقی اور تاثیر میں مستقل جاننا، اللہ کی تقدیر کا انکار اور کفر ہے جیسا کہ جاہلیت میں بارش کے نزول میں ستاروں اور پچھتروں کو مؤثر حقیقی سمجھا جاتا تھا، امام بخاریؒ نے بتایا کہ یہ ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے جھوٹ کو اپنی غذا بنا لیا ہے کہ رحمت کی بارش تو خدا نازل فرمائے اور وہ اس کو ستاروں کی طرف منسوب کریں۔

یہاں امام بخاریؒ نے سورۂ واقعہ کی ایک آیت وتجعلون رزقکم الآیہ کو ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور اس کے ذیل میں حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت نقل کی ہے یہ روایت مسلم میں بھی ہے اور مسلم شریف میں بالکل اسی طرح کا مضمون حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں بھی ہے اور اس کے بعد مذکور ہے **فنزلت هذه الآية وتجعلون رزقكم انكم تكذبون** (سورۂ واقعہ آیت:۸۲) یعنی حضور ﷺ نے بارش کے بعد بیان فرمایا کہ کچھ لوگ شکر گذار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ کافر، جو یہ کہتے ہیں کہ یہ بارش اللہ کی رحمت ہے وہ شکر گذار ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں ستارے کی تاثیر سے بارش ہوئی وہ کفرانِ نعمت کر رہے ہیں، پھر یہ آیت نازل ہوئی **وتجعلون رزقكم انكم تكذبون**، غضب کی بات ہے کہ تم لوگوں نے تکذیب حقائق کو اپنی غذا بنا لیا ہے کہ بارش تو خدا نازل فرمائے اور تم اس کو ستاروں کی طرف

منسوب کرنے کی جسارت کرو، اس سے بڑی تکذیب کیا ہوگی؟ مسلم کی روایت سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے جس آیت کو عنوان اور ترجمہ میں لیا ہے اس کا شانِ نزول ہی وہ واقعہ ہے جو حضرت زید بن خالد کی روایت میں مذکور ہے۔

وقال ابن عباس شکر کم : یعنی رزقکم کا ترجمہ یا مطلب ابن عباسؓ نے شکر کم کیا ہے، گویا لفظ رزق بول کر اسی کا لازم شکر مراد لیا ہے، تو یہ مجاز مرسل ہوا، یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور مضاف کو ذکر کیا جائے تو عبارت اس طرح ہوگی تجعلون شکر رزقکم انکم تکذبون کہ خدا نے رحمت نازل فرمائی تھی اس کا شکرادا کرنا ضروری تھا مگر تمہاری طرف سے اس کا شکر یہ ادا ہو رہا ہے کہ تم اسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر کے، اسی کی تکذیب کر رہے ہو۔

تشریح حدیث حضرت زید بن خالد جہنی نے فرمایا کہ ہم لوگ حدیبیہ میں تھے حدیبیہ، حدباء کی تصغیر ہے، حدباء ایک درخت کا نام ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں مشرکین نے ۶ھ میں حضور ﷺ کو روک دیا تھا اور اسی مقام پر حدباء کے ایک درخت کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی تھی، رات کو بارش ہوئی تو صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے نمازیوں کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ خدا یہ فرماتا ہے کہ کچھ لوگ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور کچھ لوگ کفر اختیار کرنے والے ہیں، یعنی جو لوگ اس بارش کو خدا کی رحمت سمجھتے ہیں اور اس کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں، خدا کہتا ہے کہ وہ لوگ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو اسے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بارش کے نزول میں انہی کو مؤثر حقیقی جانتے ہیں وہ میرے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

نوء کے معنی **مطرنا بنوء کذا،** یہ علم نجوم کا مسئلہ ہے، اہلِ نجوم نے سال کے ۳۶۵ دن کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ چاند کی اٹھائیس منزلیں فرض کی ہیں، ان کے خیال کے مطابق چاند ہر منزل میں ۱۳ دن اور ایک منزل میں ۱۴ دن رہتا ہے، اس طرح ۳۶۵ دن ہو گئے، چاند جب کسی منزل میں پہنچتا ہے تو ایک ستارہ غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے، اسی طلوع یا غروب ہونے والے ستارے کو نوء جمع انواء کہتے ہیں، اور وہ اس کو مؤثر مانتے ہیں۔

ستاروں کو مؤثر ماننے کا حکم اہلِ نجوم کی طرح جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ منازلِ قمر میں ایک ستارے کا غروب اور دوسرے ستارے کا طلوع کائنات پر اثر انداز ہوتا ہے اور مثلاً بارش کا ہونا یا طوفانی ہواؤں کا چلنا یا سردی اور گرمی وغیرہ اسی کی تاثیر ہے، اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ تدبیر وتصرف میں یہی ستارے مستقل بالتاثیر ہیں تو وہ یقیناً مشرک ہے اور اگر وہ ان کو درحقیقت مؤثر نہیں مانتا بلکہ انہیں اللہ کے تصرف کی علامت سمجھتا ہے تو وہ مشرک نہیں ہے، لیکن یہ سمجھنا بھی مذموم اور قابلِ احتراز بات ہے۔

شیخ محمد اعلیٰ تھانویؒ نے کشاف اصطلاحات الفنون میں شرک کی چار قسمیں بیان کی ہیں، الوہیت میں

شرک، واجب الوجود ماننے میں شرک، تدبیر وتصرف میں شرک اور عبادت میں شرک، ستاروں کی مستقل اور حقیقی تاثیر کا عقیدہ شرک کی تیسری قسم ہے اور کفر ہے۔

البتہ اگر ان ستاروں کو مستقل بالتاثیر نہ سمجھا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کی رفتار اور ان کے احوال واوضاع سے اپنی عادت کے مطابق کچھ تاثیرات متعلق کردی ہیں اور یہ اس کی صرف علامت ہیں تو یہ عقیدہ گو شرک اور کفر نہیں ہے مگر اس سے بھی بچنا ضروری ہے، اس لیے کہ مسلم شریف کی حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اصبح من الناس شاکر ومنهم کافر فرمایا گیا ہے اس روایت میں کافر کا تقابل، مومن سے نہیں شاکر سے کیا گیا ہے، یعنی کفر کو ایمان کے مقابل نہیں بلکہ شکر کے مقابل استعمال کیا گیا ہے، گویا جو ستاروں کو تاثیر میں مستقل یا مؤثر حقیقی نہیں مان رہا ہے وہ بھی کسی درجہ میں ان کی تاثیر کا قائل ہو کر خدا کا شکر ادا نہ کر کے کفرانِ نعمت کر رہا ہے کہ نعمت تو نازل کر رہا ہے صرف پروردگارِ عالم اور یہ انسان غیر اللہ کو بھی اس میں کسی درجہ میں دخیل مان رہا ہے، العیاذ باللہ۔

کفرانِ نعمت بھی کیوں ہے؟ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب اللہ نے کائنات میں اپنی مقرر کردہ عادت کے مطابق مثلاً ستاروں کی حرکت اور وضع سے کچھ تاثیرات متعلق کردی ہیں تو پھر تو اسے کفرانِ نعمت بھی نہیں کہنا چاہیئے، اس بات کو سمجھنے کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے کہ واقعۃً اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سبب اور مسبب کا سلسلہ قائم فرمایا ہے، یعنی بعض چیزوں کو بعض چیزوں کا سبب بنایا ہے، اگر ہم اس کو یقین کے درجہ میں - جیسے آگ کا سببِ احراق ہونا - یا ظن کے درجہ میں - جیسے دوا کا دافعِ مرض ہونا - جانتے ہیں تو ان اسباب کی طرف نسبت کرنا کفر یا کفرانِ نعمت نہیں ہے، لیکن جو اسباب محض وہم کے درجہ میں ہیں یعنی شرعی یا عقلی طور پر ان کے سبب ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو ان کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔

ستاروں کی تاثیر توہمات کی قبیل سے ہے کہ ان کے مؤثر ہونے پر نہ شرعی دلیل قائم ہے نہ عقلی، اس لیے اگر کوئی انسان بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرتا ہے تو اگر وہ ان کو مستقل بالتاثیر بھی نہیں مانتا تب بھی وہ غلطی کر رہا ہے اور کفرانِ نعمت کا مرتکب ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اسبابِ عادیہ - یقینی ہوں یا ظنی - کی طرف کسی کام کی نسبت کفر یا کفرانِ نعمت نہیں ہے اور اسباب وہمیہ کی طرف نسبت میں یہ تفصیل ہے کہ ان کو مستقل بالتاثیر سمجھنا شرک اور کفر، اور کسی بھی درجہ میں مؤثر سمجھنا کفرانِ نعمت ہے۔

حضرت نانوتوی کا ارشاد فرمایا کہ اگر ستاروں کے تاثیر کے خیال کو بالکل بے اصل نہ سمجھا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ کچھ لوگوں پر کچھ ستاروں کی تاثیر کا انکشاف مان لیا جائے مگر یہ انکشاف ایک یا چند ہی ستاروں کی تاثیر کا ہوگا، تمام ستاروں کی تاثیر کے انکشاف کا دعویٰ قابلِ قبول نہیں ہوسکتا پھر تمام ستاروں کی مجموعی تاثیر کا علم اس سے بھی زیادہ مشکل ہے، اس لیے کہ جب ستاروں کی گنتی اور ان کی مجموعی تعداد معلوم

کرنے کا انسان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تو ان تمام کی تاثیرات معلوم کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ پھر ان کی مجموعی تاثیر کا معلوم کرنا امر محال معلوم ہوتا ہے، خصوصاً اس لیے بھی کہ جب اکثر ستاروں کی تاثیر ہی معلوم نہیں تو مجموعی تاثیر کا علم کیسے ہو سکے گا، پھر حضرتؒ نے مثال دے کر وضاحت کی کہ جیسے دواؤں میں مفردات کی تاثیر کسی درجہ میں معلوم ہو سکتی ہے لیکن اگر کسی نسخہ میں سو دو سو دوائیں ہوں تو اس کی مجموعی تاثیر کا معلوم کرنا دشوار ہوتا ہے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ بعض مفردات کی تاثیر ہی معلوم نہ ہو، اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ کروڑوں اور اربوں ستاروں کی الگ الگ یا مجموعی تاثیر کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ستاروں کی تاثیر کا نظریہ خیال اور تو ہم سے زیادہ نہیں اور اسی لیے علم نجوم میں اشتغال سے منع کیا جاتا ہے کہ اس کو جاننے کا کوئی معتبر ذریعہ انسان کے پاس نہیں ہے اور اس کے حصول کی جدوجہد اپنی قیمتی عمر کو ضائع کرنے کے مرادف ہے، پھر یہ کہ ستاروں کی تاثیر کا نظریہ نقصان دہ ہونا واضح اور ثابت ہو چکا ہے، فلاسفہ اور یہود ونصاریٰ کا ایک طبقہ ان کو مستقل بالتاثیر سمجھ کر گمراہ ہوا، پھر کیا بعید ہے کہ کمزور عقیدے کے مسلمان کی نظر بھی انہی کی تاثیر پر ٹھہر جائے اور وہ خیر وشر کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے اپنے ایمان کی سب سے قیمتی متاع یعنی عقیدۂ توحید سے محروم ہو جائے، اعاذنا اللّٰہ من ذلك ۔ واللہ اعلم

[۲۹] بَابٌ لَا يَدْرِيْ مَتٰى يَجِيْءُ الْمَطَرُ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ

(۱۰۳۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ، لَا يَعْلَمُ اَحَدٌ مَا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ وَلَا يَعْلَمُ اَحَدٌ مَا يَكُوْنُ فِي الْاَرْحَامِ وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ وَمَا يَدْرِيْ اَحَدٌ مَتٰى يَجِيْءُ الْمَطَرُ . (آئندہ: ۴۶۲۷، ۴۶۹۷، ۴۷۷۸، ۷۳۷۹)

ترجمہ باب، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ سے نقل کیا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا، کوئی نہیں جانتا کہ عورتوں کے رحم میں کیا ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ خود وہ آدمی کل کیا کرے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں انتقال کرے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی؟

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں آیا کہ بارش کے ہونے میں ستاروں کی تاثیر کا کوئی دخل نہیں، بارش صرف اللہ کے قضاء وقدر کے تابع ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کو جاننے کا کوئی ذریعہ انسان کے پاس نہیں ہے، امام بخاریؒ نے ترجمہ منعقد کر کے بتادیا کہ بارش کے بارے میں یہ بات یقینی طور پر طے ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی اسکے بارے میں کچھ نہیں جان سکتا کہ وہ کب ہوگی، کتنی ہوگی اور اس کے کیا نتائج مرتب ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

قال ابو هريرة الخ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، یہ حدیث جبرئیل کا ٹکڑا ہے جو کتاب الایمان میں گذر چکی ہے۔

تشریح حدیث فرمایا کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، غیب کو مقفل خزانے سے تشبیہ دی، پھر مشبہ بہ کو حذف کر دیا، اور اس کے لازم یعنی مفتاح کو ذکر کر کے مشبہ بہ کی طرف اشارہ کر دیا، تو یہ استعارہ مکنیہ ہوا یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ غیب ایک مقفل خزانہ ہے اور اس خزانہ کی کنجیاں صرف خدا کے پاس ہیں، وہ کسی انسان یا فرشتے کو نہیں دی گئی ہیں۔

غیب، اصطلاح میں انسان کی دسترس سے باہر اور اس کی نظروں سے پوشیدہ ایسے امور کا نام ہے جن کا ادراک نہ ظاہری و باطنی حواس سے ہوسکتا ہو، نہ عقل کے ذریعہ اور نہ حساب ریاضی اور نہ علم نجوم وغیرہ کے ذریعہ اور مفتاح سے مراد ہے ان غائب امور سے متعلق وہ علم کلی جو تمام جزئیات کا احاطہ کر سکے، مثلاً بارش کے بارے میں یہ جزئیات کہ کب ہوگی، کس کیفیت سے ہوگی، کتنی مقدار میں ہوگی، کب تک جاری رہے گی، اس کے کیا نتائج ہوں گے، اس سے کتنے پھول کھلیں گے، کتنی پیداوار ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

روایت کا مطلب یہ ہوا کہ ان پانچ چیزوں سے متعلق علمِ کلی محیط، خدا کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں اور وہ پانچ چیزیں یہ ہیں، کل کیا ہوگا، اس کی جملہ تفصیلات، رحم مادر میں کیا ہے، اس کی مکمل تفصیلات، کل یہ شخص کیا کیا کام انجام دے گا، اس کی مکمل تفصیلات، کس جگہ انتقال کرے گا، اس کی جملہ معلومات، اور بارش کب ہوگی اس کی جملہ تفصیلات، خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

اور اگر ان چیزوں سے متعلق کسی جزئیہ کا علم وحی یا الہام وغیرہ کے ذریعہ ہوجائے تو اس کو علم غیب نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ یہ اپنے پاس موجود کنجی کے ذریعہ نہیں، بلکہ خدا کے بتانے سے معلوم ہوا، قرآن کہتا ہے **ذلك من انباء الغيب نوحيها اليك**، پھر یہ کہ وحی اور الہام کے ذریعہ معلوم کرنا ہمہ وقت انسان کے بس میں نہیں ہے۔

پھر یہ کہ امور غیب کی تعداد بے شمار ہے **وما يعلم جنود ربك الا هو**، اور ان پانچ امور کا ذکر مثال اور نمونہ کے طور پر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو حضور ﷺ سے سوال انہی پانچ چیزوں کے بارے میں ہوا ہوگا، یا پھر یہ کہ امور تکوین میں انہی پانچ چیزوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۱۶] ﴿ابواب الکسوف﴾

[۱] بَابُ الصَّلٰوةِ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ

(۱۰۴۰) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ یُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَانْکَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتّٰی دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلْنَا فَصَلّٰی بِنَا رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَاِذَا رَأَیْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتّٰی یُکْشَفَ مَا بِکُمْ .

(آئندہ:۱۰۴۸،۱۰۶۲،۱۰۶۳،۵۷۸۵)

(۱۰۴۱) حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ حُمَیْدٍ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ عَنْ قَیْسٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ مِنَ النَّاسِ وَلٰکِنَّهُمَا آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَأَیْتُمُوْهَا فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا .

(آئندہ:۱۰۵۷،۳۲۰۴)

(۱۰۴۲) حَدَّثَنَا اَصْبَغُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ کَانَ یُخْبِرُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِهٖ وَلٰکِنَّهُمَا آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَأَیْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا .

(آئندہ:۳۲۰۱)

(۱۰۴۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا قَاسِمُ بْنُ الْهَاشِمِ قَالَ حَدَّثَنَا شَیْبَانُ اَبُوْمُعَاوِیَةَ عَنْ زِیَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ کَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِیْمُ فَقَالَ النَّاسُ کَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِیْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِهٖ فَاِذَا رَأَیْتُمْ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا اللّٰهَ . (آئندہ:۱۰۶۰،۶۱۹۹)

ترجمہ باب، سورج گہن میں نماز کی مشروعیت کا بیان۔ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ آفتاب گہن میں آ گیا تو رسول اللہ ﷺ اپنی چادر کو کھینچتے ہوئے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ آپ مسجد میں داخل ہوئے تو ہم بھی داخل ہوئے، پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی یہاں تک کہ آفتاب کی روشنی بحال ہوگئی پھر آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کے مرنے کی وجہ سے گہن میں نہیں آتے اور جب تم ان میں گہن کو دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعائیں کرو یہاں تک کہ جو صورت پیش آئی ہے وہ ختم ہو جائے۔ حضرت ابومسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند انسانوں میں سے کسی کی موت کے سبب گہن میں نہیں آتے لیکن یہ دونوں، اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، پھر جب تم ان کو گہن میں دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے تھے کہ سورج اور چاند کسی کے مرنے کی وجہ سے، یا کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے گہن میں نہیں آتے لیکن یہ دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، تو جب تم ان کو گہن میں دیکھو تو نماز پڑھو۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابراہیمؓ کی وفات والے دن سورج گہن میں آ گیا تو لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج گہن میں آیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت کی وجہ سے یا کسی کی پیدائش کی وجہ سے گہن میں نہیں آتے، اس لیے جب تم گہن دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعائیں کرو۔

ماقبل سے ربط بارش اور سورج اس دنیا کے لیے اللہ کی بیش بہا نعمتیں ہیں کہ ان پر اس کائنات کے نظام کا دارومدار ہے اور جس طرح خشک سالی اس دنیا کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے اور اس کے لیے استسقاء کا طریقہ بتایا گیا اسی طرح سورج کا گہن میں آنا اور اس کا بے نور ہو جانا بھی بہت بڑا ابتلاء ہے اور اس کے لیے بھی شریعت میں رجوع الی اللہ کے طریقے بتائے گئے ہیں کہ اس موقع پر نمازوں کا دعاؤں کا اور صدقہ وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہیے، اس لیے امام بخاری استسقاء کے ابواب کے بعد، اب کسوف کے ابواب منعقد کر رہے ہیں۔

کسوف کی شرعی حقیقت سورج کا گہن میں آنا اللہ تعالیٰ کے آثار غضب میں سے ایک اثر ہے، جب بندوں کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بندوں کو تنبیہ کرنے کے لیے سورج اور چاند کو بے نور کر دیتا ہے تاکہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس کی نافرمانی کا اثر صرف اسی کی ذات تک محدود نہیں بلکہ عالم علوی پر بھی اس کے اثرات پڑ رہے ہیں اور جب عالم علوی پر یہ اثر ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کا نور سلب کر لیا گیا تو انسان کے قلب کی نورانیت کہاں باقی رہے گی، نیز یہ کہ یہ گہن انسان پر اس حقیقت کو منکشف کرتا ہے کہ یہ ساری کائنات بے پناہ قدرت رکھنے والے خدا کے قبضہ میں ہے وہ چاہے تو اس کائنات کو ایک آن میں فنا کر دے، اور اس صورت میں نماز اپنے آقا اور پروردگار کے سامنے اپنے عجز وتذلل کا مخلصانہ اظہار ہے اور یہ کہ خدا جس طرح آفتاب کی روشنی بحال کر دیتا ہے اسی

طرح وہ بندۂ مومن کے نورِ ایمان کو ختم ہونے سے بچا سکتا ہے، یہ ہے شریعت کی نظر میں گہن کی حقیقت۔

علماء فلکیات کی نظر میں اور علماءِ فلکیات ظاہری اسباب کے تحت یہ بیان کرتے ہیں کہ سورج، زمین اور چاند تینوں گردش میں ہیں، سورج اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے اور زمین سورج کے گرد گردش میں ہے اور چاند زمین کے گرد گردش کر رہا ہے، اگر زمین، سورج اور چاند کے درمیان حائل ہو جاتی ہے تو چاند گہن ہوتا ہے، اور چاند، زمین اور سورج کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، تو وہ سورج کی روشنی کو زمین پر آنے سے روک دیتا ہے اور اس وقت سورج گہن میں آ جاتا ہے، اس طرح علماء فلکیات سورج گہن اور چاند گہن کو اسبابِ طبعیہ کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور ان آیاتِ عظام سے جو رجوع الی اللہ کا فائدہ ہونا چاہیئے اس سے محروم رہ جاتے ہیں، حالانکہ ان حوادث کو اگر ان اسباب ظاہری کا نتیجہ بھی قرار دیا جائے تب بھی اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ سورج، چاند اور زمین کو گردش میں لانے والا کون ہے، اور ان کی حرکات اور اوضاع سے ان معاملات کو متعلق کرنے والا کون ہے؟ یقیناً وہ صرف خداوند قادر و قیوم ہے جس نے ان کے محور مقرر کیئے اور پھر اسی کی بے پناہ قدرت ان کو تھامے ہوئے ہے، **ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ** (سورۂ فاطر آیت: ۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو تھام نہیں سکتا، یعنی ان بڑے بڑے آسمانی کرّوں کو تھامنا اور تھامے رکھنا، خواہ وہ فرشتوں کے ذریعہ ہو، یا قوانین فطرت اور قوانین طبعی کے واسطے ہو، یہ سب اللہ کا کام ہے، اس لیے گہن کو اسباب طبعیہ سے متعلق مان کر، خدا کی ذات سے غفلت اختیار کرنا بڑی حرماں نصیبی کی بات ہے، انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان باتوں سے سبق لے اور اللہ کی طرف رجوع کرے، شریعت نے گہن سے جو احکام متعلق کیئے ہیں انہی کا بیان ان ابواب میں آ رہا ہے۔

مقصد ترجمہ پہلا ترجمہ ہے **الصلاۃ فی کسوف الشمس**، سورج گہن کے وقت نماز کی مشروعیت کا بیان۔ جمہور کے نزدیک یہ سنتِ مؤکدہ ہے، بعض حضرات نے سنتِ غیر مؤکدہ اور بعض حنفیہ نے وجوب کا قول اختیار کیا ہے، ابوزید دبوسی نے اپنی کتاب ''الاسرار'' میں، اور ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں وجوب کی تصریح کی ہے اور امام مالک نے اس کو جمعہ کا درجہ دیا ہے۔

پھر یہ کہ کسوف کی نماز حنفیہ کے یہاں، عام نمازوں کی طرح ہے یعنی ایک رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر رکعت میں دو رکوع ہیں، جب کہ ان حضرات کے نزدیک بھی ایک رکعت میں ایک رکوع پر اکتفاء کرنا کسوف کی نماز میں بلا کراہت جائز ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں نماز کو مطلق رکھا ہے اور اس کے تحت چار صحابۂ کرام کی چار روایات ذکر کی ہیں، ان میں کسی روایت میں بھی دو رکوع کا ذکر نہیں، جب کہ دو رکوع والی حضرت عائشہ کی روایت بھی انہوں نے

ابواب الکسوف میں ایک سے زائد بار ذکر کی ہے، اور اس پر متعدد تراجم بھی منعقد کیے ہیں مگر دو رکوع کا ترجمہ منعقد نہیں کیا، امام بخاریؒ کے اس طرز سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ کسوف کی نماز میں حنفیہ کی طرح دو رکوع کے قائل نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ بھی امام بخاریؒ کے اس طرزِ عمل سے متاثر معلوم ہوتے ہیں اور اسی لیے انہوں نے بات بنانے کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے ابواب الکسوف کے شروع میں جو چار روایات ذکر کی ہیں ان میں مطلق نماز کا ذکر ہے، نماز میں کسی صفت کی قید نہیں ہے اور اسی طرح امام بخاریؒ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ تعمیلِ حکم کے لیے تو ایک ہی رکوع والی نماز کافی ہے، البتہ سنت کے طریقہ پر تعمیل حکم مقصود ہو تو دو رکوع کرنا افضل ہے۔

لیکن ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر بخاریؒ کے نزدیک ایک رکعت میں دو رکوع افضل تھے تو انہیں اسی باب میں دو رکوع کی صراحت کرنے سے کیا چیز مانع تھی؟ دوسرے یہ کہ اگر یہاں تصریح نہیں کی تھی تو چونکہ دو رکوع والی حضرت عائشہ کی روایت ان کے پاس ہے اور وہ اس پر متعدد تراجم بھی منعقد کر رہے ہیں تو اس پر انہیں ایک ترجمہ باب الصلوٰۃ برکوعین بھی منعقد کرنا چاہیئے تھا اور تیسری بات کہ اگر صراحت نہیں کرنی تھی اشارہ ہی مقصود تھا تو انہیں اسی باب صلوٰۃ الکسوف کے تحت ان چاروں روایات کے ساتھ دو رکوع والی روایت ذکر کرنی چاہیئے تھی بلکہ اپنے مسلک مختار کی وضاحت کے لیے اس روایت کو باب کے شروع میں سب سے پہلے جگہ دینی چاہیئے تھی، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام بخاری نے نہ صراحت کی نہ اشارہ کیا، اس لیے حافظ ابن حجر نے جو ارشاد فرمایا اس کی حیثیت اپنے مذہب کی پاسداری سے زیادہ نہیں، جو خود ان کے شایانِ شان نہیں ہے۔

تشریح احادیث اس باب کے تحت امام بخاری نے چار صحابہ کرام، حضرت ابوبکرہ، حضرت ابومسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایات ذکر کی ہیں، ان سب کا مضمون یہ ہے کہ صاحبزادۂ رسول حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے دن سورج گہن ہوا تو حضور ﷺ نے گہن کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد خطبہ میں جاہلیت کے ایک عقیدے کی تردید فرمائی، عہدِ جاہلیت میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ گہن ہونا کسی بڑی شخصیت کی وفات پر اظہارِ غم کے لیے، یا کسی بڑی شخصیت کی ولادت پر، گویا نیا دور شروع ہونے کی علامت کے لیے ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ کسی کی موت وحیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ تو اس کائنات میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کی نشانی ہے اور جب اس کا ظہور ہو تو تمہیں نماز اور دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

چاروں روایات میں نماز کی ہدایت ہے، کسی روایت میں خلافِ معمول نماز کی کوئی بات مذکور نہیں، مطلب یہ ہوگا کہ یہ نماز، عام نماز کی طرح ہوگی، اس لیے یہ سب روایات احناف کا مستدل ہیں، خصوصاً حضرت ابوبکرہ کی پہلی روایت کہ اس میں نسائی کی روایت میں فصلّی رکعتین کما تصلون، کا اضافہ ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے کسوف کی نماز اس طرح پڑھی جس طرح عام طور پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر یہ کہ یہ وضاحت متعدد

روایتوں میں ہے، حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں کاحدث صلوٰۃ صلیتموھا، اور حضرت قبیصہ بن مخارق الہلالی کی روایت میں فصلوا کاحدث صلوٰۃ مکتوبۃ صلیتموھا فرمایا گیا ہے، اور چونکہ یہ گہن کی نماز چاشت کے وقت ہوئی تھی اس لیے احدث صلوٰۃ کا مصداق فجر کی نماز ہے، معلوم ہوا کہ کسوف کی نماز کو فجر کی نماز کی طرح پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے، ایک سے زائد رکوع کی بحث آگے آرہی ہے۔

حضرت ابراہیمؓ کا یوم وفات حضرت مغیرہ بن شعبہ کی چوتھی روایت میں کسفت الشمس علی عهد رسول اللہ علیہ یوم مات ابراهیم آیا ہے، حضرت ابراہیم، حضور پاک علیہ کی آخری اولاد ہیں جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے مشہور قول کے مطابق ماہ ذی الحجہ ۸ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ولد فی ذی الحجة سنة ثمان وتوفی وعمره ثمانية عشر شهرا، هذا هو الاشهر وقیل ستة عشر شهرا۔

تاریخ ولادت کے سلسلے میں زیادہ اختلاف نہیں ہے، البتہ عمر اور تاریخ وفات کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، اور ان کے یوم وفات میں چونکہ کامل سورج گہن ہوا تھا اس لیے ماہرین فلکیات نے بھی اس واقعہ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے، مشہور ماہر فلکیات محمود پاشا فلکی فرنساوی نے اس گہن کی تاریخ ۲۷ رجنوری ۶۳۲ء مطابق ۲۹ رشوال ۱۰ھ بیان کی ہے، اس تاریخ کی رو سے بوقتِ وفات ابراہیم کی عمر ایک سال اور دس یا گیارہ ماہ ہوتی ہے اور ان کی عمر کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں گہن کا "فی یوم شدید الحر" ہونا بیان کیا گیا ہے بلکہ گرمی کے سبب بعض نمازیوں پر غشی کا طاری ہونا اور پھر ان پر پانی چھڑکنا بھی معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جنوری میں اتنی گرمی کا کوئی امکان نہیں، اس لیے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر عہدِ رسالت میں گہن ایک ہی بار ہوا ہے تو اس تاریخ کے قبول کرنے میں اشکال ہوگا، اگر گہن میں تعدد مانا جائے تو ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے یوم وفات والا گہن اسی تاریخ میں ہوا ہو، اور شدید گرمی والے گہن کی تاریخ کوئی دوسری ہو۔

اور اگر ہم حضرت ابراہیم کی عمر کے سلسلے میں سولہ مہینہ والا قول اختیار کریں تو ذی الحجہ ۸ھ کے بعد وفات کا مہینہ ربیع الاول ۱۰ھ نکلتا ہے اور بعض ماہرین فلکیات نے گہن کی تاریخ ۶ رجون ۶۳۱ء مطابق ۲۹ رربیع الاول ۱۰ھ بیان کی ہے، اس مہینہ میں اتنی گرمی ہوسکتی ہے جس کا روایات میں تذکرہ ہے، ابن حجر اور علامہ عینی لکھتے ہیں وذكر جمهور اهل السير أنه مات في السنة العاشرة من الهجرة، قيل في ربيع الاول وقيل في رمضان الخ واقدی اور ابن سعد نے بھی تاریخ وفات کے لیے ربیع الاول ۱۰ھ کو اختیار کیا ہے اور مواہب لدنیہ میں بھی اس کی تاریخ ۲۸ یا ۲۹ رربیع الاول ۱۰ھ بیان کی گئی ہے، اس لیے متعدد قرائن وشواہد کی وجہ سے یہ تاریخ بھی اہمیت کی حامل ہے۔ واللہ اعلم

[۲] بَابُ الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوْفِ

(۱۰۴۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَاطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَاطَالَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ قَامَ فَاطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ فَاطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ فَاطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْاُخْرٰى مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا. (آئندہ: ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۴۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱)

ترجمہ باب، گہن کے موقع پر صدقہ کرنے کا بیان۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی چنانچہ نماز میں پہلے قیام فرمایا، پھر رکوع کیا تو طویل رکوع کیا، پھر قیام فرمایا تو قیام کو طول دیا اور یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر رکوع کیا تو رکوع کو طول دیا، اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سجدہ کیا اور سجدے کو طول دیا، پھر دوسری رکعت میں بالکل اسی طرح عمل کیا جو پہلی رکعت میں کیا تھا، پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج صاف ہو چکا تھا، پھر آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا تو اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں اور یہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے پر گہن میں نہیں آتے، اس لیے جب تم گہن دیکھو تو اللہ سے دعائیں کرو اور اس کی کبریائی کا اعتراف کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ خیرات کرو، پھر فرمایا کہ اے محمد کی امت! میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ اللہ سے زیادہ کوئی اس سلسلے میں غیرت والا نہیں ہے کہ اس کا بندہ یا اس کی باندی زنا میں مبتلا ہو، اور اے امتِ محمد! بخدا اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ رویا کرتے۔

مقصد ترجمہ گہن آثارِ غضب میں سے ہے، اور اس موقع پر اللہ کی طرف رجوع کے لیے جہاں نماز اور دعاؤں کی تلقین کی گئی ہے وہیں صدقہ وخیرات کی بھی تاکید ہے، اور صدقہ میں چونکہ غضب کو ٹھنڈا کرنے کی خصوصیت پائی جاتی ہے، الصدقة تطفئ غضب الرب، اس لیے دوسرا باب منعقد کر کے امام بخاریؒ نے بتا دیا کہ

سورج گہن کے موقع پر صدقہ وخیرات کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیئے۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت ذکر فرمائی ہے جس میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے کسوف کی نماز کیسے پڑھائی، طویلِ قیام اور طویل رکوع وسجود کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ہر رکعت میں دو، دو رکوع کیئے، نماز سے فارغ ہوئے تو گہن ختم ہو چکا تھا، پھر آپ نے خطبہ دیا، حمد وثنا کے بعد پہلے عقیدۂ جاہلیت کی تردید کی کہ سورج اور چاند کا گہن میں آنا کسی کی موت اور پیدائش سے متعلق نہیں بلکہ یہ قدرتِ خداوندی کی بڑی نشانیوں میں سے ہے، اس لیے گہن کے موقع پر دعاؤں کا، خدا کی کبریائی کے اعتراف کا، نمازوں کا اور صدقے کا اہتمام کرنا چاہیئے اور چونکہ یہ آثار غضب میں سے ہے اس لیے آپ نے بعض ان اسباب کی طرف بھی اشارہ فرمایا جن کی وجہ سے خدا ناراض ہوتا ہے اور وہ ہیں معاصی، فرمایا کہ خدا کو سب سے زیادہ غیرت آتی ہے کہ انسان اس کا بندہ ہو کر مبتلائے زنا ہو، غیرت کا مفہوم ہے کہ اپنی یا اہل وعیال کی جانب سے عزتِ نفس کے خلاف سرزد ہونے والے امور پر پیدا ہونے والا تغیر اور انفعال، اور اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک اور منزہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں معنی حقیقی مراد لینا جائز نہیں، البتہ معنی مجازی مراد لینا درست ہوگا جیسے اس طرح کے گناہوں پر زجر اور منع، یا ان سے شدتِ کراہت، یا ان گناہوں پر شدتِ غضب کا اظہار وغیرہ۔ مطلب بہر حال یہ ہوا کہ خدا اس بات سے سخت ممانعت کرتا ہے یا اپنے زبردست غضب کا اظہار کرتا ہے کہ انسان خدا کا بندہ ہو کر زنا جیسے بدتر گناہ میں مبتلا ہو جب کہ قضائے شہوت کو جائز طریقے بتادئے گئے ہیں اور ان میں کوئی دشواری بھی نہیں ہے، تو خدا کو بندے کے ان گناہوں پر غیرت آتی ہے اور غیرت کا تقاضا ہے غصہ، اور غصہ کا تقاضا ہے انتقام، اس لیے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے غضب کی نشانیوں کے موقع پر دعا، استغفار، نماز اور صدقات کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

تعدد رکوع کا مسئلہ روایت باب میں ایک رکعت میں دو رکوع کا ذکر ہے، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کا مسلک مختار یہ ہے کہ صلوۃ الکسوف میں ہر رکعت میں دو رکوع ہیں، حنفیہ کے یہاں صلوۃ الکسوف عام نوافل کی طرح ہے کہ قراءت تو اگرچہ طویل ہوگی مگر ہر رکعت میں ایک ہی رکوع کیا جائے گا۔

اگر عہد رسالت میں گہن ایک بار ہوا حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر عہد رسالت میں سورج گہن کا واقعہ ایک ہی بار پیش آیا ہے جیسا کہ بیشتر اہلِ علم کا رجحان ہے تو رکوع کی تعداد کے بارے میں صحیح روایات میں سخت اضطراب ہے، ایک رکوع کی مجمل روایات بھی ہیں اور صریح روایات بھی، دو رکوع کی روایات بھی ہیں اور تین رکوع، چار رکوع اور پانچ رکوع تک کی روایات ہیں، محدثین نے اپنے ذوق کے مطابق دو رکوع کی روایات کو راجح قرار دے کر، بقیہ تمام روایات کو ترک کر دیا، فقہاء میں ائمہ ثلاثہ نے بھی دو رکوع والی روایات کو قبول کر لیا۔

لیکن حنفیہ نے اس اضطراب کی وجہ سے زائد رکوع والی روایات کو ترجیح نہیں دی اور معمول کے مطابق ایک رکوع والی روایات کو قبول کیا، علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ تعدد رکوع کی روایات کا اضطراب، ان کے ترک کا تقاضا کرتا ہے، نیز یہ کہ یہ تعدد حضور علیہ السلام کی قولی روایت کے خلاف ہے اور فعل اگر قول کے خلاف ہو تو قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اگر گہن میں تعدد مانا جائے اور اگر گہن میں تعدد مانا جائے اور اس کا نہ صرف یہ کہ امکان ہے کیونکہ علماء فلکیات کے بیان کے مطابق ایک سال میں پانچ مرتبہ تک گہن ہوسکتا ہے اور ایک سال میں دو مرتبہ تک کا وقوع تو دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں ہوتا رہتا ہے، بعض ماہرین نے حساب لگا کر بتایا کہ عہد رسالت میں مدنی زندگی میں دس مرتبہ سورج گہن ہوا، علماء محققین میں ابوسلیمان الخطابی نے معالم السنن میں تعدد کے قول کو اختیار فرمایا ہے، نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت تعدد کی قائل ہے جن میں اسحاق بن راہویہ ابن جریر اور ابن المنذر وغیرہ کے نام ہیں، نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات زیادہ قوی ہے۔

اگر عہد رسالت میں کسوف کا تعدد مان لیا جائے تو روایات کا اضطراب بہ ایں معنیٰ تو ختم ہوجاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی محاکات میں اتنا زیادہ اختلاف کیسے پیش آیا، بلکہ تعدد رکوع کے علاوہ دیگر کیفیتوں کے اختلاف میں تطبیق بھی آسان ہوجاتی ہے، مثلاً یہ کہ ایک کیفیت یہ بھی منقول ہے کہ آپ دو، دو رکعتیں پڑھتے رہے اور پوچھتے رہے کہ گہن ختم ہوا یا نہیں، اسی طرح قراءت میں بھی جہر اور سر کا اختلاف ہے، ان تمام چیزوں کی توجیہ اس طرح ہوجائے گی کہ واقعاتِ کسوف میں تعدد ہے اور ہر راوی اپنے مشاہدہ کو بیان کررہا ہے، بلکہ اگر ایک ہی راوی کے بیان میں اختلاف ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ ایک سے زائد بار شریک رہا ہو اور اپنے متعدد مشاہدات کو نقل کررہا ہو۔

لیکن یہ مسئلہ اب بھی باقی ہے کہ ان متعدد واقعات میں سے عمل کے لیے کس صورت کو ترجیح دی جائے، اس لیے کہ آپ کے ان متعدد افعال میں تاریخی طور پر آخری عمل کا تعین نہیں ہوسکا ہے اور اس وجہ سے تعارض باقی ہے، اور اس تعارض کے ہوتے ہوئے ترجیح دینا مشکل ہے۔

پھر یہ کہ اگر ایک رکوع والی کوئی روایت نہ ہوتی اور تمام روایات میں ایک سے زائد رکوع کا ذکر ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ کم از کم دو پر سب کا اتفاق ہے اور اس کو ترجیح دی جاسکتی ہے لیکن یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ ایک رکوع کی بھی روایات ہیں اور دو رکوع کی بھی، اور دو سے زائد کی بھی اور قواعد محدثین کے مطابق ان کو بھی صحت کا درجہ حاصل ہے، اور اس تعارض کے ہوتے ہوئے ان میں سے کسی کو ترجیح دینا بہت زیادہ غور وفکر کا محتاج ہے۔

کس صورت کو ترجیح دیں اس صورت میں عقلِ سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تعارض کی تمام صورتوں کو چھوڑ دیا جائے اور صرف امر متیقن کو قبول کرتے ہوئے ان روایات کو ترجیح دی جائے جن میں معمول

کے مطابق ایک رکوع کا بیان ہے، چنانچہ حنفیہ نے ایک رکوع والی روایات کو ترجیح دی، چند وجوہ ترجیح حسب ذیل ہیں۔

۱- پہلی بات یہ ہے کہ ایک رکوع والی روایات صرف فعلی ہی نہیں ہیں کہ راوی نے حضور پاک ﷺ کا عمل نقل کیا ہو، بلکہ صلوۃ کسوف کے لیے حضور ﷺ نے امت کو جو قولی ہدایت یعنی حکم دیا ہے، اس سے ایک ہی رکوع ثابت ہوتا ہے، نسائی اور مسند احمد میں بسند صحیح حضرت نعمان کی روایت ہے اذا رأیتموھا فصلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ، اسی طرح ابوداؤد اور نسائی میں بہ سند صحیح حضرت قبیصہ ہلالی کی روایت ہے فاذا رأیتموھا فصلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ، اور احدثِ صلوۃ کا مصداق، نماز فجر ہے اس لیے کہ روایات سے ثابت ہے کہ نمازِ کسوف چاشت کے وقت ہوئی تھی اور چاشت کے وقت سے قریب تر نماز، نماز فجر ہی ہے اور نماز فجر سے تشبیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ رکوع ایک سے زائد نہیں ہوگا۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ تعارض صرف فعلی روایات میں ہے، قولی روایات میں کوئی تعارض نہیں اس لیے ان کو ترجیح دینا متعین ہے۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ قول اور فعل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح دی جاتی ہے، یہ اصول اہلِ فن کے یہاں مشہور و معروف اور تسلیم شدہ ہے۔

۴- چوتھی بات یہ ہے کہ تعارضِ روایات کی صورت میں، اُن روایات کو ترجیح دی جاتی ہے جو قیاس کے موافق ہوں، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نمازِ کسوف میں بھی ایک ہی رکوع ہونا چاہیے کیونکہ نوافل میں کہیں بھی رکوع کا تعدد نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ صحیح روایات سے رکوع کا تعدد تو ثابت ہے، لیکن تعداد رکوع میں تعارض ہے، پھر یہ کہ امت کو اس پر عمل کرنے کی تلقین نہیں کی گئی ہے بلکہ عام نمازوں کی طرح نماز کسوف پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے حنفیہ تعدد رکوع کو حضور ﷺ کی خصوصیت شمار کرتے ہیں اور صلوۃ کسوف کو عام نمازوں کی طرح پڑھنے کے قائل ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد حضرت شیخ الہندؒ نے اس خصوصیت کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ نمازِ کسوف میں حضور ﷺ کا ایک سے زائد رکوع کرنا صحیح روایات سے ثابت ہے، لیکن ان زائد رکوعات کی حیثیت نمازِ کسوف کے رکنِ زائد کی نہیں ہے اس لیے کہ حضور ﷺ نے ان کو ان زائد رکوعات کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ قریب ترین فرض نماز یعنی فجر کی طرح نماز پڑھنے کی تلقین فرمائی، اور چونکہ اس نماز میں حضور ﷺ پر خصوصی احوال طاری ہو رہے تھے، کبھی جنت اور اس کے دلکش نظارے سامنے آ رہے ہیں اور آپ خوشۂ انگور توڑنے کا ارادہ فرما رہے ہیں، کبھی دوزخ اور اس کے ہولناک مناظر دکھائے جا رہے ہیں اور آپ ان سے متاثر ہو رہے ہیں، اس لیے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان مواقع پر آپ کا رکوع، اپنے خشوع و خضوع کا اظہار ہے، اور یہ آپ ہی کی خصوصیت ہے، ان زائد رکوعات کو رکوعاتِ تخشع کہنا چاہیے، حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے تعداد رکوع میں اختلاف کی

توجیہ بھی آسان ہو جاتی ہے کہ جس راوی نے جتنی بار جھکتے یعنی رکوع کرتے دیکھا اتنی بار نقل کر دیا۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کا بدائع کا حوالہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے سبق میں جب یہ بات بیان فرمائی تھی اس وقت دار العلوم کے کتب خانہ میں بدائع کا نسخہ نہیں تھا، کئی سال کے بعد یہ نسخہ دار العلوم کے کتب خانہ میں داخل ہوا اور حضرت علامہ کشمیری کے مطالعہ میں آیا، تو ایک دن عصر کے بعد، حضرت علامہ کشمیریؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ نمازِ کسوف کے زائد رکوعات کے سلسلے میں آپ نے جو توجیہ کی تھی، اس کو صاحبِ بدائع علامہ کاسانی نے ابوعبداللہ البلخی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، عبارت یہ ہے:

عن ابی عبد الله البلخي أنه قال ان الزيادة ثبتت في صلوة الكسوف لا للكسوف بل لأحوال اعترضت حتى روى أنه ﷺ تقدم في الركوع حتى كان كمن يأخذ شيئا ثم تاخر كمن ينفر عن شيئ فيجوز أن تكون الزيادة منه باعتراض تلك الأحوال . (البدائع: ج:۱،۲۸۱)

ابوعبداللہ البلخی نے فرمایا کہ نمازِ کسوف میں رکوع کی جو زیادتی ثابت ہے اس کا تعلق کسوف سے نہیں، بلکہ ان احوال سے ہے جو نماز میں پیش آرہے تھے، روایت میں ہے کہ آپ رکوع میں آگے بڑھے جیسے کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہیں پھر پیچھے ہٹے جیسے کسی چیز سے بچنا چاہتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ رکوعات کی یہ زیادتی انہی احوال کے پیش آنے کی وجہ سے ہوئی ہو۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کی بات سن کر حضرت شیخ الہندؒ بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں اور فرمایا کہ میں نے تو اپنے ذوق سے ایک بات عرض کی تھی، خوشی ہوئی کہ اعتماد بڑھ گیا اور اکابر نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ واللہ اعلم

[۳] بَابُ النِّدَاءِ بِالصَّلٰوةِ جَامِعَةً فِي الْكُسُوْفِ

(۱۰۴۵) حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ الْحَبَشِيُّ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِي كَثِيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نُوْدِيَ اَنَّ الصَّلٰوةَ جَامِعَةً . (آئندہ:۱۰۵۱)

ترجمہ باب، نمازِ کسوف کے موقع پر الصلوٰۃ جامعۃ (جمع کرنے والی نماز کے لیے آیئے) کے اعلان کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تو الصلوٰۃ جامعۃ کا اعلان کیا گیا۔

مقصد ترجمہ اذان واقامت کی مشروعیت فرض نمازوں کے لیے ہے، اس لیے عیدین، استسقاء اور کسوف کی نماز کے لیے اذان واقامت نہیں ہے، البتہ کسوف کے موقع پر الصلوة جامعة کا اعلان کرنا روایت سے ثابت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو وقتِ کسوف کا علم نہیں ہوتا، نماز کا اعلان ہو جائے گا تو ان کو علم ہو جائے گا، اور جمع ہونے میں سہولت رہے گی امام شافعیؒ نے کسوف پر قیاس کر کے فرمایا کہ عیدین کے لیے بھی اسی طرح کا اعلان کرنا درست ہے اور چونکہ امام زہری سے مرسلاً عیدین کے لیے بھی اسی طرح کے اعلان کی روایت منقول ہے اس لیے حنفیہ اور حنابلہ نے بھی عیدین کے لیے الصلاة جامعة کے اعلان کی اجازت دی ہے، البتہ مالکیہ نے عیدین کے لیے اس طرح کے اعلان کو مکروہ یا خلافِ اولیٰ قرار دیا ہے جب کہ بعض مالکیہ نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر عیدین کے لیے اس طرح کے اعلان کو مطلوب سمجھا جائے تو مکروہ ہے، مطلوب نہ سمجھیں تو کراہت نہیں ہے۔

الصلوة جامعة میں الصلاة کا نصب اغراء کی وجہ سے ہے اور جامعة حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت ہے احضروا الصلاة جامعة اور دونوں کو مرفوع پڑھنا بھی درست ہے، اس صورت میں الصلاةُ کو مبتدا، اور جامعةٌ کو خبر قرار دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

[۴] بَابُ خُطْبَةِ الْإِمَامِ فِي الْكُسُوْفِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ وَأَسْمَاءُ خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ

(۱۰۴۶) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي حَيٰوةِ النَّبِيِّ ﷺ فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ قَالَ فَصَفَّ النَّاسُ وَرَاءَهُ فَكَبَّرَ فَاقْتَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قِرَآءَةً طَوِيْلَةً ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ رُكُوْعاً طَوِيْلاً ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَامَ وَلَمْ يَسْجُدْ وَقَرَءَ قِرَآءَةً طَوِيْلَةً هِيَ أَدْنٰى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ كَبَّرَ وَرَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلاً هُوَ أَدْنٰى مِنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاسْتَكْمَلَ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجْدَاتٍ وَانْجَلَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ ثُمَّ قَامَ فَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ هُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهَا فَافْزَعُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ وَكَانَ يُحَدِّثُ كَثِيْرُ بْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ فَقُلْتُ

لِعُرْوَةَ اِنَّ اَخَاكَ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِالْمَدِينَةِ لَمْ يَزِدْ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ قَالَ اَجَلْ لِاَنَّهٗ اَخْطَأَ السُّنَّةَ . (گذشتہ:۱۰۴۴)

ترجمہ | باب، کسوف کے موقع پر امام کے خطبہ کا بیان، حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے کہا کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیا۔ حضرت عائشہؓ نے ۔ جو نبی کریم ﷺ کی زوجہ تھیں ۔ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں سورج گہن ہوا تو آپ مسجد میں پہنچے، پھر لوگوں نے آپ کے پیچھے صف بندی کی، پھر آپ نے تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کی اور بہت لمبی قراءت کی پھر آپ نے الله اکبر کہہ کر بہت لمبا رکوع فرمایا، پھر آپ نے سمع الله لمن حمده کہا اور قیام کیا اور سجدے میں نہیں گئے اور آپ نے بہت طویل قراءت کی جو پہلی قراءت سے کم تھی پھر آپ نے الله اکبر کہا اور طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا پھر آپ نے سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد کہا پھر سجدہ کیا پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح عمل کیا، چنانچہ دو رکعت میں چار رکوع اور چار سجدے پورے کئے اور آپ کے نماز سے فراغت سے پہلے سورج صاف ہو گیا، پھر آپ کھڑے ہوئے، پھر آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی جو اسی کو سزاوار ہے، پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو کسی کی موت وحیات سے گہن میں نہیں آتے اس لیے جب تم ان کو دیکھو تو نماز کے لیے سبقت کرو۔ زہری نے کہا کہ کثیر بن عباس اپنے بھائی عبداللہ بن عباس سے سورج گہن کے دن کا واقعہ بالکل اسی طرح بیان کرتے تھے جس طرح حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے بیان کیا ہے، تو زہری کہتے ہیں کہ میں نے عروہ سے کہا کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن زبیر نے مدینہ میں گہن والے دن فجر کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھائیں اور ان میں کوئی چیز زیادہ نہیں کی، تو عروہ نے جواب دیا کہ ہاں انہوں نے ایسا ہی کیا اس لیے کہ ان سے سنت پر عمل کرنے میں چوک ہو گئی۔

مقصد ترجمہ | مقصد ہے کسوف کی نماز کے بعد خطبہ کی مشروعیت یا استحباب کا بیان، امام شافعی اور بعض فقہاء اس کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کسوف کے موقع پر خطبہ کے قائل نہیں ہیں، امام بخاریؒ اس مسئلہ میں شوافع کے ساتھ ہیں، اس لیے انہوں نے مستقل ترجمہ منعقد فرمایا ہے۔

ثبوت میں امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کی ہے، استدلال ظاہر ہے کہ جب نماز ختم ہو گئی تو اثنی علی الله الخ پہلے آپ نے حمد وثنا کی، پھر اسی روایت کے بعض میں فخطب الناس آچکا ہے، حضرت اسماء کی روایت میں اما بعد بھی آجائے گا، حمد وثنا اور اما بعد کے بعد آپ نے موقع کی مناسبت سے مضمون بیان فرمایا کہ سورج گہن اور چاند گہن کا تعلق کسی کی موت وحیات سے نہیں ہے، یہ تو اللہ کی نشانیاں ہیں اور جب ان میں گہن ہوتا ہوا دیکھو تو نماز وغیرہ کا اہتمام کرو، بس اسی کا نام خطبہ ہے۔

تینوں ائمہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ خطبہ نہیں تھا، بلکہ موقع کی مناسبت سے ایک ضروری بات پر تنبیہ مقصود تھی، یعنی جاہلیت کے ایک خیال کی تردید ضروری تھی اور چونکہ بات اہم تھی اس لیے آپ نے اپنی عادت کے مطابق اس کو حمد

وصلوۃ اور امابعد کے بعد بیان فرمایا، اس کو باقاعدہ خطبہ قرار دینے سے دو چیزیں مانع ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ عام طور پر روایات میں یہی مضمون ہے کہ گہن کا تعلق کسی کی موت وحیات سے نہیں، اس لیے بہ ظاہر یہی سمجھا جائے گا کہ یہ باقاعدہ خطبہ نہیں ہے، بلکہ ضروری بات پر تنبیہ مقصود ہے، اور تنبیہ کا وقت بھی یہی ہے، اس لیے اس پر خطبہ کا گمان نہ کرنا چاہیئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسی روایت کے بعض طرق میں گذرا کہ آپ نے فرمایا **اذا رأیتم ذلك فادعوا الله وکبروا وصلوا وتصدقوا** کہ سورج گہن کے موقع پر آپ نے دعاؤں کا کبریائی کے اعتراف کا، نماز پڑھنے کا، اور صدقہ دینے کا حکم دیا، خطبہ کا کوئی ذکر نہیں کیا، موفق الدین بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ولنا هذا الخبر، فان النبی ﷺ أمرهم بالصلاة والدعاء والتكبير والصدقة ولم يأمرهم بالخطبة ولو كانت سنة لأمرهم بها.
(المغني: ج: ۲، ص: ۳۲۸)

ہمارا مستدل یہی (حضرت عائشہ کی) روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کا دعاؤں کا، تکبیر کا اور صدقہ کا حکم دیا ہے، خطبہ کا حکم نہیں دیا، اگر خطبہ بھی سنت ہوتا تو آپ اس کا حکم دیتے۔

صاحبِ ہدایہ نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی **ليس فی الكسوف خطبة لانه لم ينقل** کہ کسوف میں خطبہ منقول نہیں، اس پر اشکال کیا گیا ہے کہ منقول نہ ہونے کا دعویٰ قابل گرفت ہے کہ احادیث میں اس کا ہونا منقول ہے، لیکن اگر صاحبِ ہدایہ کی بات کا مطلب وہی لیا جائے جو ابن قدامہ نے کہا ہے کہ آپ نے کسوف کے موقع پر جن چیزوں کو عمل میں لانے کی ہدایت دی ہے ان میں خطبہ نہیں ہے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

قالت عائشة وأسماء الخ حضرت عائشہ کی روایت **باب الصدقة فی الكسوف** میں گذر چکی ہے اور حضرت اسماء کی روایت چند ابواب کے بعد **باب قول الامام فی الكسوف اما بعد** میں آرہی ہے جس میں **فخطب فحمد الله بما هو اهله ثم قال اما بعد** فرمایا گیا ہے، لیکن گذر چکا ہے کہ بعض حضرات اس کو خطبہ سمجھ رہے ہیں اور اکثر حضرات اس کو ضروری امر پر بروقت تنبیہ قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عروہؒ سے زہری کا سوال

ترجمہ کے ثبوت میں امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ کی وہی روایت پیش کی ہے جو گذر چکی ہے اور اس میں ہر رکعت میں دو رکوع کا ذکر ہے، اس روایت کو حضرت عائشہ سے نقل کرنے والے حضرت عروہ بن زبیر ہیں جو تابعی ہیں اور فقہاء میں ان کا شمار ہے، اس لیے زہری نے حضرت عروہ سے پوچھا کہ آپ تو ام المومنین سے دو رکوع نقل کرتے ہیں اور آپ کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر نے دونوں موقع پر مدینہ طیبہ میں کسوف کی دو رکعتیں بالکل نماز فجر کی طرح پڑھائی تھیں جن میں رکوع کا اضافہ

نہیں تھا، تو حضرت عروہ نے جواب دیا کہ ہاں انہوں نے نماز کسوف تو اسی طرح پڑھائی لیکن ان سے سنت پر عمل کرنے میں غلطی ہوئی، معلوم ہوا کہ عروہ کے نزدیک نمازِ کسوف میں ایک رکوع خلافِ سنت ہے، اور یہ صرف ان کا اجتہاد نہیں بلکہ وہ اس کے ثبوت میں حضرت عائشہ کی روایت پیش کرتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر خود صحابی ہیں، اور حضور ﷺ کے پیچھے نماز کسوف میں شریک رہے ہیں، پھر یہ کہ وہ مدینہ طیبہ میں جب نماز کسوف کی امامت کر رہے ہیں اس وقت تک مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور ان کے پیچھے نماز میں شریک تھی ظاہر یہی ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے تحقیق کے بعد عمل کیا ہوگا نیز یہ کہ اور کسی سے کوئی اختلاف یا نکیر منقول نہیں تو کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ تمام حضرات خلافِ سنت عمل پر متفق ہو گئے تھے، ایسا ہرگز ممکن نہیں اور یہی کہا جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ایک رکوع کا عمل سنت کے مطابق ہے اور دو رکوع کے عمل کی کوئی توجیہ ان کے پیش نظر ہے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس سوال وجواب کے نقل کرنے سے امام بخاری کا مقصد گو دوسرا تھا، لیکن حقیقت پر غور کیا جائے تو بخاری ہی کی روایت سے کسوف میں ایک رکوع ثابت ہو گیا جو حنفیہ کا مسلکِ مختار ہے۔

واللہ اعلم

[۵] بَابٌ هَلْ يَقُوْلُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَخَسَفَ الْقَمَرُ (قیامۃ : ۸)

(۱۰۴۷) حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَكَبَّرَ فَقَرَءَ قِرَاءَةً طَوِيْلَةً ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقَامَ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَرَاَ قِرَاءَةً طَوِيْلَةً وَهِيَ اَدْنٰى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْاُوْلٰى ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهِيَ اَدْنٰى مِنَ الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى ثُمَّ سَجَدَ سُجُوْدًا طَوِيْلًا ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ سَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَافْزَعُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ ۔ (گذشتہ: ۱۰۴۴)

ترجمہ | باب، کیا آفتاب کے لیے لفظ کسوف استعمال کریں گے یا خسوف؟ اور اللہ تعالیٰ نے آیت وخسف القمر میں چاند کے لیے خسوف کا لفظ استعمال کیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ جس دن سورج کا

خسوف (گہن) ہوا اس دن حضور ﷺ نے نماز پڑھائی تو آپ کھڑے ہوئے پھر آپ نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے طویل قراءت کی پھر آپ نے طویل رکوع کیا پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور سمع الله لمن حمده کہا، پھر آپ بالکل اسی طرح کھڑے ہو گئے پھر آپ نے طویل قراءت کی اور یہ قراءت پہلی قراءت سے کچھ کم تھی پھر آپ نے طویل رکوع کیا، اور یہ پہلے رکوع سے کچھ کم تھا پھر آپ نے طویل سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں بالکل اسی طرح عمل کیا پھر سلام پھیر دیا اور اس وقت آفتاب روشن ہو گیا تھا پھر آپ نے خطبہ دیا اور شمس وقمر کے کسوف کے بارے میں فرمایا کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو کسی کی موت وحیات پر خسوف میں نہیں آتے، اس لیے جب تم اس کو دیکھو تو تیزی کے ساتھ نماز کا اہتمام کرو۔

مقصد ترجمہ کہتے ہیں کہ آفتاب کے بے نور ہونے کے لیے لفظ کسوف کا استعمال کریں گے یا خسوف کا، یا دونوں کا استعمال درست ہے، قرآن کریم میں آیت خسف القمر میں چاند کے بے نور ہونے کے لیے خسوف کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ آفتاب کے لیے کسوف کا استعمال ہونا چاہیئے، فقہاء نے بھی بیانِ احکام کے لیے دونوں کا الگ الگ استعمال کیا ہے کہ وہ سورج گہن کے لیے کسوف اور چاند گہن کے لیے خسوف کا استعمال کرتے ہیں، اہل لغت میں ثعلب نے دونوں الفاظ کے درمیان فرق کو ترجیح دی ہے جوہری کہتے ہیں کہ فرق کرنا ہی زیادہ فصیح ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمہ میں استفہام کے انداز میں هل يقول كسفت الشمس أو خسفت فرمایا، گویا یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آفتاب کے بے نور ہونے کے لیے کیا لفظ استعمال کیا جائے اور تحقیق طلب ہونے کی بات اس لیے اور زیادہ اہم ہو گئی کہ مسلم شریف میں حضرت عروہ سے منقول ہے لا تقولوا كسفت الشمس لكن قولوا خسفت، بخاری نے ترجمہ میں استفہام کا انداز اختیار کیا اور ذیل میں حضرت عروہ کی وہ روایت ذکر کی جس میں سورج کے لیے کسوف اور خسوف دونوں کا استعمال ہے۔

شارحین نے لکھا ہے کہ حدیثِ کسوف تقریباً سترہ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے جن میں بعض حضرات نے سورج کے بے نور ہونے کے لیے لفظ کسوف استعمال کیا ہے اور بعض حضرات نے لفظِ خسوف، معلوم ہوا کہ دونوں کا استعمال صحیح ہے۔

تشریح حدیث وہی حضرت عائشہؓ کی روایت ہے جس میں ہر رکعت میں دو رکوع کا ذکر ہے، تشریح گذر چکی ہے، یہاں امام بخاریؒ کا مقصد ہے کہ سورج گہن کے لیے کسوف بھی درست ہے اور خسوف بھی، چنانچہ اسی روایت میں پہلے صلى يوم خسفت الشمس فرمایا گیا ہے، پھر دوسری جگہ فقال فی کسوف الشمس کہا گیا، پھر دونوں کے لیے لا يخسفان لموت احد ولا لحياته فرمایا گیا، معلوم ہوا کہ دونوں لفظوں کا استعمال درست ہے۔ واللہ اعلم

[٦] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ يُخَوِّفُ اللّٰهُ عِبَادَهُ بِالْكُسُوْفِ

قَالَهُ اَبُوْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱۰۴۸) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلٰكِنْ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ، لَمْ يَذْكُرْ عَبْدُ الْوَارِثِ وَشُعْبَةُ وَخَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يُوْنُسَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهُ، وَتَابَعَهُ مُوْسٰى عَنْ مُبَارَكٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ اَبُوْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ وَتَابَعَهُ اَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ. (گذشتہ: ۱۰۴۰)

ترجمہ باب، حضور پاک ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ اللہ تعالیٰ گہن سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، یہ بات حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضور ﷺ سے نقل فرمائی ہے حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، وہ کسی کی موت کی وجہ سے گہن میں نہیں آتے لیکن اللہ تعالیٰ ان دونوں کو گہن میں لا کر اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، عبدالوارث، شعبہ، خالد بن عبداللہ اور حماد بن سلمہ نے یونس سے یخوف اللّٰہ بھما عبادہ نقل نہیں کیا، اور موسیٰ نے مبارک سے اور انہوں نے حسن بصری سے اس روایت میں یونس کی متابعت کی ہے کہ حسن نے فرمایا مجھ سے ابوبکرہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے یخوف اللّٰہ بھما عبادہ فرمایا ہے، اور اشعث نے حضرت حسن سے روایت میں مبارک کی متابعت کی ہے۔

مقصد ترجمہ کسوف کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ سورج کو بے نور کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بندے خدا کی قدرتِ قاہرہ کا مشاہدہ کر کے اپنے دلوں میں خوفِ خداوندی پیدا کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ ایمان کی دولت حاصل ہوگئی ہے تو اب یہ قائم اور باقی ہی رہے گی خواہ عمل کیسے ہی ہوں، اس لیے کہ خدا جب چاہتا ہے تو سورج اور چاند کو بھی بے نور کر دیتا ہے جو تمام عالم کو روشن کرتے ہیں، اسی طرح اگر بندے معاصی میں مبتلا ہو جائیں تو وہ دلوں کے نور کو بجھا دینے پر بھی قادر ہے، گویا اجرام سماویہ کے منور اور بے نور ہونے میں نمونہ ہے کہ خدا طاعت کی بدولت انسانوں کے قلوب کو منور کرتا ہے تو معاصی کی بدولت انہیں بے نور بھی کر دیتا ہے اس لیے بندوں کو آفتاب و ماہتاب کے بے نور ہونے سے یہ سبق لینا چاہیئے کہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ان پر بھی ظلمت چھا گئی ہے تو پھر ہمارے قلب کی ظلمت کا کیا حال ہوگا جس سے گناہ صادر ہو رہے ہیں۔

قالہ ابو موسیٰ الخ تخویف کا یہ مضمون حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں بھی ہے جو چند ابواب کے

بعد آرہی ہے۔

تشریح حدیث حضرت ابوبکرہؓ کی روایت ہے جو کسوف کے پہلے باب میں حدیث نمبر ۱۰۴۰، پر گذر چکی ہے، یہاں اسی روایت میں **یخوف الله بهما عباده** کا اضافہ ہے کہ کسوف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں میں اپنا خوف پیدا کرنا چاہتا ہے اور اجرام سماویہ کا نور سلب کر کے تنبیہ کی جارہی ہے کہ یہ ڈرنے کی چیز ہے، یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کسوف وخسوف تو ایک مقررہ نظام کے مطابق واقع ہوتے ہیں، ان کے اوقات متعین ہیں اور یہ عادی وطبعی اسباب کے تابع ہیں، اس لیے ان سے تخویف کا کیا تعلق ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ان چیزوں کو اسباب طبعیہ کے تحت کرنا بھی خدا ہی کا کام ہے، اگر اللہ تعالیٰ انہی اسباب طبعیہ کو طول دے دے اور آفتاب کو بے نور کرنے کی یہ کیفیت ختم نہ ہو تو دنیا تاریک ہوجائے گی اور بڑی مشکلات پیدا ہوجائیں گی، فرمایا گیا ہے **قل أرأيتم ان جعل الله عليكم الليل سرمدا الى يوم القيمة من اله غير الله ياتيكم بضياء** (سورہ القصص) کہ اگر اللہ تعالیٰ رات کی تاریکی کو قیامت تک کے لیے قائم فرمادے تو روشنی عطا کرنے والا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے، مطلب یہ ہوا کہ کسوف وخسوف گو اسباب طبعی کے تحت ہیں، مگر انسان کے لیے نہایت خوفناک ہیں اور ڈرنے کی چیز ہیں۔

یوں سمجھئے کہ مصائب وآفات اگر اسبابِ طبعیہ کے تحت بھی ہوں تو ان سے درسِ عبرت کا کام نہ لینا اور بے خوف ہوجانا غفلت شعاروں کا کام ہے، مثلاً زلزلے آتے ہیں تو یہ سمجھ کر بے خوف ہوجانا کہ اس کے یہ اسباب تھے اور اس کا مرکز اتنے فاصلے پر تھا بصیرت رکھنے والوں کا کام نہیں ہے، خدا پر اور اس کی قدرتِ قاہرہ پر ایمان رکھنے والے ان چیزوں سے اپنے دلوں میں خوف خداوندی پیدا کرتے ہیں، اور یہی خدا کا منشا بھی ہے **وما نرسل بالآيات الا تخويفا**۔

پھر یہ کہ صرف بے نور ہونا ہی خوف کی وجہ نہیں ہے بلکہ عصر حاضر کے نظریات کی رو سے بھی یہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے کہ چاند، سورج اور زمین کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور سورج اور زمین میں سے ہر ایک اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اس صورت میں اگر کسی ایک کی کشش غالب آجائے تو بڑے سے بڑا حادثہ رونما ہوسکتا ہے، یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ ان کو اپنی اپنی جگہ تھامے ہوئے ہے، قرآن میں ارشاد ہے **ان الله يمسك السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسكهما من احد من بعده**، یعنی پیدا کرنے کے بعد ان کو تھامے رکھنا بھی خدا ہی کا کام ہے، یہ تھامنا خواہ قوانین طبعی کے ذریعہ ہو جیسے کششِ اجسام کا نظریہ، اس لیے کہ یہ قوانین بھی خدا ہی کے پیدا کردہ اور مقرر فرمودہ ہیں، بہر حال کسوف کا فائدہ دلوں پر خوف کا طریان ہونا چاہیئے اور اس موقع پر توبہ، استغفار، نماز اور صدقات وغیرہ کا اہتمام کر کے خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

لم يذكر عبد الوارث الخ کسوف کے سلسلے میں **يخوف الله بهما عباده** ایک اہم مضمون ہے اور یہ الفاظ روایت کے تمام طرق میں منقول نہیں اس لیے امام بخاریؒ تفصیل کرنا چاہتے ہیں کہ یہ الفاظ کن راویوں کی

روایات میں ہیں اور کن روایات میں نہیں ہیں، فرماتے ہیں کہ حسن بصری کے تلمیذ یونس بن عبید سے یہ روایت عبد الوارث بن سعید نے، شعبہ بن حجاج نے، خالد بن عبداللہ نے، اور حماد بن سلمہ نے بھی بیان کی ہے اور ان میں سے کسی نے یخوف اللہ بھما عبادہ ذکر نہیں کیا ہے، پہلے تین راویوں کی روایات بخاری ہی میں مختلف مقامات پر منقول ہیں اور حماد بن سلمہ کی روایت طبرانی میں ہے۔

وتابعہ موسی عن مبارک عن الحسن الخ فرماتے ہیں کہ حسن بصری کے ایک دوسرے شاگرد مبارک بن فضالہ ہیں، ان سے موسی بن اسمعیل نے حضرت ابوبکرہ کی اس روایت میں یخوف اللہ بھما عبادہ نقل کیا ہے، یہ روایت بھی طبرانی میں ہے، اس متابعت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت حسن بصری کا حضرت ابوبکرہ سے سماع ہے اس لیے کہ حسن بصری نے اس روایت میں اخبرنی ابو بکرۃ فرمایا ہے، اور اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جنہوں نے حضرت ابوبکرہ سے حسن بصری کے سماع کا انکار کیا ہے۔

وتابعہ اشعث عن الحسن یعنی حسن بصری سے روایت کرنے میں اشعث بن عبدالملک نے مبارک بن فضالہ کی متابعت کی ہے مگر اس متابعت میں یخوف اللہ بھما عبادہ نہیں ہے، اس کو نسائی نے نقل کیا ہے۔

ہمارے ہندوستانی نسخہ میں یہ متابعت، تابعہ موسیٰ الخ کے بعد ہے اس لیے تابعہ کی ضمیر مبارک بن فضالہ کی طرف راجع ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ اشعث نے حضرت حسن سے روایت میں مبارک بن فضالہ کی متابعت کی ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس متابعت کو مقدم ہونا چاہیئے کیونکہ اشعث کی اس متابعت میں یخوف اللہ بھما عبادہ نہیں ہے، اس صورت میں تابعہ کی ضمیر کا مرجع یونس ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اشعث نے حسن بصری سے روایت میں یونس کی متابعت کی ہے لیکن علامہ عینی فرماتے ہیں کہ متابعت کے لیے تخویف کا ذکر ہونا ضروری نہیں ہے، تفصیل کے لیے فتح الباری اور عمدۃ القاری کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔　　واللہ اعلم

[۷] بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْكُسُوْفِ

(۱۰۴۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَآءَتْ تَسْأَلُهَا فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.　　(آئندہ: ۱۰۵۵، ۶۳۶۶)

(۱۰۵۰) ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَرَجَعَ ضُحًى

فَمَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَیْنَ ظَهْرَانَي الْحُجَرِ ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ وَقَامَ النَّاسُ وَرَآءَهٗ فَقَامَ قِیَامًا طَوِیْلًا ثُمَّ رَکَعَ رُکُوْعًا طَوِیْلًا فَقَامَ قِیَامًا طَوِیْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِیَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَکَعَ رُکُوْعًا طَوِیْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّکُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِیَامًا طَوِیْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِیَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَکَعَ رُکُوْعًا طَوِیْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّکُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِیَامًا طَوِیْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِیَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَکَعَ رُکُوْعًا طَوِیْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّکُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ وَانْصَرَفَ فَقَالَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ یَقُوْلَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ یَتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ۔ (گذشتہ:۱۰۴۵)

ترجمہ باب، سورج گہن کے موقع پر عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا بیان۔ حضور پاک ﷺ کی زوجہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان سے مانگنے کے لیے آئی اور اس نے حضرت عائشہؓ کو دعا دیتے ہوئے کہا۔ اللہ! تجھے عذاب قبر سے پناہ میں رکھے، پھر حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا لوگوں کو قبروں میں عذاب ہوگا؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ عذابِ قبر سے خدا کی پناہ۔ پھر ایک صبح کو حضور ﷺ ایک سواری پر سوار ہوکر نکلے تو اسی دن سورج گہن ہوگیا تو آپ چاشت کے وقت واپس آئے اور ازواج مطہرات کے حجروں کے درمیان سے گذرے پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوگئے، پھر آپ نے بہت طویل قیام فرمایا پھر بہت طویل رکوع کیا، پھر طویل قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا پھر طویل رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر آپ اٹھ گئے پھر سجدہ میں گئے پھر کھڑے ہوئے اور آپ نے طویل قیام فرمایا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا پھر آپ نے طویل رکوع فرمایا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر آپ اٹھ گئے پھر آپ نے طویل قیام فرمایا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے طویل رکوع فرمایا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ اٹھ گئے پھر سجدہ میں گئے اور نماز سے فارغ ہوگئے پھر جو اللہ نے چاہا وہ آپ نے بیان فرمایا پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

مقصد ترجمہ ترجمہ ہے کہ کسوف کے موقع پر عذابِ قبر سے پناہ طلب کی جائے، حافظ ابن حجر نے ابن منیر کے حوالہ سے نقل کیا کہ دن میں کسوف سے پیدا ہونے والی تاریکی اور قبر کی تاریکی ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، اس لیے کسوف کے موقع پر عذابِ قبر سے پناہ کا مضمون الشیئ بالشیئ یذکر کے قبیل سے ہے، مطلب یہ ہوا کہ عذابِ قبر سے تعوذ کا مضمون، کسوف سے براہِ راست متعلق نہیں بلکہ ایک مناسبت کی وجہ سے ذکر کردیا گیا۔

لیکن ہمارے خیال میں عذابِ قبر سے تعوذ کا مضمون، کسوف کے مضمون سے پوری طرح مربوط ہے، اس لیے کہ پچھلے باب میں بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسوف کے ذریعہ بندوں کو ڈراتا ہے اور تخویف کا نتیجہ انابت الی اللہ ہونا چاہیئے جس کا طریقہ توبہ ہے تاکہ گناہوں کی معافی کے بعد عذابِ الٰہی سے نجات حاصل ہوجائے، اور چونکہ عذاب کی ابتداء عذابِ قبر سے ہوتی ہے اس لیے تخویف کے بعد عذاب قبر سے تعوذ کا تذکرہ بالکل برمحل اور مناسب ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ ایک یہودی عورت نے حضرت عائشہؓ سے اپنی ضرورت میں سوال کیا، حضرت عائشہؓ نے اس کی ضرورت کو پورا کر دیا تو اس نے دعا دی کہ خدا تمہیں عذاب قبر سے پناہ میں رکھے، حضرت عائشہؓ کو اس وقت تک عذاب قبر کے بارے میں معلوم نہیں تھا اور ان کے لیے یہ دعا ایک نئی بات تھی، تو حضرت عائشہؓ نے حضور علیہ السلام سے عذاب قبر کے بارے میں معلوم کیا، آپ نے فرمایا عائذا باللہ من ذلك، اس عذاب قبر سے خدا کی پناہ۔

عائذا، یا تو مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، مصدر کبھی فاعل کے وزن پر بھی آتا ہے جیسے عافاہ اللہ عافیه، تقدیر عبارت ہوگی اعوذ عائذا باللہ، یا اگر عائذا صیغہ اسم فاعل ہے تو حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ذوالحال محذوف ہے، تقدیر عبارت ہوگی اعوذ حال کونی عائذا باللہ، بہرحال آپ نے عذاب قبر سے پناہ مانگی لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ عائذا باللہ من ذلك میں اہل ایمان کے حق میں آیا عذاب قبر کا انکار ہے؟ اور مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے حق میں گو یہ ثابت نہیں لیکن یہ اتنی غلط بات ہے کہ اس سے خدا کی پناہ! یا یہ الفاظ اہل ایمان کے حق میں عذاب قبر کا ہونا ظاہر کرتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہاں! اہلِ ایمان کو بھی یہ ابتلاء پیش آسکتا ہے اور اس سے خدا کی پناہ۔ عائذا باللہ من ذلك، میں دونوں معنی مراد لینے کی گنجائش ہے، لیکن ابواب الجنائز میں آئے گا کہ یہودیہ کے کہنے کے بعد حضرت عائشہؓ کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا نعم عذاب القبر حق، اسی طرح کتاب الدعوات میں آپ کا جواب ہے صدقتا، انهم يعذبون عذابا تسمعه البهائم كلها، کہ ان دونوں یہودی عورتوں نے سچ بات کہی، مُردوں کو عذاب ہوتا ہے جسے تمام حیوان سنتے ہیں، معلوم ہوا کہ عائذا باللہ من ذلك، عذاب قبر کی تصدیق ہے انکار نہیں۔

دیگر طرق میں تعارض اور تطبیق البتہ اگر یہودیہ کے اعاذك اللہ من عذاب القبر کی دعا کے بعد حضرت عائشہؓ کے حضور علیہ السلام سے استفسار کی تمام روایات کو دیکھا جائے تو دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں، بعض روایات سے تصدیق ہوتی ہے، جیسا کہ گذرا، اور بعض روایات میں آپ کا انکار منقول ہے، مسلم کی روایت میں ہے کہ فارتاع له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال انما تفتن يهود، یعنی عذاب قبر کی آزمائش کا تعلق صرف یہود سے ہے۔

امام طحاوی اور نووی وغیرہ نے آپؐ کے دونوں طرح کے جوابات میں تطبیق کے لیے واقعات میں تعدد کی بات کہی ہے کہ پہلے آپ کے علم میں نہیں تھا، تو انکار فرمایا تھا اور علم میں آنے کے بعد تصدیق فرمائی اور مسند احمد کی روایت میں، جس کی سند کو حافظ ابن حجر نے علی شرط البخاری کہا ہے، پہلے آپ کے انکار اور کچھ دنوں کے بعد تصدیق کی تصریح بھی ہے، اس روایت میں ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہؓ کی خدمت کیا کرتی تھی اور جب بھی حضرت عائشہؓ

اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتی تھیں تو وہ یہ دعا دیتی تھی وقاك الله عذاب القبر، اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا: هل للقبر عذاب؟ تو آپؐ نے فرمایا: کذبت یهود، لا عذاب دون یوم القیامة، یعنی یہود غلط کہتے ہیں، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں، لیکن ایک عرصہ کے بعد آپ نے بہ آوازِ بلند ندا دے کر فرمایا: ایها الناس، استعیذوا بالله من عذاب القبر، فان عذاب القبر حق، اے لوگو! عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو اس لیے کہ عذاب قبر حق ہے۔

حضور علیہ السلام کو عذابِ قبر کا علم کب ہوا؟ لیکن کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عذابِ قبر سے لاعلمی اور انکار کب تک رہا اور کب آپ کو اس کا علم ہوا اور تصدیق فرمائی حافظ ابن حجرؒ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کو کسوف کے موقع پر عذابِ قبر کا علم ہوا، اس سے پہلے یہ بات آپ کے علم میں نہیں تھی۔

لیکن یہ بات محل نظر بلکہ نا قابلِ قبول ہے اس لیے کہ یہ عقیدہ کا اہم مسئلہ ہے، کسوف کے خطبہ میں تذکرے سے یہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے یہ بات آپ کے علم میں نہیں تھی کسوف کے خطبہ میں تو ذکر خداوندی کی ہدایت، غلاموں کو آزاد کرنے کی تلقین اور صدقہ وغیرہ کی تاکید بھی ہے، تو کیا یہ سمجھنا صحیح ہوگا کہ ان احکام کا علم بھی اسی موقع پر عطا کیا گیا اور اس سے پہلے یہ باتیں آپ کے علم میں نہیں تھیں۔

نیز یہ کہ حضور علیہ السلام پر بہت پہلے سے قبر اور برزخ کے احوال کا انکشاف ہوتا رہا ہے، مسلم کی روایت میں ہے کہ ہجرت سے پہلے لیلۃ الاسراء میں آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے، جب قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا ثابت ہے تو گنہگاروں پر عذابِ قبر کے انکشاف میں کیا استبعاد ہو سکتا ہے۔

مسلم ہی کی روایت میں ہے کہ ۴ھ میں ام المؤمنین ام سلمہ کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو اس موقع پر حضور علیہ السلام کی دعا میں یہ الفاظ بھی تھے افسح له فی قبره ونور له فیه، قبر میں وسعت اور نور پیدا کرنے کی دعا سے مفہوم ہوتا ہے کہ قبر میں تنگی اور تاریکی بھی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح روایت میں ہے کہ ۵ھ میں حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے موقع پر ضغطۂ قبر کا واقعہ پیش آیا اور آپؐ نے صحابۂ کرام کو اس سے باخبر کیا، یہ بات اپنی جگہ ہے کہ ضغطہ عذاب قبر نہیں ہے اور جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں لکھا ہے کہ ضغطۂ قبر - کم ہو یا زیادہ - سے ہر میت کو گذرنا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب آپؐ پر ضغطۂ قبر کا انکشاف ہو رہا ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے زیادہ اہم حال یعنی عذاب قبر کا انکشاف کیوں نہیں ہوگا۔

پھر یہ کہ عذابِ قبر کے انکشاف کے بھی متعدد واقعات روایات میں موجود ہیں، مثلاً یہ کہ آپ بنونجار کے باغ سے گذرے، وہاں مشرکین کی پانچ یا چھ قبریں تھیں اور ان اصحابِ قبور پر ہونے والا عذاب آپ پر منکشف ہوا اور اس موقع پر آپ نے صحابۂ کرام کے ساتھ جو دعا کی اس میں ہے تعوذوا بالله من عذاب القبر، گویا انکشاف تو اگرچہ

کفار کے عذاب قبر کا ہوالیکن دعا سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپؐ کو مؤمنین کے بارے میں بھی عذاب قبر کا علم تھا۔

یا ایک روایت میں ہے کہ آپ دو قبروں سے گذرے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک کو پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے اور دوسرے کو چغلخوری کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے، پھر آپ نے ایک تروتازہ شاخ کو چیر کر ان کی قبروں پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ امید ہے جب تک یہ شاخ خشک نہ ہوگی اس وقت تک عذاب میں تخفیف رہے گی، ظاہر ہے کہ یہ دونوں قبریں مومنین کی تھیں، نیز یہ کہ اگرچہ ان واقعات کی تاریخ کا یقینی علم نہیں ہے لیکن بظاہر یہ ۹ھ سے پہلے کے واقعات ہیں۔

پھر اگر ترمذی کی حضرت علیؓ کی روایت کو لیا جائے تو کہنا ہوگا کہ عذاب قبر کی اطلاع ہجرت سے پہلے ہی ہوگئی تھی، حضرت علی فرماتے ہیں مازلنا نشک فی عذاب القبر حتی نزلت الهاکم التکاثر، (ترمذی: ج:۲ ،ص:۱۷۱) کہ ہم عذاب قبر کے سلسلے میں برابر شک میں مبتلا رہے یہاں تک کہ سورۂ الھاکم التکاثر نازل ہوئی، گویا اس سورت کے نزول کے بعد اس سلسلے میں یقینی علم حاصل ہوگیا، مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں کو دنیا طلبی کی کثرت نے غفلت میں مبتلا رکھا یہاں تک کہ تم قبروں تک پہنچ گئے گویا دنیا طلبی کا نتیجہ عذاب قبر کی صورت میں سامنے آیا اور چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لیے یہی کہا جائے گا کہ عذاب قبر کی اطلاع مکی زندگی ہی میں ہوگئی تھی۔

ان تمام باتوں سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ حضور ﷺ کو ۹ھ کے کسوف سے بہت پہلے عذاب قبر کا علم تھا، البتہ کسوف کے موقع پر اس کی مزید تفصیلات اور ہولناکیوں کا انکشاف ہوا جو پہلے نہیں تھا، اور اسی لیے آپ نے کسوف کے موقع پر فرمایا: قد أوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریبا من فتنة المسیح الدجال۔

تشریح روایتِ دوم | ثم رکب الخ، اس روایت میں ایک دوسرا واقعہ ذکر کرتے ہیں، یہ واقعہ صاحبزادۂ رسول حضرت ابراہیم کی وفات کا ہے، اس موقعہ پر آپ سوار ہو کر تشریف لے گئے، دفن کے بعد واپسی میں ازواج مطہرات کے حجروں کے درمیان سے یعنی مسجد نبوی سے گذرے، سورج گہن ہو رہا تھا، چاشت کا وقت تھا، تو گہن کی نماز پڑھائی جس کی تفصیلات گذر چکی ہیں نماز کے بعد آپ نے رجوع الی اللہ کی، ذکر و نماز کی اور صدقات وغیرہ کی تلقین کی اور اس روایت میں آیا کہ آپ نے عذاب قبر سے پناہ طلب کرنے کی بھی تلقین فرمائی، بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا۔

یہاں بھی یہ غور کر لینا چاہیے کہ ثم رکب کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہود یہ کا واقعہ پہلا ہے اور صلوۃ الکسوف اور اس کے بعد عذاب قبر سے استعاذہ کی تلقین کا واقعہ بعد کا ہے، یہ معلوم کرنا اگرچہ مشکل ہے کہ ان دونوں واقعات کے درمیان کتنا فاصلہ ہے لیکن اتنی بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ ان عذاب القبر حق کی اطلاع کسوف سے پہلے کی ہے۔ واللہ اعلم

[۸] بَابُ طُوْلِ السُّجُوْدِ فِی الْکُسُوْفِ

(۱۰۵۱) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَیْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَیْبَانُ عَنْ یَحْییٰ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّہٗ قَالَ لَمَّا کَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ نُوْدِیَ اَنَّ الصَّلٰوۃَ جَامِعَةٌ فَرَکَعَ النَّبِیُّ ﷺ رَکْعَتَیْنِ فِیْ سَجْدَۃٍ ثُمَّ قَامَ فَرَکَعَ رَکْعَتَیْنِ فِیْ سَجْدَۃٍ ثُمَّ جُلِّیَ عَنِ الشَّمْسِ قَالَ وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا مَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ کَانَ اَطْوَلَ مِنْھَا. (گذشتہ:۱۰۴۵)

ترجمہ باب، گہن کی نماز میں سجدہ کو لمبا کرنے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ جب حضور ﷺ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تو یہ اعلان کیا گیا کہ نماز کے لیے جمع ہو جائیں، پھر حضور ﷺ نے ایک رکعت میں دو رکوع کیے، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور پھر ایک رکعت میں دو رکوع کئے، پھر سورج روشن ہو گیا، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے کبھی اتنا لمبا سجدہ نہیں کیا جتنا لمبا سجدہ اس نماز میں تھا۔

مقصد ترجمہ مقصد واضح ہے کہ کسوف کی نماز میں سجدہ لمبا ہوگا، کیونکہ قراءت بھی طویل ہے، اور اس کے مطابق رکوع بھی لمبا ہوگا، اس لیے سجدہ بھی لمبا ہونا چاہیئے تا کہ نماز کی ظاہری صورت وہیئت میں توازن برقرار رہے، ترجمہ میں گویا ان لوگوں کی تردید ہے جو نماز کسوف میں طول سجود کے منکر ہیں، شوافع میں بعض فقہاء جیسے رافعی نے سجدے کو طول نہ دینے کی بات کو صحیح قرار دیا ہے جب کہ نووی تطویل کو مسلک مختار قرار دے رہے ہیں، اسی طرح مالکیہ میں بعض حضرات تطویل کے قائل ہیں، مدونہ میں ابن القاسم نے احب الی أن یطیل السجود لکھا ہے، اور بعض تطویل کے قائل نہیں ابن عبدالحکم نے لیس علیہ أن یطیل السجود لکھا ہے، ان حضرات کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ قیام ورکوع میں طول مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے اور اس کا یہ فائدہ ہے کہ کسوف کے بقاء واختتام کے مطابق نماز کو جاری رکھنے یا نہ رکھنے کا عمل کیا جائے گا، اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ طول سجود سے نوم کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور یہ نماز میں حضور قلب سے مانع ہوگا، امام بخاری نے ترجمہ رکھ کر بتا دیا کہ یہ باتیں قابلِ قبول نہیں، روایت میں صراحت ہے کہ آپ نے کسوف کی نماز میں سجدے کو بھی طول دیا۔

تشریح حدیث حدیث گذر چکی ہے، اور اس میں نمازِ کسوف سے متعلق بعض جزئیات ہیں، ان میں تعدد رکوع بھی ہے اور ان میں سجدے کا طول ہے، جو امام بخاریؒ کے اس ترجمہ کا مقصد ہے اور وہ صراحت سے ثابت ہے، لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ امام بخاریؒ کسوف سے متعلق مختلف تراجم منعقد کر رہے ہیں، مثلاً سجدے کا لمبا ہونا، عورتوں کی شرکت، کسوف کی جماعت، مسجد میں اس کا جواز وغیرہ، مگر کہیں بھی انہوں نے تعدد رکوع کا مسئلہ ذکر نہیں

کیا، اس کا مطلب صاف ہے کہ وہ تعدد رکوع کے مسئلہ کو نظر انداز کر رہے ہیں، حافظ ابن حجر نے اس کے بارے میں جو رخ اختیار کیا ہے اس کی بھی وضاحت ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۹] بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ جَمَاعَةً

وَصَلّٰى لَهُمُ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ صُفَّةِ زَمْزَمَ وَجَمَّعَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَصَلّٰى ابْنُ عُمَرَ

(۱۰۵۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِنْ قِرَآءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ وَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَصَبْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَاُرِيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ اَفْظَعَ وَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَآءَ قَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ اَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهٗ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

ترجمہ باب، گہن کی نماز جماعت سے پڑھنے کا بیان۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے گہن کی نماز لوگوں کو زمزم کے چبوترے پر پڑھائی، اور علی بن عبداللہ بن عباس نے لوگوں کو صلوٰۃ الکسوف کے لیے جمع کیا اور حضرت ابن عمر نے نماز پڑھائی، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تو حضور ﷺ نے نماز پڑھائی چنانچہ آپؐ نے تقریباً سورۂ بقرہ کی قراءت کے بقدر طویل قیام فرمایا پھر آپ نے طویل رکوع کیا، پھر رکوع سے سر اٹھایا، اور طویل قیام کیا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر ایک طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر آپ نے سجدہ کیا پھر آپ نے طویل قیام کیا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر رکوع سے سر اٹھایا، پھر طویل قیام کیا، اور یہ پہلے قیام سے کم تھا پھر طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سجدہ کیا پھر

آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو کسی کی موت یا حیات سے گہن میں نہیں آتے، اس لیے جب یہ گہن دیکھو تو اللہ کو یاد کیا کرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ نماز کی جگہ کھڑے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز لینا چاہتے تھے، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ بے شک میں نے جنت کو دیکھا تھا اور میں نے ایک خوشہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم اس میں سے کھایا کرتے اور مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے کبھی آج سے زیادہ گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والا منظر نہیں دیکھا اور میں نے جہنم والوں میں اکثر عورتوں کو دیکھا، صحابہ نے عرض کیا اور یہ کس بنیاد پر اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا یہ ان کے کفر کی وجہ سے ہے، عرض کیا گیا کہ کیا یہ عورتیں اللہ کا کفر کرتی ہیں، فرمایا کہ یہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کا اقرار نہیں کرتیں، اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ زندگی بھر احسان کا معاملہ کرتے رہو، پھر وہ تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات دیکھ لے تو وہ یہ کہے گی کہ میں نے تمہاری طرف سے کبھی خیر کی کوئی بات نہیں دیکھی۔

مقصد ترجمہ کہتے ہیں کہ کسوف کی نماز کے لیے جماعت مشروع اور مطلوب ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کے لیے امام کی ضرورت ہوگی، خواہ امام خود نماز پڑھائے یا کسی دوسرے کو اس کام کے لیے مقرر کردے، ائمہ اربعہ نمازِ کسوف کے لیے جماعت کو مسنون کہتے ہیں، سلطان کی اجازت سے جمعہ یا عیدین کا امام یا محلّہ کا امام نمازِ کسوف کی امامت کرے گا، اور جہاں سلطان نہ ہو وہاں ارباب حل وعقد کی طرف سے جو امام مقرر کردیا جائے وہ امامت کرے گا، اور اگر کوئی انتظام نہ ہو تو لوگ انفرادی طور پر اپنی اپنی نماز پڑھیں گے۔

اس ترجمہ کے تحت امام بخاری نے چند آثار ذکر کیے ہیں، پہلا اثر حضرت ابن عباس کا ہے کہ انہوں نے زمزم کے مسقف چبوترے پر کسوف کی نماز پڑھائی، دوسرا اثر یہ ہے کہ علی بن عبداللہ بن عباس نے، جو تابعی ہیں اور جن کا لقب روزانہ ایک ہزار سجدے کرنے کی وجہ سے سجاد ہے، صلوۃ الکسوف کے لیے لوگوں کو جمع کیا، پھر فرمایا وصلی ابن عمر اگر یہ اثر پہلے اثر کا تتمہ اور بقیہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جمع علی بن عبداللہ نے کیا اور نماز ابن عمر نے پڑھائی، مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن عمر نمازِ کسوف کے لیے مسجد کی طرف جھپٹ کر جا رہے تھے، اور اگر صلی ابن عمر پچھلے اثر کا تتمہ نہ ہو تو یہ اس سے الگ ہو جائے گا، ان آثار کو پیش کر کے امام بخاری کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ صلوۃ الکسوف میں جماعت مسنون ہے۔

تشریح حدیث ابن عباسؓ کی روایت ہے، کئی بار گذر چکی ہے، اس میں نمازِ کسوف کی تفصیل ہے جس میں قراءت اور رکوع وسجود کا طول اور رکوع کا تعدد وغیرہ مذکور ہے، پھر نماز سے فراغت کے بعد آپ نے چند باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں پہلے کسوف کے بارے میں یہ مضمون ہے کہ اس کا تعلق کسی کی موت وحیات سے نہیں، یہ

تو اللہ کی نشانیاں ہیں، پھر نماز میں آپ کو پیش آنے والے واردات کا اور ان پر صحابہؓ کرام کے سوال وجواب کا ذکر ہے، پھر عورتوں کے بارے میں شوہر کی ناسپاسی اور اس پر سزا وغیرہ کا تذکرہ ہے اور یہ مضامین کتاب الایمان میں باب کفران العشیر (حدیث:۲۹) اور کتاب الاذان میں باب رفع الامام البصر الی الامام فی الصلوٰۃ (حدیث:۷۴۸) میں گذر چکے ہیں۔　　واللہ اعلم

[۱۰] بَابُ صَلوٰةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوْفِ

(۱۰۵۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اِمْرَأَتِهٖ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا قَالَتْ اَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَاِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّوْنَ فَاِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا لِلنَّاسِ فَاَشَارَتْ بِيَدِهَا اِلَى السَّمَآءِ وَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَقُلْتُ آيَةٌ فَاَشَارَتْ اَيْ نَعَمْ، قَالَتْ فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ اَصُبُّ فَوْقَ رَاْسِيَ الْمَآءَ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ اَرَهٗ اِلَّا وَقَدْ رَاَيْتُهٗ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا حَتّٰى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ لَا اَدْرِيْ اَيَّتَهُمَا قَالَتْ اَسْمَاءُ يُؤْتٰى اَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوْ قَالَ الْمُوْقِنُ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَآءُ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى فَاَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا فَيُقَالُ لَهٗ نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ لَا اَدْرِيْ اَيَّهُمَا قَالَتْ اَسْمَآءُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ.　　(گذشتہ:۸۶)

ترجمہ باب، کسوف میں عورتوں کے مردوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا بیان۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے کہ جب آفتاب کا گہن ہوا تو میں حضور اکرم ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ کے پاس آئی تو دیکھا کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، اور عائشہ بھی کھڑی ہو کر نماز پڑھ رہی ہیں تو میں نے کہا کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور سبحان اللہ کہا، تو میں نے کہا کہ کیا عذاب کی نشانی ہے؟ تو انہوں نے اشارے سے کہا کہ ہاں! حضرت اسماء نے کہا کہ پھر میں نماز میں کھڑی ہوگئی حتی کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی چنانچہ میں نے اپنے سر پر پانی ڈالنا شروع کیا، پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا کہ کوئی چیز جس کو میں نے نہیں دیکھا تھا مگر یہ کہ اس مقام میں میں نے اس کو دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو

بھی دیکھ لیا اور یہ کہ بے شک مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا کہ قبروں میں تمہاری آزمائش دجال کی آزمائش جیسی ہوگی یا اس کے قریب ہوگی فاطمہ بنت منذر نے کہا کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ حضرت اسماء نے مثل کا لفظ کہا تھا یا قریباً کا، تم میں ہر ایک کے پاس فرشتہ آئے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ اس شخص (پیغمبر علیہ السلام) کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ تو صاحبِ ایمان یا صاحب یقین - یاد نہیں کہ اسماء نے مومن اور موقن میں کیا لفظ کہا تھا - تو وہ کہے گا کہ یہ محمد رسول اللہ ہیں جو ہمارے پاس اللہ کی کھلی نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے تھے تو ہم نے ان کو قبول کیا تھا، ہم ان پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی پیروی کی تھی، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تم آرام سے سو جاؤ، ہمیں معلوم تھا کہ بے شک تم یقین والے ہو، اور رہا منافق یا شک کرنے والا - یاد نہیں کہ اسماء نے کیا لفظ کہا تھا - تو وہ کہے گا کہ مجھے معلوم نہیں، میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا تو میں نے بھی وہی بات کہہ دی۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں بتایا تھا کہ نمازِ کسوف میں جماعت مسنون ہے، اب یہ بتاتے ہیں کہ اس نمازِ باجماعت میں عورتیں بھی شریک ہوسکتی ہیں، امام اسحاق کے یہاں ہر طرح کی عورتوں کو شرکت کی اجازت ہے، امام شافعیؒ کے یہاں بارعۃ الجمال (حسن و جمال میں ممتاز) کے علاوہ بقیہ تمام عورتوں کی شرکت درست ہے، حنفیہ کے یہاں بوڑھی عورتیں شرکت کریں، جوان عورتوں کو احتیاط کرنی چاہیے، امام مالک کا مسلک حنفیہ کی طرح ہے، مدونہ میں ہے کہ خانہ نشین عورتیں گھروں میں نماز پڑھیں البتہ گھر سے باہر نکلنے والی عورتیں شرکت کرسکتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ عمر رسیدہ اور بوڑھی عورتیں ہی ہوسکتی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس ترجمہ میں ان لوگوں کی تردید ہے جو نمازِ کسوف میں عورتوں کو شرکت سے منع کرتے ہیں، پھر انہوں نے فرمایا کہ امام ثوری اور بعض حنفیہ سے اس طرح کی بات منقول ہے ہمارا خیال ہے کہ ترجمہ سے ثوری کا رد تو ہوسکتا ہے کہ وہ مطلقاً منع کرتے ہیں لیکن جو فقہاء کسی بھی درجہ میں شرکت کی اجازت دیتے ہیں ان کی تردید کا دعویٰ محل نظر ہے اس لیے کہ ذیل میں دی گئی روایت سے حجرے میں صرف دو عورتوں کی شرکت ثابت ہوتی ہے، یا دیگر طرق سے بھی عورتوں کی بلا قید اور عام شرکت پر استدلال مشکل ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ کسوف کے موقع پر حضرت اسماءؓ، حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ وہ اپنے حجرے میں مصروفِ نماز ہیں، حضرت اسماء نے صورتِ حال معلوم کی تو حضرت عائشہؓ نے اشارے کنایہ میں جواب دیا، پھر حضرت اسماء بھی اسی حجرے میں نماز میں شریک ہوگئیں، گویا مرد مسجد میں تھے اور عورتیں حجرے میں، مگر نمازِ کسوف میں عورتوں کی شرکت ثابت ہوگئی، مزید یہ کہ حافظ ابن حجر نے بتایا کہ روایت کے بعض طرق میں حضرت اسماء سے فاصلے پر دیگر عورتوں کی شرکت بھی معلوم ہوتی ہے، یعنی وہ دیگر نمازوں کی طرح مردوں کی صف سے پیچھے مسجد کے پچھلے حصے میں شریکِ نماز تھیں، اس لیے بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا کہ نمازِ کسوف میں عورتوں کی شرکت جائز ہے۔

روایت میں جو دیگر مضامین ہیں ان کی تشریح باب من اجاب الفتیا باشارة الید والراس (حدیث:۸۶) میں گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۱] بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْعَتَاقَةَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ

(۱۰۵۴) حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ اَسْمَآءَ قَالَتْ لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَاقَةِ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ. (گذشتہ:۸۶)

ترجمہ باب، سورج گہن کے موقع پر غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان۔ حضرت اسماء نے کہا کہ بے شک حضور ﷺ نے سورج گہن کے موقع پر غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

مقصد ترجمہ سورج گہن کے موقع پر غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، فقہاء نے اس کو استحباب کا درجہ دیا ہے، امام بخاریؒ نے بھی ترجمہ میں من احب کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے، اور سورج گہن کی تخصیص نہیں بلکہ چاند گہن میں بھی یہ عمل مستحب ہے۔

سورج یا چاند کا گہن میں آنا، اللہ تعالیٰ کے غضب کے آثار میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بندوں کے دلوں میں اپنا خوف پیدا کرنا چاہتا ہے، اسی لیے اہل ایمان کو غضب خداوندی سے بچنے کے لیے ذکر، استغفار، نماز اور صدقات وغیرہ کی تلقین کی گئی ہے، اللہ کے غضب کا سب سے بڑا مظہر جہنم ہے اور جہنم سے بچنے کے لیے غلاموں کو آزاد کرنا بڑا مفید عمل ہے، بیہقی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے من اعتق رقبة مومنة اعتق اللّٰه له بكل عضو منها عضوا منه من النار یعنی جو کسی مومن غلام کو آزاد کرے گا تو اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلے میں، آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے نجات دے گا، اس لیے غضب خداوندی اور اس کے سب سے بڑے مظہر جہنم سے نجات کے لیے غلاموں کو آزاد کرنا حدیث پاک کے مطابق نہایت کامیاب اور مؤثر طریقہ ہے۔

نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو گہنا دیا تھا جس سے تمام کاروبار معطل ہو گئے تھے، پھر خدا نے تمہاری پھنسی ہوئی گردن کو آزاد کر دیا اور روشنی عطا کر دی اس لیے مناسب ہوگا کہ جن گردنوں پر تمہیں قابو حاصل ہے اور وہ گردنیں تمہارے ہاتھ میں پھنسی ہوئی ہیں تم ان کو آزادی عطا کر دو تاکہ تمہیں جہنم سے نجات حاصل ہو۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر نے کسوفِ شمس کے بارے میں جو روایت بیان کی، یہ روایت اسی کا ٹکڑا ہے اور اس میں کسوف شمس کے موقع پر غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب ہے۔ واللہ اعلم

[۱۲] بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ فِي الْمَسْجِدِ

(۱۰۵۵) حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ

عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَآءَ تْ تَسْاَلُهَا فَقَالَتْ اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَالَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ . (گذشتہ:۱۰۴۹)

(۱۰۵۶) ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَرَجَعَ ضُحًى فَمَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ ظَهْرَانَي الْحُجَرِ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَقَامَ النَّاسُ وَرَآءَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ وَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ سُجُوْدًا طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ سُجُوْدًا طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ وَهُوَ دُوْنَ السُّجُوْدِ الْاَوَّلِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ . (گذشتہ:۱۰۴۴)

ترجمہ باب، نماز کسوف کے مسجد میں ادا کرنے کا بیان۔ اس باب کے تحت جو دو روایات ہیں وہ (۱۰۴۹) اور (۱۰۵۰) پر گذر چکی ہیں، ترجمہ وہاں دیکھ لیا جائے۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ نمازِ کسوف کے لیے صحراء میں جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ نمازِ کسوف مسجد میں بھی جائز ہے، جب کہ استسقاء کے لیے بتایا گیا تھا کہ باہر نکلنا پسندیدہ ہے، یہ بیان کرنے کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ سورج کے انجلاء کا علم صحراء میں آسانی سے ہوسکتا ہے، اس لیے نمازِ کسوف کے لیے صحراء کی طرف نکلنا قرینِ عقل معلوم ہوتا ہے، یا ممکن ہے نظر اس طرف ہو کہ مسجد میں دراصل نماز پنجگانہ کے لیے بنائی گئی ہیں اور ان کے لیے بحکم خداوندی موذن کے ذریعہ اذان کی صورت میں دعوت پیش کی جاتی ہے اور صلوٰۃ کسوف کے لیے یہ دعوت نہیں ہے اس لیے شبہ ہوسکتا ہے کہ مسجد میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ امام بخاریؒ نے بتادیا کہ صلوٰۃ کسوف مسجد میں پڑھی گئی ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ترجمہ کا ثبوت روایت میں آیا کہ حضور ﷺ اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کے جنازے اور تدفین وغیرہ سے فارغ ہوکر واپس ہوئے تو چاشت کا وقت تھا اور سورج گہن ہو رہا تھا، آپ ازواج مطہرات کے حجروں کے درمیان سے گذرے، پھر نماز کسوف پڑھائی۔

روایت میں نمازِ کسوف کے مسجد میں ہونے کی صراحت نہیں، لیکن بین ظھرانی الحجر سے مسجد نبوی کی تعیین ہوگئی اس لیے کہ ازواج مطہرات کے حجرات مسجد سے متصل تھے نیز یہ کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، عمرہ بنت عبدالرحمٰن کہتی ہیں قالت عائشة فخرجت فی نسوة بین ظهرانی الحجر فی المسجد فاتی النبی ﷺ من مرکبه حتی انتهی الی مصلاه الذی کان یصلی فیه، میں عورتوں کے ساتھ مسجد میں حجروں کے درمیان سے گذرتی ہوئی نکلی اور حضور ﷺ سواری سے تشریف لائے یہاں تک کہ اس مصلی پر پہنچ گئے جس میں آپ نماز پڑھاتے تھے، معلوم ہوا کہ نمازِ کسوف مسجد میں ادا کی گئی۔ واللہ اعلم

[۱۳] بَابٌ لَا تَنْكَسِفُ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ

رَوَاهُ اَبُوْ بَكْرَةَ وَالْمُغِيْرَةُ وَاَبُوْ مُوْسٰى وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ عُمَرَ

(۱۰۵۷) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنِيْ قَيْسٌ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُمَا فَصَلُّوْا . (گذشتہ:۱۰۴۱)

(۱۰۵۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَهِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَاَطَالَ الْقِرَاءَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَاَطَالَ الْقِرَاءَةَ وَهِيَ دُوْنَ قِرَاءَتِهِ الْاُوْلٰى ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَ دُوْنَ رُكُوْعِهِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَصَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ يُرِيْهِمَا عِبَادَهٗ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ . (گذشتہ:۱۰۴۴)

ترجمہ باب، سورج گہن کسی کی موت یا زیست کی وجہ سے نہیں ہوتا، اس بات کو حضرت ابوبکرہؓ نے، حضرت مغیرہؓ نے، حضرت ابوموسیؓ نے، حضرت ابن عباسؓ نے، اور حضرت ابن عمرؓ نے روایت کیا۔ حضرت ابو مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت کی وجہ سے گہن میں نہیں آتے، لیکن یہ دونوں، اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، اس لیے جب تم ان کا گہن میں آنا دیکھو تو نماز پڑھو۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور آپ نے قراءت کو طول دیا، پھر آپ نے رکوع کیا اور رکوع کو طول دیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا پھر قراءت کو

طول دیا، اور یہ قراءت پہلی قراءت سے کم تھی پھر آپ نے رکوع کیا اور رکوع کو طول دیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر آپ نے سر اٹھایا پھر دو سجدے کیے، پھر آپ کھڑے ہو گئے، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بالکل اسی طرح عمل کیا، پھر آپ نماز سے فراغت کے بعد کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت وحیات سے گہن میں نہیں آتے لیکن یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھاتا ہے، اس لیے جب تم یہ گہن دیکھو تو نماز کے لیے جلدی کرو۔

مقصد ترجمہ اس باب میں امام بخاریؒ نے جو مضمون بیان کیا ہے وہ کتاب الکسوف کے پہلے باب الصلوۃ فی کسوف الشمس میں گذر چکا ہے، لیکن مضمون کی اہمیت کے پیشِ نظر امام بخاریؒ نے اس کے لیے مستقل باب منعقد کیا ہے، اور بتایا ہے کہ ایام جاہلیت میں جو یہ بات عقیدے کی طرح مسلم اور مشہور تھی کہ سورج اور چاند کا گہن، اس دنیا میں کسی بڑی شخصیت کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے، یہ بات قطعاً غلط ہے اور حضور علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے کہ اس گہن کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانی سمجھنا چاہیئے اور اس موقع پر دعا واستغفار اور نماز وصدقات کے ذریعہ اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

آپ کے اس ارشاد سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو گئی جو گہن کو دنیا کے بڑے حوادث اور عظیم نقصانات سے متعلق مانتے ہیں، یا وہ اہلِ نجوم جو کائنات میں ستاروں کی تاثیر کے قائل ہیں یا وہ مشرکین جو سورج اور چاند کو سر چشمۂ نور دیکھ کر انہیں معبود کا درجہ دئے ہوئے ہیں، آپ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کو اس طرح کا کوئی بھی مرتبہ دینا قطعاً غلط ہے۔

رواہ ابو بکرۃ الخ یعنی یہ قول لا تنکسف الشمس لموت احد ولا لحیاتہ پانچ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے اور ان سب کی روایات صحیح بخاری کی اسی کتاب الکسوف میں مختلف ابواب میں مذکور ہیں۔

تشریح احادیث یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ سورج گہن صاحبزادۂ رسول حضرت ابراہیم کی وفات کے دن ہوا تھا اور اس اتفاق سے جاہلیت کے اس خیال کو تقویت مل رہی تھی کہ گہن کسی بڑی شخصیت کی موت کے سبب ہوتا ہے، یہ عقیدے کا مسئلہ تھا جس کی وضاحت اور تصحیح کا حضور علیہ السلام بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اس لیے آپ نے نمازِ کسوف کے فوراً بعد یہ بیان فرمایا کہ سورج اور چاند کے گہن کو کسی کی موت وحیات سے متعلق ماننا قطعاً غلط ہے۔

مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر پہلے تو امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب ہی میں یہ بتایا کہ یہ مضمون پانچ صحابۂ کرام سے منقول ہے، پھر انہوں نے دو روایات ذکر کیں، پہلی روایت حضرت ابو مسعودؓ کی ہے جس میں صرف یہی بات ہے کہ سورج اور چاند کا گہن میں آنا کسی کی موت کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو اللہ کی بڑی نشانیاں ہیں اور گہن کی صورت میں نماز کا اہتمام کرنا چاہیئے، پھر دوسری روایت حضرت عائشہؓ کی ہے جس میں پہلے نماز کسوف کی تفصیل یعنی قراءت، اور

رکوع وسجود کا طول اور رکوعات کا تعدد مذکور ہے، پھر اس کے بعد عقیدے کی تصحیح والا مضمون ہے، جس سے امام بخاریؒ کا مقصد صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ واللہ اعلم

[۱۴] بَابُ الذِّكْرِ فِي الْكُسُوْفِ

رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ

(۱۰۵۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِىُّ ﷺ فَزِعًا يَخْشٰى اَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى بِاَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ هٰذِهِ الْآيَاتُ الَّتِىْ يُرْسِلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنْ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَاِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَدُعَائِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ۔

ترجمہ باب، سورج گہن کے وقت ذکر خداوندی کا بیان۔ اس بات کو ابن عباسؓ نے روایت کیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ سورج گہن ہوا تو حضور ﷺ گھبرا کر کھڑے ہوگئے، آپ کو ڈر تھا کہ قیامت نہ آگئی ہو، پھر آپ مسجد پہنچے اور آپ نے میرے کبھی بھی دیکھنے کے مطابق سب سے طویل قیام، سب سے طویل رکوع اور سب سے طویل سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ عزوجل بھیجتا ہے، یہ نشانیاں کسی کی موت وحیات کی وجہ سے وجود میں نہیں آتیں، لیکن اللہ ان کے ذریعہ اپنے بندوں میں خوف وخشیت پیدا کرنا چاہتا ہے، اس لیے جب تم ان نشانیوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ کے ذکر، اور اس سے دعا اور اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی جلدی کرو۔

مقصد ترجمہ سورج گہن اللہ کی بے پناہ قدرت کی نشانی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بندوں کے دلوں میں خوف وخشیت پیدا ہو اور خوف وخشیت پیدا ہوجائے تو بندوں کا ہر عمل صالح خدا کی رضا اور قرب کا سبب ہوگا، انہی اعمال صالحہ میں ذکر خداوندی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا اذا رأیتم شیئا من ذلك فافزعوا الی ذکر اللّٰہ خوف وخشیت پیدا کرنے والی کوئی چیز نظر آئے تو ذکر خداوندی اور دعا واستغفار کا طریقہ اختیار کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے۔

رواہ ابن عباس الخ حضرت ابن عباسؓ کی روایت باب صلوۃ الکسوف جماعۃ میں گذر چکی ہے، اس کے الفاظ ہیں فاذا رأیتم ذلك فاذکروا اللّٰہ، کسوف دیکھو تو خدا کا ذکر کرو۔

تشریح حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ سورج گہن ہوا تو حضور ﷺ گھبرا کر اٹھ گئے اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ قیامت نہ آگئی ہو، یہاں یہ اشکال ہے کہ قیامت کے وقوع کا اندیشہ کیسے ہوسکتا ہے اس لیے

کہ سورج گہن آپ کی حیاتِ طیبہ کے آخری زمانہ کی بات ہے اور اس سے پہلے آپ متعدد علاماتِ قیامت بیان فرما چکے ہیں جیسے آفتاب کا مشرق سے طلوع، نزول عیسیٰ اور خروج دجال وغیرہ، اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور تک ان علامات میں سے کسی چیز کا ظہور نہیں ہوا تھا، تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے **یخشی أن تکون الساعة** کیسے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کو اندیشہ تھا کہ قیامت نہ آ گئی ہو۔

تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت کا ڈر ہوا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بے چینی اور گھبراہٹ ایسی ہوئی جیسے قیامت کے وقوع کی ہوسکتی ہے، گویا اس وقت کے خوف اور فزع کو قیامت کے خوف اور فزع سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

جواب میں دوسری بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کسی قرینے کی وجہ سے اپنے طور پر سمجھ رہے تھے کہ حضور علیہ السلام کی گھبراہٹ اندیشہ قیامت کی وجہ سے تھی لیکن یہ ضروری نہیں کہ حضور علیہ السلام بھی یہی سمجھ رہے ہوں، کیونکہ حضور علیہ السلام کے دل کی بات جاننے کے لیے ابوموسیٰ اشعری کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

مگر حضرت ابوموسیٰ اشعری کے بارے میں سوال کیا جاسکتا ہے کہ انہیں علاماتِ قیامت سے پہلے قیامت کا اندیشہ کیوں ہوا، تو کہا جائے گا کہ خوف اور فزع کی حالت میں بسا اوقات حقائق کی طرف التفات نہیں رہتا بلکہ انسان کے خیالات اسی فزع کے مطابق بن جاتے ہیں، اس لیے خوف اور فزع کی وجہ سے علاماتِ قیامت کے وجود میں نہ آنے کے باوجود حضرت ابوموسیٰ کو قیامت کے وقوع کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ واللہ اعلم

طول مذکور ہے تعدد نہیں اس روایت میں حضرت ابوموسیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے قیام اور رکوع وسجود کو اتنا طول دیا کہ میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا گویا ان ارکان کا طول ایک نئی اور قابل تذکرہ چیز تھی جب کہ رکوع کے تعدد کا انہوں نے بالکل ذکر نہیں کیا، وجہ اس کی یہی ہوسکتی ہے کہ ان کے مشاہدہ میں رکوع میں تعدد نہیں تھا، اگر وہ تعدد دیکھتے تو وہ بالکل ایک نئی اور اجنبی بات ہوتی اور اس کو وہ ضرور بیان فرماتے، بلکہ قیام اور رکوع وسجود کا طول اتنی نئی چیز نہیں تھی اس لیے کہ یہ تو تہجد میں بھی ہوجاتا تھا، بخاری خود ایک باب منعقد کریں گے **طول القیام فی صلوة اللیل**، اس لیے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا تعدد رکوع کو بیان نہ کرنا یہی بتا رہا ہے کہ ان کے مشاہدہ میں رکوع میں تعدد نہ تھا اور اگر رکوع کی صورت تھی تو وہ واردات غیبی اور آیات کا تقاضا تھا کہ حضور علیہ السلام ان مواقع پر جھک جاتے تھے۔ واللہ اعلم

[۱۵] بَابُ الدُّعَآءِ فِي الْكُسُوْفِ

قَالَهُ أَبُوْ مُوْسیٰ وَعَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱۰۶۰) حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ قَالَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ

الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُوْلُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَادْعُوْا اللّٰهَ وَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ . (گذشتہ:۱۰۴۳)

ترجمہ باب، کسوف کے موقع پر دعا مانگنے کا بیان۔ اس مضمون کو حضرت ابوموسیٰ اور حضرت عائشہ نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے۔ زیاد بن علاقہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جس دن حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اس دن سورج گہن ہو گیا تو لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج گہن ہوا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کے مرنے یا اس کے جینے سے گہن میں نہیں آتے، اس لیے جب تم یہ گہن دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ گہن ختم ہو جائے۔

مقصد ترجمہ گہن اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی اور اس کے غضب کے آثار میں سے ہے تو اس موقع پر اپنے عجز و نیاز اور خشوع و خضوع کے اظہار کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعائیں کرنا خدا کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے، آثارِ غضب کی ابتداء میں دعائیں مانگنے والوں کو اللہ اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دیتا ہے اور تنبیہ کے باوجود رجوع نہ کرنے والوں کو قساوتِ قلب اور شیطان کے زیر اثر ہونے کا الزام دیتا ہے، ارشاد ہے: **فلو لا اذ جاء هم باسنا تضرعوا ولكن قست قلوبهم وزين لهم الشيطن ما كانوا يعملون** (سورۂ انعام آیت: ۴۵) سو جب ان پر ہمارا عذاب پہنچا تو اس کے ازالہ کے لیے انہوں نے گڑگڑا کر دعائیں کیوں نہیں کیں کہ اللہ عذاب اٹھا لیتا، لیکن ان کے دل تو پتھر بن گئے اور شیطان ان کی نظر میں ان کے اعمال کو خوشنما کر کے دکھاتا رہا، اس لیے اس باب میں امام بخاریؒ نے اس موقع پر مخلصانہ دعاؤں کا اہتمام کرنے کی تلقین کی۔

قاله ابو موسیٰ الخ ابوموسیٰ اشعری کی روایت تو باب سابق میں گذری **فافزعوا الی ذکره و دعائه**، اور حضرت عائشہ کی روایت **باب الصدقة فی الکسوف** میں گذر چکی ہے، **فاذا رأیتم ذلك فادعوا الله وکبروا وصلوا**، نیز یہ کہ اس موقع پر دعا کی تلقین کی روایات حضرت ابوبکرہ اور دیگر صحابہ سے بھی منقول ہیں۔

تشریح حدیث روایت گذر چکی ہے، روایت میں دعا اور نماز دونوں کا الگ الگ حکم ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ کسوف میں جو ذکر اور دعا کا حکم دیا گیا ہے اس سے نماز ہی مراد ہے اس لیے کہ نماز ذکر اور دعا پر مشتمل ہوتی ہے اور جز پر کل کا اطلاق درست ہے، لیکن امام بخاریؒ ایسی روایت ذکر کر رہے ہیں جس میں دعا اور نماز کا الگ الگ حکم دیا گیا ہے، گویا دونوں عمل مستقل طور پر مطلوب ہیں، دعائیں بھی مانگو اور نمازِ کسوف بھی پڑھو، امام بخاریؒ کے اس طرز عمل سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جنہوں نے ذکر و دعا کو صلوۃ کے معنی میں لیا ہے۔ واللہ اعلم

[۱۶] بَابُ قَوْلِ الْإِمَامِ فِیْ خُطْبَةِ الْكُسُوْفِ اَمَّا بَعْدُ

(۱۰۶۱) وَقَالَ اَبُوْ اُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ فَانْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ . (گذشتہ:۸۶)

ترجمہ باب، امام کے کسوف کے خطبہ میں اما بعد کہنے کا بیان۔ حضرت اسماء نے فرمایا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور بے شک آفتاب روشن ہو چکا تھا پھر آپ نے خطبہ دیا، تو پہلے اللہ کی وہ حمد کی جو اللہ کے لیے سزاوار ہے، پھر فرمایا اما بعد۔

مقصد ترجمہ خطبۂ کسوف کے سلسلے میں مذاہب ائمہ اور ان کے دلائل باب خطبة الكسوف میں گذر چکے ہیں، وہاں امام بخاریؒ کا مقصد تھا خطبہ کی مشروعیت یا مسنون ہونے کا بیان، اب خطبہ سے متعلق دوسرا باب منعقد کرتے ہیں یعنی خطبہ کسوف میں امام کے اما بعد کہنے کا بیان، یہی مضمون ابواب الجمعة میں باب من قال فی الخطبة بعد الثناء اما بعد میں بیان کر چکے ہیں، اب ابواب الکسوف میں اسی مضمون کو دہرا رہے ہیں، مقصد قدرے مختلف ہے کہ امام بخاریؒ یہاں اما بعد کی مشروعیت کے ساتھ خطبۂ کسوف کا محل اور وقت متعین کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ کسوف میں خطبہ ہوگا اور اس خطبہ میں بھی حمد و ثنا کے بعد اما بعد کہا جائے گا اور یہ خطبہ نماز کے بعد ہوگا، کیونکہ خطبہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کو حمد و ثنا سے شروع کیا جائے اور جب مقصود کے آغاز کا وقت آئے تو اما بعد کا فصل دیا جائے، اس لیے اما بعد کو فصل الخطاب کہتے ہیں، پیغمبر علیہ السلام نے کسوف میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا اس لیے اس کو برائے نام خطبہ نہیں بلکہ باقاعدہ خطبہ کہا جائے گا اور چونکہ یہ عمل آپ نے نماز سے فراغت کے بعد کیا اس لیے خطبہ نماز اور ذکر و دعا کے بعد ہوگا، اور چونکہ خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد اما بعد کہنا آپ کا طریقہ رہا ہے، اس لیے اس کو بھی اختیار کیا جائے گا۔

اس باب کے ذیل میں امام بخاریؒ نے حضرت اسماء کی جو روایت دی ہے وہ یہاں مختصر ہے، مفصل روایت مع تشریحات (۹۲۲) پر گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۷] بَابُ الصَّلٰوةِ فِیْ كُسُوْفِ الْقَمَرِ

(۱۰۶۲) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ . (گذشتہ:۱۰۴۰)

(۱۰۶۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَى الْمَسْجِدِ وَثَابَ اِلَيْهِ النَّاسُ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ فَانْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَاِنَّهُمَا لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ فَاِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتّٰى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ وَذٰلِكَ اَنَّ ابْنًا لِلنَّبِيِّ ﷺ يُقَالُ لَهٗ اِبْرَاهِيْمُ مَاتَ فَقَالَ النَّاسُ فِيْ ذٰلِكَ . (گذشتہ:۱۰۴۰)

ترجمہ باب، چاند گہن میں نماز کا بیان۔ حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی، حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تو آپ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے نکلے یہاں تک کہ مسجد پہنچ گئے اور لوگ بھی آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے ان لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر آفتاب روشن ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا کہ بے شک سورج اور چاند، اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں اور بے شک یہ دونوں کسی کی موت پر گہن میں نہیں آتے، پس جب یہ گہن ہو تو تم نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ یہ گہن ختم ہو جائے اور یہ بات آپ نے اس لیے ارشاد فرمائی کہ آپ کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تھا جن کا نام ابراہیم تھا، اور اس موقع پر لوگوں نے یہ بات کہی تھی کہ گہن ان کی موت کی وجہ سے ہوا ہے۔

مقصد ترجمہ فرماتے ہیں کہ سورج گہن کی طرح چاند گہن میں بھی نماز کا حکم ہے، شوافع اور حنابلہ کے یہاں دونوں نمازوں کا حکم ایک ہی ہے کہ دونوں نمازوں میں جماعت بھی ہے اور رکوع کا تعدد بھی ہے مالکیہ کے یہاں نمازِ کسوف سنت ہے، اور نمازِ خسوف مندوب، اور نمازِ خسوف عام نوافل کی طرح ہے کہ اس میں نہ جماعت ہے نہ رکوع کا تعدد، بلکہ جماعت مالکیہ کے یہاں مکروہ ہے، اور اس کا مسجد میں پڑھنا بھی مکروہ ہے، حنفیہ کے یہاں بھی نمازِ خسوف میں جماعت مطلوب نہیں لیکن اگر جماعت کر لی جائے تو قولِ مختار کے مطابق مکروہ بھی نہیں، اصل مذہب یہی ہے کہ یہ نماز گھروں میں انفرادی طور پر پڑھی جائے، وجہ یہ ہے کہ کسی صحیح روایت سے چاند گہن کے موقع پر جماعت کا ثبوت نہیں، نیز یہ کہ خسوفِ قمر رات میں ہوتا ہے، اس وقت لوگوں کو جمع کرنا خصوصاً جب کہ اول شب اور آخر شب کا بھی تعین نہیں کیا جا سکتا، دشوار ہوگا، جب کہ رات کی اصل وضع سکون و راحت کے لیے ہے اور اس کو اللہ نے رحمت قرار دیا ہے، ومن رحمته جعل لكم الليل والنهار لتسكنوا فيه ولتبتغوا من فضله (سورۂ قصص آیت:۷۳) اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے رات کو سکون کے لیے اور دن کو معاش کی جد و جہد کے لیے بنایا ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں الصلوة في كسوف القمر فرمایا ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ سورج گہن

اور چاند گہن کی نماز میں حکم اور طریقہ میں کوئی فرق نہیں کر رہے ہیں۔

تشریح حدیث ترجمہ کے ذیل میں امام بخاریؒ نے حضرت ابو بکرہ کی دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت مختصر ہے اور دوسری مفصل، یہ روایت (۱۰۴۰) پر گذر چکی ہے، اور یہاں ان دونوں میں خسوف قمر کا کوئی ذکر نہیں، حضرت ابراہیم کے یوم وفات کے سورج گہن کا تذکرہ ہے، کہ سورج گہن ہوا تو خرج یجر رداء ہ فزع کی علامت ہے کہ ٹھیک طرح چادر بھی نہ اوڑھ سکے، اسی حال میں مسجد میں پہنچے لوگ بھی فوراً ہی جمع ہو گئے، آپ نماز پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی بڑی نشانیاں ہیں اور ان کا گہن کسی کی موت و حیات کے سبب نہیں ہوتا و اذا کان ذلك فصلوا اور جب گہن ہو تو نماز پڑھو اور دعائیں کرو، اگر ذلك کا مشار الیہ صرف سورج گہن کو نہیں بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کے گہن کو قرار دیا جائے تو کہا جائے گا کہ حضور پاک ﷺ نے دونوں میں سے ہر ایک کے گہن کے موقع پر نماز کا حکم دیا ہے اور اس طرح امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہے، نیز یہ کہ ابن حبان نے اسی روایت میں فاذا رأیتم شیئا من ذلك فصلوا نقل کیا ہے جو مقصد کے ثبوت میں زیادہ صریح ہے۔

لیکن مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دونوں مواقع پر نماز کا حکم دیا ہے، پھر یہ کہ آپ کے عمل سے معلوم ہوا کہ سورج گہن میں نماز باجماعت ہوگی اور چاند گہن کے موقع پر کسی صحیح روایت سے جماعت کا ثبوت نہیں اس لیے وہ انفرادی پڑھی جائے گی، رہی سیرت ابن حبان کی وہ روایت جس میں ۵ھ میں چاند گہن کے موقع پر صحابہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی بات کہی گئی ہے تو وہ روایت صحیح ابن حبان کی نہیں، بلکہ سیرت ابن حبان کی ہے جس میں ہر قسم کی روایات ہوتی ہیں، اور اس روایت کے درجہ کا معین کرنا دشوار ہے۔		واللہ اعلم

[۱۸] بَابُ صَبِّ الْمَرْأَةِ عَلٰى رَأْسِهَا الْمَاءَ اِذَا طَالَ الْاِمَامُ الْقِيَامَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى

ترجمہ باب، جب امام پہلی رکعت میں قیام کو طویل کر دے تو عورت کے اپنے سر پر پانی ڈالنے کا بیان۔

مقصد ترجمہ یہ ترجمہ بخاری کے بعض نسخوں میں نہیں ہے، اور ہمارے ہندوستانی نسخہ میں ہے اور اس کے ذیل میں کوئی روایت نہیں ہے، شارحین کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ منعقد کر کے حدیث کے لیے بیاض چھوڑ دی تھی تا کہ بعد میں اس کے مناسب روایت پیش کر دیں اور یہ بھی امام بخاریؒ کی ایک عادت تھی، لیکن روایت پیش کرنے کا اتفاق نہ ہو سکا اور ترجمہ حدیث کے بغیر رہ گیا۔

مقصد یہ ہے کہ طول قیام کے سبب۔ خصوصاً گرمی کے موسم میں۔ اگر کسی شخص کے اوپر غشی یا غفلت طاری ہونے لگے خواہ وہ عورت ہو یا مرد، تو اس کے ازالہ کے لیے سر پر پانی ڈالنا جائز ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ عمل قلیل کی صورت میں ہونا چاہیے عمل کثیر کی نوبت آ گئی تو نماز باقی نہ رہے گی۔

ترجمہ میں المراۃ کی قید اتفاقی ہے، چونکہ اس مقصد کے لیے سب سے قریب تر روایت حضرت اسماءؓ کی تھی کہ انہوں نے بیہوشی سے بچنے کے لیے سر پر پانی ڈالا تھا، اس لیے ترجمہ میں امام بخاری نے اس لفظ کا اضافہ کردیا۔ واللہ اعلم

[۱۹] بَابُ الرَّكْعَةِ الْأُولٰى فِي الْكُسُوْفِ أَطْوَلُ

(۱۰۶۴) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى بِهِمْ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فِيْ سَجْدَتَيْنِ الْأُوْلٰى أَطْوَلُ . (گذشتہ: ۱۰۴۴)

ترجمہ باب، نمازِ کسوف میں پہلی رکعت کے زیادہ لمبا ہونے کا بیان۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو سورج گہن کی نماز دو رکعت میں چار رکوع کر کے پڑھائی، پہلی رکعت دوسری رکعت سے زیادہ طویل تھی۔

مقصد ترجمہ مقصد واضح ہے کہ جس طرح تمام نمازوں میں دوسری رکعت کے مقابلہ میں پہلی رکعت کا طویل کرنا مطلوب ہے اسی طرح نمازِ کسوف میں بھی پہلی رکعت کو دوسری رکعت کے مقابلہ پر طول دیا جائے گا، ائمہ فقہاء کے یہاں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تشریح حدیث امام بخاری نے مقصد کے ثبوت کے لیے حضرت عائشہ کی روایت پیش کی جو یہاں مختصر ہے اور مفصل روایت (۱۰۴۴) پر گذر چکی ہے، روایت میں آیا: اربع رکعات فی سجدتین، یہاں دو جگہ مجاز ہے، رکعات سے مراد رکوع ہے، گویا کل بول کر جز مراد لیا اور سجدتین سے مراد رکعتین ہے، جز بول کر کل مراد لیا اور مطلب یہ ہوا کہ دو رکعتوں میں چار رکوع ہوئے، لیکن امام بخاریؒ کو اس مسئلے سے کوئی سروکار نہیں، انہوں نے ترجمہ رکھا، پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل ہوگی، اس کے ثبوت کے لیے انہوں نے روایت کا آخری جز **الاولی اطول** پیش کیا، یہاں اولی سے مراد رکعت اولی ہے کہ رکعت اولی طویل ہوگی، مقصد ثابت ہوگیا۔

بعض نسخوں میں الاولی کے بجائے الاوّل ہے، اس صورت میں یہ رکوع کی صفت ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ پہلا رکوع طویل تھا اور ظاہر ہے کہ رکوع کا طول رکعت کے طول کو مستلزم ہے کیونکہ رکوع کے طول کا تقاضا ہے کہ اسی کی مناسبت سے قیام وسجود میں بھی طول ہو، بہرحال امام بخاری کا مقصد ثابت ہوجائے گا۔

اور اگر اربع رکعات فی سجدتین میں رکعات سے مراد رکوع نہ ہوں بلکہ رکعتیں ہی ہوں تو یہاں مجاز نہ ہوگا۔ مجاز صرف سجدتین میں ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ چار رکعتیں پڑھیں اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرا، حنفیہ کے یہاں صلوۃ الکسوف میں دو رکعت پر اکتفاء ضروری نہیں، اس سے زائد چار اور چھ رکعتیں بھی ہوسکتی ہیں۔ واللہ اعلم

[۲۰] بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْكُسُوْفِ

(۱۰۶۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ نَمِرٍ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَهَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهٖ فَإِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ كَبَّرَ فَرَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُعَاوِدُ الْقِرَاءَةَ فِيْ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ . (گذشتہ: ۱۰۴۴)

(۱۰۶۶) وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَغَيْرُهٗ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ، قَالَ وَاَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ نَمِرٍ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ مِثْلَهٗ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَقُلْتُ مَا صَنَعَ اَخُوْكَ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ مَا صَلّٰى إِلَّا رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ إِذَا صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ وَقَالَ اَجَلْ إِنَّهٗ اَخْطَأَ السُّنَّةَ ، تَابَعَهٗ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ وَسُفْيٰنُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي الْجَهْرِ .

(گذشتہ: ۱۰۴۴)

ترجمہ باب، نمازِ کسوف میں قراءت کے جہر کا بیان۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ کسوف میں اپنی قراءت میں جہر کیا، پھر جب آپ قراءت سے فارغ ہوگئے تو اللہ اکبر کہا اور رکوع میں چلے گئے اور جب رکوع سے اٹھے تو سمع اللہ لمن حمدہ ، ربنا ولك الحمد کہا، پھر آپ نے دوبارہ قراءت کی نمازِ کسوف میں دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے ہوئے ، اور امام اوزاعیؒ وغیرہ نے کہا کہ میں زہری سے سنا، اور انہوں نے عروہ سے، عروہ نے عائشہ سے کہ سورج رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گہن میں آیا تو آپ نے ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا کہ الصلوۃ جامعۃ (نماز کے لیے جمع ہو جائیں) کا اعلان کردے، پھر آپ آگے بڑھے اور آپ نے دو رکعتیں چار رکوع اور چار سجدوں سے پڑھائیں ولید بن مسلم نے کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن نمر نے بیان کیا کہ انہوں نے ابن شہاب سے بالکل پہلی روایت کے مثل الفاظ سنے، زہری نے کہا کہ میں نے عروہ سے کہا کہ تمہارے بھائی عبداللہ بن زبیر نے یہ کیا عمل کیا کہ انہوں نے مدینہ میں جب نماز پڑھائی تو فجر کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھائیں، تو عروہ نے کہا جی ہاں، ان سے سنت پر عمل کرنے میں غلطی ہوگئی، زہری سے جہر کی روایت کرنے میں سلیمان بن کثیر اور سفیان بن حسین نے عبدالرحمٰن بن نمر کی متابعت کی ہے۔

مقصد ترجمہ کہتے ہیں کہ نماز کسوف میں قراءت جہری ہوگی، امام احمد، قاضی ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ قراءت جہری ہوگی، باقی تینوں ائمہ سری قراءت کے قائل ہیں، امام ترمذی نے امام مالک کی طرف جہری قراءت کی نسبت کی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے یا وہ شاذ روایت ہے، اساطین مذہب اس کا انکار کرتے ہیں۔

تشریح احادیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کی دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ کسوف میں قراءت کا جہر کیا، پھر حضرت عائشہؓ نے نماز کی دیگر تفصیلات بیان کیں، امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا۔

دوسری روایت کی سند میں امام اوزاعیؒ کا واسطہ ہے اور اس میں بھی نمازِ کسوف کی تفصیلات ہیں، اس روایت میں جہر قراءت کا ذکر نہیں، لیکن امام بخاریؒ نے اس کے بعد حضرت عروہ سے زہری کا سوال نقل کر کے نمازِ کسوف میں بھی جہر قراءت کی طرف اشارہ کیا ہے، جیسا کہ ابھی ذکر میں آئے گا، نیز ابوداؤد اور حاکم کی روایت میں **قرء قراءۃ طویلۃ فجہر بہا** آیا ہے اس لیے اس سے بھی امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو جائے گا۔

قراءتِ سری کے دلائل ائمہ ثلاثہ سر کے قائل ہیں اور وہ حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: **صلی بنا رسول اللہ ﷺ فی کسوف لا نسمع لہ صوتا**، (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ) ظاہر ہے کہ حضرت سمرہؓ مردوں کی صف میں تھے، اور چونکہ وہ تیر اندازی چھوڑ کر صرف اعمالِ کسوف کو دیکھنے اور سیکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے تو انہوں نے اہتمام سے تمام چیزوں کو دیکھا ہوگا اور قریب جانے کی کوشش کی ہوگی، وہ فرماتے ہیں کہ ہم کوئی آواز نہیں سن رہے تھے، مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ کبھی کبھی تسبیحات اور تعوذ وغیرہ کی آواز آجاتی تھی لیکن قراءتِ قرآن کی آواز ہم نے بالکل نہیں سنی، یعنی آپ نے قراءت میں جہر کیا ہی نہیں۔

نیز اسی بخاری میں (۱۰۵۲) پر ابن عباسؓ کی روایت گذری جس میں **قام قیاما طویلا نحوا من سورۃ البقرۃ** فرمایا گیا ہے، کہ آپ نے تقریباً سورۂ بقرہ کی قراءت کے بقدر قیام فرمایا، اگر قراءت جہری ہوتی تو وہ اس طرح کی تعبیر اختیار نہ فرماتے، ابن عباسؓ کی اس روایت سے امام شافعیؒ نے قراءتِ سری پر استدلال کیا ہے اور ایک مرسل روایت پیش کر کے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، حضور ﷺ سے دور نہیں تھے، بہت قریب تھے۔

جہاں تک روایتِ باب کا تعلق ہے جس میں حضرت عائشہؓ جہر کو بیان فرما رہی ہیں تو محدثین کے اصول کے مطابق تو یہی راجح ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ فقہاء میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی نے اس کو ترجیح نہیں دی، وجہ ظاہر ہے کہ قریب رہنے والے مرد **لا نسمع لہ صوتا**، اور **نحوا من قراءۃ کذا**، وغیرہ کہہ رہے ہیں تو حضرت عائشہؓ کا اپنے حجرے میں یا پیچھے عورتوں کی صف میں رہتے ہوئے قراءتِ جہری کو بیان کرنا مشتبہ ہو گیا، شاید ایسا

ہوا ہو کہ غلبۂ حال میں میں کوئی کلمہ جہراً ادا ہو گیا یا تسبیحات وغیرہ کی آواز میں جہر ہوا تو حضرت عائشہؓ نے دوری کی وجہ سے اس کو جہری قراءت سمجھ لیا۔

کسوف میں دو سے زائد رکعت کا اشارہ اربع رکعات فی رکعتین واربع سجدات، یہ الفاظ باب سابق کی روایت کے الفاظ اربع رکعات فی سجدتین سے زیادہ واضح ہیں اور اس کی یہ توجیہ زیادہ آسان ہے کہ چار رکعتیں ہوئیں، دوگانہ، دوگانہ کی صورت میں جن میں ہر دوگانہ میں چار سجدے تھے، یعنی آپ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے، مگر یہ بات بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ مضمون متعین یا راجح ہے بلکہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ تاویل کے درجہ میں اس مضمون کی بھی گنجائش ہے، خصوصاً اس لیے بھی کہ مسند عبدالرزاق میں بہ سند صحیح حضرت ابوقلابہؓ کی روایت ہے کان کلما رکع رکعة ارسل رجلا ینظر هل انجلت، یہاں رکعة سے مراد پوری نماز ہوگی کہ نماز کے درمیان تو کسی کا بھیجنا سمجھ میں نہیں آتا، اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ آپ نماز پوری ہونے پر یعنی ہر دو رکعت پر سلام پھیر کر کسی کو بھیجتے تھے کہ دیکھو آفتاب روشن ہوا یا نہیں، اور اگر انجلاء نہیں ہوتا تھا تو مزید نماز پڑھتے تھے، نیز نسائی میں نعمان بن بشیر کی روایت ہے فجعل یصلی رکعتین رکعتین ویسال عنها حتی انجلت کہ آپ دو دو رکعت پڑھتے رہے اور آفتاب کے بارے میں معلوم کرتے رہے کہ روشن ہوا یا نہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز دو رکعت سے زیادہ پڑھی گئی، اب اگر کسوف میں تعدد مانیں تو تطبیق آسان ہے اور اگر تعدد نہ مانیں تو تطبیق مشکل ہے مگر ہر صورت میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ کسوف میں دو رکعت سے زیادہ کی گنجائش ہے۔

دوسری روایت سے جہر کا ثبوت قال واخبرنی عبد الرحمن اخطأ السنة، دوسری روایت نقل کرنے کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں کہ ولید بن مسلم نے بیان کیا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن نمر نے بیان کیا کہ انہوں نے ابن شہاب زہری سے مثله یعنی امام اوزاعیؒ کے مثل یا حدیث دوم کے مثل روایت نقل کی، پھر اس کے بعد امام بخاریؒ نے حضرت عروہ سے زہری کا وہ سوال نقل کیا جو باب خطبة الامام فی الکسوف میں گذر چکا ہے، زہری نے عروہ سے کہا کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن زبیر نے مدینہ طیبہ میں بالکل فجر کی نماز کی طرح، کسوف کی نماز پڑھائی تو عروہ نے کہا کہ ہاں انہوں نے صرف ایک رکوع کر کے سنت کی خلاف ورزی کی، اس سوال وجواب پر بحث حدیث (۱۰۴۶) پر گذر گئی ہے۔

یہاں بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال وجواب میں امام بخاریؒ کے پیش نظر الا رکعتین مثل الصبح ہے کہ جب عبداللہ بن زبیر نے فجر کی طرح نماز پڑھائی تو ظاہر ہے کہ اس میں جہر بھی ہوا تو امام اوزاعی کی وساطت سے آنے والی دوسری روایت سے بھی نمازِ کسوف میں جہر ثابت ہو گیا۔

متابعت کی وجہ وتابعه سلیمان الخ عبدالرحمٰن بن نمر چونکہ متکلم فیہ راوی ہیں اس لیے امام بخاریؒ متابعت پیش کر کے روایت کو تقویت دینا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں کہ سلیمان بن کثیر اور سفیان بن حسین نے نمازِ کسوف میں جہر کو امام اوزاعی سے نقل کرنے میں عبدالرحمٰن بن نمر کی متابعت کی ہے، سفیان بن حسین کی روایت ترمذی میں اور سلیمان بن کثیر کی روایت مسند احمد میں ہے، اور یہ دونوں اگرچہ ضعیف راوی ہیں لیکن متابعت میں ضعیف راوی کی روایت سے بھی تقویت حاصل ہوتی ہے، پھر یہ کہ زہری سے جہر نقل کرنے میں طحاوی میں عقیل کی اور دارقطنی میں اسحاق بن راشد کی روایت کو بھی متابعت کے طور پر نقل کیا گیا ہے، اس لیے ان تمام متابعات سے روایت کو تقویت حاصل ہوگئی۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۱۷] ﴿ اَبْوَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآن ﴾

[۱] بَابُ مَا جَاءَ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ وَسُنَّتِهَا

(۱۰۶۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْاَسْوَدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَرَءَ النَّبِيُّ ﷺ النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ مَعَهٗ غَيْرَ شَيْخٍ اَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى جَبْهَتِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا فَرَاَيْتُهٗ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا ۔ (آئندہ: ۱۰۷۰، ۳۸۵۳، ۳۹۷۲، ۴۸۶۳)

ترجمہ باب، ان احادیث کا بیان جو سجدہ ہائے تلاوت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، اور اس کے طریقہ کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں سورۂ نجم کی تلاوت کی پھر اس میں سجدہ کیا اور ان سب لوگوں نے سجدہ کیا جو اس وقت آپ کے ساتھ تھے، علاوہ ایک بوڑھے کے کہ اس نے سنگریزوں کو یا مٹی کو ہتھیلی میں لیا اور ہتھیلی کو اٹھا کر پیشانی سے لگا دیا اور یہ کہا کہ میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے، عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

سابق سے ربط کسوف کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ اس کا تعلق کسی کی موت وحیات سے نہیں، بلکہ یہ اللہ کی قدرتِ قاہرہ کی اہم نشانی ہے، اجرام سماویہ کا نور سلب کیا جاسکتا ہے تو قلوب انسانی کا نورِ ایمان بھی معاصی کی بنیاد پر ختم کیا جاسکتا ہے، اور جس طرح کسوف کا مقصد انسانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا ہے کہ وہ

گناہوں سے باز آجائیں، اور توبہ واستغفار کی روش اختیار کریں، اسی طرح سجدوں کی مشروعیت کا راز بھی انسان کو انابت الی اللہ کے طریقہ پر لانا ہے کہ سجدہ، عجز وبندگی کے اظہار کا سب سے بہتر طریقہ ہے، اس لیے ضروری ہے کہ انسان جب آیاتِ سجدہ کی تلاوت کرے تو اسے معاندین کے طریقہ کو چھوڑ کر اہلِ انابت کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور بارگاہِ خداوندی میں عملی طور پر عرض کرنا چاہیئے کہ اسے اربابِ تقوی کا طریقہ محبوب ہے اور وہ سرکشی اختیار کرنے والے لوگوں کے طریقے سے بیزار ہے، اس لیے امام بخاریؒ ابواب کسوف کے بعد، سجدہ ہائے تلاوت کے ابواب منعقد کررہے ہیں۔

مقصد ترجمہ اس سلسلے میں پہلا باب ہے **باب سجود القرآن وسنتها**، سجدہ ہائے تلاوت اور اس کے طریقہ کا بیان، یعنی قرآن کریم کے ان مقامات کا ذکر اور تعیین جہاں تلاوت کرنے والے یا سننے والے پر سجدہ لازم کیا گیا ہے، **وسنتها**، سنت کے ایک معنی تو ہیں ان کے مسنون ہونے کا بیان، ائمہ ثلاثہ ان کو مسنون ہی کہتے ہیں جب کہ حنفیہ کے یہاں ان کو واجب کہا گیا ہے، امام بخاری بھی ان کو مسنون ہی کہتے ہیں، مگر یہ معنی یہاں مراد نہیں، اس مضمون کو بیان کرنے کے لیے امام بخاریؒ ایک مستقل باب **من رأى ان الله لم يوجب السجود** منعقد کریں گے۔

اس لیے یہاں سنت سے مراد معنی اصطلاحی نہیں، معنی لغوی ہیں کہ سجدۂ تلاوت کے طریقہ ادا کا بیان، یعنی ان سجدوں کو ادا کرنے کی صورت کیا ہوگی، جھک کر پیشانی کو زمین سے لگانا ہوگا یا زمین سے مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگا دینا بھی کافی سمجھا جائے گا، حدیث سے معلوم ہوا کہ مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگانا سجدہ نہیں بلکہ سجدہ کا مذاق بنانا ہے، سجدہ میں اصل یہ ہے کہ جھک کر پیشانی کو زمین پر رکھ دیا جائے۔

حنفیہ کے یہاں سجدۂ تلاوت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ **اللہ اکبر** کہتے ہوئے پیشانی کو زمین پر رکھ دے اور سجدہ میں جا کر **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھے پھر پیشانی اٹھاتے وقت **اللہ اکبر** کہے، لیکن اس کا رکن صرف ایک ہے پیشانی کو زمین پر رکھنا، باقی تکبیرات اور تسبیح سنت کے درجہ میں ہیں، تکبیر تحریمہ تشہد اور سلام سجدۂ تلاوت میں نہیں ہیں۔

تشریح حدیث روایت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت کی تو آپ نے سجدہ کیا، یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے اور یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے لوگوں کے سامنے سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کیا، اس موقع پر آپ کے ساتھ جتنے اہل ایمان اور جتنے مشرکین تھے سب سجدہ میں چلے گئے یعنی سب نے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیا، علاوہ ایک بوڑھے یعنی امیہ بن خلف کے کہ اس نے اپنی پیشانی زمین پر نہیں رکھی بلکہ اس نے سنگریزوں یا مٹی کو اپنی مٹھی میں اٹھایا اور ان کو پیشانی سے لگا کر کہا کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ بدنصیب بوڑھا جس نے تکبر کی وجہ سے سجدہ کا یہ مذاق بنایا تھا کفر کی حالت میں مارا گیا، گویا

جن لوگوں نے سجدہ میں شرکت کی تھی اگر چہ ان کا سجدہ بھی سجدۂ حقیقی نہ تھا بلکہ صرف سجدے کی صورت تھی، لیکن اسی کی برکت سے خداوند کریم نے انہیں اسلام کی دولت عطا فرمائی اور یہ بدنصیب تمرد کی وجہ سے ناکام ہوا اور کفر پر مارا گیا، معلوم ہوا کہ سجدے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ بیٹھے بیٹھے مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگا دے بلکہ پیشانی کو زمین پر رکھنا سجدے کی حقیقت میں داخل ہے۔ واللہ اعلم

[۲] بَابُ سَجْدَةِ تَنْزِيْلِ السَّجْدَةِ

(۱۰۶۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ الٓمّٓ تَنْزِيْلِ السَّجْدَةِ وَهَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ . (گذشتہ:۸۹۱)

ترجمہ باب، الم تنزیل السجدۃ کے سجدہ کا بیان۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں، الم تنزیل السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح اس سورت کے سجدے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اور امام بخاریؒ بھی اس کے قائل ہیں، اس لیے ترجمہ منعقد کر کے وہ روایت پیش کر دی جو باب ما یقرء فی صلوۃ الفجر یوم الجمعۃ میں (۸۹۱) پر گذر چکی ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے، لیکن روایت میں آیتِ سجدہ پر سجدہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ابواب الجمعہ میں لکھا ہے کہ مجھے کسی روایت میں اس موقع پر سجدۂ تلاوت کرنے کی صراحت نہیں ملی، البتہ ابن ابی داؤد نے کتاب الشریعۃ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے غدوت علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ فی صلوۃ الفجر فقرء سورۃ فیھا سجدۃ فسجد، لیکن سند کی ذمہ داری انہوں نے نہیں لی بلکہ فرمادیا وفی اسنادہ من ینظر فی حالہ، پھر انہوں نے طبرانی کی معجم صغیر سے حضرت علیؓ کی روایت ذکر کی ان النبی ﷺ سجد فی صلوۃ الصبح فی تنزیل السجدۃ لیکن اس کی سند کو بھی انہوں نے ضعیف قرار دیا۔

بعض حضرات نے سورت کے نام الم تنزیل السجدہ سے استدلال کیا ہے کہ جب سورت کے نام میں سجدہ کی قید مذکور ہے تو سورت میں سجدہ کا ہونا ثابت ہو گیا، یہ استدلال بھی درست معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

[۳] بَابُ سَجْدَةِ صٓ

(۱۰۶۹) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَاَبُو النُّعْمَانِ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ

يَسْجُدُ فِيهَا .　　(آئندہ: ۳۴۲۲)

ترجمہ باب، سورۂ ص کے سجدے کا بیان۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سورۂ ص کا سجدہ، عزائم سجود میں سے نہیں ہے، اور بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ سورۂ ص میں سجدہ کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ سورۂ صٓ کے سجدے میں ائمہ کا اختلاف ہے، یہ سجدہ آیتِ وظن داؤد انما فتنٰه فاستغفر ربه وخر راكعا واناب ، فغفرنا له ذلك وان له عندنا لزلفى وحسن مآب (آیت: ۲۴، ۲۵) پر ہے، شوافع اور حنابلہ اس جگہ سجدہ کے قائل نہیں، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہاں سجدۂ تلاوت ہے، فرق صرف یہ ہے کہ مالکیہ کلمۂ اناب پر سجدہ مانتے ہیں اور حنفیہ کے یہاں وحسن مآب پر سجدہ کرنا اولیٰ ہے، امام بخاریؒ نے ترجمہ منعقد کرکے بتادیا کہ وہ بھی اس آیت پر سجدے کے قائل ہیں اور ثبوت میں انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے۔

تشریح حدیث ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سجدۂ ص عزائم سجود میں سے نہیں ہے، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو ص میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، چنانچہ ابن عباسؓ سجدہ کیا کرتے تھے، بخاری ہی میں سورۂ ص کی تفسیر میں روایت (۴۸۰۷) ہے کہ مجاہد نے حضرت ابن عباس سے سورۂ ص کے سجدے کے بارے میں سوال کیا کہ آپ یہاں سجدہ کیوں کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ہے، ومن ذريته داؤد وسليمان الآيه (سورۂ انعام آیت: ۸۴) پھر اس کے بعد فرمایا اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده (آیت: ۹۰) پھر ابن عباس نے کہا کہ حضرت داؤد ان انبیاء میں سے ہیں کہ حضور ﷺ کو ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے، تو حضرت داؤد نے یہاں سجدہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی یہاں سجدہ کیا۔

نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سجدها داؤد توبة ونسجدها شكرا کہ حضرت داؤد نے توبہ قبول ہونے کی وجہ سے سجدہ کیا اور ہم ان کی توبہ کے قبول ہونے پر شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے ہیں، ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے منبر پر سورۂ ص کی تلاوت کی اور جب آیتِ سجدہ پر پہنچے تو منبر سے اتر کر سجدہ کیا، چنانچہ متعدد صحابہ کرام جیسے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابوالدرداء وغیرہ سجدہ کیا کرتے تھے۔

ليس من عزائم السجود کے معنی مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ ص میں سجدہ ہے اور دیگر سجداتِ تلاوت کی طرح تاکیدی سجدہ ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ نے اس کے بارے میں ليس من عزائم السجود فرمایا اور اسی کی وجہ سے امام شافعیؒ نے اس کو سجدۂ شکر کے درجہ میں قبول کیا کہ اگر قاری خارج صلوۃ میں اس آیت کی تلاوت کرے تو اسے سجدۂ شکر کرنا چاہیئے اور نماز میں تلاوت کرے تو چونکہ

نماز میں سجدۂ شکر نہیں ہے اس لیے نماز میں سجدہ نہ کرنا چاہیئے۔

مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ لیس من عزائم السجود سے اس سجدہ کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں کہ یہ تاکیدی ہے یا غیر تاکیدی، بلکہ ان الفاظ سے سجدے کی حقیقت بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سجدہ کا امتِ محمدیہ سے کیا تعلق ہے، چنانچہ عزائم السجود کی نفی کر کے اس کی حقیقت یعنی امتِ محمدیہ سے اس کے تعلق کو بتادیا گیا، کہ عزیمت اصطلاح میں اس حکم کو کہتے ہیں جو اصالۃً دیا گیا ہو، یہ سجدہ اصالۃً امتِ محمدیہ سے متعلق نہیں بلکہ یہ تو حضرت داؤد کی اقتداء میں ہم سے متعلق کیا گیا ہے، علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

العزیمة فی اصطلاح الفقهاء الحکم الثابته بالاصالة کوجوب الصلوات، وانما اتی بها علیه الصلوة والسلام لموافقة اخیه داؤد علیه السلام وشکرا لقبول توبته .	عزیمت فقہاء کی اصطلاح میں اس حکم کو کہتے ہیں جو اصالۃً ثابت ہو جیسے نمازوں کا وجوب اور سجدہ صٓ کو حضور پاک علیہ السلام نے صرف اپنے بھائی داؤد علیہ السلام کی موافقت کی وجہ سے، اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ عزائم السجود کے معنی طیبی کے نزدیک یہ ہوئے کہ یہ سجدہ اصالۃً امتِ محمدیہ سے متعلق نہیں تھا، اس کا حکم صرف اس لیے ہوا کہ حضور علیہ السلام کو فبھداھم اقتدہ کہہ کر انبیاء سابقین کے طریقہ پر چلنے کا حکم دیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی ذات تمام انبیاء سابقین کے کمالات کی جامع ہے اور اسی لیے آپ کی دعوت و بعثت کو تمام انسانی طبقات کے لیے عام قرار دیا گیا ہے۔

حکم سجدہ کے عزیمت کے طور پر نہ ہونے یعنی اصالۃً نہ ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس آیت سے سجدہ کا حکم متعلق ہے اس میں سجدہ کا لفظ نہیں بلکہ رکوع کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، جب کہ سجدہ ہائے تلاوت میں عام طور پر سجدہ کا لفظ ذکر کیا گیا ہے، علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

وانما لم تکن السجدة فی صٓ من العزائم لأنها وردت بلفظ الرکوع فلو لا التوقیف ما ظهر ان فیها سجدة . (نیل الأوطار: ج:۳، ص:۹۹)	سورۂ صٓ کے سجدے کے عزائم میں نہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ سجدہ لفظِ رکوع کے ساتھ وارد ہوا ہے، اگر حضور علیہ السلام کی جانب سے اس کی وضاحت نہ ہوتی تو یہ بات ظاہر ہی نہ ہوتی کہ یہاں سجدہ ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ اس سجدے میں عزیمت کی نفی کا مطلب تاکید کی نفی نہیں بلکہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ یا تو یہ سجدہ اصالۃً امتِ محمدیہ سے متعلق نہیں تھا یا اس حقیقت کا بیان ہے کہ اس سجدے کا حکم رکوع کے الفاظ (خو را کعاً)

میں دیا گیا ہے، جہاں تک تاکید یا عدم تاکید کی بات ہے تو اس کو پیغمبر علیہ السلام کے دیگر ارشادات سے معلوم کرنا چاہیے، حنفیہ سمجھتے ہیں کہ حکم تاکیدی ہے، اس لیے کہ اس سجدہ کا حکم حضرت داؤد کی توبہ کی قبولیت کے شکر میں دیا گیا ہے، اور اسی لیے حنفیہ کے یہاں یہ سجدہ خر راکعا واناب کے بجائے ان لو عندنا لزلفی وحسن مآب پر ہے اور اس کی اتنی تاکید ہے کہ آپ نے منبر پر آیت تلاوت کی تو فوراً منبر سے اترے اور سجدہ کیا۔

تاکید کی ایک اور دلیل اور اگر لیس من عزائم السجود کے یہی معنی لیے جائیں کہ حضرت ابن عباسؓ سجدے کی تاکید کی نفی کر رہے ہیں تو اتنی بات واضح ہے کہ وہ تاکید کی نفی کر کے اصل سجدے کو ثابت مان رہے ہیں بلکہ اس کو پیغمبر علیہ السلام کے عمل سے مدلل کر رہے ہیں، تو اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں اس سجدے کی تاکید نہ ہو لیکن بعد میں تاکید آ گئی ہو، حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے۔

رأیت رویا وانا اکتب سورة صٓ فلما بلغت السجدة رأیت الدواة والقلم وکل شیئ یحضرنی انقلب ساجدا قال فقصصتها علی رسول الله ﷺ فلم یزل یسجد بها . (مسند احمد: ج:۳، ص:۷۸، ج:۳، ص:۸۴)	میں نے خواب دیکھا کہ میں سورۂ صٓ کی کتابت کر رہا ہوں جب میں آیتِ سجدہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دوات، قلم اور میرے سامنے کی تمام چیزیں سجدہ ریز ہوگئیں تو میں نے خواب حضور ﷺ سے بیان کیا پھر تو آپ اس سورت میں برابر سجدہ کرتے رہے۔

لم یزل یسجدبها سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس خواب کے بعد آپ نے سجدہ کو ترک نہیں کیا، معلوم ہوا کہ اس خواب کے بعد تاکد آ گیا۔ واللہ اعلم

[٤] بَابُ سَجْدَةِ النَّجْمِ ، قَالَهُ ابنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ

(۱۰۷۰) حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَرَءَ سُوْرَةَ النَّجْمِ فَسَجَدَ بِهَا فَمَا بَقِیَ اَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ اِلَّا سَجَدَ فَاَخَذَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ كَفًّا مِنْ حَصًی اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ اِلٰی وَجْهِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِیْ هٰذَا ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا . (گذشتہ: ۱۰۶۷)

ترجمہ باب، سورۂ نجم میں سجدے کا بیان۔ اس کو ابن عباس نے حضور ﷺ سے نقل کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا، چنانچہ لوگوں میں کوئی بھی

(مؤمن ہو یا مشرک) باقی نہیں رہا مگر یہ کہ وہ سجدہ ریز ہو گیا، پھر یہ کہ لوگوں میں ایک شخص نے اپنی مٹھی میں سنگریزے یا مٹی لے کر اس کو اپنی پیشانی تک اٹھایا اور کہا کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے اس کو بعد میں دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

مقصد ترجمہ سورۂ نجم مفصلات میں ہے، مفصلات میں تین سجدے ہیں، سورۂ نجم میں، سورۂ انشقاق میں اور سورۂ اقرأ میں، مالکیہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ مفصلات میں سجدے کے قائل نہیں ہیں، مدونہ میں ہے:

قال مالك سجود القرآن احدى عشرة سجدة ليس في المفصل منها شيئ اس کی دلیل ہے ابوداؤد کی حضرت ابن عباسؓ کی روایت، جس میں فرمایا گیا ہے **لم يسجد النبي ﷺ في شيئ من المفصل منذ تحول الى المدينة** پھر یہ کہ ابن رشد کے بیان کے مطابق تعاملِ اہل مدینہ بھی ان تینوں سجدوں کے ترک کا تھا اس لیے مالکیہ نے اس کو ترجیح دی۔

جو فقہاء یہاں سجدے کے قائل ہیں ان کا مستدل وہ روایات ہیں جن میں ہجرت کے بعد ان مقامات پر سجدہ منقول ہے جیسے حضرت ابو ہریرہؓ کی مشہور روایت ہے **سجدنا مع النبي ﷺ في اذا السماء انشقت و اقرأ باسم ربك** (رواہ الجماعۃ الا البخاری) حضرت ابو ہریرہؓ ہجرت کے بعد ۷ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں اور وہ فرمارہے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ ان مقامات پر سجدہ کیا، گویا حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی سجدوں میں شرکت کی۔

لیکن امام مالک نے موطأ میں جو بیان کیا ہے اس سے بہ ظاہر ان تینوں سجدوں کی نفی نہیں بلکہ ان کے عزائم سجود (تاکیدی سجدات) ہونے کی نفی معلوم ہوتی ہے عبارت ہے **قال مالك الامر عندنا ان عزائم سجود القرآن احدى عشرة سجدة ليس في المفصل منها شيئ** اس کا مطلب متعدد اہلِ علم نے یہ لیا ہے کہ امام مالک مفصلات میں مطلقِ سجود کا نہیں بلکہ سجود کی تاکید کا انکار کر رہے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تراجم میں فرمایا **وعند مالك اربع عشرة سجدة والثلاثة التي في المفصل منها غير مؤكدة عنده ولذا اشتهر بين الناس ان السجدات عنده احدى عشرة** امام بخاری نے سورۂ نجم اور سورۂ اذا السماء انشقت کے سجدے کے ابواب رکھ کر بتا دیا کہ ان کے نزدیک مفصلات میں سجدہ ہے۔

تشریح حدیث روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت کی اور آیتِ سجدہ پر سجدہ کیا تو حاضرین میں ایک ایک فرد۔ مسلمان ہو یا مشرک۔ نے سجدہ کیا البتہ ایک بوڑھے نے سجدہ نہیں کیا بلکہ اس نے اپنی مٹھی میں سنگریزے یا مٹی کو اٹھا کر پیشانی سے لگا لیا اور کہنے لگا کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ بوڑھا اپنی اس گستاخی کی وجہ سے ایمان سے محروم رہا اور بحالتِ کفر مارا گیا، اس کا مفہوم یہ ہوا کہ بقیہ مشرکین ہدایت سے سرفراز ہوئے اور انہیں قبولِ اسلام کی توفیق ہوئی۔

مشرکین کے سجدے کی وجہ

آیتِ سجدہ کی تلاوت پر حضور ﷺ کے ساتھ تمام اہلِ ایمان نے سجدہ کیا اور ان کو سجدہ کرنا ہی چاہیئے تھا، لیکن ایک کے علاوہ تمام مشرکین بھی سجدے میں چلے گئے، یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے، سوال یہ ہے کہ اس کی کیا وجہ ہوئی؟

اس کی ایک وجہ یہ تو بیان کی گئی ہے کہ طبرانی میں مخرمہ بن نوفل کی روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب حضور ﷺ نے اسلام ظاہر فرمایا تو اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اس زمانہ میں جب آپ آیتِ سجدہ کی تلاوت کرتے تھے تو سب سجدہ کرتے تھے مگر اس وقت رؤساء قریش جیسے ولید بن مغیرہ اور ابوجہل وغیرہ مکہ میں نہیں تھے، طائف گئے ہوئے تھے، جب یہ لوگ واپس آئے تو انہوں نے لوگوں کو اپنے سابق آبائی دین پر واپس بلا لیا، لیکن یہ بات اس لیے قابلِ قبول نہیں کہ حضرت ابوسفیان کی روایت میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی نے ارتداد قبول نہیں کیا۔

دوسری وجہ جسے عام طور پر مفسرین نقل کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی اور آپ **افرأیتم اللات والعزی ومناة الثالثة الأخری** پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر (نعوذ باللہ) **تلك الغرانيق العلی وان شفاعتهن لترتجی** جاری کر دیا، یہ بات مشرکین کے لیے اطمینان بخش تھی اس لیے انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ نے آج سے پہلے کبھی ہمارے معبودین کا ذکرِ خیر نہیں کیا آج ذکرِ خیر کر رہے ہیں اس لیے وہ آپ کے ساتھ سجدے میں چلے گئے۔

اکثر محدثین نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے کہ اس کی سندیں بھی کمزور ہیں اور حضور ﷺ کی زبان پر اس طرح کے کلمات کا اجراء آپ کی عصمت کے منافی ہے پھر یہ کہ اس صورت کی ابتداء ہی ان مضامین سے ہو رہی ہے، **ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحیٰ** آیات کا پورا سلسلہ ہے جن میں وحی کے استحکام کا بیان اور کسی بھی طرح کی خلل اندازی کی نفی کی جا رہی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انہی آیات کے درمیان شیطان کی طرف سے خلل اندازی کی بات کو درست مان لیا جائے۔

لیکن بعض محدثین نے کثرتِ طرق، خصوصاً بعض مرسل طرق کی قوت کی بنیاد پر کہا ہے کہ واقعہ کو بے اصل قرار دینا مشکل ہے، حافظ ابن حجر نے سورۃ الحج کی تفسیر کے شروع میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور واقعہ کی اصلیت کو تسلیم کرتے ہوئے مختلف تاویلات کی ہیں، جن میں ایک معقول بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی زبان پر ایسے کلمات کا اجرا ممکن نہیں البتہ یہ ممکن ہے کہ شیطان نے سکتات کے درمیان آپ کی آواز میں آواز ملا کر یہ کلمات ادا کر دئے ہوں اور جو لوگ آپ کے قریب تھے ان میں کسی نے اس کو آپ کی آواز سمجھ کر نقل کر دیا ہو۔

علامہ کشمیریؒ کی مزید توجیہات

حضرت علامہ کشمیریؒ اولاً تو اس واقعہ کا انکار کرتے تھے اور اگر بالفرض اس واقعہ کو تسلیم کیا جائے تو فرماتے تھے کہ غرانیق سے مشرکین کے اصنام کو مراد لینا

غلط ہے، بلکہ مراد ملائکہ ہیں، غرنوق ایک پرندہ ہے اور ملائکہ بھی پروں والی (اولو اجنحة) مخلوق ہیں اس لیے بعلاقۂ تشبیہ لفظ غرنوق سے اصنام کے بجائے ملائکہ کو مراد لینا زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہا جائے گا کہ جب حضور ﷺ نے ملائکہ کی تعریف میں یہ الفاظ کہے تو مشرکین نے اس سے اپنے ذہن کے مطابق اپنے اصنام مراد لیے اور وہ شریک سجدہ ہو گئے، اور اگر غرنوق سے مراد اصنام ہی کو لیا جائے تو یہ کہنا ضروری ہے کہ یہاں استفہام انکاری بہ نغمۂ صوت ہے اور مطلب یہ ہے کہ ارے! تم ان ہی کو الغرانیق العلیٰ کہتے ہو اور ان سے ہی شفاعت کے امیدوار ہو جب کہ یہ کوئی کام نہیں کر سکتے، مکھی بھی نہیں اڑا سکتے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد مشرکین کے سجدے کی تیسری وجہ وہ ہے جسے شاہ ولی اللہ صاحب نے اختیار کیا، فرماتے ہیں کہ جب عام صالحین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان عبادی لیس لك علیهم سلطٰن فرمادیا کہ ان پر شیطان کا کوئی زور نہیں تو سید البشر علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں شیطان کے تصرف کو قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ مشرکین کا سجدہ میں جانا حضور ﷺ کے جاہ وجلال اور رعب کی وجہ سے تھا، اس لیے کہ قرآن کریم کے ذکر کردہ مواعظ عقلیہ تو ان کے سامنے رہتے ہی تھے، پھر اس موقع پر خدا کی طرف سے تجلیات کا ظہور اور کفار کے دلوں پر ان کا ایسا اثر ہوا کہ وہ بے ساختہ سجدے میں چلے گئے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس توجیہ میں کوئی استبعاد نہیں اس لیے کہ دوسرے موقع پر قرآن کہتا ہے كلما اضاء لهم مشوا فيه ، کہ جب بھی اللہ تعالیٰ ان کے سامنے روشنی پیدا کرتا ہے تو ان کے قدم ہدایت کی طرف اٹھنے لگتے ہیں، اسی طرح قرآن کہتا ہے وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم کہ انہیں پیغمبر علیہ السلام کی صداقت کا دل سے یقین ہے لیکن عناد اور ضد کی وجہ سے وہ اس کا انکار کرتے ہیں، اس لیے جب حضور ﷺ نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور سلسلہ وار جاہ وجلال پر مشتمل مضامین کا بیان ہوا تو دل کا یقین تو موجود ہی تھا، تجلیات خداوندی سے اثر پذیری اور حضور ﷺ سے مرعوبیت کی بنا پر وہ چار و ناچار سجدہ ریز ہو گئے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ توجیہ تمام توجیہات سے بہتر ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد اور اس کی تائید حضرت شیخ الہندؒ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ مشرکین کے اس سجدے کا بتوں کی تعظیم کے لیے ہونا سمجھ میں نہیں آتا، اس لیے کہ یہ سجدہ اگر اسی مقصد کے لیے ہوتا تو سجدہ کرنے والے ہرگز خیر کے مستحق نہ ہوتے بلکہ ان کو سزا دی جاتی اور وہ شخص جس نے سجدے سے گریز کیا تھا اور صرف سنگریزے اٹھا کر پیشانی سے لگا لیے تھے اس کا عمل قابلِ قدر تھا کہ اس نے اصنام کی تعظیم سے اپنے آپ کو بچایا تھا، جب کہ راوی کا بیان یہ ہے کہ جو بتوں کے لیے سربسجود نہیں ہوا اس کو سزا دی گئی اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جن مشرکین نے بتوں کے نام پر سجدہ کیا تھا وہ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔

معلوم ہوا کہ بتوں کی تعظیم کے لیے سجدے کی بات غلط ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ لوگ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے طاری کردہ رعب وجلال کی کیفیت سے متاثر ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ سجدے میں چلے گئے اور خدا کو ان کی یہی صوری موافقت پسند آ گئی اور انہیں اس کی بدولت قبول اسلام کی توفیق ہوگئی۔ واللہ اعلم

[۵] بَابُ سُجُوْدِ الْمُسْلِمِيْنَ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ

وَالْمُشْرِكُ نَجِسٌ لَيْسَ لَهُ وُضُوْءٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْجُدُ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ

(۱۰۷۱) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ، رَوَاهُ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ اَيُّوْبَ ۔ (آئندہ: ۴۸۶۲)

ترجمہ باب، مسلمانوں کے مشرکین کے ساتھ سجدہ کرنے کا بیان۔ اور مشرک ناپاک ہوتا ہے، اس کا وضوء صحیح نہیں اور حضرت ابن عمر وضو کے بغیر سجدۂ تلاوت کرتے تھے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا، اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے، مشرکین نے، جنات نے، اور انسانوں نے سجدہ کیا، اس روایت کو ابراہیم بن طہمان نے ایوب سختیانی سے نقل کیا ہے۔

مقصد ترجمہ سورۂ نجم کی تلاوت کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا، اس مناسبت سے امام بخاریؒ نے سجود المسلمین مع المشرکین کے عنوان کا بھی ایک باب منعقد کر دیا، مقصد یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت اجتماعی طور پر کیا جا رہا ہو تو اس کے لیے صف بندی کی ضرورت نہیں، یعنی سجدہ کرنے والوں کے درمیان اگر ایسے لوگ شامل ہو جائیں جو سجدے کے اہل نہیں ہیں تو مسلمانوں کا سجدہ درست ہو جائے گا، علامہ سندھی لکھتے ہیں: ای اختلاط المسلمین مع المشرکین لایضر فی سجود المسلمین مع ان المشرک نجس غیر متوضیٔ، پھر ترقی کر کے کہتے ہیں کہ ابن عمر تو سجدۂ تلاوت کے لیے وضو ہی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں تو ناپاک مشرکین کے اختلاط میں کیا مضائقہ ہے یہ ہے علامہ سندھی کی رائے اور یہی بہتر ہے۔

عام طور پر شارحین کا رجحان یہ ہے کہ امام بخاریؒ سجدۂ تلاوت کے لیے وضو کی ضرورت کے قائل نہیں، استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ مشرکین ناپاک ہیں اول تو یہ کہ وہ بے وضو تھے اور اگر وضو بھی کر لیتے تو وہ معتبر نہیں، اور یہ کہ انہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سجدے سے روکا نہیں اور نہ سجدے سے سر اٹھانے کے بعد تنبیہ فرمائی، معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت کے لیے وضو شرط نہیں، پھر تائید میں ابن عمر کا عمل ہے کہ وہ وضو کے بغیر سجدہ کر لیتے تھے، لیکن مشرکین کے فعل اور پیغمبر علیہ السلام کے اس موقع پر سکوت سے استدلال کرنا محل نظر ہے، اس لیے آپ کے سکوت کی وجہ ان کے

فعل کی توثیق نہیں بلکہ ان کو اسلام سے قریب کرنے کے لیے صرفِ نظر کی قبیل سے ہے۔

دوسرا طریقۂ استدلال یہ ہوسکتا ہے کہ مشرکین کے سجدے سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے سجدے سے استدلال کیا جائے کہ پیغمبر علیہ السلام نے انہیں نہ سجدے سے پہلے وضو کی تعلیم دی اور نہ سجدے کے بعد کوئی تنبیہ فرمائی جب کہ یہ معلوم نہیں کہ سجدہ کرنے والوں میں کون بے وضو تھا اور کون باوضو تھا، لیکن یہ استدلال بھی قابلِ قبول نہیں کہ یہ سجدہ کا پہلا موقع تھا، احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے جیسے حضرت عمار اور حضرت عمر نے جنابت سے تیمم کے سلسلے میں جو طریقہ اختیار کیا وہ ٹھیک نہیں تھا اور اس کی تصحیح کی گئی، ایسے ہی یہاں بھی یہی صورت ہوسکتی ہے چنانچہ تمام فقہاء اور صحابہ سجدۂ تلاوت کو نماز کے حکم میں مانتے ہیں اور اس کے لیے طہارت کو شرط قرار دیتے ہیں۔

رہا حضرت ابن عمر کے عمل سے استدلال کا سوال تو وہ بھی محل نظر ہے، اولاً تو یہ کہ حاشیہ پر لکھا ہے کہ اصیلی کے نسخہ میں بالکل برعکس ہے کان ابن عمر یسجد علی وضوء، دوسرے یہ کہ ایک شعبی کے علاوہ صحابہ کرام اور فقہاء میں کوئی ان کے ساتھ نہیں ہے، اسی لیے ابن بطال نے کہا ہے کہ اگر امام بخاریؒ ابن عمر کے مسلک کو مشرکین کے عمل سے مدلل کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ مشرکین کا عمل عبادت کے طور پر نہیں ہوسکتا وہ صرف صورتِ عمل تھی، اور اگر وہ المشرك نجس کہہ کر ابن عمر کی تردید کرنا چاہتے ہیں تو یہ بات قرینِ صواب معلوم ہوتی ہے۔

ان حقائق کی بنیاد پر وضو کے بغیر سجدۂ تلاوت کے جواز کو امام بخاری کا مسلک مختار قرار دینا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور علامہ سندھی کی بات امام بخاری کے مقصد کی تعیین میں صحیح معلوم ہوتی ہے، روایت پر تفصیلی گفتگو پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

البتہ یہاں امام بخاریؒ نے رواہ ابراھیم بن طھمان عن ایوب، بھی فرمادیا ہے، یہ متابعت ہے جس کا فائدہ تقویت ہوتا ہے، سورۂ نجم میں امام بخاریؒ نے یہی روایت ذکر کی ہے اور فرمایا ہے: لم یذکر ابن علیة ابن عباس، کہ اس روایت میں ابن علیہ نے ابن عباس کا ذکر نہیں کیا، گویا یہ روایت انہوں نے مرسلاً ذکر کی ہے، لیکن ایوب سختیانی سے روایت کرنے والے دو ثقہ راوی، ایک عبدالوارث اور دوسرے ابراہیم بن طہمان، اس کو موصولاً ذکر کررہے ہیں اس لیے کسی طریق میں روایت کا مرسل ہونا قدح کا سبب نہیں۔ واللہ اعلم

[۶] بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ

(۱۰۷۲) حَدَّثَنَا سُلَيْمٰنُ بْنُ دَاوُدَ اَبُو الرَّبِيْعِ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَزَعَمَ اَنَّهٗ قَرَاَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ النَّجْمَ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا۔ (آئندہ: ۱۰۷۳)

(۱۰۷۳) حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِی اِیَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی ذِئْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُسَیْطٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَاْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَالنَّجْمِ فَلَمْ یَسْجُدْ فِیْهَا. (آئندہ:۳۴۲۲)

ترجمہ باب، جس شخص نے آیتِ سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کیا، عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت سے سورۂ نجم کے سجدے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۂ نجم پڑھ کر سنائی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا، حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو سورۂ والنجم پڑھ کر سنائی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

مقصد ترجمہ ترجمہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد مطلقاً سجدہ نہ کرنا یا سجدے کو واجب یا مسنون نہ سمجھنا درست ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خارجِ صلوۃ میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد فوراً سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے، تاخیر کی گنجائش ہے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وقت صحیح ہو اور تلاوت کرنے والا باوضو ہو تو فوراً سجدہ کرلیا جائے لیکن اگر کوئی مانع موجود ہو مثلاً وقت مکروہ ہو یا تالی بے وضو ہو تو سجدہ کو مؤخر کرنا جائز ہے۔

تشریح حدیث حضرت زید بن ثابت کی دو روایتیں پیش کی ہیں، دونوں کا مضمون ایک ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے زید بن ثابت سے سورۂ نجم کے سجدے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو سورۂ نجم پڑھ کر سنائی اور اس میں آیتِ سجدہ بھی ہے، مگر سجدہ نہیں کیا۔

مگر بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس کی روایات میں سورۂ نجم میں سجدہ کرنے کا ذکر آچکا ہے، نیز حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ان النبی ﷺ سجد فی سورۃ النجم وسجدنا معہ فرمایا گیا ہے اس لیے روایتِ باب میں سجدہ نہ کرنے کا مطلب یہی لیا گیا ہے کہ سجدہ علی الفور ضروری نہیں، کوئی مانع ہو تو سجدے کو مؤخر کرنے میں گناہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

[۷] بَابُ سَجْدَةِ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ

(۱۰۷۴) حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ وَمُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَا حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ رَاَیْتُ اَبَا هُرَیْرَةَ قَرَاَ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ بِهَا فَقُلْتُ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ اَلَمْ اَرَكَ تَسْجُدُ قَالَ لَوْ لَمْ اَرَ النَّبِیَّ ﷺ سَجَدَ لَمْ اَسْجُدْ.

ترجمہ باب، اذا السماء انشقت کے سجدہ کا بیان۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اذا السماء انشقت کی قراءت کی اور سجدہ کیا تو میں نے کہا اے ابوہریرہ! کیا میں نے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرتے

ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں سجدہ نہ کرتا۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ سورۂ انشقاق میں سجدہ ہے، مالکیہ کو اگر مفصلات کے سجدے کا منکر مانا جائے تو ترجمہ ان کی تردید میں ہے اور اگر یہ مانا جائے کہ وہ مطلق سجود کے منکر نہیں، بلکہ ان کے عزائم سجود میں ہونے کے منکر ہیں تو ترجمہ کا رخ ان کی تردید کی طرف نہیں ہوگا بلکہ مسروق اور عطا کی تردید کی طرف ہوگا جو اس سجدے کے منکر ہیں۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اذا السمآء انشقت میں سجدہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ نے استفہام انکاری کے طور پر کہا کہ کیا میں نے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ؟ حضرت ابو ہریرہؓ کے اس سجدے پر اس طرح کا انکار چند روایات کے بعد حضرت ابورافع سے بھی منقول ہے، اس سے بہ ظاہر یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس سجدے پر اہلِ مدینہ کا عمل نہیں تھا، لیکن یہ بات اس لیے کمزور ہے کہ مدینہ طیبہ کے متعدد صحابہ کرام - جیسے حضرت عمر، ابن عمر وغیرہ - سے اس موقع پر سجدہ منقول ہے، اور اسی لیے جب حضرت ابو ہریرہؓ نے ان دونوں کو بتلایا کہ انہوں نے حضور پاک ﷺ کو سجدہ کرتے دیکھا ہے اور اسی لیے وہ یہاں سجدہ کر رہے ہیں تو وہ دونوں خاموش ہو گئے، حافظ ابن حجر نے ابن عبدالبر کے حوالہ سے لکھا ہے: وای عمل یدعی مع مخالفة النبی ﷺ و الخلفاء الراشدین بعده ۔ واللہ اعلم

[۸] بَابُ مَنْ سَجَدَ لِسُجُوْدِ الْقَارِیْ

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لِتَمِیْمِ بْنِ حَذْلَمٍ وَهُوَ غُلَامٌ فَقَرَءَ عَلَیْهِ سَجْدَةً فَقَالَ اُسْجُدْ فَاِنَّكَ اِمَامُنَا فِیْهَا

(۱۰۷۵) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی قَالَ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقْرَءُ عَلَیْنَا السُّوْرَةَ فِیْهَا السَّجْدَةُ فَیَسْجُدُ وَنَسْجُدُ حَتّٰی مَا یَجِدُ اَحَدُنَا مَوْضِعَ جَبْهَتِهٖ ۔ (آئندہ: ۱۰۷۶، ۱۰۷۹)

ترجمہ باب، جو پڑھنے والے کے سجدے کے بعد سجدہ کرے۔ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے تمیم بن حذلم سے کہا - اور تمیم نوعمر لڑکے تھے - اور انہوں نے ابن مسعود کے سامنے آیتِ سجدہ پڑھی تھی تو ابن مسعود نے ان سے کہا کہ تم سجدہ کرو اس لیے کہ تم اس سجدے میں ہمارے امام ہو، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے وہ سورت پڑھتے تھے جس میں آیتِ سجدہ ہوتی تھی، پھر آپ سجدہ کرتے تھے اور ہم سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہم میں سے کسی آدمی کو ازدحام کی وجہ سے اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ بھی نہ ملتی تھی۔

مقصد ترجمہ سجدۂ تلاوت کا سبب جس طرح آیتِ سجدہ کی تلاوت ہے، اسی طرح آیتِ سجدہ کا سماع بھی اس کا سبب ہے، لیکن حنابلہ کے یہاں سماع کے سبب جو سجدہ ثابت ہوگا، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ قاری میں

امامت کی صلاحیت ہو اور دوسرے یہ کہ قاری خود سجدہ کرے تو سننے والے کے لیے سجدہ کرنا مسنون ہوگا، اگر قاری نے سجدہ نہیں کیا تو حنابلہ کے یہاں سننے والے کے لیے سجدہ مسنون نہیں ہے، امام بخاری کے اس ترجمہ کو حنابلہ کی موافقت میں سمجھا جاسکتا ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں: **وفی الترجمة اشارة الی ان القاری اذا لم یسجد لم یسجد السامع،** امام بخاری نے ترجمہ میں جو انداز اختیار کیا ہے اس کو اشارہ ہی کہا جاسکتا ہے اور ممکن ہے کہ بخاری اسی طرف جارہے ہوں، لیکن یہ بات ضروری نہیں معلوم ہوتی کیونکہ امام بخاری نے یہ بات صراحت سے نہیں کہی ہے۔

اس سے زیادہ آسان اور صاف مقصد یہ ہے کہ اگر خارج صلوۃ میں مجمع میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کی نوبت آئے تو بہتر یہ ہے کہ قاری سجدے میں پہل کرے اور سننے والے اس کی موافقت میں سجدہ کریں، گویا قاری کو اس صورت میں امام اور مقتدی کی حیثیت حاصل ہوگی، مقصد ترجمہ کے تعین کے سلسلے میں حضرت علامہ کشمیریؒ کا رجحان دوسری بات کی طرف ہے۔

وقال ابن مسعود الخ حضرت عبداللہ بن مسعود نے تمیم بن حذلم کو۔ جو نوعمر لڑکے تھے۔ آیتِ سجدہ کی تلاوت پر یہ ہدایت کی کہ تم سجدہ کرو یعنی سجدے میں پہل کرو اس لیے کہ تم اس معاملہ میں ہمارے امام ہو، امامت کا مطلب یہ کہ تمہاری تلاوت کی وجہ سے سجدہ ہم سے متعلق ہوا، یہ مطلب نہیں کہ تم سجدہ کروگے تو سجدہ ہم سے بھی متعلق ہوگا اور تم سجدہ نہیں کروگے تو سجدہ ہم سے متعلق نہیں ہوگا، ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قاری کو فوراً سجدہ کرنا چاہیئے اور اس سے سامعین پر بھی سجدے کا ثبوت مؤکد ہوجاتا ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ حضور ﷺ آیتِ سجدہ تلاوت کرتے تھے، پھر سجدہ کرتے تھے تو ہم سب سجدہ کرتے تھے، پس اسی لفظ **یسجد فنسجد** سے ترجمہ ثابت ہورہا ہے کہ قاری کے سجدہ کرنے سے سامعین پر سجدہ کا تاکیدی ثبوت ہوجاتا ہے اور اگر مقصد یہ قرار دیں کہ اگر قاری سجدہ نہ کرے تو سامعین پر سجدہ ثابت نہیں ہوگا تو روایت کے الفاظ سے یہ مقصد ثابت نہیں ہوگا البتہ مفہومِ مخالف سے مقصد برآری دشوار نہیں۔ واللہ اعلم

[۹] بَابُ اِزْدِحَامِ النَّاسِ اِذَا قَرَءَ الْاِمَامُ السَّجْدَةَ

(۱۰۷۶) حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَقْرَءُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهٗ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ. (گذشتہ: ۱۰۷۵)

ترجمہ باب، جب امام سجدہ کی آیت پڑھے تو لوگوں کے ہجوم کا بیان۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سجدے کی آیت پڑھتے تھے اور ہم آپ کے پاس ہوتے تھے، پھر آپ سجدہ کرتے تھے اور ہم آپ کے ساتھ

سجدہ کرتے تھے، تو ہمارا اتنا ہجوم ہو جاتا تھا کہ ہم میں سے کسی کو اپنی پیشانی رکھنے کے لیے ایسی جگہ نہ ملتی تھی جس پر وہ سجدہ کر لے۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ آیتِ سجدہ پر سجدے کا حکم بڑا تاکیدی حکم ہے، آیتِ سجدہ کی تلاوت کے وقت لوگوں کا ہجوم ہو اور لوگ بے ترتیب بیٹھے ہوں تب بھی لوگوں کو فوراً سجدہ کا اہتمام کرنا چاہیئے، اس کے لیے نہ صف بندی ضروری ہے، نہ وسیع جگہ کی شرط ہے، نہ وقت کی قید ہے، بلکہ اوقاتِ مکروہہ کے علاوہ ہر وقت سجدۂ تلاوت ادا کیا جا سکتا ہے اور اس میں لوگوں کا ہجوم بھی مانع نہیں ہے، لیکن ہجوم میں سجدہ کرنے کی صورت کیا ہوگی، تو اس کے لیے بخاری نے دوسرا باب قائم کیا ہے جو آگے آ رہا ہے، روایت باب سابق میں گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۰] بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يُوْجِبِ السُّجُوْدَ

وَقِيْلَ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ الرَّجُلُ يَسْمَعُ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَجْلِسْ لَهَا، قَالَ اَرَأَيْتَ لَوْ قَعَدَ لَهَا كَأَنَّهٗ لَا يُوْجِبُهٗ عَلَيْهِ وَقَالَ سَلْمَانُ مَا لِهٰذَا غَدَوْنَا وَقَالَ عُثْمَانُ اِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلٰى مَنِ اسْتَمَعَهَا وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا تَسْجُدُ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ طَاهِرًا فَاِذَا سَجَدْتَ وَاَنْتَ فِيْ حَضَرٍ فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَاِنْ كُنْتَ رَاكِبًا فَلَا عَلَيْكَ حَيْثُ كَانَ وَجْهُكَ وَكَانَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ لَا يَسْجُدُ لِسُجُوْدِ الْقَاصِّ.

(۱۰۷۷) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ اَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ التَّيْمِيِّ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَكَانَ رَبِيْعَةُ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ عَمَّا حَضَرَ رَبِيْعَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَرَأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُوْرَةِ النَّحْلِ حَتّٰى اِذَا جَآءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا حَتّٰى اِذَا جَآءَتِ السَّجْدَةُ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا نَمُرُّ بِالسُّجُوْدِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ اَصَابَ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ وَزَادَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُوْدَ اِلَّا اَنْ نَشَآءَ.

ترجمہ باب، ان لوگوں کی دلیل کا ذکر جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں کیا ہے۔ اور حضرت عمران بن حصین سے کہا گیا کہ کوئی شخص سجدے کی آیت سنتا ہے اور وہ اس نیت سے بیٹھا نہیں تھا تو کیا اس پر سجدہ ہے تو انہوں نے فرمایا تم کیا سمجھتے ہو وہ اگر اس نیت سے بیٹھا بھی ہو؟ گویا کہ حضرت عمران اس پر سجدے کو واجب نہیں سمجھتے تھے، اور حضرت سلمان فارسی نے فرمایا کہ ہم اس کام کے لیے نہیں آئے تھے، اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ

سجدہ صرف اس شخص پر ہے جس نے آیتِ سجدہ سننے کے لیے کان جھکائے، اور زہری نے کہا کہ سجدہ نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ باوضو ہو پھر جب تم سجدہ کرو اور تم حضر میں ہو، (سفر میں نہ ہو) تو قبلہ کی طرف رخ کرو اور اگر تم سواری پر ہو (سفر میں ہو) تو کوئی مضایقہ نہیں جدھر بھی تمہارا رخ ہو اسی پر سجدہ کرلو، اور سائب بن یزید واعظوں کے آیتِ سجدہ پڑھنے پر سجدہ نہیں کرتے تھے، ربیعہ بن ہدیر تیمی - جن کے بارے میں ابوبکر بن ابی ملیکہ نے کہا کہ وہ بہت منتخب لوگوں میں تھے - نے وہ بات بیان کی جو انہوں نے حاضر ہوکر حضرت عمر کے بارے میں دیکھی تھی کہ حضرت عمر نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل پڑھی یہاں تک کہ جب آیتِ سجدہ پر پہنچے تو حضرت عمر منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا، یہاں تک کہ جب دوسرا جمعہ آیا تو انہوں نے پھر وہ سورت پڑھی حتی کہ جب آیتِ سجدہ پر پہنچے تو فرمایا، اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم سجدہ کی آیت سے گذرتے ہیں تو جس نے سجدہ کیا تو بے شک اس نے صحیح عمل کیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور حضرت عمر نے سجدہ نہیں کیا اور نافع نے حضرت ابن عمر سے یہ بات اور زیادہ نقل کی کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے سجدۂ تلاوت کو فرض نہیں کیا ہے، مگر یہ کہ ہم چاہیں تو سجدہ کریں۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں سجدۂ تلاوت کا مؤکد ہونا بیان کیا تھا، گویا وہ امام بخاری کا اپنا مسلک مختار تھا، اب کہتے ہیں بناب من رأی الخ یعنی ان حضرات کے کچھ دلائل جن کی تحقیق یہ ہے کہ خداوند کریم نے سجدۂ تلاوت کو واجب قرار نہیں دیا ہے، بلکہ اس کو مکلف کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے، اس باب میں امام بخاری نے ان حضرات کے مسلک کے مناسب چند آثار پیش کیے ہیں۔

وقیل لعمران الخ حضرت عمرانؓ بن حصین سے پوچھا گیا کہ کسی شخص نے آیتِ سجدہ سنی لیکن وہ اس کو سننے کے لیے نہیں بیٹھا تھا، یعنی بلا قصد اس کے کان میں پڑگئی تو اس کا کیا حکم ہے؟ گویا پوچھنے والے کا ذہن یہ ہے کہ اگر انسان آیتِ سجدہ سننے کے لیے بیٹھا ہو اور تیار ہو مثلاً باوضو ہو تو اس کو سجدہ کرنا ہی چاہیئے، لیکن حضرت عمران نے اس کے برخلاف فرمایا کہ اگر وہ اس کام کے لیے بیٹھا بھی اور سجدہ نہ کرے تب بھی کیا مضایقہ ہے؟ امام بخاری نے ان کے جواب کا مطلب یہ بیان کیا، **کانہ لا یوجبہ** گویا کہ حضرت عمران نے سجدے کو واجب نہیں سمجھا، حالانکہ مطلب یہ بھی ہوسکتا تھا **کانہ لا یوجبہ علی الفور**، مگر ہمیں الجھنے کی ضرورت نہیں، مسئلہ عہدِ صحابہ سے مختلف فیہ ہے اور صحابہ دونوں طرف ہیں۔

وقال سلمان الخ یہ دوسرا اثر ہے، حضرت سلمان فارسی نے کسی موقع پر فرمایا تھا **ما لهذا غدونا**، ہم یہاں اس لیے نہیں آئے تھے، تفصیل مسند عبدالرزاق میں ہے کہ کچھ لوگ کہیں بیٹھے تھے، ادھر سے حضرت سلمانؓ کا گذر ہوا، ان لوگوں میں سے کسی نے آیتِ سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا، حضرت سلمان نے نہیں کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ معلوم ہوا کہ ایسے موقع پر سجدہ کرنے کا تعامل تھا، اسی لیے حاضرین کو ان سے سوال کرنے کی

ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت سلمان نے فرمایا ما لهذا غدونا، ہم اس مقصد سے نہیں آئے تھے، امام بخاری کا مقصد یہی ہے کہ حضرت سلمان نے فرمایا ہم سننے کے ارادے سے نہیں آئے تھے، گویا قصد اور عدم قصد کا فرق ہوا، لیکن مطلب یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہم اس کے لیے تیار ہوکر نہیں آئے تھے اس لیے علی الفور سجدہ کیسے کریں اور تراخی میں گناہ بھی نہیں ہے۔

وقال عثمان الخ یہ تیسرا اثر ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، سجدہ صرف مستمع پر ہے، یعنی اس شخص پر جس نے آیتِ سجدہ سننے کے لیے کان جھکائے، سامع پر نہیں، یعنی اس شخص پر نہیں جس کے کان میں آیتِ سجدہ بلا قصد پڑ گئی، امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عثمان بھی قصد اور عدم قصد کا یا اہتمام وعدم اہتمام کا فرق کر رہے ہیں لیکن مطلب یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ قاری کے ساتھ سجدہ کرنے کے لیے یہ فرق کر رہے ہیں کہ اگر سامع پہلے سے تیار ہے، باوضو ہے تو سجدہ کرے گا اور اگر وہ تیار نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو سجدہ مؤخر کرنا پڑے گا۔

وقال الزهری الخ زہری نے فرمایا کہ سجدہ کے لیے طہارت شرط ہے، لیجئے بات صاف ہوگئی کہ مندرجہ بالا آثار میں صحابہ کے فوراً سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب سامع سننے کے لیے نہیں آیا تھا اور سرِ دست شرائط سجدہ یعنی طہارت وغیرہ کا حامل نہیں تھا تو اسے سجدہ مؤخر کرنا ہی پڑے گا، لیکن بخاری کا مقصد یہ نہیں ہے۔

امام بخاریؒ کا مقصد وہ ہے جو آگے زہری فرما رہے ہیں کہ اگر تم حضر (غیر سفر) میں ہو تو سجدۂ تلاوت کے لیے قبلہ کا استقبال ضروری ہوگا اور اگر سواری پر ہو یعنی سفر میں ہو تو سجدۂ تلاوت کے لیے استقبالِ قبلہ بھی ضروری نہیں اور سواری سے اترنے کی بھی ضرورت نہیں، سواری پر بیٹھے ہوئے جدھر بھی رخ ہو ادھر ہی سجدہ کر لینا کافی ہے، نہ نزول کی ضرورت ہے اور نہ استقبال قبلہ ہی ضروری ہے، اور یہ نوافل کی شان ہے، لیکن جن کے یہاں سجدہ واجبات میں سے ہے وہ بھی راکب مسافر کے لیے نزول اور استقبال کو ضروری قرار نہیں دیتے، خصوصاً اگر وہ قافلہ کے ساتھ ہو بلکہ اداها کما وجب کے اصول کے مطابق اس کو صحیح کہتے ہیں۔

وكان السائب الخ حضرت سائب بن یزید واعظ کی زبان سے آیتِ سجدہ سننے پر سجدہ نہیں کرتے تھے، امام بخاریؒ کے نقل کرنے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو استماع اور سماع کا فرق ہے یا قصد اور بلا قصد کا فرق ہے کہ حضرت سائب تیار نہیں تھے اور انہوں نے سجدہ نہیں کیا، معلوم ہوا کہ سجدہ واجب نہیں، لیکن یہاں بھی صورت یہ ہے کہ واعظ نے وعظ کے دوران سامعین کو پابند کرنے کے لیے آیتِ سجدہ پڑھی کہ وہ سجدے کے لیے رک جائیں، لیکن سننے والے کے لیے علی الفور سجدہ کرنا ضروری نہیں، مؤخر کرنے میں کوئی گناہ نہیں اس لیے انہوں نے فوراً سجدہ نہیں کیا اور اٹھ کر چلے گئے۔

بہر حال امام بخاری نے چند آثار پیش کر دئے، ان آثار سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات سجدے کو ضروری یا واجب

نہیں کہتے، تاویل اگر چہ بہت آسان ہے اور وہ بیان بھی کر دی گئی لیکن اس کی خاص ضرورت نہیں تھی کہ مسئلہ عہدِ صحابہ سے اختلافی ہے اور صحابہ دونوں طرف ہیں۔

تشریح حدیث روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل کی تلاوت کی اور جب آیتِ سجدہ وللہ یسجد ما فی السموات وما فی الارض من دابة الآیہ پر پہنچے تو منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور حاضرین نے موافقت کی، اگلے جمعہ کو پھر اسی سورت کی تلاوت کی، جب اس آیت پر پہنچے اور حاضرین سجدے کے لیے تیار ہوئے تو حضرت عمر نے مسئلہ بیان فرمایا کہ ہم سجدے کی آیت پر گذرتے ہیں اگر کسی نے اسی وقت سجدہ کرلیا تو اس نے اچھا کیا کہ فوراً ذمہ سے فارغ ہوگیا اور اگر کسی نے فوراً سجدہ نہیں کیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

روایت کے جو معنی بیان کیے گئے وہ حنفیہ کے ذوق کے مطابق ہیں، اور امام بخاری جس مقصد کے لیے لائے ہیں اس کے مطابق کہنا ہوگا کہ لوگوں کی تیاری کو دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا کہ سجدہ اختیاری چیز ہے، کرلو تو بہت اچھا، نہ کرو تو کوئی گناہ نہیں، یعنی پہلے جمعہ کو بتادیا کہ یہ مقام سجدے کا ہے اور دوسرے جمعہ کو بتادیا کہ سجدے کو ضروری نہیں سمجھنا چاہیئے، اگر نہ بھی کرو تو گناہ نہیں ہے۔

زاد نافع الخ نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے ان اللہ لم یفرض السجود کہ خدا نے ہمارے ذمہ سجدہ لازم نہیں کیا الا ان نشآء بلکہ ہماری مشیت پر چھوڑ دیا ہے، یعنی اختیاری چیز ہے، لزوم نہیں ہے، امام بخاریؒ کا مقصد صاف ہوگیا، اور آپ سمجھتے ہوں گے کہ ہم نے حنفیہ کے ذوق کے مطابق جو معنی بیان کیے تھے ان کا وزن ختم ہوا، لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کے اضافہ کے بھی وہی معنی ہیں کہ خدا نے ہمارے ذمہ سجدے کو علی الفور لازم نہیں کیا اور علی الفور سجدہ کرنا ہماری مشیت پر چھوڑ دیا ہے۔

نیز اس کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ آیاتِ سجدہ میں حکم سجدہ کی تعمیل کے لیے سجدے کی شکل اختیار کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کی اور بھی صورتیں ہیں اور ان صورتوں میں سے صورتِ سجود کو اختیار کرنا ہماری مشیت پر ہے، مثلاً نماز میں سجدہ واجب ہوا تو اس کی ادائیگی رکوع کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے یا خارجِ صلوۃ میں بعض احوال جیسے بیماری اور سفر اور سواری میں تعمیل حکم کے لیے اشارہ بھی کافی ہے۔

بہر حال امام بخاریؒ نے ان لوگوں کے کچھ دلائل پیش کئے جو سجدۂ تلاوت کے وجوب کے قائل نہیں ہیں، لیکن آپ نے دیکھا کہ پیش کردہ آثار اور روایت کو اس مقصد کے لیے حجت قرار نہیں دیا جاسکتا جیسا کہ ہر اثر کے ساتھ کی گئی تشریح سے یہ بات واضح ہے۔

جہاں تک سجدۂ تلاوت کے وجوب کی بات ہے تو یہ صرف حنفیہ کی اصطلاح ہے دیگر ائمہ کے یہاں یہ سنت ہے اور امام بخاریؒ بھی اس کو سنت ہی کہتے ہیں، وجوب کے دلائل اور اس کے لیے آثار صحابہ کو عمدۃ القاری میں دیکھیں۔ واللہ اعلم

[۱۱] بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ فِي الصَّلٰوةِ فَسَجَدَ بِهَا

(۱۰۷۸) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فَقُلْتُ مَا هٰذِهٖ قَالَ سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ اَبِی الْقَاسِمِ ﷺ فَلَا اَزَالُ اَسْجُدُ فِيْهَا حَتّٰى اَلْقَاهُ .

(گذشتہ:۷٦٦)

ترجمہ باب، جو نماز میں آیت سجدہ پڑھے اور نماز ہی میں سجدہ کرلے۔ ابورافع سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، تو حضرت ابوہریرہؓ نے اذا السمآء انشقت کی قراءت کی اور سجدہ کیا، تو میں نے ان سے کہا، یہ سجدہ کیا ہے؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے اس جگہ حضور ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے تو میں برابر اس جگہ سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک آپ سے ملاقات کروں۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ آیتِ سجدہ کی تلاوت نماز میں ہو یا خارجِ صلوۃ میں ہو سجدہ ثابت ہوجاتا ہے، نماز میں آیتِ سجدہ کی تلاوت اور سجدے کا حکم بیان کرکے امام بخاری مالکیہ پر تعریض کررہے ہیں کیونکہ ان کے یہاں فرض نماز میں خواہ جہری ہو یا سری، آیتِ سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے، ایک قول میں سری اور جہری کا فرق ہے کہ جہری میں اجازت ہے سری میں نہیں، وجہ یہ ہے کہ سری میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کا مقتدیوں کو علم نہ ہوگا اور اس ابہام سے تشویش پیدا ہوگی، دیگر ائمہ کے یہاں فرض نمازوں میں آیتِ سجدہ کی تلاوت اور سجدہ کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں، امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں۔

امام بخاری نے جو روایت پیش کی ہے اس سے صراحت کے ساتھ جواز ثابت ہوگیا، روایت گذر چکی ہے۔

[۱۲] بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُوْدِ مِنَ الزِّحَامِ

(۱۰۷۹) حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَقْرَءُ السُّوْرَةَ الَّتِیْ فِيْهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهٖ . (گذشتہ:۱۰۷۵)

ترجمہ باب، جس شخص کو ازدحام کی وجہ سے سجدۂ تلاوت کے لیے جگہ نہ ملے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اس سورت کو پڑھتے تھے جس میں سجدہ کی آیت ہوتی، پھر آپ سجدہ کرتے اور ہم بھی سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے کسی کو اپنی پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہ ملتی تھی۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ کثرتِ اژدحام کی وجہ سے اگر زمین پر پیشانی رکھنے کی گنجائش نہ ہو تو سجدۂ تلاوت کا عمل کیسے کیا جائے، اسی روایت کے دیگر طرق میں حتی یسجد الرجل علی ظہر اخیہ آیا ہے، مقصد یہ ہوا کہ سجدہ کرنے والے کو تا بمقدور سجدہ کا مکلف کیا گیا ہے یہاں تک کہ دوسرے کی پشت پر بھی اسے سجدہ کرنا چاہیئے، جمہور یہی کہتے ہیں، مالکیہ کے یہاں پشت پر سجدہ کی اجازت نہیں، وہ کہتے ہیں کہ سجدہ مؤخر کیا جائے گا، اور جب سجدہ کی جگہ پانے والے سجدہ سے سر اٹھالیں تب سجدہ کیا جائے گا۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کے سلسلے میں مجھے علماء کی کوئی تصریح نہیں ملی، البتہ فرض نماز میں اژدحام کی وجہ سے زمین پر سجدے کی جگہ نہ ملے تو امام ثوری، حنفیہ، شعبی، امام احمد اور ابوثور وغیرہ دوسرے کی کمر پر سجدے کی اجازت دیتے ہیں، اور مالکیہ، عطاء اور زہری کہتے ہیں کہ سجدہ نہ کیا جائے بلکہ دوسرے لوگوں کے سجدے سے سر اٹھانے کا انتظار کیا جائے اور جو حکم سجدۂ صلوۃ میں ہے وہی حکم سجدۂ تلاوت میں بھی ہونا چاہیئے، مگر ابن بطال نے اس کے بعد فرمایا کہ سجدۂ صلوۃ فرض ہے اور سجدۂ تلاوت سنت، اس لیے دونوں کے حکم میں فرق کا احتمال ہے کہ سجدۂ فرض کی ادائیگی کے لیے زمین پر پیشانی رکھنا ضروری ہو اور سجدۂ سنت کی ادائیگی میں یہ شرط نہ ہو، بہر حال اگر مالکیہ کا مسلک یہی ہے تو امام بخاریؒ نے اس ترجمہ میں جمہور کی موافقت کر کے مالکیہ وغیرہ پر تعریض کی ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ ہم میں سے کسی کو زمین پر پیشانی رکھنے کی جگہ نہ ملتی تھی اور یہ بھی آیا کہ ہم سجدہ کرتے تھے، معلوم ہوا کہ سجدہ زمین کے علاوہ کسی اور چیز پر ہوتا تھا چنانچہ طبرانی کی روایت میں وضاحت آگئی کہ سجدہ کرنے والا دوسرے کی پشت پر سجدہ کرتا تھا اور بخاری کا مقصد ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۱۸] ﴿ اَبْوَابُ تَقْصِيرِ الصَّلٰوةِ ﴾

نماز کے قصر کرنے کے ابواب

[۱] بَابُ مَا جَآءَ فِي التَّقْصِيرِ وَ كَمْ يُقِيمُ حَتّٰى يَقْصُرَ

(۱۰۸۰) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ وَحُصَيْنٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ فَنَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا۔ (آئندہ: ۴۲۹۸، ۴۲۹۹)

(۱۰۸۱) حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَحْیَی بْنُ اَبِیْ اِسْحٰقَ سَمِعْتُ اَنَسًا یَقُوْلُ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَکَّةَ فَکَانَ یُصَلِّی رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی رَجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ قُلْتُ اَقَمْتُمْ بِمَکَّةَ شَیْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا ۔ (آئندہ:۴۲۹۷)

ترجمہ | باب، سفر میں قصر کرنے کا بیان، اور کتنے دن ٹھہرنے کی صورت میں قصر کرسکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ انیس دن ٹھہر کر قصر کرتے رہے تو ہم سفر میں انیس دن تک ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اور اگر اس سے زیادہ ٹھہرنا ہو تو اتمام کرتے ہیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ مکرمہ کے لیے نکلے تو آپ دو، دو رکعتیں پڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم مدینہ لوٹ آئے، یحییٰ بن ابی اسحٰق نے پوچھا کہ آپ مکہ میں کچھ ٹھہرے تھے فرمایا کہ ہم نے مکہ میں دس دن قیام کیا تھا۔

مقصد ترجمہ | ترجمہ میں دو مسئلے ہیں، پہلا مسئلہ ما جاء فی التقصیر، یعنی سفر کے دوران قصر، یہ مسئلہ سب کے یہاں مسلم ہے، خواہ اس کو عزیمت قرار دیا جائے یا رخصت، لیکن سب کا اتفاق ہے کہ سفر میں قصر کرنا صحیح ہے، یہ حکم چونکہ متفق علیہ ہے اس لیے امام بخاریؒ نے محض عنوان پر اکتفاء کیا اور اس کے ثبوت میں کوئی روایت پیش نہیں کی۔

اس سلسلے میں بنیادی حکم قرآن کریم میں واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة میں مذکور ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں صدقة تصدق اللہ بها علیکم فاقبلوا صدقته فرما کر اس کی اہمیت بیان فرمائی، اسی لیے حنفیہ نے اس کو واجب قرار دیا ہے، مالکیہ اس کو سنتِ مؤکدہ اور دیگر ائمہ سنت کہتے ہیں، یہ حکم ۴ھ میں دیا گیا اور غزوۂ انمار کے موقع پر سب سے پہلے عصر کی نماز قصر کے ساتھ پڑھی گئی۔

اس کے بعد دوسرا مسئلہ ہے کم یقیم حتی یقصر کہ سفر کی حالت میں اگر مسافر کسی جگہ اپنی ضرورت سے ٹھہر جائے تو سوال یہ ہے کہ وہ اب مقیم ہوگیا یا اس کے لیے مسافرت ہی کے احکام برقرار رہیں گے؟ اس دوسرے مسئلے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مسافر کا کسی جگہ عارضی قیام دو وجہ سے قابلِ غور ہے، ایک تو اس اعتبار سے کہ مسافر کا یہ عارضی قیام، قیام فی الحضر سے مشابہ ہے، اور حضر میں قصر نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ سفر کے دوران اقامت، دو جز سے مرکب ہے، اس کا ایک جز سفر ہے اور دوسرا جز اقامت، اقامت کا تقاضا ہے کہ سفر کے احکام ختم ہوجائیں اور سفر کا تقاضا ہے کہ سفر کے احکام برقرار رہیں، گویا یہ شخص من وجہ مقیم ہے اور من وجہ مسافر، اس لیے ایسے شخص کے عارضی قیام میں کچھ احکام سفر کے اور کچھ احکام اقامت کے ہونے چاہئیں، یعنی اس عارضی قیام میں کچھ مدت ایسی ہونی چاہیئے، جس میں سفر کے احکام برقرار رہیں اور کچھ مدت ایسی ہونی چاہیئے جس میں سفر کے احکام ختم ہوکر اقامت کے احکام

شروع ہوجائیں، اس لیے امام بخاریؒ نے ترجمہ رکھ دیا، **کم یقیم حتی یقصر** یعنی وہ مدت کتنی ہے جس میں اقامت کے باوجود قصر کے احکام برقرار رہیں گے اور اس کے بعد قصر کا حکم ختم ہوجائے گا، امام بخاری نے اپنے ذوق کے مطابق حضرت ابن عباس کی روایت پیش کر کے بتلا دیا کہ وہ مدت انیس دن ہے، اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو نماز مقیم کے طرز پر ادا کی جائے گی۔

دیگر ائمہ کے مذاہب

یہ تو امام بخاری کا ذوق تھا، اور چونکہ مدتِ قصر کی تحدید میں کوئی مرفوع روایت درجۂ صحت میں منقول نہیں اس لیے فقہاء کے اس مسئلے میں مختلف اقوال ہیں ائمہ ثلثہ کہتے ہیں کہ چار دن قیام کا ارادہ ہو تو قصر ختم ہوجائے گا، امام اوزاعیؒ نے اس کے لیے تیرہ دن اور بعض فقہاء نے دس دن کی مدت بیان کی ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پندرہ دن قیام کا ارادہ ہو تو اتمام کیا جائے گا، جامع المسانید میں امام صاحب سے روایت ہے **عن ابن عمر و ابن عباس قالا اذا هممت باقامة خمسة عشر يوما فاتم الصلوة** اسی مضمون کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے بسندِ صحیح حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے، اس لیے حنفیہ نے پندرہ دن کی مدت مقرر کی ہے۔

تشریح روایت اول

ابن عباس نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے انیس دن قیام فرمایا اور قصر کرتے رہے، یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے مواقع پر پہلے سے قیام کے ایام کی تعیین نہیں کی جاسکتی، معلوم نہیں مقصد کی تکمیل میں کتنے دن لگ جائیں اور اس کے بعد روانگی کا عمل ہو، اس لیے انیس دن پر کیا موقوف ہے، اگر اقامت کی مدت مقرر نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ ضرورت پوری ہو تو لوٹ جائیں گے اور اسی آج کل کے تذبذب میں مہینے اور سال بھی گذر جائیں تو انسان مسافر ہی رہے گا۔

تشریح روایتِ دوم

دوسری روایت حضرت انس کی ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے اور آپ اس سفر میں قصر فرماتے رہے اور دس دن مکہ میں قیام رہا، یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے کہ آپ ۲۵ ر ذوالقعدہ کو ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۴ ر ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے پھر ۸ ر کی صبح کو منی چلے گئے جو کل تین میل کے فاصلے پر ہے، وہاں رات گذار کر اگلے دن عرفات پہنچے، پھر وہاں سے واپس ہوئے اور رات مزدلفہ میں گذاری پھر منی لوٹ آئے اور وہاں تین دن قیام رہا، پھر ۱۳ ر تاریخ کو زوال کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے اور محصب میں ٹھہر گئے، پھر رات کو طواف وداع کیا، اور ۱۴ ر کی صبح کو فجر سے پہلے واپس ہوگئے، اس طرح ۴ ر سے ۱۴ ر تک دس روز کا قیام رہا۔

یہ واقعہ چونکہ حجۃ الوداع کا ہے اور آپ ۴ ر ذوالحجہ کو مکہ پہنچ گئے تھے اس لیے یقیناً چار یوم سے زیادہ قیام کا ارادہ تھا اس لیے روایت ان ائمہ کے خلاف ہے جن کے یہاں چار یوم کی عارضی اقامت سے مسافر مقیم ہوجاتا ہے، یہ حضرات جواب دیتے ہیں کہ قیام ایک جگہ نہیں رہا، لیکن ظاہر ہے کہ مسافتِ سفر سے کم مقامات کی تبدیلی سے

حکم تبدیل نہیں ہوتا، اس لیے روایت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دس دن کی اقامت سے انسان کو مقیم نہیں کہا جائے گا، رہا یہ کہ دس دن سے کتنی زیادہ مدت درکار ہے تو یہ بات حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کی موقوف روایت سے بیان کی جا چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۲] بَابُ الصَّلٰوةِ بِمِنٰی

(۱۰۸۲) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ اِمَارَتِهٖ ثُمَّ اَتَمَّهَا . (آئندہ:۱۶۵۵)

(۱۰۸۳) حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَنْبَاَنَا اَبُوْ اِسْحٰقَ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ . (آئندہ:۱۶۵۶)

(۱۰۸۴) حَدَّثَنِيْ قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ زَيْدٍ يَقُوْلُ صَلّٰى بِنَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ؓ بِمِنٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فَقِيْلَ فِيْ ذٰلِكَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ فَلَيْتَ حَظِّيْ مِنْ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ . (آئندہ:۱۶۵۷)

ترجمہ باب، منی میں نماز پڑھنے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ منی میں دو رکعتیں پڑھیں، اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ساتھ بھی، اور حضرت عثمان کے ساتھ بھی ان کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر حضرت عثمان نے اتمام کیا۔ حضرت حارثہ بن وہب نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے منی میں دو رکعتیں پڑھائیں، حضرت عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عثمان بن عفان نے منی میں چار رکعتیں پڑھائیں پھر یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعود کو بتائی گئی تو انہوں نے انا للّٰہ و انا الیه راجعون پڑھا، پھر فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ منی میں دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر صدیق کے ساتھ منی میں دو رکعتیں پڑھیں اور عمر بن خطاب کے ساتھ منی میں دو رکعتیں پڑھیں، کاش مجھے ان چار رکعتوں کے بدلے، دو مقبول رکعتیں مل جاتیں۔

مقصد ترجمہ بحث یہ ہے کہ منی میں جو نمازوں کا قصر ہوتا ہے وہ سفر کی وجہ سے ہے کہ جو مسافر ہوں وہ قصر کریں، اور جو مسافر نہیں ہیں اور قرب وجوار کے رہنے والے ہیں وہ اتمام کریں، یا پھر یہ کہ یہ قصر مناسک حج میں

ہے اور اس مقام کی خصوصیت ہے اور مقیم و مسافر سب کے لیے قصر ہی کا حکم ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ منی میں قصر کیا جائے گا اور مکہ کے رہنے والے بھی قصر کریں گے موطأ امام مالک میں ہے: قال مالك يصلي اهل مكة بعرفة ومنى ما اقاموا بهما ركعتين ركعتين يقصرون الصلوة حتى يرجعوا الى مكة، گویا امام مالک کے یہاں منی کا قصر یا مناسکِ حج میں شامل ہے جیسا کہ فقہ مالکی کی کتابوں میں ہے یا پھر حضرت شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں وہ اس جگہ کی خصوصیت ہے اس لیے کہ دیگر مقامات پر قصر کے لیے امام مالک کے یہاں بھی دیگر ائمہ کی طرح مسافتِ سفر کا ہونا ضروری ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمہ رکھا الصلوة بمنى ، منی میں نماز کا بیان، لیکن ترجمہ میں انہوں نے قصر کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی اس کی وجہ بیان کرتے ہیں لم يذكر حكم المسئلة لقوة الاختلاف فيه، لیکن ترجمہ میں نہ سہی اس کے ذیل میں دی گئی روایات سے مسئلہ کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے کہ قصر کیا جائے گا اور بوجہ سفر کیا جائے گا، کیونکہ امام بخاریؒ نے تین روایات ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین قصر فرماتے رہے، روایات میں قصر کے داخل مناسک ہونے کا کوئی اشارہ یا صراحت نہیں، نہ مقام کی خصوصیت کا تذکرہ ہے، نیز یہ کہ تیسری روایت میں حضرت عثمان کے آخری سالوں میں اتمام کا ذکر ہے اور اس پر اعتراض بھی منقول ہے، پھر یہ کہ اعتراض کی بنیاد بھی یہی ہے کہ انہوں نے سفر کا باوجود اتمام کیسے فرمایا، معلوم ہوا کہ منی میں قصر کی بنیاد سفر ہے، اس لیے سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ امام بخاریؒ نے اگر ترجمہ میں مسئلہ کی صراحت نہیں کی تو ذیل میں دی گئی روایات سے بات صاف ہو گئی۔

تشریح حدیث امام بخاریؒ نے ترجمہ کے ذیل میں تین روایات ذکر کی ہیں اور تینوں روایات میں حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے منی میں قصر کا بیان ہے، اور تیسری روایت میں مزید یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو حضرت عثمانؓ غنی کے اتمام کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اظہارِ ناگواری کے طور پر انا لله وانا اليه راجعون پڑھا اور فرمایا کہ کاش وہ چار کے بجائے دو رکعت پڑھتے اور وہ مقبول ہو جاتیں، ظاہر ہے کہ قبولیت کا دارومدار اتباعِ سنت پر ہے۔

مگر چونکہ حضرت عثمان خلیفہ تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور اقتداء میں چار ہی رکعت پڑھی جاتی تھیں تو کسی نے سوال کیا کہ آپ نے تو حضرت عثمان کے اتمام کرنے پر انا لله وانا اليه راجعون پڑھا تھا، پھر آپ کیسے چار رکعت پڑھتے ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا الخلاف شرٌّ کہ میں شر سے بچتا ہوں، مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمان مجتہد ہیں، وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور ان کی نماز مجتہد ہونے کی وجہ سے صحیح ہے تو مقتدیوں کی نماز بھی صحیح ہے، اس لیے میں اختلاف کو شر سمجھتا ہوں۔

حضرت عثمان کے اتمام اور اس کی تاویلات کا جائزہ

رہی یہ بات کہ خلافت کے آخری سالوں میں حضرت عثمان کے اتمام کی وجہ کیا ہے؟ اور اس سلسلے میں جو اعتراضات ہوئے اور ان کے جو جوابات دیئے گئے یعنی اتمام کی جو تاویلات کی گئیں ان سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں، تو اس پر غور کرنے سے دو باتیں صاف طور پر سمجھ میں آتی ہیں۔

پہلی بات- جو اس باب سے متعلق ہے- یہ ہے کہ اعتراض کرنے والوں میں کسی سے منقول نہیں کہ وہ قصر کے مناسکِ حج میں ہونے یا قصر کو اس مقام کی خصوصیت قرار دینے کی وجہ سے اعتراض کر رہے ہوں بلکہ اعتراض کی بنیاد صرف اور صرف سفر کے دوران اتمام ہے، اس لیے مالکیہ کا قصر کو مناسک حج میں شمار کرنا روایات میں مذکور نہیں بلکہ ان کا اپنا ذوق اور اجتہاد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اتمام کی تاویل کرنے والوں میں کسی نے سفر کے دوران اتمام کو عزیمت یا اصل یا افضل نہیں کہا بلکہ حضرت عثمان کے عمل کی جتنی تاویلات کی گئیں وہ حضرت عثمان سے منقول ہوں یا دوسرے حضرات نے کی ہوں، ان میں اکثر تاویلات کی بنیاد یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان کو مقیم قرار دے کر اتمام کی گنجائش پیدا کر رہے ہیں یا سفر کے دوران اتمام کے لیے کوئی مصلحت یا مجتہدانہ ذوق پیش کر رہے ہیں، مثلاً حضرت عثمان سے منقول ہے کہ میں نے یہاں گھر بنالیا ہے یا شادی کرلی ہے، پھر وہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے **اذا تاهل الرجل ببلدة فليصل صلوة المقيم**، یا بعض اہلِ علم سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ سفر میں حالتِ سیر میں قصر کے قائل تھے اور عارضی قیام کی صورت میں مقیم کے حکم پر عمل کرتے تھے، یہ تاویلات حضرت عثمان کو مقیم قرار دے کر اتمام کی گنجائش پیدا کرنے پر مشتمل ہیں۔

اسی طرح اتمام میں مصلحت کی مثال وہ تاویل ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ خلافت کے آخری سالوں میں اعراب کی کثرت تھی اور ان کے کم علم ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان کو خیال ہوا کہ یہ دو رکعتوں ہی کو مستقل حکم نہ سمجھ لیں، چنانچہ ابن جریج نے بیان بھی کیا کہ ایک اعرابی نے حضرت عثمان کو بتایا کہ وہ ایک سال سے دو ہی رکعت پڑھ رہا ہے اس لیے کہ اس نے سالِ گذشتہ حضرت عثمان کو دو رکعت ہی پڑھتے دیکھا تھا، اس لیے حضرت عثمان نے غلط فہمی سے بچانے کی مصلحت سے اتمام فرمایا اور یہ وضاحت کی **ان القصر سنة رسول الله ﷺ وصاحبيه ولكنه حدث طغام فخفت ان يستنوا**۔

اسی طرح اتمام میں مجتہدانہ ذوق کی مثال وہ تاویل ہے جسے ابن بطال نے **الوجه الصحيح** کہہ کر نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان نیز حضرت عائشہ جو اتمام کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا خیال یہ تھا کہ حضور ﷺ نے سفر کے دوران جو قصر کو اختیار فرمایا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ کو اللہ نے قصر اور اتمام دونوں کا اختیار دیا تھا اور آپ نے اپنی

عادت- ما خیر رسول الله ﷺ قط الا اخذ بایسرهما ما لم یکن اثما - کے مطابق قصر کو ایسر ہونے کی وجہ سے اختیار فرمایا تھا، لیکن اگر کوئی شخص دوسری جانب کو اختیار کرنے میں مشقت اور دشواری محسوس نہیں کرتا تو اس کے لیے دوسری جانب یعنی اشد کو اختیار کرنے میں مضایقہ نہیں ہے۔

اس تاویل کی بنیاد بیہقی کی بسند صحیح وہ روایت ہے جس میں حضرت عروہؒ نے حضرت عائشہ کے اتمام کرنے پر عرض کیا لو صلیتِ رکعتین ، کاش آپ دو رکعت پڑھتیں، گویا تعامل دو ہی رکعت کا تھا، اور اسی لیے عروہ کو اتمام پر اشکال ہوا اور انہوں نے لو صلیتِ رکعتین کہہ کر اپنا مقصد ظاہر کیا، یہاں لو برائے تمنی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عروہ اپنی تمنا ظاہر کر رہے ہیں کہ کاش آپ نے دو رکعت پڑھی ہوتیں، اور کاش آپ کا عمل جمہور صحابہ کے مطابق ہوتا۔

تو حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا یا ابن اختی ! انه لا یشق علیّ ، اے میرے بھانجے! چار رکعت پڑھنے میں مجھے کوئی مشقت نہیں ہے، گویا حضرت عائشہؓ کا اجتہاد یہ ہے کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی سنت قصر ہی ہے، لیکن اگر کسی کو دشواری اور مشقت نہ ہو تو اتمام میں مضایقہ نہیں ہے، ممکن ہے کہ حضرت عثمان بھی اتمام میں کوئی دشواری محسوس نہ کرتے ہوں اور اسی لیے انہوں نے خلافت کے آخری سالوں میں اتمام کیا ہو۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان نے جو خلافت کے آخری سالوں میں اتمام کیا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ سفر میں اتمام کو عزیمت سمجھتے تھے، بلکہ تاویلات اور جوابات سے معلوم ہوا کہ یا تو وہ اپنے آپ کو مقیم قرار دے کر اتمام کر رہے ہیں، یا اتمام کی کوئی مصلحت بیان کر رہے ہیں، یا اتمام میں معذرت کے طور پر ان کا مجتہدانہ ذوق شامل ہے۔ واللہ اعلم

[۳] بَابٌ کَمْ اَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ حَجَّتِهٖ

(۱۰۸۵) حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَیْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَیُّوْبُ عَنْ اَبِی الْعَالِیَةِ الْبَرَّاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ یُلَبُّوْنَ بِالْحَجِّ فَاَمَرَهُمْ اَنْ یَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً اِلَّا مَنْ کَانَ مَعَهٗ هَدْیٌ ، تَابَعَهٗ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ . (آئندہ: ۱۵۶۴، ۲۵۰۵، ۳۸۳۲)

ترجمہ باب، نبی کریم ﷺ نے اپنے حج میں کتنے دن قیام فرمایا، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ۴؍ ذی الحجہ کی صبح کو حج کا تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ میں آئے، پھر حضور ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو عمرہ بنالیں، مگر جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور ہو (وہ ایسا نہ کرے) اس حدیث میں عطاء بن ابی رباح نے حضرت جابر سے ابو العالیہ البراء کی متابعت کی ہے۔

مقصد ترجمہ ترجمہ ہے حجۃ الوداع میں آپ کی مکہ میں قیام کی مدت کی تعیین، اگر مراد ہے صرف مکہ میں قیام کے ایام تو وہ چار یوم ہیں، اور اگر اس پورے سفر یعنی مکہ اور اس کے قرب وجوار میں قیام کے ایام تو وہ دس

یوم ہیں اور جو روایت ذیل میں مذکور ہے اس میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ آپ ۴؍ذو الحجہ کی صبح کو مکہ مکرمہ پہنچے تھے، لیکن مکہ میں یا مکہ اور توابع مکہ میں قیام کے ایام دیگر روایات سے متعین ہیں، مقصد بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو باب پہلے مکہ مکرمہ میں قیام سے متعلق دو روایات مذکور تھیں، ایک میں قیام کی مدت دس یوم اور دوسری میں انیس یوم تھی، بخاری نے یہ باب منعقد کر کے بتا دیا کہ انیس یوم قیام کی مدت فتح مکہ والے سفر میں ہے اور دس یوم حجۃ الوداع کے سفر میں، اس لیے تعارض کا شبہ ختم ہو گیا، نیز یہ کہ مکہ میں قیام اس سے بھی کم یعنی چار یوم رہا، کیونکہ آپ ۴؍ذو الحجہ کو فجر سے پہلے مکہ پہنچے تھے اور ۲۱ نماز پڑھنے کے بعد ۸؍کو منی کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

تشریح حدیث روایت میں قیام کا ابتدائی دن مذکور ہے، آخری دن کا تذکرہ نہیں، مگر حجۃ الوداع میں قیام اور اس کی تفصیلات روایات سے معلوم ہیں اور آخری دن ۱۴؍ذو الحجہ ہے اس لیے قیام دس دن رہا۔

یلبون بالحج الخ مراد یہ ہے کہ حج کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوئے تھے، لیکن حضور ﷺ نے حکم دیا **اجعلوا حجتکم عمرۃ** یعنی وہ اس وقت حج کے بجائے عمرہ کریں، امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے کا حکم اسی سال کے لیے صرف انہی صحابۂ کرام کے ساتھ خاص تھا، جو حضور پاک ﷺ کے ساتھ شریک حج تھے، اس سال کے بعد ان صحابہ کے لیے بھی اور کسی اور کے لیے بھی ایسا کرنا جائز نہیں، دلیل ہے ابوداؤد اور ابن ماجہ کی وہ روایت جس میں حضور ﷺ سے سوال کیا گیا **یا رسول اللہ ارأیت فسخ الحج فی العمرۃ لنا خاصۃ ام للناس عامۃ** اور آپ نے جواب میں فرمایا **بل لنا خاصۃً** اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایام جاہلیت میں اشہر حج میں عمرہ کو حرام سمجھتے تھے، ابن عباس کی روایت ہے **کانوا یرون ان العمرۃ فی اشھر الحج من افجر الفجور فی الارض** (بخاری: ۱۵۶۴) تو حضور ﷺ نے اس نظریہ کی تردید کے لیے اشہر حج میں عمرہ کرنے یعنی حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے کا حکم دیا، رہی بخاری ہی کی وہ روایت جس میں حضرت سراقہ بن مالک نے سوال کیا **یا رسول اللہ! ھی لنا او للابد؟ فقال لا بل للابد** (بخاری: ۲۵۰۵) تو اس کا مطلب حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اشہرِ حج میں عمرہ کی اجازت لیا گیا ہے۔ جب کہ امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ حج کے احرام کو عمرے میں تبدیل کرنے کی اباحت صرف اسی سال کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ یہ حکم باقی ہے اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو اور اس کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ اپنے احرام کو عمرے میں تبدیل کر سکتا ہے۔

تابعہ عطاء الخ یعنی ابوالعالیہ البراء کی، عطاء بن ابی رباح نے متابعت کی ہے، مگر ابوالعالیہ ابن عباس سے روایت کر رہے ہیں اور عطاء نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے، اور یہ روایت امام بخاریؒ نے مسنداً **باب التمتع والاقران والافراد بالحج** کے تحت (حدیث: ۱۵۶۸) ذکر فرمائی ہے، اور اس میں حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے کی دیگر روایات سے زیادہ وضاحت اور تفصیل ہے۔ واللہ اعلم

[٤] بَابٌ فِيْ كَمْ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ

وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ السَّفَرَ يَوْماً وَلَيْلَةً وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ يَقْصُرَانِ وَيُفْطِرَانِ فِيْ اَرْبَعَةِ بُرُدٍ وَهُوَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا .

(١٠٨٦) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ اُسَامَةَ حَدَّثَكُمْ عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْاَةُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ . (آئندہ:۱۰۸۷)

(١٠٨٧) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْاَةُ ثَلٰثًا اِلَّا مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ ، تَابَعَهٗ اَحْمَدُ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . (گذشتہ:۱۰۸۶)

(١٠٨٨) حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ ، تَابَعَهٗ يَحْيَى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ وَسُهَيْلٌ وَمَالِكٌ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ .

ترجمہ باب، مسافر کتنی مسافت کے سفر میں نماز کا قصر کرے گا، اور حضور ﷺ نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کو سفر کا نام دیا ہے، اور ابن عمر اور ابن عباس چار برید کے سفر میں نمازوں کا قصر اور روزے کا افطار کیا کرتے تھے، اور چار برید کے سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت ذی رحم رشتہ دار کی معیت کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے، حضرت ابن عمر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت تین دن کا سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی ذی رحم محرم ہو، احمد بن محمد مروزی نے بھی (جو امام بخاریؒ کے شیخ ہیں) اس حدیث کو نقل کرنے میں بہ سند عن ابن المبارك عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر مسدد کی متابعت کی ہے، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات کا سفر اس طرح کرے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو، اس روایت کے نقل کرنے میں یحیٰی بن ابی کثیر اور سہیل اور امام مالک نے بہ سند عن المقبری عن ابی هريرة ، ابن ابی ذئب کی متابعت کی ہے۔

مقصد ترجمہ مقصد ہے سفر شرعی کی مسافت کی تحدید و تعیین، یعنی شریعت کتنی مسافت کے سفر پر قصر کی اجازت دیتی ہے، کیا وہ سفر جس پر از روئے لغت سفر کا اطلاق ہو سکے اس سلسلے میں معتبر ہے جیسا کہ ابن حزم اور اصحاب ظاہر کا مسلک ہے کہ سفر قریب کا ہو یا بعید کا قصر کی اجازت ہے، شوکانی لکھتے ہیں: اقل ما قيل فی ذلك

المیل والی ذلک ذهب ابن حزم الظاهری۔

مگر امام بخاری ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ فرماتے ہیں **سمی النبی الخ** کہ یوم ولیلہ کے سفر کو پیغمبر علیہ السلام نے سفر کا نام دیا ہے، امام بخاری کے طرز سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی مسافت کے سفر سے قصرِ صلوۃ اور افطار صوم کے احکام متعلق ہوں گے مگر آگے فرماتے ہیں کہ ابن عباس اور ابن عمر کا عمل یہ تھا کہ وہ چار برید کے سفر پر قصر وافطار کرتے تھے اور چار برید کے سولہ فرسخ ہوتے ہیں اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، اس لیے مطلب یہ ہوا کہ اڑتالیس میل کا سفر ہو تو سفر شرعی ہے اور اس سے کم ہو تو احکامِ سفر متعلق نہ ہوں گے۔

گویا بخاری نے پہلے تو یوم ولیلہ کی تحدید بیان کی پھر اڑتالیس میل کی تحدید بیان کی، تطبیق دینی ہو تو حافظ ابن حجر نے فرمادیا: **ویمکن الجمع بین هذه الروایات بان مسافة اربعة برد یمکن سیرها فی یوم ولیلة،** یعنی زمانہ کے اعتبار سے تحدید کرو تو یوم ولیلۃ اور مسافت کے اعتبار سے تحدید کرو تو اڑتالیس میل، اور آپ جانتے ہیں کہ حنفیہ کے مذہب میں اڑتالیس میل ہی کو سفر شرعی کی مسافت قرار دیا گیا ہے۔

اور اگر یہ سمجھا جائے کہ امام بخاریؒ کا مسلک مختار ابن عمر اور ابن عباس کی بیان کردہ مسافت ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ بخاری نے پیغمبر علیہ السلام کے یوم ولیلہ پر سفر کے اطلاق کو پیش کر کے تنبیہ کی ہے کہ کسی چیز پر سفر کے اطلاق کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے سفر کے جملہ احکام یعنی قصر صلوۃ اور افطار صوم وغیرہ متعلق ہوں بلکہ بعض احکام کا متعلق ہونا بھی اطلاق کے لیے کافی ہے مثلاً یہ کہ یوم ولیلہ کا سفر عورت کے لیے ذی رحم کے بغیر درست یا مناسب نہیں ہے۔

تشریح حدیث | باب کے ذیل میں امام بخاریؒ نے تین روایات پیش کی ہیں اور قصر وافطار کا مسئلہ کسی روایت میں نہیں ہے، تینوں روایات میں یہ بات ہے کہ عورت کے لیے محرم کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں ہے، بات درحقیقت یہ ہے کہ بخاری کے پاس سفر شرعی کی تحدید سے متعلق کوئی روایت نہیں ہے اس لیے انہوں نے عام اسفار سے متعلق روایات کو جمع کردیا، کسی روایت میں یہ ہے کہ عورت کے لیے تین دن اور تین رات کا سفر محرم کے بغیر جائز نہیں، کسی روایت میں یہ ہے کہ ایک دن اور ایک رات کا سفر جائز نہیں، بہر حال یہ معلوم ہوا کہ سفر مغیر احکام ہے اور وہ سفر جس سے احکام یقینی طور پر بدل جاتے ہوں تین دن تین رات کا ہے، رہا یہ کہ بخاری کی ذکر کردہ روایات میں تو ایک دن ایک رات کا سفر بھی مذکور ہے تو تین دن تین رات کی روایت کی ترجیح کے سلسلے میں امام طحاوی نے بڑی پاکیزہ اور لطیف بات ارشاد فرمائی ہے۔

امام طحاوی کا ارشاد | امام طحاوی نے باب **المرأة لا تجد محرما هل یجب علیها فرض الحج ام لا** کے تحت فرمایا، کہ محرم کے بغیر تین دن تین رات کے سفر کی حرمت پر اتفاق ہے اور اس سے کم

مدت میں اختلاف ہے، پھر یہ کہ تین دن کی قید کا مطلب یہ ہے کہ محرم کے بغیر اس سے کم مدت کے سفر میں اباحت ہونی چاہیئے ورنہ تین دن کی قید بے فائدہ ہو جائے گی، اور حضور علیہ کے قول کا فائدہ سے خالی ہونا ممکن نہیں، پھر جب تین دن کی قید سے اس سے کم مدت کی اباحت نکلتی ہے تو اس کا ان روایات سے تعارض ہو گیا جن میں اس سے کم مدت کے سفر سے منع کیا گیا ہے اور تعارض کی وجہ سے نسخ یا ترجیح پر غور کرنا ہوگا، اگر تاریخ ورود معلوم ہوتی تو مؤخر کو ناسخ قرار دیا جاتا، لیکن وہ معلوم نہیں۔

اب ترجیح کے لیے غور کا طریقہ یہ ہے کہ تین دن والی خبر یا مقدم ہوگی یا مؤخر، اگر مقدم ہے تو وہ منسوخ ہوگی اور مؤخر ہے تو ناسخ ہوگی، اگر اس کو مقدم مانتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تین دن سے کم کا سفر محرم کے بغیر مباح تھا، پھر تین دن سے کم مدت والی روایات کی بنیاد پر اس سے بھی روک دیا گیا، اور اگر تین دن والی روایت کو مؤخر مانتے ہیں تو یہ کم مدت والی روایات کے لیے ناسخ ہو جائے گی کہ پہلے تین دن سے کم کا سفر بھی ممنوع تھا، اب تین دن کی قید لگادی تو اس سے کم کا مباح ہو گیا، مفہوم یہ ہوا کہ تین دن والی روایت کو مقدم مانیں یا مؤخر وہ ہر حال میں قابل عمل رہتی ہے۔

پھر اگر تین دن سے کم والی روایت پر اسی طرح غور کیا جائے تو وہ ہر حال میں قابل عمل نہیں رہتی، یعنی غور کیا جائے کہ وہ مقدم ہوگی یا مؤخر، اگر اسے مؤخر مانتے ہیں تو وہ تین دن والی روایت کے لیے ناسخ ہو جائے گی کہ پہلے محرم کے بغیر تین دن کا سفر ممنوع تھا، اب وہ منسوخ ہو گیا اور صرف ایک دن کا سفر بھی ممنوع ہے، لیکن اگر اس کو مقدم مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ پہلے محرم کے بغیر ایک دن کا سفر ممنوع تھا اور جب ایک دن کا سفر بھی ممنوع تھا تو تین دن کا بدرجۂ اولیٰ ممنوع تھا، اس لیے تین دن کے سفر کی ممانعت کے لیے کسی تصریح کی ضرورت ہی نہیں رہتی، گویا اس روایت کو اگر مؤخر مانتے ہیں تو یہ قابل عمل ہے اور مقدم مانتے ہیں تو وہ قابل عمل ہی نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر حال میں قابلِ عمل روایت کو ترجیح دینا اس روایت کو ترجیح دینے سے بہتر ہے جو ایک حال میں قابل عمل اور دوسرے حال میں نا قابلِ عمل رہتی ہے۔

امام طحاوی کی بات سے معلوم ہوا کہ تین دن تین رات والی روایت کو ترجیح حاصل ہے، گویا یہی سفر مغیر احکام ہے اور اسی سے قصر صلوٰۃ اور افطار صوم وغیرہ کے احکام کا تعلق ہونا چاہیئے، حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ قصر کے لیے تین دن اور تین رات کا سفر معتبر ہے، اور مسافت کے اعتبار سے یہی سفر اڑتالیس میل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

[۵] بَابٌ يَقْصُرُ اِذَا خَرَجَ مِنْ مَوْضِعِهٖ

وَخَرَجَ عَلِيُّ بْنُ اَبِي طَالِبٍ فَقَصَرَ وَهُوَ يَرَى الْبُيُوْتَ فَلَمَّا رَجَعَ قِيْلَ لَهٗ هٰذِهِ الْكُوْفَةُ قَالَ لَا حَتّٰى نَدْخُلَهَا

(۱۰۸۹) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَاِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْتُ الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي

الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ . (آئندہ:۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۵۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۲۹۵۱، ۲۹۸۶)

(۱۰۹۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ الصَّلٰوةُ اَوَّلَ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَانِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَاُتِمَّتْ صَلٰوةُ الْحَضَرِ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ فَمَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ مَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ . (گذشتہ:۳۵۰)

ترجمہ باب، جب مسافر سفر کی نیت کر کے اپنی آبادی سے نکل جائے تو نماز کا قصر کرے۔ اور حضرت علیؓ (کوفہ سے نکلے) تو انہوں نے قصر کیا جب کہ انہیں کوفہ کے گھر نظر آرہے تھے پھر جب واپس ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ سامنے کوفہ ہے تو فرمایا کہ نہیں (ہم قصر کرتے رہیں گے) یہاں تک کہ ہم کوفہ میں داخل ہو جائیں، حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ پہنچ کر عصر کی نماز دو رکعت پڑھی، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابتداء میں جب نماز فرض ہوئی تو دو ہی رکعتیں تھیں، پھر سفر کی نماز اسی حال پر برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اتمام کر دیا گیا، زہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ سے کہا، کہ پھر حضرت عائشہؓ کا کیا حال ہے کہ وہ سفر میں اتمام کرتی ہیں تو عروہ نے جواب دیا کہ وہ تاویل کرتی ہیں جیسا کہ حضرت عثمان تاویل کرتے ہیں۔

مقصد ترجمہ ترجمہ میں دو مسئلے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سفر میں جو قصر کا حکم ہے اس کی ابتداء کب اور کہاں سے ہوگی، مثلاً ایک شخص نے سفر کی مکمل تیاری کر لی اور اسے چند منٹ میں ہی گھر سے نکلنا ہے تو کیا وہ گھر سے ہی قصر پر عمل کر سکتا ہے؟ عطاء کہتے ہیں کہ اس صورت میں اس کو گھر میں بھی قصر کی اجازت ہے، بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ گھر میں تو نہیں لیکن گھر سے نکلنے اور سوار ہونے کے بعد اپنے شہر میں رہتے ہوئے قصر کر سکتا ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اپنی آبادی سے نکلنے کے بعد قصر کی اجازت ہے یا اس کو کسی مسافت کے طے کرنے کے بعد یا کسی مدت کے گذرنے کے بعد اجازت دی جائے گی، مجاہد کہتے ہیں کہ سفر دن میں شروع کیا ہے تو قصر کے لیے رات کا آنا اور رات میں شروع کیا ہے تو قصر کے لیے دن کا داخل ہونا شرط ہے، اس سے پہلے قصر کی اجازت نہیں۔

امام بخاری دونوں مسئلوں میں جمہور کی موافقت کر رہے ہیں کہ سفر کی تیاری کے بعد گھر میں یا شہر میں قصر کی اجازت نہیں، اسی طرح آبادی سے نکل جانے کے بعد کسی مسافت یا وقت کا گذرنا بھی شرط نہیں بلکہ اپنی آبادی سے نکلنے کے بعد خواہ اس کو آبادی کے مکانات نظر آرہے ہوں قصر کی اجازت ہے۔

خرج علی الخ اس تعلیق کو حاکم نے موصولاً ذکر کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کوفہ سے نکلے اور ابھی کوفہ کے مکانات نظر آرہے تھے کہ قصر شروع کر دیا، معلوم ہوا کہ آبادی سے نکلتے ہی قصر کی اجازت ہے، پھر جب اسی سفر سے واپس ہوئے تو کوفہ سامنے آنے پر پوچھا گیا کہ قصر کا حکم باقی ہے یا ختم ہو گیا، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تک

ہم کوفہ میں داخل نہ ہوجائیں اس وقت تک قصر کا حکم باقی رہے گا اور قصر کیا جائے گا۔

تشریح احادیث پہلی روایت حضرت انسؓ کی ہے حضور ﷺ کے سفر مکہ سے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں یعنی سفر کا پختہ ارادہ تھا، انتظامات مکمل تھے لیکن جب تک مدینہ میں رہے اتمام کیا، معلوم ہوا کہ آبادی میں رہتے ہوئے قصر نہیں ہے، اور جب مدینہ سے نکلنے کے بعد صرف چند میل کے فاصلے پر ذوالحلیفہ پہنچے تو عصر کی نماز میں قصر فرمایا، معلوم ہوا کہ سفر شروع ہوگیا اور قصر کے لیے دن کے بعد رات، یا رات کے بعد دن کا آنا شرط نہیں، جن لوگوں نے یہ شرط لگائی ہے روایت ان کی تردید کررہی ہے۔

دوسری روایت حضرت عائشہؓ کی ہے جس میں سفر وحضر اور قصر واتمام کا مقابلہ ہے اس کا تقاضا ہے کہ جب تک انسان سفر نہ کرے وہ حضر میں ہے اس کو مسافر نہیں کہا جائے گا اور اس سے سفر کے احکام متعلق نہ ہوں گے، شریعت میں معتبر مسافت کے بقدر سفر کی نیت کرکے آبادی سے باہر نکل گیا تو اس کو مسافر کہا جائے گا اور قصر کے احکام متعلق ہوجائیں گے اس میں دن کے بعد رات، اور رات کے بعد دن شروع ہونے کی قید نہیں ہے، دونوں روایات سے عطاء کی رائے اور مجاہد کی رائے کی تردید ہورہی ہے۔

وقال الزهری الخ زہری کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عروہ سے سوال کیا کہ اس روایت کے باوجود حضرت عائشہ کا اتمام کرنا سمجھ میں نہیں آیا؟ تو انہوں نے فرمایا **تاولت ما تاول عثمان** کہ حضرت عثمان نے بھی تاویل کرکے اتمام کیا اور حضرت عائشہ بھی تاویل کرکے اتمام کرتی ہیں، حضرت عثمان کے بارے میں تاویلات گذر چکی ہے جن کا حاصل یہ تھا کہ وہ مقیم بن کر اتمام کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ مسافر اگر سیر کی حالت میں ہے تو مسافر ہے اور کہیں ٹھہر جائے تو مقیم کے حکم میں ہے، اسی طرح کی تاویل حضرت عائشہ بھی کرتی ہیں، یہ تاویل منقول ہے اور اس پر بحث کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

[۶] بَابٌ يُصَلِّى الْمَغْرِبَ ثَلٰثًا فِي السَّفَرِ

(۱۰۹۱) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَآءِ ، قَالَ سَالِمٌ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ اِذَا اَعْجَلَهُ السَّيْرُ . (آئندہ: ۱۰۹۲، ۱۱۰۶، ۱۱۰۹، ۱۶۶۸، ۱۶۷۳، ۱۸۰۵، ۳۰۰۰)

(۱۰۹۲) وَزَادَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَالِمٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ قَالَ سَالِمٌ وَاَخَّرَ ابْنُ عُمَرَ الْمَغْرِبَ وَكَانَ اسْتُصْرِخَ

عَلٰی امْرَاتِهٖ صَفِیَّةَ بِنْتِ اَبِی عُبَیْدٍ فَقُلْتُ لَهٗ الصَّلٰوةَ، فَقَالَ سِرْ فَقُلْتُ لَهٗ الصَّلٰوةَ فَقَالَ سِرْ حَتّٰی سَارَ مِیْلَیْنِ اَوْ ثَلٰثَةً ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ قَالَ هٰکَذَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یُصَلِّی اِذَا اَعْجَلَهُ السَّیْرُ، وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ اِذَا اَعْجَلَهُ السَّیْرُ یُقِیْمُ الْمَغْرِبَ فَیُصَلِّیْهَا ثَلٰثًا ثُمَّ یُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا یَلْبَثُ حَتّٰی یُقِیْمَ الْعِشَآءَ فَیُصَلِّیْهَا رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ یُسَلِّمُ وَلَا یُسَبِّحُ بَعْدَ الْعِشَآءِ حَتّٰی یَقُوْمَ مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ. (گزشتہ:۱۰۹۱)

ترجمہ باب، مسافر مغرب کی نماز سفر میں تین رکعت پڑھے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز میں تاخیر کرتے اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھتے، سالم نے کہا کہ عبداللہ بن عمر کو چلنے کی جلدی ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، اور لیث بن سعد نے بہ سند یونس عن ابن شہاب یہ اضافہ کیا کہ سالم نے کہا کہ ابن عمر مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے، سالم نے کہا کہ ابن عمر نے مغرب کی نماز کو مؤخر کیا اور اس وقت ان کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید کی شدید بیماری کی خبر آئی تھی تو میں نے ان سے کہا کہ نماز (مغرب) کا وقت ہو گیا ہے، تو انہوں نے فرمایا چلتے رہو، پھر میں نے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے تو فرمایا چلتے رہو، یہاں تک کہ وہ دو میل یا تین میل چلتے رہے، پھر اترے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا کہ جب چلنے کی جلدی ہوتی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ مغرب کی نماز کے لیے اقامت کہلواتے پھر تین رکعتیں پڑھتے پھر سلام پھیر دیتے پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے یہاں تک کہ عشاء کی اقامت کہلواتے، پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھتے پھر سلام پھیر دیتے، اور عشاء کے بعد سنت نہ پڑھتے یہاں تک کہ آدھی رات کے بعد بیدار ہو کر نماز پڑھتے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ قصر رباعی نماز میں ہوتا ہے، ثلاثی میں نہیں، مغرب کی نماز سفر ہو یا حضر تین رکعت ہی پڑھی جائے گی، ابن دحیہ سے مغرب میں بھی قصر کی بات منقول ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیر کر، تیسری رکعت اس کے ساتھ ملائی جائے، امام بخاریؒ نے ترجمہ رکھ کر اس کی تردید کر دی۔

تشریح احادیث باب کے تحت امام بخاری نے حضرت ابن عمر کی دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کو چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کو غروب شمس کے فوراً بعد ادا نہ فرماتے بلکہ اس قدر مؤخر کرتے کہ اس کو عشاء کے ساتھ جمع کر لیا جائے تاکہ نماز کے لیے دو مرتبہ اترنے کی ضرورت نہ ہو کہ اس سے منزل تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے گی، اس مصلحت سے مغرب کو مؤخر کر دیا جاتا لیکن یہ تاخیر صرف اس درجہ ہوتی تھی کہ مغرب کی نماز کو، مغرب ہی کے آخر وقت میں پڑھتے تھے، کیونکہ فرماتے ہیں: حتی یجمع بینها وبین العشاء، یہ نہیں فرماتے حتی یصلیها فی وقت العشآء، نسائی شریف کی روایت میں اس کی مکمل وضاحت ہے، حتی اذا کان فی آخر الشفق نزل فصلی المغرب ثم اقام العشاء وقد تواری

الشـفـق ، یعنی شفق کا آخری وقت ہوا تو مغرب کی نماز پڑھی، پھر شفق کے غروب کے بعد عشاء کی نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ جمع کی وہی صورت ہوئی جسے حنفیہ جمع صوری کہتے ہیں۔

دوسری روایت میں حضرت سالم نے بیان کیا کہ ابن عمر مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ مناسکِ حج میں سے ہے، اور سب کے نزدیک جمع حقیقی ہے، پھر سالم نے ابن عمر کے بارے میں فرمایا کہ انہیں اپنی بیوی صفیہ بنت ابی عبید - جو مختار ثقفی کی بہن تھیں - کے بارے میں سخت بیماری کی اطلاع ملی، بخاری ہی میں کسی جگہ آئے گا بـلـغـت من صفية بنت ابی عبید شدة وجع ، یہ بھی منقول ہے کہ صفیہ نے خود اپنی بیماری کی اطلاع دی تھی کہ میری زندگی کا آخری اور میری آخرت کا پہلا دن ہے، اس لیے ابن عمر راستے کو بڑی تیزی سے طے کرتے ہوئے جا رہے تھے، مغرب کا وقت ہوا تو عرض کیا گیا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ چلتے رہو، پھر دوبارہ توجہ دلائی گئی تو فرمایا چلتے رہو، پھر دو یا تین میل چلنے کے بعد اترے اور پہلے مغرب کی نماز پڑھی، پھر قدرے توقف کے بعد عشاء کی نماز پڑھی۔

غور کیجئے کہ مغرب کے وقت کے بعد سواری سے اور وہ بھی تیز رفتار سواری سے دو یا تین میل طے کر کے مغرب کی نماز پڑھ رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس رفتار سے اس مسافت کو طے کرنے میں شفق کے غروب کا سوال پیدا نہیں ہوتا اس لیے نسائی کی مندرجہ بالا روایت کے مطابق مغرب کی نماز غروب شفق سے پہلے پڑھی گئی، اور عشاء کی نماز غروب شفق کے بعد، دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت میں نہیں پڑھا گیا، بلکہ دونوں کو صورۃً جمع کیا گیا۔ واللہ اعلم

[۷] بَابُ صَلٰوةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الدَّوَابِّ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهٖ

(۱۰۹۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ . (آئندہ: ۱۰۹۷، ۱۱۰۴)

(۱۰۹۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِيْ غَيْرِ الْقِبْلَةِ . (گذشتہ: ۴۰۰)

(۱۰۹۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا وَيُخْبِرُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهٗ . (گذشتہ: ۹۹۹)

ترجمہ باب، نفل نماز کے سواری پر پڑھنے کا بیان خواہ اس کا رخ کسی بھی طرف ہو، حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی پر نماز پڑھتے رہتے تھے خواہ اس کا رخ کسی بھی سمت ہوتا تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سوار ہونے کی حالت میں غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نفل نماز پڑھتے تھے۔ نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی اونٹنی پر نماز پڑھتے تھے اور اس پر وتر پڑھتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ احادیث مین راحلہ (اونٹنی یا اونٹ) کا ذکر ہے اور امام بخاریؒ نے ترجمہ میں دابہ (چوپایہ) کا لفظ استعمال کیا، مقصد یہ ہے کہ سفر میں کسی بھی چوپایہ پر سوار ہو کر نفل پڑھنا درست ہے، اور اس کے جواز پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، نیز یہ کہ اس صورت میں استقبالِ قبلہ بھی شرط نہیں ہے، اگر قبلہ کی طرف جا رہا ہے تو استقبال بھی ہو جائے گا، اور اگر رخ کسی دوسری طرف ہے تو اس طرف بھی نفل نماز درست ہو جائے گی، البتہ تکبیر تحریمہ کے وقت استقبال کو بعض ائمہ نے مستحب قرار دیا ہے اور بعض کی طرف ضروری قرار دینا بھی منسوب ہے۔

سواری اگر دابہ ہو تو یہ حکم ہے، لیکن کشتی یا ریل گاڑی میں نوافل پڑھنے ہوں تو استقبالِ قبلہ ضروری ہے، بلکہ نماز کی حالت میں سواری گھوم جائے اور اس کا رخ بدل جائے تو نمازی کو بھی گھوم کر قبلہ کا استقبال کرنا ہوگا۔

تشریح احادیث باب کے ذیل میں امام بخاری نے عامر بن ربیعہ، جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمر کی روایات ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں حیث توجهت به، دوسری روایت میں فی غیر القبلة سے معلوم ہوا کہ سواری پر نفل پڑھنے ہوں تو استقبال قبلہ ضروری نہیں، تیسری روایت میں یہاں نہ سفر کی صراحت ہے نہ جہت کی، لیکن اگلے ہی باب میں اسی روایت میں یصلی فی السفر علی راحلته اینما توجهت آرہا ہے، اس سے دونوں باتیں ثابت ہو جاتی ہیں۔

نیز یہ کہ اس روایت میں ابن عمر کے راحلہ پر وتر پڑھنے کا ذکر ہے، جب کہ ابن عمر سے وتر کو دابہ سے اتر کر پڑھنا بھی صحیح روایات میں موجود ہے، حنفیہ کے یہاں چونکہ وتر واجب ہے، اس لیے عذر شرعی کے بغیر اس کو راحلہ پر پڑھنا جائز نہیں، ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر کا عمل دونوں طرح کا رہا ہو، لیکن ہمارے اصول کے مطابق دابہ پر پڑھنا پہلے کی بات ہے جب تک وتر کی حیثیت متعین نہیں تھی، حیثیت کے بدل جانے کے بعد اتر کر پڑھنا ہی ضروری ہے، یہ بحث تفصیل کے ساتھ ابواب الوتر میں گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۸] بَابُ الْاِيْمَآءِ عَلَى الدَّابَّةِ

(۱۰۹۶) حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ

ابنُ دِينارٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ اَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِيْ وَذَكَرَ عَبْدُ اللهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهٗ. (گذشتہ:۹۹۹)

ترجمہ باب، سواری (دابہ) پر اشارے سے رکوع وسجود کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن عمر سفر میں اپنی سواری پر جدھر بھی اس کا رخ ہوتا اشارہ کر کے نفل نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح حدیث شریعت نے یہ آسانی دی ہے کہ نوافل کو دابہ پر پڑھنے کی اجازت ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں رکوع وسجود کا موقع نہیں ہوتا تو اشارے سے رکوع وسجود کرنا جائز ہے، روایت میں آیا کہ حضرت ابن عمر سفر میں سواری پر نماز نفل پڑھتے تو رکوع وسجود کے لیے سر کے اشارے سے کام لیتے یعنی سجود کے لیے پیشانی کو دابہ کی پشت پر نہیں رکھتے تھے۔

پھر انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ بھی ایسا کرتے تھے، اس کی صراحت اور تفصیل اسی روایت کے دوسرے طریق میں ہے جو باب الوتر فی السفر میں گذر چکی ہے، **کان النبی ﷺ یصلی فی السفر علی راحلته حیث توجهت به یومئ ایماء ا، الحدیث**، نیز یہ کہ سجود کے اشارے میں رکوع سے زیادہ جھکنا چاہیے جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو راحلہ پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا **والسجود اخفض من الرکوع**۔ واللہ اعلم

[۹] بَابٌ يَنْزِلُ لِلْمَكْتُوْبَةِ

(۱۰۹۷) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ عَامِرَ بْنَ رَبِيْعَةَ اَخْبَرَهٗ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ يُوْمِيْ بِرَأْسِهٖ قِبَلَ اَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ. (گذشتہ:۱۰۹۳)

(۱۰۹۸) وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ سَالِمٌ كَانَ عَبْدُ اللهِ يُصَلِّيْ عَلٰى دَابَّتِهٖ مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُسَافِرٌ مَا يُبَالِيْ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ اَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْهَا الْمَكْتُوْبَةَ. (گذشتہ:۹۹۹)

(۱۰۹۹) حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فُضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ

بْنِ ثَوْبَانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یُصَلِّیَ الْمَکْتُوْبَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ۔　　(گذشتہ:۴۰۰)

ترجمہ باب، فرض نماز کے لیے سواری سے اترنے کا بیان۔ حضرت عامر بن ربیعہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اونٹنی پر نفل نماز پڑھ رہے تھے، اپنے سر سے اشارہ کررہے تھے، جس طرف بھی رخ ہوتا تھا، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز میں ایسا نہیں کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رات میں سفر کی حالت میں اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے، اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اس کا رخ کدھر ہے، ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر نفل نماز پڑھتے تھے، جس جانب بھی اس کا رخ ہو، اور اسی پر وتر پڑھتے تھے مگر یہ کہ آپ فرض نماز اس پر نہیں پڑھتے تھے، حضرت جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی طرف رخ کیے ہوئے نفل نماز پڑھ لیتے تھے پھر جب فرض نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو سواری سے اتر جاتے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔

مقصد ترجمہ عذر شرعی کے بغیر دابہ پر فرض ادا کرنا جائز نہیں، عذرِ شرعی یہ کہ اترنے میں مثلاً درندوں سے یا قزاقوں سے جان ومال کا خطرہ ہے، یا مثلاً زمین زیادہ گلناک ہے یا دابہ اتنا سرکش ہے یا خود انسان اتنا معذور ہے کہ اتر گیا تو سوار ہونا ممکن نہ ہوگا وغیرہ، اس طرح کا عذر شرعی ہوگا تو دابہ پر بھی فرض ادا کرنے کی اجازت ہوگی لیکن عذر شرعی نہ ہو یعنی حالات پر امن ہوں اور اس کو قدرت حاصل ہو تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ فرض کی ادائیگی کے لیے زمین پر اترنا ہوگا، امام بخاری کی رائے بھی یہی ہے۔

تشریح احادیث امام بخاری نے تین روایات ذکر کی ہیں اور تینوں روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ فریضہ سواری سے اتر کر پڑھا جائے گا، پہلی روایت میں آیا کہ حضور ﷺ نوافل میں رکوع وسجود کے لیے سر کے اشارے سے کام لیتے تھے، فریضہ میں نہیں، وجہ ظاہر ہے کہ فریضہ کو اتر کر پڑھتے تھے، تو استقبالِ قبلہ اور رکوع وسجود کا اہتمام ہوتا تھا، پھر دوسری اور تیسری روایت میں فریضہ کے لیے سواری سے اترنے کی صراحت ہے۔

جس طرح فریضہ کے لیے سواری سے اترنے پر، استقبالِ قبلہ اور رکوع وسجود کا اہتمام کرنے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اسی طرح تفصیلات میں قدرے فرق کے ساتھ نوافل میں توسع پر بھی اتفاق رائے ہے، اور اسکی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ثواب دینے کے لیے نوافل میں یسر کے احکام عطا فرمائے ہیں تاکہ بندے نوافل میں کثرت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب اور زیادہ سے زیادہ اجر وثواب حاصل کریں۔　　واللہ اعلم

[۱۰] بَابُ صَلٰوةِ التَّطَوُّعِ عَلَی الْحِمَارِ

(۱۱۰۰) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَبَّانُ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَنَسُ بْنُ

سِيْرِيْنَ قَالَ اسْتَقْبَلْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِيْنَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ فَلَقِيْنَاهُ بِعَيْنِ التَّمْرِ فَرَأَيْتُهٗ يُصَلِّي عَلٰى حِمَارٍ وَوَجْهُهٗ مِنْ ذَا الْجَانِبِ يَعْنِي عَنْ يَسَارِ الْقِبْلَةِ فَقُلْتُ رَاَيْتُكَ تُصَلِّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ فَقَالَ لَوْ لَا اَنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهٗ لَمْ اَفْعَلْهُ ، رَوَاهُ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

ترجمہ باب، گدھے پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنے کا بیان۔ انس بن سیرین نے بیان کیا کہ جب حضرت انس بن مالک شام سے واپس آئے تو ہم نے ان کا استقبال کیا اور مقام عین التمر میں ان سے ہماری ملاقات ہوئی، تب میں نے دیکھا کہ وہ گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کا رخ اس جانب یعنی قبلہ سے بائیں طرف تھا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا، اس حدیث کو ابراہیم بن طہمان نے بہ سند حجاج عن انس بن سیرین عن انس بن مالک نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

مقصد ترجمہ صلوۃ التطوع علی الدواب، گذر چکا ہے اور حمار بھی دواب میں داخل ہے مگر گدھے میں کچھ خصوصی امور پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے شبہ ہو سکتا ہے کہ اس پر سوار ہو کر نماز جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً یہ کہ شیطان سے اس کا قریب کا تعلق ہے، نیز یہ کہ وہ ناپاک ہے اور حلال نہیں ہے اس لیے اس کا پسینہ بھی اصول کے مطابق ناپاک ہونا چاہیے اور سوار ہونے کے بعد پسینہ کا سوار کے جسم اور کپڑوں سے لگنا ضروری ہوتا ہے، نیز یہ کہ روایات میں آتا ہے کہ اس کے سامنے سے گذرنے سے نماز منقطع ہو جاتی ہے، ان احوال کی بنا پر شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس پر سوار ہو کر نماز پڑھنا جائز نہ ہو، بلکہ شاید سوار ہونا بھی جائز نہ ہو، امام بخاریؒ نے ترجمہ رکھ کر بتا دیا کہ یہ سب جائز ہے۔

تشریح حدیث روایت پیش کی جس سے حضرت انسؓ کا گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھنا ثابت ہے، کہ وہ حجاج کی شکایت لے کر عبدالملک بن مروان کے پاس شام گئے تھے، پھر وہاں سے واپس ہوئے تو انس بن سیرین کہتے ہیں کہ ہم ان کی واپسی کے موقع پر استقبال کے لیے نکلے تو مقام عین التمر پر۔ جو عراق کی حدود میں تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی، اس وقت حضرت انس گدھے پر سوار تھے اور اس پر بیٹھ کر قبلہ کو اپنی بائیں سمت میں لے کر نماز پڑھ رہے تھے، انس بن سیرین کو گدھے کی پشت پر نماز پڑھنے سے تو حیرت نہ ہوئی البتہ غیر قبلہ کی طرف رخ دیکھ کر انہیں بڑی حیرت ہوئی اور انہوں نے حضرت انس سے سوال کیا کہ آپ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا۔

مطلب یہ ہوا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، نیز یہ کہ اگر چہ اس روایت میں نہیں ہے مگر درجہ حسن کی روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت انس نے حضور ﷺ کو خیبر کی طرف جاتے

ہوئے دیکھا اور اس وقت آپ گدھے پر سواری کی حالت میں نماز پڑھ رہے تھے، بالکل اسی طرح کی صحیح روایت مسلم میں حضرت ابن عمر سے بھی ہے، معلوم ہوا کہ گدھے کی سواری بھی جائز ہے، اس پر سوار ہو کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے، اور سفر میں نوافل میں سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

[۱۱] بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ دُبُرَ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلَهَا

(۱۱۰۱) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ اَنَّ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ حَدَّثَهُ، قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ صَحِبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ . (آئندہ:۱۱۰۲)

(۱۱۰۲) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ عِيْسَى بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِيْ اَنَّهُ، سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ . (گذشتہ:۱۱۰۱)

ترجمہ باب، ان لوگوں (کی دلیل) کا بیان جو سفر میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد سنتیں نہ پڑھیں۔ حفص بن عاصم نے عمر بن محمد سے بیان کیا کہ میں نے ابن عمر سے پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہا تو میں نے آپ کو سفر میں سنتیں پڑھتے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة، یعنی تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات قابل تقلید نمونہ ہے۔ حفص بن عاصم سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان بھی اسی طرح کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ ترجمہ کے الفاظ میں نسخوں کا اختلاف ہے، اور مقصد ترجمہ کی تعیین میں ان کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ہمارے ہندوستانی نسخہ میں دبر الصلوات وقبلها یعنی دبر اور قبل دونوں الفاظ ہیں، اس صورت میں مقصد ترجمہ کا خلاصہ یہ ہوگا کہ سنن راتبہ، نماز سے پہلے ہوں یا نماز کے بعد، ان پر عمل سفر میں نہیں کیا جائے گا، یا یہ کہ اگر کوئی ان کو ترک کر دے تو اس کی گنجائش ہے، جب کہ بعض نسخوں میں یہاں قبلها کا لفظ نہیں ہے، اس صورت میں مقصد یہ ہوگا، کہ بخاری سننِ قبلیہ کی نہیں صرف سننِ بعدیہ کی نفی کر رہے ہیں گویا سفر میں سننِ قبلیہ ادا کی جائیں گی جیسے سنتِ فجر، لیکن سننِ بعدیہ کا عمل سفر میں نہیں ہے۔

تشریح احادیث حضرت ابن عمر کی دو روایات پیش کی ہیں، پہلی روایت میں ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں سفر میں حضور پاک ﷺ کے ساتھ رہا ہوں، میں نے آپ کو کبھی نوافل پڑھتے نہیں دیکھا اور

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، (بے شک رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے) مطلب یہ ہوا کہ آپ سفر میں سنن نہیں پڑھتے تھے اس لیے تمہیں بھی انہیں نہیں پڑھنا چاہیئے، دوسری روایت میں حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ حضور ﷺ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آگے تطوعات تو یہاں اس کی صراحت نہیں ہے، مگر کہا جا سکتا ہے کہ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ سفر میں فریضہ ہمیشہ قصر کے ساتھ ادا ہوا وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر میں سنن کی ادائیگی نہیں کی گئی، پھر اس کے ساتھ مسلم کی اس روایت کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر ظہر کی دو رکعت پڑھ کر اپنی سواری کے قریب آگئے پھر دیکھا کہ کچھ لوگ مزید نماز پڑھ رہے ہیں تو پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، بتایا گیا کہ نوافل پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا لو کنت مسبحا لاتممت، کہ اگر مسافر کو سنن کی اجازت ہوتی تو سنن سے بہتر تھا کہ وہ اتمام کرے، معلوم ہوا کہ مسافر کے لیے اتمام نہ کرنا اور سنن کا اہتمام نہ کرنا ہی اصل ہے۔

پھر ابن عمر نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان کا عمل بھی اسی طرح تھا، یعنی نہ وہ اتمام کرتے تھے نہ سنن قبلیہ اور بعدیہ پڑھتے تھے، حضرت عثمان کے بارے میں اشکال ہو سکتا ہے کہ انہوں نے خلافت کے آخری ایام میں حج کے موقعہ پر اتمام کیا، مگر اس کی تاویلات گذر چکی ہیں اور راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالتِ سیر میں قصر پر عمل پیرا تھے اور اسی کو ابن عمر بیان فرما رہے ہیں، اور قیام کی صورت میں خواہ وہ کتنا ہی مختصر ہوا تمام فرما لیتے تھے۔

واللہ اعلم

[۱۲] بَابُ مَنْ تَطَوَّعَ فِي السَّفَرِ فِيْ غَيْرِ دُبُرِ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلَهَا وَرَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

(۱۱۰۳) حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ مَا اَخْبَرَنَا اَحَدٌ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الضُّحٰى غَيْرُ اُمِّ هَانِئٍ ذَكَرَتْ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِيْ بَيْتِهَا فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكْعَاتٍ فَمَا رَاَيْتُهٗ صَلّٰى صَلٰوةً اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ. (آئندہ: ۱۱۷۶، ۴۲۹۲)

(۱۱۰۴) وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ رَاَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى السُّبْحَةَ بِاللَّيْلِ فِي السَّفَرِ عَلٰى ظَهْرِ رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ. (گذشتہ: ۱۰۹۳)

(۱۱۰۵) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ

عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُسَبِّحُ عَلٰى ظَهْرِ رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ يُوْمِئُ بِرَاْسِهٖ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ ۔ (گذشتہ:۹۹۹)

ترجمہ باب، ان لوگوں (کی دلیل کا) بیان جو فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنن کے علاوہ نوافل پڑھیں۔ اور حضور ﷺ نے سفر میں فجر کی دو سنتیں پڑھیں۔ ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں ام ہانی کے علاوہ کسی نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہے، ام ہانی نے ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں غسل کیا پھر آٹھ رکعت نماز پڑھی، پس میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے اس سے زیادہ ہلکی نماز پڑھی ہو، مگر یہ کہ آپ اس میں رکوع وسجود کو تمامیت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ حضرت عامر بن ربیعہ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سفر میں رات کے وقت اپنی سواری کی پشت پر نماز تہجد پڑھتے دیکھا جس طرف سواری کا رخ ہوتا اسی طرف نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری کی پشت پر نماز پڑھتے تھے جس طرف بھی سواری کا رخ ہو، اور آپ رکوع وسجود کے لیے سر کا اشارہ کرتے تھے، اور سالم نے کہا کہ ابن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب سے معلوم ہوا کہ جو تطوعات نماز فرض سے پہلے یا بعد میں ادا کئے جاتے ہیں جن کو سننِ رواتب بھی کہتے ہیں ان کو سفر میں چھوڑ دیا جاتا تھا، اب اس باب میں یہ بیان کرتے ہیں کہ سننِ رواتب کے علاوہ جو نوافل ہیں جیسے اشراق، فیٔ الزوال اور تہجد وغیرہ، ان کا عمل سفر میں جاری رہتا تھا، وجہ بظاہر یہ ہے کہ سننِ رواتب کا شریعت کی جانب سے مطالبہ ہے کہ وہ فرائض کی تکمیل کے لیے ہیں اور سفر کی حالت تخفیف کا تقاضا کرتی ہے، جب کہ دیگر نوافل کا شریعت میں مطالبہ نہیں ہے، بلکہ انسان ان کو اپنی ترقی کے لیے اپنے شوق ورغبت سے اختیار کرتا ہے، کرے تو ثواب ہی ثواب ہے، نہ کرے تو کوئی ملامت یا عتاب نہیں ہے، اس لیے جہاں مطالبہ تھا وہاں شریعت نے عمل کو موقوف کر کے سفر میں بارِ طبیعت کو ختم کر دیا اور جہاں مطالبہ نہیں تھا وہاں گویا بار ہی نہیں تھا، اس لیے شریعت نے کارِ خیر سے نہیں روکا، جسے کرنا ہے شوق سے کرے اور اپنی دینی ترقی کا سروسامان بہم پہنچائے۔

ورکع النبی الخ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں فجر کی سنتیں پڑھیں، یہ اس طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں فجر کی نماز سونے کی وجہ سے قضا ہوگئی تھی اور بیدار ہونے کے بعد فجر کی نماز سے پہلے سنتیں پڑھی تھیں، یہ روایت مسلم شریف میں ہے۔

لیکن سفر میں سننِ رواتب کے ترک کے بارے میں امام بخاریؒ نے جو کہا تھا، سنتِ فجر کا پڑھنا اس کے خلاف ہے، اس لیے کہا جائے گا کہ یا تو امام بخاریؒ کے نزدیک سنتِ فجر کا درجہ دیگر سننِ رواتب سے زیادہ ہے، اس لیے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ سب سے زیادہ مؤکد ہیں اور ان میں وجوب کی شان پائی جاتی ہے، بلکہ بعض حضرات نے تو صراحت کے ساتھ وجوب کی بات کہی ہے، اور اگر اس کو بھی تطوعات اور سننِ رواتب ہی میں شمار کریں تو

کہا جائے گا کہ امام بخاریؒ نے سنتِ فجر کا استثناء کیا ہے۔

تشریح احادیث اس باب میں امام بخاری نے تین روایات ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں ام ہانی نے بتایا کہ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام نے چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا کیں ظاہر ہے کہ آپ اس وقت سفر میں تھے، معلوم ہوا کہ سفر کے دوران رواتب کے علاوہ دیگر تطوعات پر عمل رہا ہے۔

دوسری روایت عامر بن ربیعہ اور تیسری روایت ابن عمر کی ہے جن میں سفر کی حالت میں آپ کے نوافل پڑھنے کا ذکر ہے، ان سے بھی سفر کے دوران رواتب کے علاوہ دیگر تطوعات کا پڑھنا معلوم ہوا۔

و کان ابن عمر یفعله حدیثِ مرفوع کے بعد، امام بخاریؒ نے حدیثِ موقوف ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ سفر کے دوران دیگر تطوعات پر صحابۂ کرام کا عمل برابر جاری رہا ہے، اور اس کا کوئی معارض یا ناسخ نہیں ہے، اس لیے امام بخاریؒ کا مقصد ثابت ہو گیا۔

دونوں ابواب کی وجہ نوافل کے ترک یا ان پر عمل کے لیے امام بخاریؒ کے منعقد کردہ دونوں ابواب میں اصل بات یہ ہے کہ فرائض کے علاوہ تطوعات یا سنن ونوافل کے سلسلے میں روایات میں دونوں طرح کی باتیں منقول ہیں، بعض سے پڑھنا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے ترک کرنا اس لیے امام بخاریؒ نے دو باب منعقد کر کے تطبیق کی صورت بتائی ہے، بخاری کہتے ہیں کہ جن روایات میں ترک کی بات آرہی ہے وہ سننِ رواتب سے متعلق ہیں اور جن روایات میں پڑھنے کا ذکر ہے ان کا تعلق رواتب کے علاوہ دیگر نوافل سے ہے۔

بعض حضرات نے تطبیق کی دیگر صورتیں اختیار کی ہیں، امام محمد کی طرف منسوب ہے کہ ترک کا تعلق حالتِ سیر سے ہے اور پڑھنے کا تعلق حالتِ قیام سے ہے، یعنی اگر چلتے چلتے اتر کر فرائض ادا کرنے کی نوبت آتی ہے تو سننِ رواتب کو ترک کرنا درست ہے اور اگر کہیں ٹھہرا ہوا ہے تو اس کو سنن کا اہتمام کرنا چاہیئے، امام محمد کی بات زیادہ معقول اور قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے، حنفیہ کے یہاں فتویٰ بھی اسی پر ہے، درمختار میں ہے، ویاتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار والا بان کان فی خوف وفرار لا یاتی بها، هو المختار جب کہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ جن روایات سے پڑھنا معلوم ہوتا ہے وہ بیانِ جواز پر محمول ہیں اور جن سے ترک معلوم ہوتا ہے وہ عدم تاکید پر محمول ہیں کہ سفر میں سنن کی تاکید ختم ہو جاتی ہے مشائخ حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ مسافر سنتِ فجر کے علاوہ دیگر سنن ترک کر دے تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر حالتِ سیر نہ ہو تو سنن کا پڑھنا افضل ہے۔ واللہ اعلم

[۱۳] بَابُ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

(۱۱۰۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ . (گذشتہ:۱۰۹۱)

(۱۱۰۷) وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنِ الْحُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ .

(۱۱۰۸) وَعَنْ حُسَيْنٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ فِي السَّفَرِ وَتَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى عَنْ حَفْصٍ عَنْ أَنَسٍ جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ . (آئندہ:۱۱۱۰)

ترجمہ باب، سفر میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھنے کا بیان۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ جب سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے تھے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر میں حالتِ سیر میں ہوتے تو ظہر اور عصر کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے اور مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے، حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سفر میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے تھے، علی بن مبارک نے بہ سند یحیی عن حفص عن انس، حسین معلم کی متابعت کی ہے۔

مقصد ترجمہ روایاتِ باب میں ظہر وعصر، اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھنے کا تذکرہ ہے، جمع کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں، جمعِ تقدیم، جمعِ تاخیر، اور جمع صوری، جمعِ تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں، اور عشاء کی نماز کو مقدم کر کے مغرب کے وقت میں پڑھا جائے، اور جمع تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے عصر کے وقت میں اور مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں پڑھا جائے، اور جمع صوری جسے جمع فعلی اور جمع مکانی بھی کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ ایک نماز کو اسی نماز کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اسی نماز کے اولین وقت میں پڑھا جائے۔

فقہاء کے مذاہب میں مشہور یہ ہے کہ شوافع کے یہاں جمع بین الصلوتین مطلقاً جائز ہے، حنابلہ کے یہاں بھی جمع کرنا مطلقاً مباح ہے مگر جمع نہ کرنا افضل ہے، مالکیہ کے یہاں سفر میں جلدی کی مجبوری ہو تو جمع کرنا جائز ہے، ابن حزم کے یہاں جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم کی اجازت نہیں، اور حنفیہ کے یہاں جمع کرنا بالکل جائز نہیں اور جتنی روایات ہیں وہ جمع صوری پر محمول ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام بخاریؒ اس ترجمہ میں کیا اشارہ کر رہے ہیں، بعض شارحین کی رائے ہے کہ بخاری ظہر وعصر میں صرف جمع تاخیر کے قائل ہیں اور مغرب وعشاء میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں کے قائل ہیں، لیکن ہماری نظر

میں امام بخاری جمعِ حقیقی کے قائل نہیں ہیں، دیکھئے ترجمہ کے الفاظ ہیں الجمع بین المغرب والعشاء اور یہ بعینہ حدیث کے الفاظ ہیں امام بخاریؒ نے اپنی طرف سے کسی لفظ کا اضافہ نہیں کیا، جس سے ان کا رجحان معلوم ہو سکے، اختلافی مسئلے میں اتنی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی بخاری کے مسلک کی ترجمانی میں احتیاط کو ملحوظ رکھیں، چنانچہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جمع صوری، جمع حقیقی سے زیادہ احوط ہے، کہ جمع حقیقی میں ایک نہ ایک نماز اپنے مقررہ وقت سے نکل جاتی ہے، اور جمع صوری میں ہر نماز اپنے وقتِ مقرر پر ادا ہوتی ہے، صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک نماز وقتِ مقرر کے آخر میں، اور دوسری وقتِ مقرر کے اول میں ادا ہوتی ہے، اس لیے اس ترجمہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنے کا طریقہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مغرب کی نماز کو مغرب ہی کے آخر وقت تک مؤخر کر کے پڑھا جائے اور عشاء کی نماز کو عشاء ہی کے اولین وقت میں پڑھ لیا جائے، روایات کی تشریح کے دوران یہ بات صاف ہو جائے گی۔

تشریح روایتِ اول پہلی روایت حضرت ابن عمر کی ہے کہ حضور ﷺ کو چلنے کی جلدی ہوتی تو آپ مغرب اور عشاء کو جمع کر لیا کرتے تھے، یہاں اس روایت میں بس اتنی ہی بات ہے یعنی یہ مذکور نہیں کہ جمع تقدیم فرماتے ہیں، یا جمع تاخیر یا جمع صوری، لیکن یہی روایت چند باب پہلے یصلي المغرب ثلاثا میں گذر چکی ہے جہاں جمع صوری کی وضاحت تھی، روایت میں مذکور تھا کہ ابن عمر کو اپنی اہلیہ صفیہ کی بیماری کی وجہ سے سفر کی جلدی تھی، مغرب کا وقت ہوا تو سالم نے نماز کے لیے عرض کیا تو ابن عمر نے فرمایا چلتے رہو، پھر تیز رفتار سواری سے دو تین میل چلنے کے بعد اترے اور پہلے مغرب کی نماز پڑھی، گویا غروب شفق سے پہلے اس لیے کہ تیز رفتار سواری سے دو تین میل کی مسافت طے کرنے میں اتنا وقت نہیں گذرے گا کہ شفق غروب ہو جائے۔

پھر اسی روایت میں ابن عمر نے حضور ﷺ کی جمع کا طریقہ بتایا کہ جب آپ کو چلنے کی جلدی ہوتی تو آپ مغرب کی نماز پڑھتے، پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے اور اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے پھر نسائی کی بہ سند صحیح روایت میں یہ صراحت ہے حتی اذا كان في آخر الشفق نزل فصلى المغرب ثم اقام العشاء وقد توارى الشفق، صراحت ہے کہ مغرب کی نماز غروب شفق سے پہلے یعنی مغرب کے آخری وقت میں، اور عشاء کی نماز غروب شفق کے فوراً بعد یعنی عشاء کے اولین وقت میں پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ مغرب اور عشاء کی یہ جمع، جمع تقدیم یا جمع تاخیر نہیں تھی، بلکہ جمع صوری تھی۔

تشریح روایتِ دوم دوسری روایت ابن عباس کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر کی حالت میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے، یہاں بھی لفظ کان یجمع ہے اور ازروئے لغت تینوں طرح کی جمع یعنی جمع تقدیم، جمع تاخیر اور جمع صوری کو شامل ہے، اور اس روایت میں یہاں کسی طرح کی وضاحت نہیں،

لیکن چونکہ وہ حضور ﷺ کا عمل نقل کررہے ہیں اس لیے یہ بات طے ہے کہ آپ کا عمل ان تینوں میں سے ایک ہی رہا ہوگا، اس کو معلوم کرنے کے لیے روایت کے دیگر طرق کو دیکھنا ضروری ہے، چنانچہ ابن عباسؓ ہی کی دوسری روایت میں جو باب من لم یتطوع بعد المکتوبۃ میں آئے گی اس جمع کی وضاحت ہے، روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، ایک ساتھ آٹھ رکعتیں اور ایک ساتھ سات رکعتیں پڑھیں، یعنی ظہر وعصر ایک ساتھ پڑھیں تو آٹھ رکعتیں ہوئیں، اسی طرح مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھیں تو سات رکعتیں ہوئیں، اس روایت کو عمرو بن دینار، ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں قال سمعت ابا الشعثاء قال سمعت ابن عباس الحدیث، پھر اسی روایت میں عمرو بن دینار کہتے ہیں قلت یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظهر وعجل العصر وعجل العشاء واخر المغرب، یعنی آٹھ اور سات رکعتوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ پہلی نماز کو اسی کے وقت میں مؤخر اور دوسری نماز کو اسی کے وقت میں مقدم کردیا ہوگا، تو ابوالشعثاء نے جواب دیا کہ ہاں وانا اظنہ، میرا بھی گمان غالب یہی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کے رواۃ اس کو جمع صوری پر محمول کررہے ہیں۔

نیز یہ کہ خود حضرت ابن عباسؓ سے نسائی میں بالکل یہی بات منقول ہے، فرماتے ہیں: صلیت مع النبی ﷺ الظهر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء، اس روایت سے یہ بات بالکل صاف اور صراحت کے درجہ میں آگئی کہ ابن عباس جس جمع بین الصلوتین کی روایت کررہے ہیں اس سے مراد جمع صوری ہے۔

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت سے تائید

جمع بین الصلوتین کے سلسلے میں ابن عباس سے اور بھی روایات ہیں جن میں ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں رہتے ہوئے یعنی حضر میں خوف، بارش اور سفر کے بغیر ظہر اور عصر، اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا، مسلم شریف کے الفاظ ہیں جمع رسول اللہ ﷺ بین الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر، مسلم ہی کے دوسرے طریق میں ہے من غیر خوف ولا سفر۔

یہ روایت مؤطا امام مالک، ابوداؤد، ترمذی، اور طحاوی وغیرہ میں بھی ہے اور ترمذی نے اس روایت پر کتاب العلل میں یہ تبصرہ کیا ہے کہ میری اس کتاب میں تمام احادیث پر کسی نہ کسی فقیہ کا عمل ہے یعنی تمام احادیث معمول بہا ہیں علاوہ دو حدیثوں کے، جن میں سے ایک حضرت عباسؓ کی یہ روایت ہے، گویا ترمذی کی تحقیق یہ ہے کہ اس روایت کے ظاہر پر کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے گویا یہ منسوخ ہے، لیکن اگر اس کو جمع صوری پر محمول کیا جائے جیسا کہ نسائی کی روایت سے معلوم ہو چکا ہے تو اس صحیح روایت کو غیر معمول بہا یا منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں رہتی اور ظاہر ہے کہ صحیح روایت کو معمول بہا قرار دینا، منسوخ کہنے سے بہتر ہے اور اس کی صورت یہی ہے کہ اس کو جمع صوری پر محمول کیا جائے، اس

سے بھی ابن عباسؓ کی روایت کو جمع صوری پر محمول کرنے کی تائید ہوتی ہے۔

تشریح روایت سوم تیسری روایت حضرت انسؓ کی ہے، **کان النبی ﷺ یجمع الحدیث** کہ حضور ﷺ سفر میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھتے تھے، یہاں لفظ **یجمع** ہے اور از روئے لغت اس میں تینوں طرح کی جمع، یعنی جمع تقدیم، جمع تاخیر اور جمع صوری کا احتمال ہے، اور روایت کے عام طرق میں وقتِ جمع سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں جمع صوری کو احوط ہونے کی بنا پر ترجیح دینی چاہیئے کہ اس صورت میں کسی بھی نماز کو اپنے وقتِ اصلی سے نکال کر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور ہر نماز اپنے مقررہ وقت پر ادا ہو جاتی ہے، خصوصاً اس لیے کہ مسند بزار میں بہ سند حسن حضرت انس کی روایت میں جمع صوری کی صراحت ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں: **انه اذا اراد ان یجمع بین الصلاتین فی السفر اخر الظهر الی آخر وقتها وصلاها وصلی العصر فی اول وقتها ویصلی المغرب فی آخر وقتها ویصلی العشاء فی اول وقتها ویقول هکذا کان رسول الله ﷺ یجمع بین الصلاتین فی السفر .**

جمع صوری پر محمول کرنے کے دیگر دلائل ۱- اس سلسلے میں سب سے مضبوط دلیل تو قرآن کریم ہے جس سے نمازوں کے اوقات کا قطعی اور یقینی ہونا معلوم ہوتا ہے، فرمایا گیا **ان الصلٰوة کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا** (سورۂ نساء) نماز اہل ایمان کے لیے ایسا فریضہ ہے جس کے اوقات معین ہیں، نیز دوسری جگہ فرمایا **حافظوا علی الصلوات** (سورۂ بقرہ: آیت: ۲۳۸) محافظت کے مفہوم میں اوقات کی پابندی بھی داخل ہے اس لیے کسی بھی نماز میں تقدیم وتاخیر کی گنجائش نہیں اور جن اخبار آحاد سے تقدیم یا تاخیر کی بات معلوم ہوتی ہے ان میں تاویل کرنا ضروری ہے اور تاویل ممکن نہ ہو تو ان کا ترک کرنا ضروری ہوگا، چنانچہ جن روایات سے جمع تقدیم یا جمع تاخیر پر استدلال کیا جاتا ہے ان کو جمع صوری پر محمول کرنا ضروری ہے۔

۲- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے **ما رأیت رسول الله ﷺ صلی صلوة لغیر میقاتها الا صلوتین ، جمع بین المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتها** (رواہ الشیخان) نسائی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں **کان رسول الله ﷺ یصلی الصلوة لوقتها الا بجمع وعرفات** ، (رواہ النسائی واسنادہ صحیح) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز وقت مقررہ پر پڑھتے تھے دو نمازوں کے علاوہ، شیخین کی روایت میں یہ دو نمازیں ہیں ایک مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھنا، اور پھر وہاں فجر کی نماز کا اول وقت میں پڑھنا، اور نسائی کی روایت میں مغرب وعشاء کا مزدلفہ میں اور ظہر وعصر کا عرفات میں جمع کر کے پڑھنا اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی تمام عمر کی نمازوں کے بارے میں وہ بتا رہے ہیں کہ آپ کی کوئی نماز وقتِ مقررہ سے نکل کر ادا نہیں ہوئی۔

غور کیجئے کہ اول تو عبداللہ بن مسعود کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ، نیز تمسکوا بعهد ابن ام عبد (ترمذی) کہ جو ابن مسعود بیان کریں اس کی تصدیق کرو، اور امور دین میں جن چیزوں کی وہ تاکید کریں اس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو، دوسرے یہ کہ جو صحابۂ کرام جمع بین الصلوٰتین کی روایت نقل کررہے ہیں ان میں بیشتر کا تعلق غزوۂ تبوک کے سفر سے ہے اور عبداللہ بن مسعود بھی اس میں شریک ہیں، وہ جمع بین الصلاتین کی نفی کررہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سفر میں جو جمع بین الصلاتین ہوا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی نظر میں جمع صوری تھا، جمع حقیقی یعنی جمع تقدیم اور جمع تاخیر نہیں تھا۔

۳- حضرت عبداللہ بن مسعود نے صرف نفی کی تھی، اور حضرت عمر نے اطراف مملکت میں جو حکم نافذ فرمایا وہ اس سے بھی اہم ہے، مؤطا امام محمد میں امام محمد نے نقل فرمایا کہ ہمیں ثقہ علماء کے ذریعہ یہ بات پہنچی کہ علاء بن الحارث نے امام مکحول شامی سے حضرت عمر کا یہ حکم نقل کیا ہے انه کتب فی الآفاق ینهاهم ان یجمعوا بین الصلاتین ویخبرهم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر، حضرت عمرؓ نے اطراف حکومت میں تحریری حکم بھیجا جس میں جمع بین الصلاتین سے منع کیا تھا اور یہ اطلاع دی تھی کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔

۴- یہی مضمون متعدد صحابۂ کرام سے منقول ہے، ترمذی میں ابن عباسؓ کی روایت ہے من جمع بین الصلاتین من غیر عذر فقد اتی بابا من الکبائر؛ اس روایت میں ایک راوی متکلم فیہ ضرور ہے، لیکن روایت کے متعدد شواہد ہیں، جیسے حضرت عمرؓ کا مندرجہ بالا حکم، نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے الجمع بین الصلاتین من غیر عذر من الکبائر، مطلب یہ ہے کہ نسیان، نوم یا جان و مال کے خطرے جیسی مجبوری ہو تو الگ بات ہے، ورنہ نماز کو کسی بھی صورت میں وقت مقررہ ہی پر پڑھا جائے گا، اور اس مجبوری کے بغیر دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا بڑا گناہ سمجھا جائے گا۔

جمع صوری پر کیے گئے اشکالات مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ روایت میں جہاں جہاں جمع بین الصلاتین کا ذکر آیا ہے اس سے جمع صوری مراد لینے میں یہ خوبی ہے کہ اس میں کسی نماز کا وقتِ مقررہ سے اخراج لازم نہیں آتا اور مسافر کو یہ راحت ملتی ہے کہ وہ ایک بار کے نزول میں دو نمازوں کو ادا کرلیتا ہے، لیکن جمع حقیقی مراد لینے والے اہل علم نے جمع صوری پر کچھ اشکالات کیے ہیں، ان پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے۔

۱- خطابی کہتے ہیں کہ جمع کی اجازت، امت کے لیے رخصت کے طور پر ہے کہ اس سے سہولت پیدا ہو، اور اگر اس کو جمع صوری پر محمول کیا جائے تو اس سے مزید تنگی پیدا ہوگی کہ اوقاتِ نماز کے اول و آخر کا ادراک عوام کو تو کیا ہوتا

خواص کے لیے بھی مشکل ہے، لیکن اس اشکال کے بارے میں علامہ شوکانی نے کہا کہ حضور ﷺ نے اوقاتِ نماز کے اوّل واواخر سے امت کو بہت واضح طور پر باخبر کیا ہے اور ان کو حسی علامات کے ذریعہ اس طرح معین فرمادیا ہے کہ خواص تو کجا عوام کے لیے بھی اشتباہ کی کوئی بات نہیں ہے، نیز یہ کہ نماز احکام خداوندی میں سب سے اہم رکن ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ مردِ مومن کے لیے اس کے صحیح اوقات کا علم کیوں دشوار ہو سکتا ہے؟

۲-نووی فرماتے ہیں کہ روایات کو جمع صوری پر محمول کرنا ضعیف اور باطل اور ظاہر کے مخالف ہے، لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نووی جسے ضعیف کہہ رہے ہیں اسی کو قرطبی نے مستحسن، امام الحرمین نے راجح، ابن ماجشون اور طحاوی نے یقینی اور ابن سید الناس نے قوی قرار دیا ہے، اس لیے کہ حدیث کے جتنے طرق ہیں ان میں سے کسی میں یہ بات واضح نہیں کہ جمع کا وقت کیا تھا، اگر اس کو مطلقِ جمع پر محمول کریں تو عذر شرعی کے بغیر نماز کا وقتِ مقرر سے اخراج لازم آتا ہے جو یقیناً غلط ہے اور اگر جمع صوری پر محمول کریں تو اس مشکل سے نجات ملتی ہے، اس لیے جمع صوری پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔

۳-بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضور ﷺ کی زبان پر یا آپ کے زمانہ میں کسی جگہ جمع صوری کا نہ ہونا، جمع صوری کو مراد لینے سے مانع ہے لیکن شوکانی کہتے ہیں کہ یہ بات اس لیے قابلِ قبول نہیں کہ آپ نے حضرت حمنہ بنت جحش کو کثرتِ استحاضہ کی وجہ سے ظہر وعصر اور مغرب اور عشاء کو ایک غسل کے ذریعہ جمع کرنے کی جو تدبیر بتائی تھی وہ جمع صوری پر محمول ہے، آپ نے فرمایا **وان قویت علی ان توخری الظهر وتعجلی العصر وتصلین الظهر والعصر جمیعا ثم توخرین المغرب وتعجلین العشاء ثم تغتسلین وتجمعین بین الصلاتین فافعلی.**

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ جمع حقیقی کے قائلین جن روایات سے استدلال کرتے ہیں، جمع حقیقی پر ان کی دلالت غیر یقینی ہے اور ان کے ظاہری معنی مراد لینے سے قرآن کریم کے قطعی حکم کا ترک لازم آتا ہے، اور جمع صوری پر محمول کرنے کی صورت میں قرآن کریم کے قطعی حکم کی تعمیل ہوتی ہے، تمام روایات کے درمیان تطبیق کے ساتھ امت کے لیے سہولت پیدا ہوتی ہے، اس لیے جمع صوری مراد لینا اولیٰ ہے، اور شاید امام بخاریؒ بھی ترجمۃ الباب سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم

[۱۴] بَابٌ هَلْ يُوَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

(۱۱۰۹) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ، قَالَ سَالِمٌ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ إِذَا

اَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيْمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيْهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتّٰى يُقِيْمَ الْعِشَآءَ فَيُصَلِّيْهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُسَلِّمُ وَلَا يُسَبِّحُ بَيْنَهُمَا بِرَكْعَةٍ وَّلَا بَعْدَ الْعِشَآءِ بِسَجْدَةٍ حَتّٰى يَقُوْمَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ . (گذشتہ:۱۰۹۱)

(۱۱۱۰) حَدَّثَنِیْ اِسْحٰقُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِیْ حَرْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فِی السَّفَرِ يَعْنِی الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ . (گذشتہ:۱۱۰۸)

ترجمہ باب، جب مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھے تو کیا اذان دے گا یا اقامت کہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو آپ مغرب کی نماز میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کو جمع کرتے، سالم نے کہا کہ جب چلنے کی جلدی ہوتی تو عبداللہ بن عمر بھی یہ کیا کرتے تھے کہ مغرب کی نماز کی اقامت کہلاتے اور تین رکعتیں پڑھتے پھر سلام پھیر دیتے، پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے حتی کہ عشاء کی اقامت کہلاتے پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر سلام پھیر دیتے اور مغرب وعشاء کے درمیان نفل کی کوئی رکعت نہ پڑھتے اور نہ عشاء کے بعد کوئی نفل پڑھتے یہاں تک کہ درمیانی رات میں (تہجد کے لیے) اٹھتے۔
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ان دونوں نمازوں کو یعنی مغرب اور عشاء کو جمع کیا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام بخاریؒ جمع حقیقی کے قائل نہیں ہیں، اب اس ترجمہ میں بیان کرتے ہیں کہ جب دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہو رہی ہیں اور جمع صرف صوری ہے تو کیا دونوں نمازوں کے لیے اذان یا اقامت ہوگی؟ ترجمہ کو استفہام کی صورت میں منعقد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں صریح روایت ان کے پاس نہیں ہے، اور باب کے ذیل میں امام بخاریؒ نے جو دو روایات ذکر کی ہیں ان میں ابن عمر کی روایت کے الفاظ **یقیم المغرب**، اور **یقیم العشاء** سے اقامت تو الگ الگ ثابت ہو رہی ہے لیکن اذان کا کوئی ثبوت نہیں، البتہ کتاب الحج میں مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی جمع حقیقی کے لیے انہوں نے جو ترجمہ **من اذن واقام لکل واحدة منهما** دیا ہے اس سے دونوں نمازوں کے لیے الگ الگ اذان اور الگ الگ اقامت کا ہونا سمجھ میں آتا ہے، اور اس کے تحت جو عبداللہ بن مسعود کی روایت ذکر فرمائی ہے اس سے الگ الگ اذان واقامت کا ثبوت واضح ہے۔

اس لیے بخاری کے پاس ترجمہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب جمع حقیقی میں اذان واقامت ہے تو جمع صوری میں بدرجۂ اولی اذان واقامت ہونی چاہیئے کہ یہ دو نمازیں ہیں اور اپنے اپنے وقت میں ادا ہو رہی ہیں تو ان میں ہر ایک کے لیے اذان بھی ہونی چاہیئے اور اقامت بھی۔

کرمانی نے اس مقصد کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ راوی کے یقیم المغرب اور یقیم العشاء کہنے کا یہ مطلب سمجھنا چاہیئے کہ ان نمازوں کو ارکان، شرائط اور سنن کے ساتھ ادا کیا جائے گا اور ان میں اذان و اقامت دونوں داخل ہیں، اس لیے ہر نماز کے لیے اذان بھی کہی جائے گی اور اقامت بھی۔

حنفیہ میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک اذان اور ایک اقامت کافی ہے جب کہ امام زفر اور طحاوی کے یہاں دونوں کے لیے ایک اذان ہے البتہ اقامت ہر نماز کے لیے الگ ہوگی۔

تشریح احادیث امام بخاری نے دو روایتیں ذکر کی ہیں، ابن عمر کی روایت سے معلوم ہوا کہ سفر کی جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے قریب تک لے جاتے اور اس کو آخر وقت میں پڑھتے، پھر قدرے توقف کرتے اور اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے، اس سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ جب یہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہو رہی ہیں تو ان کے لیے اذان و اقامت بھی ہونی چاہیئے، اب اس مضمون کو خواہ کرمانی کے انداز پر لفظ یقیم سے مستنبط کر لیا جائے کہ لفظ یقیم، کا مطلب صرف اقامت نہیں، بلکہ ما تقام به الصلوة ہے جو اذان و اقامت دونوں کو شامل ہے، یا پھر مزدلفہ میں جمعِ حقیقی کے باوجود دونوں کے لیے اذان و اقامت کے ثبوت سے دلالت کے طور پر سمجھ لیا جائے، کہ جب وہاں دونوں کی ضرورت ہے تو یہاں بدرجۂ اولیٰ ضرورت ہے۔

البتہ ان دونوں کے درمیان سنن اور نوافل کا فصل نہیں ہے، کہ وہ جمع میں خلل انداز ہے، گویا بخاریؒ کے نزدیک اذان و اقامت کا فصل خلل انداز نہیں ہے، سنن و نوافل کا پڑھنا خلل انداز ہے، یہ بات پہلے گذر چکی ہے، کہ بخاری سفر میں سننِ رواتب کے قائل نہیں، دیگر نوافل کے قائل ہیں۔

[۱۵] بَابٌ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ اِلَى الْعَصْرِ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ

فِيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱۱۱۱) حَدَّثَنَا حَسَّانُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا فَاِذَا زَاغَتْ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ. (آئندہ:۱۱۱۲)

ترجمہ باب، اگر زوال سے پہلے سفر میں کوچ کرنا ہو تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرنا چاہیئے، اس سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر میں زوال سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے، پھر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے، اور اگر کوچ کرنے سے پہلے زوال کا وقت ہو جاتا تو ظہر پڑھتے پھر سفر کے لیے سوار ہوتے۔

مقصد ترجمہ جسے بعض فقہاء جمع تاخیر کہتے ہیں بخاری اس کی کیفیت اور حقیقت بیان کررہے ہیں کہ ظہر کو عصر تک اس لیے مؤخر کیا جاتا ہے کہ دونوں نمازوں کو ایک ہی نزول میں ادا کیا جاسکے، اس لیے **یؤخر الظهر الی العصر** کی تعبیر اختیار کررہے ہیں **یصلی الظهر فی وقت العصر** نہیں کہہ رہے ہیں اور یہ بھی اس صورت میں ہوتا جب سفر زوال سے پہلے شروع ہوجاتا، اس صورت میں ظہر کو عصر کے قریب تک مؤخر کرتے اور عصر کو عصر کے اول وقت میں پڑھتے، گویا یہ بھی بخاری کے نزدیک جمع صوری ہے۔

اسی سے کچھ لوگوں نے ظہر کو عصر کے وقت میں ادا کرنے کا مضمون سمجھ لیا ہے اور ان کے پاس بھی بعض روایات کے الفاظ ہیں مگر اہلِ تحقیق کے یہاں وہ رواۃ کی تعبیری توسعات بلکہ مسامحات ہیں یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ مثل ثانی میں فقہاء کی آراء میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ ظہر کا وقت ہے یا عصر کا، یا دونوں میں مشترک ہے اور اس کی مفصل بحث مواقیت الصلوۃ میں گذر چکی ہے، اس لیے مثل ثانی کے آخر میں ظہر ادا کرنے کو، وقتِ عصر میں ادا سمجھ لینا مستبعد نہیں معلوم ہوتا اور اس سے جمع حقیقی کی غلط فہمی ہوسکتی ہے، لیکن بخاری نے واضح کردیا کہ یہ جمع صوری ہے پھر یہ کہ جمع صوری کے لیے ظہر کی اتنی تاخیر کی اجازت بھی مسافر کے لیے ہے تاکہ ایک ہی نزول میں دونوں نمازوں کو ادا کرنے کی سہولت رہے، مقیم کے لیے اس کی اجازت نہیں۔

فیه ابن عباس الخ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس سے وہ روایت مراد ہے جو ایک باب پہلے گذری جس کے الفاظ ہیں **کان رسول الله ﷺ یجمع بین صلاة الظهر والعصر اذا کان علی ظهر سیر الحدیث**، اس روایت پر بحث گذر چکی ہے کہ اس سے مراد جمع صوری ہے اور علامہ عینی اور قسطلانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے مسند احمد کی روایت جس کے الفاظ ہیں **کان اذا زاغت فی منزله جمع بین الظهر والعصر قبل ان یرکب، واذا لم تزغ له فی منزله سار حتی اذا کانت العصر نزل فجمع بین الظهر والعصر**۔

تشریح حدیث روایت میں آگیا کہ اگر زوال آفتاب سے پہلے سفر شروع ہوجاتا تو ظہر کی نماز کو عصر تک مؤخر فرماتے اور ایک ہی نزول میں دونوں نمازوں کو ادا کرتے اور اگر زوال آفتاب کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر پڑھنے کے بعد سفر کیا جاتا، اس سے بعض حضرات نے سمجھا ہے کہ بخاری جمع تاخیر کے قائل ہیں جمع تقدیم کے نہیں، لیکن ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ بخاری جمع حقیقی کے قائل نہیں ہیں، اور حضرت انس کی روایت پر بحث گذر چکی ہے کہ اس میں بھی جمع فعلی کی صورت بتائی گئی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۶] بَابٌ اِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ مَا زَاغَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ

(۱۱۱۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا فَاِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ . (گذشتہ:۱۱۱۱)

ترجمہ باب، جب زوالِ آفتاب کے بعد کوچ کرے تو ظہر کی نماز پڑھے پھر سفر کے لیے سوار ہو۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب زوال آفتاب سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر فرماتے پھر نزول فرماتے پھر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے، اور اگر سفر سے پہلے زوال کا وقت ہو جاتا تو ظہر پڑھتے پھر سفر کے لیے سوار ہوتے۔

مقصد ترجمہ کہتے ہیں کہ اگر سفر زوال کے بعد کرنا ہوتا تو ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر سفر شروع فرماتے اور عصر کو مقدم کر کے اس کے ساتھ نہ پڑھتے، گویا امام بخاریؒ نے جمع تقدیم کی نفی کر دی کہ ظہر کو تو عصر کے قریب تک لے جا کر جمع صوری کی گئی ہے لیکن عصر کو مقدم نہیں کیا گیا۔

جو لوگ جمعِ تقدیم کے قائل ہیں ان کا استدلال حضرت معاذ بن جبل کی ترمذی اور ابوداؤد کی روایت سے ہے جس میں غزوۂ تبوک کے سفر میں حضور ﷺ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے **اذا ارتحل قبل ان تزيغ الشمس اخر الظهر حتى يجمعها الى العصر فيصليهما جميعا و اذا ارتحل بعد ان تزيغ الشمس صلى الظهر والعصر جميعا**، لیکن اس روایت کو معلول قرار دیا گیا ہے، ابوداؤد نے یہاں تک فرما دیا ہے **ليس فى تقديم الوقت حديث قائم**، جمع تقدیم کے سلسلے میں کسی معتبر حدیث کا ثبوت ہی نہیں ہے۔

ہمارے خیال میں یہ آتا ہے کہ روایات میں جن تعبیرات سے جمع تقدیم کو سمجھا جا رہا ہے اس کی حقیقت یہ تھی کہ بحالتِ سفر کوئی جگہ موزوں معلوم ہوئی تو وہاں تا دیر قیام کر لیا اور ظہر و عصر سے فراغت کے بعد سفر شروع ہوا، اور جگہ موزوں معلوم نہ ہوئی تو سفر جاری رہا اور ظہر کے آخر وقت میں نزول فرما کر ظہر و عصر کو پڑھ لیا گیا، چنانچہ بیہقی ثقہ راویوں کی سند سے ہے **كان اذا نزل منزلا فى السفر فاعجبه اقام فيه حتى يجمع بين الظهر و العصر ثم يرتحل فاذا لم يتهيأ له المنزل مد فى السير فسار حتى ينزل فيجمع بين الظهر و العصر**، معلوم ہوا کہ جسے جمع تقدیم سمجھا جا رہا ہے اس کی حقیقت جمع صوری ہی ہے، روایت وہی ہے جو پہلے باب میں گذری۔ واللہ اعلم

[۱۷] بَابُ صَلٰوةِ الْقَاعِدِ

(۱۱۱۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ بَيْتِهٖ وَهُوَ شَاكٍ فَصَلّٰى جَالِسًا وَصَلّٰى وَرَآءَهٗ قَوْمٌ قِيَامًا

فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَنِ اجْلِسُوْا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا . (گزشتہ:۶۸۸)

(۱۱۱۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَقَطَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ فَرَسٍ فَخُدِشَ اَوْ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَيْمَنُ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُوْدُهٗ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى قَاعِداً فَصَلَّيْنَا قُعُوْدًا وَقَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ . (گزشتہ:۳۷۸)

(۱۱۱۵) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا حُسَيْنٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ ح وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَكَانَ مَبْسُوْرًا قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا فَقَالَ اِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِداً فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ . (آئندہ:۱۱۱۶، ۱۱۱۷)

ترجمہ باب، بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے، انہوںؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں نماز پڑھائی اور آپ اس وقت بیمار تھے تو آپ نے بیٹھ کر نماز ادا کی اور آپ کے پیچھے لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام کو امام ہی اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لیے جب وہ رکوع میں جائے تو رکوع میں جاؤ، اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر گئے تو آپ کا جسد اطہر کا داہنا حصہ چھل گیا تو ہم آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے، نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے بیٹھ کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ نے فرمایا کہ امام کو امام ہی اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اس لیے جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللّٰھم ربنا ولک الحمد کہو۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور ان کو بواسیر کا مرض تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے انسان کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا اور جو لیٹ کر نماز پڑھے تو اس کو بیٹھنے

والے سے آدھا ثواب ملے گا۔

مقصد ترجمہ سفر میں قصرِ صلوٰۃ کی اجازت، اللہ کی طرف سے بندوں پر احسان اور کرم ہے، اسی مناسبت سے پہلے امام بخاریؒ نے قصر کے ذیل میں جمع بین الصلاتین کے ابواب ذکر کیے کہ دو نمازوں کو صورۃً جمع کرکے پڑھنا بھی بندوں کے لیے راحت اور سہولت کا سبب ہے، اب اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھنے سے متعلق چند ابواب ذکر کرتے ہیں کہ اس میں بندوں کے لیے سہولت اور تخفیف پائی جاتی ہے۔

پہلا باب ہے صلوۃ القاعد، بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان، اس باب کا مقصد دو باتوں کو بیان کرنا ہے، ایک تو یہ کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور دوسرے اس کے درجہ کا تعین کہ اس کا ثواب کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے مقابلے میں نصف ہے، یہاں اس سے بحث نہیں کہ کس نماز میں قعود کی اجازت ہے اور کس میں نہیں، نیز یہ کہ کس کے لیے اجازت ہے کس کے لیے نہیں، وہ تو صرف یہ بتاتے ہیں کہ شریعت جن صورتوں میں قعود کی اجازت دیتی ہے، ان صورتوں میں بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز صحیح ہے اور قائم کے مقابلہ پر ثواب میں نصف ہے، یہ فیصلہ کہ قعود کس نماز میں اور کس شخص کے لیے جائز ہے شریعت کے بیان کردہ دیگر اصول کی روشنی میں کیا جائے گا۔

تشریح حدیث اول و دوم امام بخاری نے باب کے ذیل میں تین روایتیں ذکر کی ہیں، حضرت عائشہ کی پہلی اور حضرت انس کی دوسری روایت سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہوا کہ بیماری کی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنے گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابۂ کرام نے حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق بیٹھ کر اقتداء کی، پھر نماز کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام کو امام بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اس لیے جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ اپنا سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ۔

معلوم ہوا کہ مرض یا عذر شرعی کی حالت میں نمازِ فرض کا بیٹھ کر پڑھنا درست ہے، یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کے لیے بیٹھ کر پڑھنے کا حکم ۵ھ میں دیا گیا تھا جب آپ کے شق ایمن میں چوٹ آ گئی تھی، اس کے بعد مرض الوفات میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابۂ کرام نے کھڑے ہوکر اقتداء کی، یہ حکم بعد کا ہے اور اسی پر عمل ہے اور ۵ھ والا حکم مقدم اور منسوخ ہے۔

تشریح حدیث سوم تیسری روایت میں آیا کہ حضرت عمران بن حصین مرضِ بواسیر میں مبتلا تھے، انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے یعنی جائز ہے یا نہیں اور یہ کہ اس کا کیا درجہ ہے، آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے گا اس کو قائم کے مقابلے پر نصف اجر ملے گا، اور جو لیٹ کر نماز پڑھے گا اس کا ثواب بیٹھنے والے سے بھی نصف ہے۔

روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمران نے یہ سوال اپنے بارے میں کیا تھا، مگر یہ بات کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتی کہ سوال فرض کے بارے میں تھا یا نوافل کے اور یہ کہ بیماری کی کیا نوعیت تھی؟ وہ کھڑے ہونے پر قادر تھے یا بمشکل قادر تھے یا سرے سے قادر ہی نہیں تھے، مسند احمد کے بعض طرق میں اتنا مذکور ہے کہ مرض صرف بواسیر ہی نہیں تھا اور بھی امراض تھے فرماتے ہیں کنت رجلا ذا امراض کثیرة ، میں بہت امراض میں مبتلا تھا، لیکن رسول اللہ علیہ کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بمشکل قیام پر قادر رہے ہوں گے، کیونکہ آپ نے فرمایا ان صلی قائما فهو افضل، مسند احمد کی روایت میں ہے صلاتك قاعدا على النصف من صلاتك قائما، ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوال فرض کے بارے میں تھا اور حضرت عمران بمشکل قیام پر قادر تھے، اس لیے حضور علیہ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھنا ہی افضل ہے، لیکن بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے اور اس صورت میں ثواب نصف ہو جائے گا، بخاری کا مقصد ثابت ہو گیا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا جواز بھی معلوم ہو گیا اور اس کا درجہ بھی متعین ہو گیا کہ اس کا ثواب قائما کے مقابلہ پر نصف ہے۔

تفاوتِ درجات کس کے لیے ہے؟ رہی یہ بحث کہ قائما، قاعدا اور نائماً کے درجات کا یہ تفاوت کس کے لیے ہے، یعنی مفترض کے لیے ہے یا متنفل کے لیے؟ نیز یہ کہ یہ تفاوت معذور کے لیے ہے یا غیر معذور کے لیے، تو شارحین نے اس موضوع پر کافی کلام کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مفترض پر محمول کرنے میں یہ اشکال ہے کہ اس کے لیے عذر کے بغیر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، جب کہ روایت میں عذر کی قید کے بغیر ان صلی قائما فهو افضل فرمایا گیا ہے اور متنفل پر محمول کرنے میں یہ اشکال ہے کہ روایت میں من صلی نائما الخ یعنی لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ جمہور کے نزدیک عذر کے بغیر لیٹ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

اس لیے بعض اہلِ علم نے روایت کو ایسے مفترض پر محمول کیا ہے جو معذور ہو اور بمشقت قیام پر قادر ہو کہ اس طرح من صلی قاعداً فهو افضل کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور اگر عذر میں اور زیادتی ہو جائے تو من صلی نائما فله نصف صلوة القاعد پر حسن بصری کے نزدیک تو عمل ہے، جمہور کے نزدیک یہ ہر حال میں قابل عمل نہیں بلکہ قعود پر استطاعت نہ ہونے کی صورت میں قابل عمل ہے۔

لیکن مقصدِ ترجمہ کے ذیل میں جو بات بیان کی گئی ہے کہ اس روایت میں صرف اعمال کی قیمت اور ان کا نرخ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کس طرح کی نماز کا کیا ثواب ہے، رہی یہ بات کہ کن حالات میں نماز کو کس کس طرح ادا کرنے کی اجازت ہے تو اس کو شریعت کے بیان کردہ دیگر اصول کے مطابق طے کیا جائے گا۔

اس وضاحت کے مطابق روایت پر غور کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ دیکھئے، یہاں تو صرف یہ بتایا گیا ہے کہ

فریضہ معذور کا ہو یا غیر معذور کا، اسی طرح نافلہ معذور کا ہو یا غیر معذور کا اگر وہ قائماً ادا کرتا ہے تو اس کو اپنے اخلاص اور مشقت کے بقدر۔ اجرکم علی قدر نصبکم کے مطابق۔ پورا پورا ثواب ملے گا، اور اگر اصولِ شریعت کی روشنی میں اس کو قاعداً بھی نماز کی اجازت ہے تو اس کا قعود، اسی کے قیام کے مقابل ثواب میں نصف ہے اور اگر وہ اتنا معذور ہے کہ نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور نہ بیٹھ سکتا ہے یعنی شریعت نے اس کو نائماً نماز کی اجازت دی ہے تو فریضہ ہو یا نافلہ اس کا ثواب، اس کے قاعداً پڑھنے کے مقابلہ میں نصف ہے، اس تشریح کے مطابق شارحین کی اس تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں رہتی جس کا ہم نے بھی اختصار کے ساتھ کچھ ذکر کر دیا ہے۔　　　واللہ اعلم

[۱۸] بَابُ صَلٰوةِ الْقَاعِدِ بِالْإِيْمَآءِ

(۱۱۱۶) حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَكَانَ رَجُلًا مَبْسُوْرًا وَقَالَ اَبُوْ مَعْمَرٍ مَرَّةً عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ.

(گذشتہ: ۱۱۱۵)

ترجمہ باب، بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنے کا بیان۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے اور وہ مرض بواسیر میں مبتلا انسان تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے انسان کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو وہ افضل ہے، اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھا ثواب ملے گا، اور جو لیٹ کر نماز پڑھے تو اس کو بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ اگر رکوع وسجود پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے، بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع وسجود کے لیے اشارے سے کام لے تب بھی اس کو نصف اجر ملے گا اور رکوع وسجود کے لیے اشارے پر اکتفاء کی وجہ سے اجر میں کمی نہیں ہوگی، چنانچہ اس کے لیے حضرت عمران کی روایت پیش کر دی جس میں قاعداً نماز پڑھنے پر فلہ نصف اجر القائم فرمایا گیا ہے مقصد ترجمہ کی اس وضاحت کے مطابق ترجمۃ الباب اور حدیث کے انطباق پر کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔

شارحین کا رجحان یہ ہے کہ امام بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا اگر قدرت کے باوجود رکوع وسجود کے لیے اشارے سے کام لے تو ایسا کرنا جائز ہے، ابن حجر نے اس کے جواز کو مالکیہ کی طرف منسوب کیا ہے، جمہور کے نزدیک رکوع وسجود پر قدرت کی صورت میں اشارے پر اکتفاء جائز نہیں، گویا امام بخاری کا یہ ترجمہ مالکیہ کی

موافقت میں ہوا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ بخاری نے حضرت عمران کی جو روایت پیش کی ہے اس میں قعود کی صورت میں اشارے یا ایماء کا کوئی تذکرہ نہیں اس لیے بعض حضرات نے ترجمہ کو ثابت کرنے کے لیے یہ کہا کہ روایت میں مــن صــلـى نـائـمـا آرہا ہے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص عذر کی بنیاد پر لیٹ کر نماز پڑھے گا تو اس کو اشارے سے رکوع وسجود کرنا ہوگا، معلوم ہوا کہ رکوع کے لیے اشارہ معتبر ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس توجیہ میں تکلف بے جا ہے، اور اس سے مقصد کا ثبوت مشکل ہے، کیونکہ دو حالتیں الگ الگ ہیں، ایک اضطجاع کی حالت ہے جب کہ رکوع وسجود پر قدرت نہ ہو اور ایک ہے قعود کی حالت، جبکہ رکوع وسجود پر قدرت ہو، تو مقصد کو ثابت کرنا ممکن نہیں۔

اسمٰعیلی نے کہا کہ روایت میں تو نـائـمـا ہی تھا، امام بخاریؒ نے اس کو بـایـمـاء سمجھ لیا اور اسی کے مطابق ترجمہ منعقد کر دیا، لیکن اسمٰعیلی کی بات قطعاً غلط ہے، اس لیے کہ بخاری کے بعض نسخوں میں قـال ابـو عـبـد الـلّٰـه (ای البخاری) قوله عندی ان معناه مضطجعا موجود ہے، یعنی امام بخاری نائما کے معنی مضطجعا بیان کر رہے ہیں تو بایماء کی غلط فہمی کا کیا سوال ہے؟

البتہ امام بخاری کے ذوق کے مطابق استدلال کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح نوافل میں قیام پر قدرت کے باوجود، قعود کی اجازت ہے، اسی طرح قاعداً نماز پڑھنے میں رکوع وسجود پر قدرت کے باوجود اشارے سے کام لینا جائز ہے، یعنی جس طرح وہاں قیام کو ختم کر دیا جو اصل تھا، اسی طرح یہاں بھی اصل رکوع وسجود کو ختم کر کے اشارے پر اکتفاء کی اجازت دے دی گئی، تاہم یہ استدلال بھی تکلف سے خالی نہیں، روایت گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۱۹] بَابُ اِذَا لَمْ يُطِقْ قَاعِدًا صَلّٰى عَلٰى جَنْبٍ

وَقَالَ عَطَاءٌ اِذَا لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اَنْ يَتَحَوَّلَ اِلَى الْقِبْلَةِ صَلّٰى حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ

(۱۱۱۷) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ طَهْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ الْمُكْتِبُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَتْ بِيْ بَوَاسِيْرُ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ .

(گذشتہ: ۱۱۱۵)

ترجمہ | باب، جب بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے، اور عطاء نے کہا کہ اگر قبلہ کی طرف رخ کرنے پر قادر نہ ہو تو جس طرف بھی رخ ہو، اسی طرف نماز پڑھے حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو،

اور اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھو۔

مقصد ترجمہ قرآن کریم میں آیت یذکرون اللّٰہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم میں ذکر کی تین حالتیں بیان کی گئی ہیں، قیام، قعود، اور علی جنب، اور ظاہر ہے کہ نماز کا مقصد ذکر ہے بلکہ اقم الصلوٰۃ لذکری سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا اصل مقصد ہی ذکر ہے یا یوں کہیے کہ ذکر کا فردِ اعلیٰ اقامتِ صلوۃ ہے اور یہ کہ ان تینوں احوال میں نماز کی اجازت ہے، چنانچہ پچھلے ابواب میں بیان کیا جاچکا ہے کہ ان تینوں صورتوں میں خود اسی شخص کے تین احوال کا تقابل ہے کہ یہی شخص قائما نماز پڑھے تو اس کو اپنے اخلاص اور مشقت کے بقدر پورا ثواب ملے گا اور اگر یہی شخص بیٹھ کر نماز پڑھے۔ بشرطیکہ بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہو۔ تو اس کو نصف ثواب ملے گا اور اگر مجبوری میں لیٹ کر نماز پڑھے گا تو ثواب قاعداً سے بھی نصف ہوجائے گا اب اس باب میں لیٹ کر نماز پڑھنے میں یہ شرط بیان کرتے ہیں کہ اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی بالکل استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

حنفیہ کے یہاں افضل یہ ہے کہ چت لیٹ کر گھٹنوں کو کھڑا کرلیا جائے اور سر کو تکیہ وغیرہ رکھ کر اونچا اور روبقبلہ کرلیا جائے، جب کہ داہنی کروٹ سے روبقبلہ ہوکر یا بائیں کروٹ سے روبقبلہ ہوکر پڑھنا بھی جائز ہے، شوافع کے یہاں داہنی کروٹ سے روبقبلہ ہوکر پڑھنا متعین ہے، البتہ اس کی قدرت نہ ہو تو مستلقیا پڑھ سکتا ہے مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک مختار بھی داہنی کروٹ پر روبقبلہ ہوکر پڑھنا ہے، امام بخاری بھی صلّی علی جنب کہہ کر اسی کو ترجیح دے رہے ہیں۔

قال عطاء الخ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اگر اتنی معذوری ہو کہ قبلہ کی طرف رخ بھی نہ کرسکے تو جس طرف رخ ہو نماز پڑھ لے، یعنی جس طرح عجز کی بنا پر لیٹ کر پڑھنے کی اجازت ہے اور قیام وقعود کو ساقط کردیا گیا ہے، اسی طرح عجز کی بنا پر استقبالِ قبلہ کو بھی ساقط کردیا گیا۔

تشریح حدیث وہی حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے لیکن متن کے الفاظ بدل گئے ہیں، روایت میں ایک حالت سے دوسری حالت کی تبدیلی یعنی قیام سے قعود اور قعود سے اضطجاع تک منتقل ہونے کے لیے عدم استطاعت کی قید مذکور ہے، امام بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا کہ اگر بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

امام بخاریؒ نے قاعداً نماز پڑھنے میں اذا لم یستطع کی قید ذکر نہیں کی تھی جب کہ اس روایت میں وہ قید بھی مذکور ہے، تراجم میں الفاظ کے اختلاف سے وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ لیٹ کر نماز کے جواز کے لیے تو عدم استطاعت ہر حال میں شرط ہے، جب کہ قاعداً نماز پڑھنے میں تفصیل ہے کہ بعض احوال میں عدم استطاعت کی شرط ہے اور بعض احوال میں نہیں ہے۔

واللہ اعلم

[۲۰] بَابٌ اِذَا صَلّٰی قَاعِداً ثُمَّ صَحَّ اَوْ وَجَدَ خِفَّةً تَمَّمَ مَا بَقِیَ

وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ شَآءَ الْمَرِیْضُ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ قَاعِداً وَرَکْعَتَیْنِ قَائِمًا

(۱۱۱۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّھَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّھَا لَمْ تَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یُصَلِّی صَلٰوةَ اللَّیْلِ قَاعِداً قَطُّ حَتّٰی اَسَنَّ فَکَانَ یَقْرَاُ قَاعِداً حَتّٰی اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ قَامَ فَقَرَاَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِیْنَ اَوْ اَرْبَعِیْنَ آیَةً ثُمَّ رَکَعَ . (آئندہ:۱۱۱۹،۱۱۴۸،۱۱۶۱،۱۱۶۸،۴۸۳۷)

(۱۱۱۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَزِیْدَ وَاَبِی النَّضْرِ مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِی سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّی جَالِسًا فَیَقْرَاُ وَھُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِیَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ نَحْوٌ مِنْ ثَلَاثِیْنَ اَوْ اَرْبَعِیْنَ آیَةً قَامَ فَقَرَءَھَا وَھُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَکَعَ ثُمَّ سَجَدَ ، یَفْعَلُ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ مِثْلَ ذٰلِکَ فَاِذَا قَضٰی صَلَاتَهٗ نَظَرَ فَاِنْ کُنْتُ یَقْظٰی تَحَدَّثَ مَعِیَ وَاِنْ کُنْتُ نَائِمَةً اضْطَجَعَ. (گذشتہ:۱۱۱۸)

ترجمہ باب، جب کوئی شخص عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز شروع کرے پھر نماز ہی میں تندرست ہو جائے یا مرض میں تخفیف محسوس کرے تو بقیہ نماز کو کھڑے ہو کر پورا کرلے۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ اگر بیمار چاہے تو دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھ لے اور دو رکعتیں کھڑے ہو کر، ام المؤمنین حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ انہوں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ کی عمر زیادہ ہو گئی تو آپ بیٹھ کر قراءت کرتے تھے، پھر جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو جاتے اور تیس یا چالیس آیتیں کھڑے ہو کر پڑھتے پھر رکوع کرتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تو بیٹھنے ہی کی حالت میں قراءت کرتے تھے، پھر جب آپ کی قراءت میں سے تیس یا چالیس آیات باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور ان آیات کو کھڑے ہو کر پڑھتے پھر رکوع میں جاتے پھر سجدہ کرتے، دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے تھے، پھر جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو دیکھتے، اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ بات کرتے اور اگر میں سو رہی ہوتی تو آپ لیٹ جاتے۔

مقصد ترجمہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے بیماری کے سبب بیٹھ کر نماز شروع کی تھی، نماز کے دوران عذر ختم ہو گیا یا مرض میں تخفیف ہو گئی تو بقیہ نماز کھڑے ہو کر پوری کر لینے میں مضائقہ نہیں، مسئلہ کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو نماز عذر کی وجہ سے قاعداً شروع کی تھی وہ ضعیف تھی اس لیے کہ قاعداً نماز پڑھنا، قائماً نماز پڑھنے سے ضعیف ہے اور

ضعیف پر قوی کی بنا کرنا محل نظر ہے، بخاری نے بتادیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ پیغمبر علیہ السلام سے یہ عمل ثابت ہے۔

حنفیہ کے یہاں اس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ اگر بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، درمیان میں افاقہ ہوگیا تو امام محمد کے یہاں اس نماز پر بنا کرنا درست نہیں اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے یہاں بقیہ نماز کی بنا یعنی کھڑے ہوکر پڑھنا درست ہے، امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب کا رجحان شیخین کی طرف معلوم ہوتا ہے، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں رکوع وسجود پر قادر نہیں تھا، اور رکوع وسجود اشارے سے ادا کر رہا تھا، پھر افاقہ ہوگیا تو پھر حنفیہ کے ائمہ ثلثہ کا اتفاق ہے کہ بنا درست نہیں استیناف کرنا ہوگا۔

قال الحسن الخ حسن بصری کہتے ہیں کہ اگر مریض نے رباعی نماز میں دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھی تھیں پھر عذر ختم ہوگیا تو اس کے لیے دو رکعت کھڑے ہوکر پڑھنے کی اجازت ہے، استیناف کی ضرورت نہیں۔

تشریح احادیث دونوں روایات میں حضرت عائشہ صلوۃ اللیل کے بارے میں بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ ہمیشہ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے لیکن آخر عمر میں جب ضعف پیدا ہوگیا اور بدن بھی بھاری ہوگیا تو یہ طریقہ اختیار فرماتے کہ نماز بیٹھ کر شروع فرماتے اور بیٹھ کر ہی قراءت کرتے اور جب تیس چالیس آیتیں رہ جاتیں تو کھڑے ہوجاتے اور ان آیتوں کو کھڑے ہوکر پڑھتے، پھر کھڑے ہونے کی حالت میں رکوع وسجود میں جاتے کہ اس طرح رکوع وسجود عمدہ طریقے پر ادا ہوتے ہیں، گویا اصل مقصد تو قیام تھا مگر طول قراءت کی وجہ سے پوری نماز کا قائماً ادا کرنا دشوار تھا اس لیے یہ صورت اختیار کی گئی۔

معلوم ہوا کہ جب ایک ہی رکعت میں قعود کے بعد قیام درست ہے تو پہلی رکعت میں قعود اور دوسری رکعت میں قیام بدرجۂ اولیٰ درست ہے، نیز جب ضعف کی بنیاد پر ایسا کرنا درست ہے تو بیماری کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ درست ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب التهجد

[۱] بَابُ التَّهَجُّدِ بِاللَّيْلِ

وَقَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ مِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

(۱۱۲۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ اَبِيْ مُسْلِمٍ عَنْ طَاؤُسٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ ، اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ ، اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُ كَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ ، اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَوْ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ، قَالَ سُفْيَانُ وَزَادَ عَبْدُ الْكَرِيْمِ اَبُوْ اُمَيَّةَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ، قَالَ سُفْيٰنُ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ اَبِيْ مُسْلِمٍ سَمِعَهٗ مِنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . (آئندہ: ۱۳۱۷، ۷۳۸۵، ۷۴۴۲، ۷۴۹۹)

ترجمہ باب، رات میں نمازِ تہجد کی اہمیت کا بیان اور اللہ تعالیٰ کے قول ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک کی تفسیر۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ! تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے، تو ہی آسمان وزمین اوران کے درمیان پائی جانے والی مخلوق کا تھامنے والا ہے، اے اللہ تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے، تو ہی آسمان وزمین اوران کے درمیان پائی جانے والی مخلوق کا نور ہے، اور تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے، تو ہی آسمان وزمین اوران کے درمیان پائی جانے والی مخلوق کا بادشاہ ہے، اور تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے، تو سچا ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تجھ سے ملنا سچ ہے اور تیرا قول سچ ہے اور جنت سچ ہے اور جہنم سچ ہے اور تمام پیغمبر سچے ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور قیامت کا آنا سچی بات ہے، اے اللہ! میں نے تیری تابعداری قبول کی اور میں تجھ پر ایمان لایا اور میں تجھی پر توکل اور بھروسہ کرتا ہوں اور میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور تیری ہی وجہ سے میں مخالفین سے جھگڑتا ہوں اور تیری ہی طرف فیصلے کے لئے رجوع کرتا ہوں، پس تو میرے ان سب گناہوں کو بخش دے جو پہلے ہوئے جو بعد میں ہوئے، جو چھپ کر ہوئے جو علانیہ ہوئے، تو ہی آگے بڑھانے والا ہے، تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، سفیان بن عیینہ نے کہا کہ عبدالکریم بن امیہ نے اس کے بعد لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا اضافہ کیا، سفیان بن عیینہ نے کہا کہ اس روایت کو سلیمان بن ابی مسلم نے طاؤس سے سنا، اور انھوں نے ابن عباسؓ سے اور ابن عباس نے حضور ﷺ سے اس کو روایت کیا۔

تہجد کے معنی ہجود کے معنی ہیں نوم، تہجد اسی کا باب تفعل ہے جس کے معنی نوم بھی آتے ہیں اور تجنب عن النوم بھی، یہاں ازالۂ نوم کے معنی میں ہے، شریعت کی اصطلاح میں وہ نماز جو رات میں سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے، شبِ معراج میں نماز کی فرضیت سے پہلے یہ نماز تمام مسلمانوں پر فرض تھی، سورۂ مزمل میں اس کا

ذکر ہے، پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض کردی گئیں اور عام امت سے اس کی فرضیت منسوخ کردی گئی،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تہجد کی حیثیت لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی تھی یا یہ نماز خصوصی طور پر آپ کے ذمہ فرض رہی، اس میں اہلِ علم کی دورائے ہیں، اور دونوں کا مستدل تھجد به نافلة لك ہے، فرض قرار دینے والے کہتے ہیں کہ نافلة لك کے معنی ہیں نافلة ای زائدة خاصة لك کہ اس نماز کو خصوصی طور پر آپ کے لیے زیادہ کیا گیا ہے، گویا تمام مسلمانوں پر تو پانچ نمازیں فرض ہیں اور آپ کے ذمہ ایک اور نماز فریضہ کے طور پر زائد کی گئی ہے، اور نفل قرار دینے والے کہتے ہیں کہ نافلة لك کے معنی ہیں کہ اس نماز کا فضل وثواب خصوصی طور پر آپ کے لیے زیادہ کیا گیا ہے، اس لیے کہ آپ معصوم ہیں، آپ کے اعمال میں کوئی کوتاہی نہیں کہ تہجد کی نماز سے اس کی تلافی ہو بلکہ یہ نماز آپ کے لیے زائد ثواب اور خصوصی تقرب کا ذریعہ ہے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کا رجحان ہمارے اساتذہ میں حضرت علامہ کشمیریؒ کا رجحان اس طرف تھا کہ تہجد کی نماز آپ کے ذمہ فرض تھی، اصل یہ ہے کہ نماز خدا کی بخشش ہے جو اہل ایمان کو عطا کی گئی ہے یعنی ان کو ایسا راستہ بتادیا گیا ہے جس کو اختیار کر کے وہ خدا رسیدہ ہو سکتے ہیں، یہ اللہ کی بخشش اور عطیہ ہے، انسانوں کا حق نہیں، چنانچہ عام مسلمانوں پر تو پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کی شان کے مطابق مزید ایک نماز کا اضافہ کیا گیا اور فرمایا گیا فتھجد به نافلة لك، یہ نماز تہجد آپ کے لئے مخصوص انعام ہے جو مسلمانوں سے بطورِ فرضیت مطلوب نہیں، البتہ آپ سے بطورِ فرضیت مطلوب ہے، جس طرح امم سابقہ پر نمازیں فرض تھیں لیکن عشاء کی نماز ان کے لئے نہیں رکھی گئی تھی اور یہ نماز صرف اس امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے اور اس میں پیغمبر علیہ السلام اور ان کی پوری امت برابر کے شریک ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ان کی شان کے مطابق ایک مزید نماز تہجد کی مقرر فرمائی گئی ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں پہلے تمام مسلمانوں پر نمازوں کی فرضیت کے لئے اقم الصلوٰة لدلوك الشمس الآیہ فرمایا گیا اور اس کے بعد حضور ﷺ کے لئے ومن الليل فتهجد به نافلة لك فرمایا گیا، یہاں لفظ نافلة کا مطلب وہ نفل نہیں جو فرض کے مقابل استعمال ہوتا ہے بلکہ اس کا مطلب ہے فريضة زائدة على الصلوات الخمس المفروضة خاصة بك دون الامة (روح المعانی) یعنی نافلہ زیادتی کے معنی میں ہے، اور یہ پیغمبر ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کا خصوصی اور زائد انعام ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت یعقوبؑ کے بارے میں فرمایا گیا ووهبناله اسحاق و يعقوب نافلة کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا اسحاق عطا کیا اور یعقوب کو نافلہ کے طور پر عطا کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے اضافہ ہے کہ استحقاق یا سوال کے بغیر یہ دولت عطا کی گئی۔

اسی طرح احادیث میں بعض مواقع پر لفظ نافلہ کا اطلاق فریضہ کے لئے کیا گیا ہے، متعدد روایت میں آتا ہے کہ بندہ

مومن جب وضو کرتا ہے تو مضمضہ کے ساتھ منہ کے گناہ، استنشاق کے ساتھ ناک کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں، پھر غسلِ وجہ کے ساتھ پورے منہ کے گناہ، غسلِ یدین کے ساتھ ہاتھوں کے گناہ اور مسح رأس کے ساتھ سر کے گناہ غسلِ رجلین کے ساتھ پیروں کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں، گویا جب بندہ گھر سے وضو کر کے نماز کے ارادے سے نکلتا ہے تو تمام گناہ وضو کے ساتھ معاف ہو جاتے ہیں، پھر فرمایا ثم کان مشیہ الی المسجد و صلوته نافلة. کہ پھر مسجد میں چل کر آنا اور نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اس کے حق میں نافلہ ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہاں نافلہ کے معنی نفل نماز کے نہیں ہو سکتے اسلئے کہ نمازی فریضہ ادا کر رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سیآت کا کفارہ تو وضو سے ہو گیا، اب جو یہ مشی الی المسجد اور نماز با جماعت ہے یہ اس کے حق میں کفارۂ سیآت سے زائد بات ہے نافلة ای زائدة علی تکفیر السیآت.

انہی معنی میں نافلہ کا اطلاق دیگر مقامات پر بھی ہے، حضرت ابوذر کی مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب ایسے امراءِ جور کا زمانہ آئے گا جو نمازوں کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھیں گے تو تم کیا کرو گے؟ حضرت ابوذر نے عرض کیا، آپ فرمائیں، مجھے کیا حکم دیتے ہیں، آپ نے فرمایا صل الصلوٰة لوقتها فان ادرکتها معهم فصل فانها لك نافلة یعنی اس صورت میں تمہیں اپنی نماز وقتِ مستحب پر پڑھ لینی چاہئے، پھر اگر امراء جور کے ساتھ بھی نماز پڑھنے کا موقع ہو تو خصوصی مصلحت کی وجہ سے اس کی اجازت ہے اور وہ نماز تمہارے لیے نافلہ یعنی زائدہ ہو جائے گی کہ وہی فرض نماز جو انفرادی طور پر پڑھی گئی تھی، اب جماعت کے ساتھ اس کا اعادہ ہو جائے گا جو تمہارے لیے زیادتی اجر کا باعث ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ فتهجد به نافلة لك میں جو تہجد کو نافلہ کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ نماز حضور ﷺ کی طرف سے نفل ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نماز کو حضور ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر زائد کیا گیا ہے اور یہ آپ کے لیے پانچ نمازوں پر اضافہ ہے۔

مقصد ترجمہ اب اس کے بعد مقصد ترجمہ پر غور کیجئے، ترجمہ میں امام بخاری نے دو باتیں ارشاد فرمائیں، ایک التهجد بالليل، رات کو بیدار ہو کر تہجد پڑھنے کا بیان اور دوسرے فتهجد به نافلة لك کی تفسیر، لیکن بخاری نے تہجد کے فرض ہونے کے سلسلے میں اپنا رجحان ظاہر کرنے کے لیے کسی لفظ کا اضافہ نہیں کیا، اس لیے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ وہ تہجد کا حضور ﷺ کے لیے فرض ہونا بیان کر رہے ہیں، البتہ یہ ضرور سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ تہجد کی اہمیت اور اس کا مؤکد ہونا بیان کرنا چاہتے ہیں، حضور ﷺ کے حق میں تو اس کی اہمیت یہ ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بہ صیغۂ امر خطاب کیا دوسرے یہ کہ نافلة لك کہہ کر بتایا کہ یہ آپ کے لیے ہماری طرف سے خصوصی انعام اور اضافہ ہے کہ ہم آپ کو مقام محمود عطا کرنا چاہتے ہیں اور امت کے لیے اس کی اہمیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اقم الصلوة لدلوك الشمس الآیہ کے بعد فتهجد به نافلة لك فرمایا ہے کہ پہلے ایک آیت میں پانچ فرض نمازوں

کا حکم ہے اور دوسری آیت میں تہجد کا، اس لیے حضور ﷺ کے لیے بھی اور امت کے لیے حکمِ تہجد کی اہمیت اور تاکید واضح ہوگئی۔

تشریح حدیث حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور ﷺ تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو پہلے یہ دعا کرتے، اللھم لك الحمد، اے اللہ! صرف تیری ہی ذات حمد وثنا کی سزاوار ہے، انت قیم السموات الخ تو ہی آسمان وزمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ہے اور ان کی تدبیر وتصرف کا تعلق صرف تیری ذات سے ہے، مطلب یہ ہوا کہ اس عالم میں جتنی چیزیں ہیں وہ جواہر ہوں یا اعراض، اس دعا میں ان کے متعلق یہ اقرار ہے کہ وہ سب تیری طرف سے ہیں، انت نور السموات والارض الخ یہ سب روشنیاں تیری پیدا کردہ ہیں، روشنی کسی طرح کی ہو، آسمان وزمین سے متعلق ہو یا اہل آسمان واہل زمین سے متعلق ہو، روشنی ظاہری ہو جیسے سورج یا روشنی معنوی ہو جیسے عقل سب تیری ہی طرف سے ہیں، انت ملك السموات الخ یعنی اس عالم میں جملہ اختیارات وتصرفات صرف تیرے ہیں کہ تو نے ہی سب کو پیدا کیا تو ہی ان کو سنبھالے ہوئے ہے اور ان سب پر تیرے ہی تصرفات نافذ ہیں، اور اس لئے ہم آپ کی حمد وثنا کرتے ہیں کہ آپ نے یہ نعمتیں ہمارے لیے پیدا کیں، نعمتوں کے ذکر کے بعد چند چیزوں کا اقرار ہے۔

انت الحق، آپ ہی کی ذات حق ہے، یعنی بلاشک ثابت اور متحقق ہے اور یہ صفت درحقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ اس پر عدم نہ پہلے کبھی آیا اور نہ بعد میں آسکتا ہے جب کہ دیگر موجودات کا وجود عدمین کے احاطہ میں ہے کہ وجود سے پہلے بھی عدم تھا اور بعد میں عدم کا طریان ان پر یقینی ہے، وعدك الحق تیرا وعدہ سچا ہے جس کا پورا ہونا یقینی ہے اور خلاف ورزی ناممکن ہے، اہلِ اطاعت کو تو نے جنت کی بشارت دی ہے اور مشرکین کے لیے جہنم کی وعید سے آگاہ کیا ہے، یہ سب سچ ہے، ولقاءك حق، آخرت میں تیری رویت برحق اور ثابت ہے، یا آخرت میں اہلِ سعادت کے لیے انعامات اور اہلِ شقاوت کے لیے سزاؤں کا ملنا امر محقق اور یقینی بات ہے، وقولك حق، تیری ہر بات سچ اور اس کا مضمون یقیناً صحیح اور ثابت ہے، والجنة حق والنار حق، اور جنت، دوزخ کا ہونا سچ ہے، یا وہ موجود ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے جنت اور مشرکین کے لیے جہنم کا دیا جانا صحیح اور سچ ہے والنبیون حق تمام انبیاء کرام کی بعثت برحق ہے اور انہوں نے خدا کی طرف سے بندوں تک جو پیغام اور احکام پہنچائے وہ سب حق ہیں ومحمد حق اور محمد ﷺ حق ہیں النبیون میں حضور ﷺ بھی داخل تھے لیکن آپ کے نام مبارک کو علیحدہ ذکر کرنے کی وجہ ہے آپ کی عظمت کا اظہار کہ آپ اپنے خصوصی اوصاف کی بنیاد پر تمام انبیاء سے فائق ہیں اور تمام انبیاء کے سردار اور خاتم النبیین ہیں، پھر یہ کہ آپ کی زبانِ مبارک پر آپ کے نام کا آنا از قسم تجرید ہے اور اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جس طرح امت آپ کی نبوت کی تصدیق واقرار کی مکلف ہے اسی طرح پیغمبر علیہ السلام بھی مکلف ہیں کہ اپنی نبوت پر ایمان لائیں اور تصدیق کریں،

والساعة حق مطلب یہ کہ اس کا وقوع بھی یقینی اور سچ ہے اور اس کے وقوع پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

مندرجہ بالا تمام امور کے ساتھ لفظ حق کا تکرار تاکید میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ہے، اسی طرح ابتداءً چند مقامات پر الحق کو معرف باللام اور معرفہ دیا گیا ہے، پھر نکرہ لایا گیا ہے معرفہ لانے کا مقصد حصر پیدا کرنا، اور نکرہ لانے کا مقصد تعظیم ہے، اور ان تمام امور کے اقرار واعتراف کے بعد فرمایا۔

اللّٰھم لك اسلمت اے اللہ! میں نے تیری تابعداری قبول کی یعنی اپنے آپ کو تیرے حوالے کردیا، وبك آمنت اور تیری ہی ذات پر ایمان لایا اور تصدیق کی وعلیك توکلت تیری ہی ذات پر میرا بھروسہ ہے کہ دنیا کے اسباب، ظاہری سبب کے درجہ میں ہیں اور ان کو بھی تیرے حکم کی تعمیل میں گو بجالاتا ہوں مگر میرا بھروسہ ان پر نہیں، میرا بھروسہ صرف تیرے اوپر ہے والیك انبت میں اپنے معاملات کی تدبیر میں صرف تیری طرف رجوع کرتا ہوں، وبك خاصمت تیری عطا کردہ حجت کے ذریعہ میں حق کی مخالفت کرنے والوں سے جھگڑتا ہوں اور تیری مدد سے غالب رہتا ہوں، والیك حاکمت اور جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو میں تجھی کو حکم اور فیصل بناتا ہوں۔

فاغفرلی اور جب یہ بات ہے کہ تیرے علاوہ میرا کسی سے تعلق نہیں تو اے پروردگار! تو میری کوتاہیوں کو معاف فرما، ماقدمت الخ جو پہلے ہوچکیں یا مستقبل میں ہوں گی، ان سب سے درگذر فرما، وما اسررت الخ جو پوشیدہ ہیں یا ظاہر ہیں، یعنی دل میں خیال آیا اور زبان پر وہ بات نہ آئی، یا زبان پر آگئی، ان سب کی معافی کا خواستگار ہوں، انت المقدم وانت المؤخر تو ہی آگے بڑھانے والا اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے، یا تو مراد یہ ہے کہ تو ہی روز محشر مجھے سب سے آگے بڑھائے گا اور تو نے ہی دنیا میں مجھے سب کے بعد مبعوث کیا، یا مطلب یہ ہے کہ تو ہی خیر کی طرف بڑھانے والا، رحمت کی طرف پیش قدمی کی توفیق دینے والا ہے اور تو ہی برائیوں سے اور شر سے پیچھے ہٹانے والا ہے۔

مقصدِ ترجمہ کا ثبوت روایت میں آیا کہ آپ تہجد سے پہلے یہ جامع دعا کرتے تھے جس میں پہلے حمد وثنا ہے، اللہ کی بے پناہ نعمتوں کا اقرار ہے، اہم امور کی حقانیت کا اعتراف ہے، پھر اپنی انقیاد و اطاعت کے ساتھ توکل وتفویض کا استحضار ہے، اور سب سے اخیر میں اپنی تقصیرات سے استغفار ہے، جوامع الکلم پر مشتمل دعا پر غور کرنے کا تقاضا ہے کہ جس کے سامنے دعا میں ذکر کردہ مضامین اور حقائق ہوں اسے تہجد کا اہتمام کرنا چاہئے، اس سے تہجد کی تاکید اور اہمیت واضح ہوگئی۔ واللہ اعلم

[۲] بَابُ فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ

(۱۱۲۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح وَحَدَّثَنِي مَحْمُوْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ

كَانَ الرَّجُلُ فِي حَيٰوةِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَتَمَنَّيْتُ أَنْ أَرَى رُؤْيَا فَأَقُصَّهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكُنْتُ غُلَامًا شَابًّا وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَأَيْتُ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِي فَذَهَبَا بِي إِلَى النَّارِ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ وَإِذَا فِيْهَا أُنَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ فَجَعَلْتُ أَقُوْلُ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ قَالَ فَلَقِيَنَا مَلَكٌ اٰخَرُ فَقَالَ لِي لَمْ تُرَعْ . (گذشتہ: ۴۴۰)

(۱۱۲۲) فَقَصَصْتُهَا عَلٰى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَكَانَ بَعْدُ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيْلًا.

(آئندہ: ۱۱۵۷، ۳۷۳۹، ۳۷۴۱، ۷۰۱۶، ۷۰۲۹، ۷۰۳۱)

ترجمہ باب، رات کو تہجد پڑھنے کی فضیلت کا بیان۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جب کوئی شخص خواب دیکھتا تو وہ اس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کرتا تھا، مجھے بھی تمنا ہوئی کہ مجھے کوئی اچھا خواب نظر آئے تو اس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کروں، اور میں اس زمانہ میں جوان لڑکا تھا اور حضور ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں سویا کرتا تھا، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے دو فرشتوں نے مجھے پکڑا اور وہ مجھے جہنم کی طرف لے گئے تو میں اچانک یہ دیکھتا ہوں کہ کنویں کی من کی طرح اس کی من بنی ہوئی ہے اور یہ کہ اس پر دو دیواریں یا دو گوشے بنے ہیں اور اس میں کچھ لوگ ہیں جنہیں میں پہچانتا ہوں، میں اس منظر کو دیکھ کر دعا کرنے لگا کہ میں جہنم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، عبداللہ بن عمر نے کہا کہ پھر ہمیں ایک دوسرا فرشتہ نظر آیا اور اس نے کہا کہ تم مت ڈرو، پھر میں نے یہ خواب حضرت حفصہؓ سے بیان کیا، حضرت حفصہ نے اس خواب کو حضور ﷺ سے بیان کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بہت اچھا انسان ہے، کاش وہ رات کو نماز پڑھا کرے، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد ابن عمر رات کو بہت کم سوتے تھے۔

مقصد ترجمہ تاکید اور اہمیت بیان کرنے کے بعد، اس باب میں تہجد کی فضیلت بیان کر رہے ہیں، قرآن کریم میں تہجد گذاروں اور شب بیداروں کی مدح متعدد آیات میں بیان کی گئی ہے، مثلاً سورۂ سجدہ میں ہے کہ ہماری آیات پر صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن میں ایسے اور ایسے اوصاف ہوں اور انہی اوصاف میں تتجافی جنوبھم عن المضاجع ہے کہ ان کے پہلو خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں، پھر ان کے بارے میں ارشاد فرمایا فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین، کوئی نہیں جان سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کیا نعمتیں چھپا رکھی ہیں، تہجد گذاروں کے لیے ناقابلِ تصور اور بیش بہا نعمتوں کی بشارت، تہجد کی فضیلت کے لیے بڑی اور کافی دلیل ہے۔

اسی طرح متعدد احادیث میں اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے بخاری کے علاوہ متعدد کتابوں میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا، ای الصلاۃ افضل بعد المکتوبۃ، فرض نماز کے بعد کونسی نماز سب سے افضل ہے تو فرمایا الصلاۃ فی جوف اللیل، رات کے درمیان پڑھی جانے والی نماز یعنی تہجد، اسی طرح ترمذی میں حضرت بلالؓ کی روایت ہے علیکم بقیام اللیل فانہ داب الصالحین قبلکم، تہجد کی نماز پابندی سے پڑھا کرو اس لیے کہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے، اس لیے امام بخاری نے بھی اس مقصد کے لیے ایک ترجمہ منعقد کر دیا۔

تشریح حدیث اور اس کے ثبوت میں اپنی شرط کے مطابق ابن عمر کی روایت پیش کر دی کہ خواب میں ان کو دو فرشتے پکڑ کر جہنم کی طرف لے گئے، دیکھتے ہیں کہ جہنم ایک کنویں کی طرح ہے جس میں آگ ہی آگ ہے، کنویں پر دو دیواریں، یا اس کے دو کناروں پر دو پایے بنے ہیں، جن پر چرخی وغیرہ لگانے کے لیے لوہا لگا دیا جاتا ہے، اور اس میں کچھ لوگ لٹکے ہوئے ہیں جنہیں ابن عمر پہچانتے ہیں، کہتے ہیں کہ جب وہ مجھے لے کر چلے تو مجھے ڈر محسوس ہوا اور میں نے تعوذ شروع کیا تو ایک دوسرا فرشتہ نظر آیا اور اس نے کہا گھبرایئے نہیں، تم کو کچھ نہ ہوگا، پھر انہوں نے اس خواب کا حضرت حفصہ سے ذکر کیا، حضرت حفصہ نے حضور ﷺ کو یہ خواب سنایا تو آپ نے فرمایا کہ عبداللہ بہت اچھے انسان ہیں، کاش وہ صلوۃ اللیل کی پابندی کر لیں، معلوم ہوا کہ صلاۃ اللیل کا جہنم سے بچانے میں بڑا دخل ہے، اور اس کی برکت سے ڈراونے خواب بھی نظر نہیں آتے، نیز یہ کہ اس نماز کی پابندی سے انسان کے اوصاف حمیدہ میں اضافہ ہوتا ہے یعنی عبداللہ پہلے ہی سے عمدہ آدمی ہیں، صلوۃ اللیل کی پابندی کر لیں گے تو ایسے ڈراونے خواب بھی نظر نہیں آئیں گے اور ان کے اوصاف حمیدہ میں اضافہ ہو جائے گا۔

اس روایت میں تو نعم الرجل عبد اللہ ہے، کتاب التعبیر میں یہ روایت آئے گی جس میں ان عبد اللہ رجل صالح لو کان یکثر الصلوۃ من اللیل کے الفاظ ہیں مطلب یہ ہوا کہ وہ پہلے ہی سے صالح ہیں، کاش تہجد کی پابندی کر لیں تو صالحیت میں اضافہ ہو جائے گا، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ تہجد کی فضیلت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ اس نماز کی پابندی سے انسان حضور پاک ﷺ کی زبانِ مبارک سے ثناءِ جمیل کا مستحق ہو جاتا ہے و کفی بہ فضلا۔ واللہ اعلم

[۳] بَابُ طُوْلِ السُّجُوْدِ فِیْ قِیَامِ اللَّیْلِ

(۱۱۲۳) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْیَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ یُصَلِّیْ إِحْدیٰ عَشْرَةَ رَكْعَةً كَانَتْ تِلْكَ صَلٰوتُهٗ یَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا یَقْرَأُ اَحَدُكُمْ خَمْسِیْنَ اٰیَةً قَبْلَ اَنْ یَّرْفَعَ رَاْسَهٗ وَیَرْكَعُ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ

صَلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُنَادِيْ لِلصَّلٰوةِ . (گذشتہ:۶۲۶)

ترجمہ باب، رات کے قیام میں سجدے کو طول دینے کا بیان۔ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول ﷺ رات کو گیارہ رکعت نماز پڑھتے تھے، یہی آپ کی نماز ہوتی تھی، ان رکعتوں میں آپ اتنا لمبا سجدہ کرتے تھے کہ تم میں سے کوئی انسان آپ کے سر اٹھانے سے پہلے تقریباً پچاس آیتیں پڑھ لے، اور دو رکعتیں آپ فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے تھے، پھر آپ داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن آپ کو فجر کی نماز کے لئے بلانے آجاتا تھا۔

مقصدِ ترجمہ پہلے باب میں تہجد کی فضیلت بیان کی تھی، اس باب میں فضیلت کی ایک وجہ کی طرف اشارہ مقصود ہے، مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے **اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد** کہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قرب سجدے کی حالت میں حاصل ہوتا ہے، کیونکہ سجدہ بندے کی عبدیت اور تذلل کے اظہار کا سب سے اچھا طریقہ ہے، اس لئے امام بخاری اس باب میں بیان کرتے ہیں کہ قربِ خداوندی کے حصول کیلئے تہجد کی نماز میں سجدے کا طویل ہونا مطلوب ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ قیام لیل میں ہر شخص اپنی نماز الگ پڑھتا ہے اس لئے اس کو نماز کو طول دینے کا اختیار ہے، پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ رکوع وسجود کا طول، قیام کی مناسبت سے ہوگا اس لئے قیام اور رکوع وسجود سب ہی میں طول ہوگا اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس فضیلت والی نماز کو پورے اہتمام اور دلجمعی سے پڑھنا چاہئے اور اس میں قیام، نیز رکوع وسجود کو اپنی ہمت کے مطابق طول دینا چاہئے۔

تشریح حدیث حدیث **باب ما جاء فی الوتر** میں گذر چکی ہے، یہاں امام بخاری کا استدلال واضح ہے کہ یہ طویل ترین سجدہ داخلِ صلوٰۃ کا ہے، خارجِ صلوٰۃ کا نہیں جیسا کہ اسی روایت پر امام نسائی نے ترجمہ منعقد کیا ہے **باب قدر السجدة بعد الوتر**، وتر کے بعد کئے جانے والے سجدے کی مقدار، گویا امام نسائی نے یہ سمجھا کہ یہ وہ سجدہ ہے جو نماز سے فارغ ہو کر کیا جاتا ہے اور اس میں طول پچاس آیت کے بقدر ہوتا ہے، حالانکہ روایت میں اس کا کوئی ذکر تو کیا اشارہ تک نہیں ہے، بخاری نے بتا دیا کہ یہ سجدہ داخلِ صلوٰۃ کا ہے، بلکہ تہجد کی نماز کے ہر سجدے کی مقدار اتنی ہے کہ اتنے وقت میں پچاس آیات پڑھی جاسکتی ہیں۔

سجدۂ شکر کا حکم امام نسائی نے جس سجدہ کا ذکر کیا ہے اس کو فقہاء سجدۂ شکر کہتے ہیں جو سجدۂ تلاوت کی طرح نماز سے الگ مستقل طور پر کیا جاتا ہے، شافعیہ اور حنابلہ کسی نعمت کے حصول یا کسی مصیبت سے نجات کے موقع پر اس کو مستحب کہتے ہیں، اگر نماز کے سجدوں میں اس کی نیت کر لی جائے تو ان کے نزدیک اس کی اجازت نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز سے الگ سجدۂ شکر کرنا کراہت سے خالی نہیں، حصول نعمت یا زوالِ مصیبت پر شکر کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھی جائے، حنفیہ کا مذہب بھی مالکیہ کی طرح ہے، لیکن متاخرین حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس کی اجازت ہے اور نماز کے سجدوں میں نیت کر لی جائے تو یہ بھی کافی ہے، مگر نماز کے بعد پابندی سے

مستقل طور پر سجدہ کرنا جیسا کہ بعض علاقوں میں اس کا رواج ہے مکروہ ہے کہ اس سے عوام کو غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ یہ مسنون یا مستحب ہے۔ واللہ اعلم

[٤] بَابُ تَرْكِ الْقِيَامِ لِلْمَرِيْضِ

(۱۱۲۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُباً يَقُوْلُ اشْتَكَى النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً اَوْ لَيْلَتَيْنِ ح (آئندہ: ۱۱۲۵، ۴۹۵۰، ۴۹۵۱، ۴۹۸۳)

(۱۱۲۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ احْتَبَسَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ اَبْطَاَ عَلَيْهِ شَيْطَانُهُ فَنَزَلَتْ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى. (گذشتہ: ۱۱۲۴)

ترجمہ باب، بیمار کے قیامِ لیل کو ترک کرنے کا بیان۔ حضرت جندب بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بیماری کی شکایت ہوئی تو آپ نے ایک رات یا دو رات قیام نہیں کیا، حضرت جندب بن عبداللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام کی آمد رک گئی تو قریش کی ایک عورت نے کہا کہ ان کے شیطان نے ان کے پاس آنے میں دیر کر دی تو اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں والضحی واللیل إذا سجی ما ودعك ربك وما قلى، قسم ہے چاشت کے وقت کی اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہیں چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار ہوا ہے،

مقصدِ ترجمہ پچھلے ابواب میں قیامِ لیل کی فضیلت مذکور تھی جس کا تقاضا ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے، اب بیان کرتے ہیں کہ قیامِ لیل اگرچہ مطلوب ہے، تاہم اگر بیماری کا عذر پیش آجائے تو ترکِ قیام کی اجازت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامِ لیل فرائض میں سے نہیں ہے، ورنہ جس طرح مکتوبہ کو چھوڑنے کی اجازت نہیں، اسی طرح قیامِ لیل کو ترک کرنے کی بھی اجازت نہ ہوتی۔

تشریح حدیثِ اول یہاں امام بخاری نے دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت کا مضمون یہ ہے کہ آپ بیمار پڑے اور دو دن تک قیامِ لیل کا عمل نہ ہو سکا، اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قیامِ لیل آپ کے ذمہ فرض نہ تھا، لیکن جو لوگ فرض کہتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے بیماری کی وجہ سے فرض ادا نہ کر سکے تو اس کی قضا کی جائے گی۔

تشریح حدیث دوم دوسری روایت میں آیا کہ جبرئیل کی آمد کچھ دنوں کے لئے رک گئی تو ایک عورت یعنی ابولہب کی بیوی نے کہا ابطأ علیه شیطانه، جو شیطان ان کے پاس آتا تھا وہ ایک عرصہ سے نہیں

آیا، معلوم ہوا کہ معاملہ ختم ہوگیا۔

ام جمیل زوجۂ ابولہب کے الفاظ سے جہاں اس کا خُبث ظاہر ہے وہیں اس کی یہ تعبیر جاہلیت کے خیالات کی ترجمانی کررہی ہے، جاہلیت کے خیال کے مطابق آسمانی خبروں کا ذریعہ شیاطین تھے اور انہی خبروں کی وجہ سے کاہنوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اس عورت نے جاہلیت کے خیال اور اپنے عناد کے سبب جبرئیل کی آمد کے چندروز موقوف ہو جانے کو ان الفاظ سے تعبیر کردیا کہ لیجئے شیطان نے آنا بند کردیا۔ (استغفراللہ)

صحیح بخاری ہی میں کتاب التفسیر انہی صحابی کی ایک روایت محمد بن بشار کی سند سے ہے جس میں قالت إمراة یا رسول اللہ! ما اریٰ صاحبك الا ابطاك آیا ہے کہ اس موقع پر ایک عورت نے کہا یارسول اللہ ﷺ! میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے ساتھی (یعنی جبرئیل) نے آنے میں دیر کردی، اس عورت کے الفاظ بالکل مختلف ہیں، ایک تو یہ کہ وہ آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر مخاطب کررہی ہے، دوسرے یہ کہ ما اریٰ صاحبك الا ابطاك میں ہمدردی کے ساتھ حیرت واستعجاب کا اظہار ہے، اس لئے یقیناً یہ کوئی دوسری عورت ہے، شارحین نے اس کی تعیین کے لئے بقی بن مخلد کی تفسیر سے نقل کیا ہے قالت خدیجة للنبی ﷺ حین ابطا علیه الوحی إنّ ربّك قد قلاك فنزلت والضحیٰ.

بہرحال ان خیالات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ نازل فرمائی کہ پہلے تو چاشت کے وقت کی اور دن کی قسم کھائی اور پھر فرمایا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے بیزار ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے لیل ونہار کا انقلاب ہے کبھی روشنی ہوتی ہے دھوپ نکلتی ہے، کبھی تاریکی ہوتی ہے اور رات چھا جاتی ہے اور ان میں کوئی صورت بھی باقی نہیں رہتی، جس طرح ظاہری حالات میں اللہ کے نظام کے تحت تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اسی طرح وحی کے نظام اور باطنی احوال کو سمجھنا چاہئے کہ کبھی اللہ تعالیٰ جلدی جلدی وحی نازل کرتا ہے اور کبھی اس کے نزول میں انتظار کی نوبت آتی ہے، یہ خیال نہ کیجئے کہ وحی کے نزول میں دیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے،

مقصد ترجمہ سے تعلق لیکن سوال یہ ہے کہ اس دوسری روایت کا ترك القیام للمریض سے کیا تعلق ہے؟ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ہی روایت ہے جسے امام بخاری نے دو ٹکڑے کرکے دو سندوں سے ذکر کیا ہے، پہلا ٹکڑا ابونعیم کی سند سے دیا ہے جس میں آپ کے بیمار ہونے اور ایک دو رات قیام نہ کرسکنے کا ذکر ہے، اور اس میں سورۂ ضحیٰ کے شانِ نزول وغیرہ کا ذکر نہیں ہے، جب کہ فضائل القرآن میں بخاری نے ابونعیم کی اسی روایت میں دونوں ٹکڑوں کو مکمل دیا ہے، بس ایک جملہ احتبس جبرئیل عن النبی ﷺ نہیں ہے۔ امام بخاری نے پھر دوسرا ٹکڑا یہاں محمد بن کثیر کی سند سے ذکر کیا ہے جس میں حضور ﷺ کی بیماری اور قیام لیل کے ترک کا ذکر نہیں، اور احتبس جبرئیل عن النبی ﷺ کا اضافہ ہے۔ پھر سورۂ والضحیٰ کے شانِ نزول کا ذکر ہے، احتبس جبرئیل الخ کے فرق کے علاوہ دونوں روایتیں ایک ہیں، اس لئے دونوں روایتوں کے ترك القیام للمریض سے تعلق میں

کوئی اشکال نہیں ہے۔

نیز یہ کہ اس دوسری روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس بیماری کے سبب ترکِ قیام کی نوبت آئی تھی وہ اسی زمانہ کی بات ہے جس میں جبرئیل کی آمد رک گئی تھی ممکن ہے کہ دونوں باتوں کا ایک وقت میں پیش آنا محض اتفاق ہو، اور ممکن ہے کہ اسی انقطاعِ وحی کے صدمے سے بیماری کی صورت پیش آ گئی ہو۔

تحویل کا فائدہ اس تفصیل سے ہمارے ہندوستانی نسخے میں دونوں روایات کے درمیان دی گئی تحویل کی حقیقت بھی سمجھ میں آسکتی ہے، تحویل دراصل وہاں دی جاتی ہے جہاں متن ایک ہو اور سند میں تعدد ہو اور اسی لئے تحویل عام طور پر سند کے درمیان ذکر کی جاتی ہے، اور یہاں امام بخاری نے پہلے ایک سند سے روایت کا ایک ٹکڑا ذکر کیا ہے پھر تحویل کی ہے، پھر دوسری سند سے دوسرا ٹکڑا دیا ہے جس میں ایک جملہ احتبس جبرئیل عن النبی ﷺ زیادہ ہے۔

تحویل کر کے امام بخاری نے ایک تو یہ اشارہ کر دیا کہ یہ دونوں روایتیں متحد اور ایک ہیں اور ان سے ترك القیام للمریض ثابت ہے اور دوسری بات یہ بتا دی کہ محمد بن کثیر کی روایت میں ایک جملہ زیادہ ہے، اور اسی ایک جملہ کی زیادتی کی بنیاد پر امام بخاری نے تحویل کو سند کے درمیان ذکر نہیں کیا بلکہ روایت کا ایک ٹکڑا دینے کے بعد تحویل کی ہے۔

واللہ اعلم

[۵] بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيْجَابٍ وَطَرَقَ النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةَ وَعَلِيًّا لَيْلَةً لِلصَّلٰوةِ

(۱۱۲۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدَ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِسْتَيْقَظَ لَيْلَةً فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ، مَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ، مَنْ يُوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ، يَا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ. (گذشتہ: ۱۱۵)

(۱۱۲۷) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ اَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ طَرَقَهُ وَ فَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ اَلَا تُصَلِّيَانِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ فَاِذَا شَاءَ اَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ حِيْنَ قُلْتُ ذٰلِكَ وَ لَمْ يَرْجِعْ اِلَيَّ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَ هُوَ مُوَلٍّ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَ هُوَ يَقُوْلُ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا. (آئندہ: ۴۷۲۴، ۷۳۴۷، ۷۴۶۵)

(۱۱۲۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَ هُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهٖ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ وَ مَا سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سُبْحَةَ الضُّحٰى قَطُّ وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا. (آئندہ:۱۱۷۷)

(۱۱۲۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى بِصَلٰوتِهٖ نَاسٌ ثُمَّ صَلّٰى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ قَدْ رَأَيْتُ الَّذِيْ صَنَعْتُمْ وَ لَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْكُمْ وَ ذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ. (گذشتہ:۷۲۹)

ترجمہ باب، قیامِ لیل اور نوافل پر واجب کئے بغیر حضور ﷺ کے ترغیب دینے کا بیان، اور ایک رات حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ اور حضرت علی کو نماز کے لئے جگایا۔ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ لیک رات کو بیدار ہوئے تو فرمایا سبحان اللہ! آج کی رات کیا کیا فتنے نازل کئے گئے اور کیا کیا رحمت کے خزانے نازل کئے گئے، کون ہے جو حجرات میں رہنے والیوں (امہات المومنین) کو جگا دے، اے لوگو! کتنی ہی عورتیں دنیا میں لباس پہننے والی اور آخرت میں بے لباس ہوں گی۔ حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات ان کو اور فاطمہ بنت نبی ﷺ کو جگا دیا اور فرمایا، کیا تم دونوں تہجد کی نماز نہیں پڑھو گے؟ تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہماری جان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا تو ہمیں اٹھا دے گا، چنانچہ جب میں نے یہ کہا تو آپ واپس ہو گئے اور آپ نے مجھ سے کچھ نہیں فرمایا، پھر جب آپ پشت موڑ کر جانے لگے تو میں نے سنا کہ آپ اپنی ران پر ہاتھ مار کر یہ آیت پڑھ رہے تھے **وكان الإنسان أكثر شيئ جدلا** اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفلی عمل کو چھوڑ دیتے تھے جبکہ آپ کو اس پر عمل کرنا پسندیدہ ہوتا تھا، اس اندیشہ سے چھوڑ دیتے تھے کہ لوگ اس پر عمل کریں پھر وہ ان پر فرض کر دیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے چاشت کی نماز کبھی نہیں پڑھی اور میں اس کو پڑھتی ہوں، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی تو چند لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر دوسری رات بھی آپ نے نماز پڑھی تو نماز پڑھنے والے لوگ بہت ہو گئے، پھر وہ لوگ تیسری یا چوتھی رات کو بھی جمع ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس نکل کر نہیں آئے، پھر جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ رات تم جو کر رہے تھے اس کو میں نے دیکھا اور تمہارے پاس نکل کر آنے سے مجھے صرف اس بات نے روکا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور یہ واقعہ رمضان میں ہوا۔

مقصدِ ترجمہ مقصد واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ تہجد کے لئے ترغیب دی لیکن اس کو واجب قرار نہیں دیا، ابن منیر کہتے ہیں کہ ترجمہ کے دو جز ہیں ایک ترغیب اور دوسرے نفی ایجاب، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت علیؓ کی روایت سے ترغیب ثابت ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے نفی ایجاب، حافظ کہتے ہیں کہ چاروں روایت سے وجوب کی نفی ثابت ہے، لیکن غور کیا جائے تو ہر روایت سے ترغیب اور نفی ایجاب دونوں کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

وطرق النبی ﷺ الخ اس تعلیق کو امام بخاری نے اسی باب کی دوسری حدیث میں موصولاً ذکر کیا ہے۔

تشریح حدیثِ اول پہلی روایت **باب العلم والعظة باللیل** میں (نمبر ۱۱۵) مع تشریح گذر گئی ہے، روایت میں آیا **من یوقظ صواحب الحجرات**، اسی روایت کے بعض طرق میں **یرید ازواجه حتی یصلین** آیا ہے کہ حجرے والی ازواج مطہرات کو بیدار کردو کہ وہ نماز پڑھیں، اس سے صلوٰۃ اللیل کی ترغیب کا مضمون ظاہر ہے کہ اس عبادت کی ادائیگی میں ان کو مستعد ہونا چاہئے اور غفلت نہیں برتنی چاہئے، اور نفی ایجاب پر استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے نماز پڑھنے کی صرف ترغیب دی ہے، اس کو لازم اور واجب قرار نہیں دیا۔

تشریح حدیثِ دوم دوسری روایت حضرت علیؓ کی ہے جس کو امام بخاریؒ نے تعلیقاً ترجمۃ الباب میں ذکر کیا تھا کہ حضور ﷺ تہجد کے وقت حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے حجرے پر پہونچے اور ان کو تہجد کیلئے جگادیا اور فرمایا **الا تصلیان**؟ کیا تم نمازِ تہجد نہیں پڑھو گے، بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ ان دونوں کو جگا کر واپس ہوگئے اور اپنی نماز پڑھتے رہے اور جب ان کے بیدار ہونے کی کوئی علامت محسوس نہ ہوئی تو دوبارہ تشریف لائے اور نماز کیلئے کہا۔ آپ کے اس طرز سے تہجد کی ترغیب معلوم ہوئی کہ آپ نے اپنے اہل بیت کو آرام کے وقت جگادیا تاکہ وہ اس وقت عبادت کا اہتمام کریں۔

آپ کے جگانے پر حضرت علی آنکھ ملتے ہوئے اٹھے اور عرض کیا یارسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، وہ جب بیدار کرنا چاہے گا تو ہم اٹھ جائیں گے، آپ نے حضرت علی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، معلوم ہوا کہ تہجد واجب نہیں ہے ورنہ آپ ضرور تنبیہ فرماتے،

زبان سے تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا مگر حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب آپ واپس ہونے لگے تو حیرت یا افسوس کے اظہار کے لئے آپ اپنی ران پر اپنا ہاتھ مار رہے تھے اور سورۂ کہف کی آیت **وکان الانسان اکثر شیءٍ جدلا** پڑھ رہے تھے کہ انسان سب سے زیادہ جھگڑالو پیدا ہوا ہے، مطلب یہ تھا کہ آپ کو میرا جواب پسند نہیں آیا کہ تیاری تو خود نہیں کی اور معاملہ خدا کے حوالے کردیا، اگر صورت یہ ہو کہ انسان کام کی تیاری کرے اور منجانب اللہ کوئی عذر پیش آجائے تو تقدیر کے حوالے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

بہر حال روایت سے ترغیب کا مضمون بھی ثابت ہے، اور یہ بھی ثابت کہ تہجد واجب نہیں ہے۔

تشریح روایتِ سوم حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ کبھی ایک چیز کو محبوب رکھتے ہوئے بھی ترک فرما دیتے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ امت پر ذمہ داری بڑھا دی جائے، مطلب یہ ہے کہ خود تو عمل کرتے تھے مگر دوسرے لوگوں کو شریک کرنے سے احتیاط فرماتے تھے جیسا کہ اگلی روایت میں تراویح کے بارے میں آ رہا ہے کہ آپ باہر نہیں نکلے مگر اس رات میں بھی آپ نے اپنے معمول کے مطابق عبادت کی۔

وما سبح الخ فرماتی ہیں کہ آپ نے صلوٰۃ الضحیٰ کبھی نہیں پڑھی اور میں اس کی پابندی کرتی ہوں، حضرت عائشہ کی یہ بات ان کے اپنے علم کے مطابق ہے، ورنہ آپ سے صلوٰۃ الضحیٰ کا پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ فتحِ مکہ کے موقع پر ام ہانی کے گھر میں پڑھنے کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

اس روایت سے جہاں پیغمبر علیہ السلام کے کسی عمل کو پسند فرمانے سے ترغیب ثابت ہوئی وہیں امت پر ذمہ داری بڑھ جانے کے اندیشہ سے جو ترک ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ وجوب نہیں ہے۔

تشریح روایتِ چہارم حضور پاک ﷺ نے رمضان میں چند رات صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر فرض ہونے کے اندیشے کی وجہ سے آپ باہر نہیں نکلے یعنی صحابہ کرام کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، بلکہ انفرادی طور پر اپنا معمول پورا کیا، اس سے صلوٰۃ اللیل کی ترغیب بھی معلوم ہوئی اور اس کا واجب نہ ہونا بھی معلوم ہوا، روایت گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[٦] بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ حَتّٰى تَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، وَالْفُطُوْرُ الشُّقُوْقُ، اِنْفَطَرَتْ اِنْشَقَّتْ

(۱۱۳۰) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ يَقُوْلُ اِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُوْمُ اَوْ لَيُصَلِّيْ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ اَوْ سَاقَاهُ فَيُقَالُ لَهٗ فَيَقُوْلُ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا. (آئندہ:۴۸۳۶، ۶۴۷۱)

ترجمہ باب، حضور ﷺ کے رات کو اتنے قیام کا بیان کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا، اور حضرت عائشہ نے کہا یہاں تک کہ آپ کے پیر پھٹ جاتے تھے اور فطور کے معنی لغوی ہیں پھٹ جانا، اور اسی سے قرآن میں انفطرت انشقت (پھٹ جانے) کے معنی میں ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے تھے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اتنا قیام فرماتے یا اتنی نمازیں پڑھتے کہ آپ کے پیروں پر یا پنڈلیوں پر ورم آجاتا تھا، پھر آپ سے اس سلسلے میں عرض کیا جاتا تو آپ جواب میں ارشاد فرماتے، کہ کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

مقصد ترجمہ بتلایا تھا کہ قیامِ لیل واجب نہیں ہے، اب بیان کرتے ہیں کہ واجب نہ ہونے کے باوجود وقت کی فضیلت اور انسان کی عبدیت کا تقاضا ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے جب کہ حضور ﷺ نے اللہ کی طرف سے مغفرت کے اعلان کے باوجود قیامِ لیل کو نہ صرف یہ کہ جاری رکھا بلکہ اس کو اتنا بڑھا دیا کہ بسا اوقات پوری رات یا رات کا اکثر حصہ اسی عبادت میں گذار دیا یہاں تک کہ آپ کے پیروں پر ورم آ جاتا۔

قالت عائشة الخ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ صرف ورم ہی نہیں بلکہ پیر پھٹ جاتے تھے، **الفطور، الشقوق**، امام بخاری نے فطور کے لغوی معنٰی بیان کئے پھر ان کا ذہن اس مادہ کے قرآنِ کریم میں استعمال کی طرف منتقل ہوا اور انھوں نے اِنفطرت کے معنٰی بتائے کہ اس کا مطلب ہے اِنشقت۔

تشریح حدیث روایت میں حضور ﷺ کے نمازِ تہجد میں طویل قیام کا ذکر ہے، غالباً یہ اس وقت کی بات ہے جب سورۂ مزمل میں قم اللیل الاقلیلا کا حکم نازل ہوا جس میں رات کے قلیل حصے کے علاوہ اکثر حصہ میں قیام کا حکم دیا گیا تو حضور ﷺ اکثر حصے میں قیام فرماتے اور طولِ قیام کی وجہ سے پیروں پر ورم آ جاتا اور پیر پھٹ جاتے، اس وقت عرض کیا جاتا کہ آپ اس قدر مشقت کیوں برداشت کر رہے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطمینان حاصل ہے کہ اول تو آپ معصوم ہیں، گناہ کا تصور ہی نہیں، دوسرے یہ کہ اللہ کی طرف سے تمام چیزوں کی مغفرت کی خوشخبری نازل کر دی گئی ہے، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا افلا اکون عبدا شکورا، یعنی عبادت کا منشا جہاں طلبِ مغفرت ہے، وہیں اس کا منشا ادائے شکر بھی ہے، جب اللہ نے مغفرت کا اعلان کر دیا تو مجھے اس کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کو بڑھا دینا چاہیے اور تابمقدور شکر گذاری کا حق ادا کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

[۷] بَابُ مَنْ نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ

(۱۱۳۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّ عَمْرَو بْنَ اَوْسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهٗ اَحَبُّ الصَّلٰوةِ اِلَى اللّٰهِ صَلٰوةُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّيَامِ اِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوٗدَ وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُوْمُ ثُلُثَهٗ وَيَنَامُ سُدُسَهٗ وَيَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا. (آئندہ: ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۳۴۱۸، ۳۴۱۹، ۳۴۲۰، ۵۰۵۲، ۵۰۵۳، ۵۰۵۴، ۶۱۳۴، ۶۲۷۷)

(۱۱۳۲) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ اَشْعَثَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ مَسْرُوْقًا قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَيُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبَّ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَتِ الدَّائِمُ، قُلْتُ مَتٰى كَانَ يَقُوْمُ قَالَتْ يَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَشْعَثَ قَالَ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ قَامَ فَصَلّٰى.　　(آئندہ: ۶۴۶۱، ۶۴۶۲)

(۱۱۳۳) حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ ذَكَرَ اَبِىْ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا اَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِىْ إِلَّا نَائِماً تَعْنِى النَّبِىَّ ﷺ.

ترجمہ باب، ان لوگوں کا بیان جنہیں سحر یعنی آخر شب میں سونا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز، حضرت داؤد کی نماز ہے، اور روزوں میں سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد کے روزے ہیں اور حضرت داؤد آدھی رات تک سوتے تھے اور پھر تہجد کے لیے ایک تہائی رات قیام کرتے تھے اور آخر کے چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے۔ حضرت مسروق سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند تھا، فرمایا جس کو پابندی سے کیا جائے، پھر میں نے پوچھا کہ آپ تہجد کے لیے کس وقت اٹھتے تھے تو فرمایا کہ جب مرغ کی آواز سنتے تو اٹھ جاتے تھے۔ اشعث سے روایت ہے کہ جب آپ مرغ کی آواز سنتے تو اٹھ جاتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سحر کے وقت نے حضور ﷺ کو میرے پاس سوتے ہوئے ہی پایا۔

مقصد ترجمہ بیان کرتے ہیں کہ آخرِ شب میں سونے کی اجازت یا استحسان کا حکم کن لوگوں سے متعلق ہے، بات یہ ہے کہ آخرِ شب کا وقت عبادت کے لیے بڑا مبارک وقت ہے، صحیح روایات میں آتا ہے کہ پروردگار عالم رات کے آخری ثلث میں آسمانِ دنیا پر نزول کرتا ہے، ینزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر الحديث اوراعلان کرتا ہے کہ اس وقت میں دعا کرنے والوں کی دعا قبول کروں گا، سوال کرنے والوں کو عطا کروں گا اور استغفار کرنے والوں کی بخشش کروں گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ان اوقات کی حفاظت کرتے ہیں، قرآن کریم میں ہے وبالاسحار هم يستغفرون۔

اس لیے امام بخاری نے ترجمہ منعقد کر کے بتادیا کہ جو لوگ اس وقت کو عبادت سے معمور کرتے ہیں انہیں قیامِ لیل کے بعد آخرِ شب میں سونے کی اجازت ہے کہ اس سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور فجر کی نماز، اور نماز کے بعد ذکر و تلاوت وغیرہ پر دل جمعی کے ساتھ عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

تشریح حدیثِ اول پہلی روایت میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کو حضرت داؤد کی نماز سب سے زیادہ پسند تھی اور اس کی کیفیت یہ تھی کہ مغرب سے عشاء تک - جو رات کا ایک سدس ہوتا ہے- عبادت کرتے، اس کے بعد نصف لیل تک آرام کرتے، پھر بیدار ہو کر ایک ثلث صلوٰۃ اللیل میں گذارتے، پھر آخری

مقصدِ ترجمہ مقصد واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ تہجد کے لئے ترغیب دی لیکن اس کو واجب قرار نہیں دیا، ابن منیر کہتے ہیں کہ ترجمہ کے دو جز ہیں ایک ترغیب اور دوسرے نفی ایجاب، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت علیؓ کی روایت سے ترغیب ثابت ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے نفی ایجاب، حافظ کہتے ہیں کہ چاروں روایت سے وجوب کی نفی ثابت ہے، لیکن غور کیا جائے تو ہر روایت سے ترغیب اور نفی ایجاب دونوں کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

وطرق النبی ﷺ الخ اس تعلیق کو امام بخاری نے اسی باب کی دوسری حدیث میں موصولا ذکر کیا ہے۔

تشریحِ حدیثِ اول پہلی روایت باب العلم والعظة باللیل میں (نمبر ۱۱۵) مع تشریح گذر گئی ہے، روایت میں آیا من یوقظ صواحب الحجرات، اسی روایت کے بعض طرق میں یرید ازواجه حتیٰ یصلین آیا ہے کہ حجرے والی ازواج مطہرات کو بیدار کردو کہ وہ نماز پڑھیں، اس سے صلوٰۃ اللیل کی ترغیب کا مضمون ظاہر ہے کہ اس عبادت کی ادائیگی میں ان کو مستعد ہونا چاہئے اور غفلت نہیں برتنی چاہئے، اور نفی ایجاب پر استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے نماز پڑھنے کی صرف ترغیب دی ہے، اس کو لازم اور واجب قرار نہیں دیا۔

تشریحِ حدیثِ دوم دوسری روایت حضرت علیؓ کی ہے جس کو امام بخاریؒ نے تعلیقاً ترجمۃ الباب میں ذکر کیا تھا کہ حضور ﷺ تہجد کے وقت حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے حجرے پر پہونچے اور ان کو تہجد کیلئے جگادیا اور فرمایا الا تصلیان؟ کیا تم نمازِ تہجد نہیں پڑھوگے، بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ ان دونوں کو جگا کر واپس ہوگئے اور اپنی نماز پڑھتے رہے اور جب ان کے بیدار ہونے کی کوئی علامت محسوس نہ ہوئی تو دوبارہ تشریف لائے اور نماز کیلئے کہا۔ آپ کے اس طرز سے تہجد کی ترغیب معلوم ہوئی کہ آپ نے اپنے اہل بیت کو آرام کے وقت جگادیا تاکہ وہ اس وقت عبادت کا اہتمام کریں۔

آپ کے جگانے پر حضرت علی آنکھ ملتے ہوئے اٹھے اور عرض کیا یارسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، وہ جب بیدار کرنا چاہے گا تو ہم اٹھ جائیں گے، آپ نے حضرت علی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، معلوم ہوا کہ تہجد واجب نہیں ہے ورنہ آپ ضرور تنبیہ فرماتے،

زبان سے تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا مگر حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب آپ واپس ہونے لگے تو حیرت یا افسوس کے اظہار کے لئے آپ اپنی ران پر اپنا ہاتھ مار رہے تھے اور سورۂ کہف کی آیت وکان الانسان اکثر شیء جدلا پڑھ رہے تھے کہ انسان سب سے زیادہ جھگڑالو پیدا ہوا ہے، مطلب یہ تھا کہ آپ کو میرا جواب پسند نہیں آیا کہ تیاری تو خود نہیں کی اور معاملہ خدا کے حوالے کردیا، اگر صورت یہ ہو کہ انسان کام کی تیاری کرے اور منجانب اللہ کوئی عذر پیش آجائے تو تقدیر کے حوالے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

بہرحال روایت سے ترغیب کا مضمون بھی ثابت ہے، اور یہ بھی ثابت کہ تہجد واجب نہیں ہے۔

تشریح روایت سوم حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ کبھی ایک چیز کو محبوب رکھتے ہوئے بھی ترک فرمادیتے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ امت پر ذمہ داری بڑھادی جائے، مطلب یہ ہے کہ خود تو عمل کرتے تھے مگر دوسرے لوگوں کو شریک کرنے سے احتیاط فرماتے تھے جیسا کہ اگلی روایت میں تراویح کے بارے میں آرہا ہے کہ آپ باہر نہیں نکلے مگر اس رات میں بھی آپ نے اپنے معمول کے مطابق عبادت کی۔

وما سبح الخ فرماتی ہیں کہ آپ نے صلوٰۃ الضحیٰ کبھی نہیں پڑھی اور میں اس کی پابندی کرتی ہوں، حضرت عائشہ کی یہ بات ان کے اپنے علم کے مطابق ہے، ورنہ آپ سے صلوٰۃ الضحیٰ کا پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر ام ہانی کے گھر میں پڑھنے کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

اس روایت سے جہاں پیغمبر علیہ السلام کے کسی عمل کو پسند فرمانے سے ترغیب ثابت ہوئی وہیں امت پر ذمہ داری بڑھ جانے کے اندیشہ سے جو ترک ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ وجوب نہیں ہے۔

تشریح روایت چہارم حضور پاک ﷺ نے رمضان میں چند رات صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر فرض ہونے کے اندیشے کی وجہ سے آپ باہر نہیں نکلے یعنی صحابہ کرام کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، بلکہ انفرادی طور پر اپنا معمول پورا کیا، اس سے صلوٰۃ اللیل کی ترغیب بھی معلوم ہوئی اور اس کا واجب نہ ہونا بھی معلوم ہوا، روایت گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[٦] بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ حَتّٰى تَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، وَالْفُطُوْرُ الشُّقُوْقُ، اِنْفَطَرَتْ اِنْشَقَّتْ

(۱۱۳۰) حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ يَقُوْلُ اِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُوْمُ اَوْ لَيُصَلِّىْ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ اَوْ سَاقَاهُ فَيُقَالُ لَهٗ فَيَقُوْلُ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا. (آئندہ: ۴۸۳۶، ۶۴۷۱)

ترجمہ باب، حضور ﷺ کے رات کو اتنے قیام کا بیان کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا، اور حضرت عائشہ نے کہا کہ یہاں تک کہ آپ کے پیر پھٹ جاتے تھے اور فطور کے معنیٰ لغوی ہیں پھٹ جانا، اور اسی سے قرآن میں انفطرت، انشقت (پھٹ جانے) کے معنیٰ میں ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے تھے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اتنا قیام فرماتے یا اتنی نمازیں پڑھتے کہ آپ کے پیروں پر یا پنڈلیوں پر ورم آجاتا تھا، پھر آپ سے اس سلسلے میں عرض کیا جاتا تو آپ جواب میں ارشاد فرماتے، کہ کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

سدس میں سو جاتے، گویا اس طرح انھوں نے رات کو مختلف حصوں میں عبادت اور آرام کے لئے تقسیم کر رکھا تھا۔ اور روزے کے سلسلے میں معمول یہ تھا کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، نماز اور روزہ کے سلسلے میں حضرت داؤد کا یہ طریقہ اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طریقہ پر مداومت انسان کے لیے آسان ہے، کہ یہ طبیعت پر شاق نہیں گذرتا اور انسان بددلی میں مبتلا نہیں ہوتا اور جو طریقہ مشقت پر مبنی ہو اور انسان کو بددلی میں مبتلا کر دے تو وہ طریقہ انسان کو کبھی کبھی ترکِ عبادت تک لے جاتا ہے جو نقصان کی بات ہے۔

روایت سے رات کے نصفِ آخر میں نماز اور عبادت کا اہتمام کرنے والوں کے لیے آخر شب میں سونے کا جواز معلوم ہو گیا اور یہی بخاری کا مقصد ہے۔

تشریح حدیث دوم وسوم دوسری روایت میں مسروق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند تھا تو فرمایا کہ جس پر مداومت کے ساتھ عمل میں دشواری نہ ہو، مسروق نے پوچھا کہ رات میں عبادت کے لیے کس وقت اٹھتے تھے؟ تو فرمایا کہ جب مرغ بولتا تھا اٹھ جایا کرتے تھے، تیسری روایت میں بھی یہی مضمون ہے کہ مرغ کی آواز پر اٹھ جایا کرتے تھے، لیکن سوال یہ ہے کہ ترجمۃ الباب تو سحر کے وقت نوم سے متعلق ہے اور اس روایت میں نوم کے بجائے قیام کا ذکر ہے، ترجمہ سے روایت کا کیا ربط ہے؟ اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں، مثلاً علامہ عینی نے فرمایا کہ مرغ ثلثِ آخر میں بولتا ہے، اور اس کی آواز پر اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ سو رہے تھے، اس لیے سحر کے وقت نوم کا ثبوت ہو گیا، لیکن بخاری اس وقت نہیں بلکہ رات کے سدس آخر میں نوم کا ثبوت چاہتے ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ آتا ہے کہ جب پہلی روایت میں یہ آیا کہ حضور ﷺ نے حضرت داؤد کے عمل کو پسند فرمایا جس میں آخر شب میں نوم کا ذکر ہے اور خود حضور ﷺ کا بھی یہی طریقہ تھا تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ اٹھا کس وقت کرتے تھے؟ بخاری نے یہ دو روایات پیش کر کے اس کا جواب دے دیا کہ **اذا سمع الصارخ** یعنی مرغ کی آواز سن کر، گویا آخرِ شب میں اٹھنا اور پھر سو جانا یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے مربوط اور متعانق ہیں، خلاصہ یہ کہ ان دونوں روایات میں سحر کے وقت نوم کا ثبوت نہیں، بلکہ اس نوم سے پہلے جاگنے کے وقت کی نشاندہی کی گئی ہے، رہا یہ کہ مرغ کب آواز دیتا ہے تو محمد بن ناصر کہتے ہیں کہ وہ نصف لیل کے قریب آواز دیتا ہے، حضرت ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے اور ابن بطال کہتے ہیں کہ مرغ ثلث آخر میں بولتا ہے۔

تشریح روایتِ چہارم چوتھی روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے یہاں سحر کے وقت حضور ﷺ کا معمول سونے کا تھا، پچھلی روایت سے معلوم ہوا کہ اٹھتے تھے مرغ کی آواز سن کر، اور اس روایت سے معلوم ہوا کہ قیامِ لیل سے فارغ ہو کر سحر کے وقت آرام فرماتے تھے، بخاری کا مقصد ثابت ہو گیا کہ رات

میں قیامِ لیل کا اہتمام کرنے والوں کے لیے آخر شب میں سونا مستحسن ہے کہ اس سے نشاطِ طبع پیدا ہوتا ہے اور فجر کی نماز اور دیگر معمولات ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

[۸] بَابُ مَنْ تَسَحَّرَ فَلَمْ يَنَمْ حَتّٰى صَلَّى الصُّبْحَ

(۱۱۳۴) حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِىْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ نَبِىَّ اللّٰهِ ﷺ وَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِىُّ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّيَا فَقُلْنَا لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَ دُخُوْلِهِمَا فِى الصَّلٰوةِ قَالَ كَقَدْرِ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً. (گذشتہ:۵۷۶)

ترجمہ باب، ان لوگوں کا بیان جو سحری کھائیں اور آخر شب میں صبح کی نماز سے پہلے نہ سوئیں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اور حضرت زید بن ثابت نے سحری کھائی، جب دونوں سحری سے فارغ ہو گئے تو نبی کریم ﷺ فجر کی نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اور دونوں نے نماز پڑھی، قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس سے پوچھا کہ ان دونوں کے سحری سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا، تو انھوں نے فرمایا کہ انسان کے پچاس آیات پڑھنے کے بقدر فاصلہ تھا۔

مقصدِ ترجمہ اور تشریح حدیث کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا تہجد کے بعد سونا عادت کے طور پر تھا عبادت کے طور پر نہیں تھا، اس لئے سدسِ آخر میں نوم کو ضروری نہیں سمجھنا چاہئے اور اگر کوئی انسان اپنے دیگر کاموں خصوصاً دینی مشاغل کی وجہ سے اس کو ترک کر دے تو اس کی اجازت ہے۔

روایت میں آ گیا کہ عام دنوں میں تہجد سے فارغ ہو کر رات کے جس سدسِ آخر میں سو جانا آپ کا معمول تھا رمضان میں سحری کی وجہ سے وہ معمول باقی نہیں رہتا تھا، اور سحری کے بعد پچاس آیات کے بقدر فصل سے فجر کی نماز شروع ہو جاتی تھی، معلوم ہوا کہ قیامِ لیل کے بعد سونا ضروری نہیں، روایت باب وقت الفجر نمبر ۵۷۶ پر گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۹] بَابُ طُوْلِ الصَّلٰوةِ فِىْ قِيَامِ اللَّيْلِ

(۱۱۳۵) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِىِّ ﷺ لَيْلَةً فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى هَمَمْتُ بِاَمْرِ سُوْءٍ قُلْنَا مَا هَمَمْتَ قَالَ هَمَمْتُ اَنْ اَقْعُدَ وَاَذَرَ النَّبِىَّ ﷺ.

(۱۱۳۶) حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ اَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. (گذشتہ:۲۴۵)

ترجمہ باب، قیام لیل میں نماز کو طول دینے کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر یہ کہ آپ برابر نماز میں تادیر کھڑے رہے یہاں تک کہ میں نے ایک غلط کام کا ارادہ کرلیا ہم نے پوچھا کہ آپ نے کیا ارادہ کرلیا تھا فرمایا کہ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ بیٹھ جاؤں اور حضور ﷺ کو چھوڑ دوں حضرت ابوحذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو دہن مبارک کو مسواک سے ملتے تھے۔

مقصدِ ترجمہ صحیح روایت میں آتا ہے إذا صلّى احدكم للناس فليخفف فإن فيهم السقيم والضعيف والكبير وإذا صلّى احدكم لنفسه فليطول ما شاء کہ امام کو نماز میں بیمار، کمزور اور عمر رسیدہ مقتدیوں کی رعایت سے تخفیف کرنی چاہئے اور اگر کسی کو اپنی انفرادی نماز پڑھنی ہو تو حسبِ منشا طول دینے میں مضائقہ نہیں، اور تہجد میں چونکہ اس انسان کو اپنی نماز پڑھنی ہے اور رات کے ثلثِ آخر کو عبادت سے معمور کرنا ہے اس لئے نمازِ تہجد میں طول دینا مطلوب ہے۔

تشریحِ حدیثِ اول پہلی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی، عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں بھی شریک ہوگیا، پیغمبر علیہ السلام اپنی نماز پڑھ رہے تھے، مقتدیوں کی رعایت پیش نظر نہیں تھی اس لئے نماز میں طول ہوگیا، ابن مسعود کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بات آئی کہ آپ نماز پڑھتے رہیں میں تو جاتا ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود جواں ہمت اور حضور ﷺ کی اقتداء کا شوق رکھنے والے خدام میں سے تھے اس لئے ان کا یہ خیال بتا رہا ہے کہ حضور ﷺ کی نماز کا طول ان کی قوتِ برداشت سے زائد ہوگیا تھا ورنہ وہ اس طرح کا ارادہ نہ کرتے۔ لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ایک شیطانی وسوسہ تھا جس کے لئے عبداللہ بن مسعود هَمّ کا لفظ استعمال کررہے ہیں، گویا یہ وسوسہ، خاطر اور ہاجس کے درجہ سے آگے بڑھا اور هَمّ یعنی ارادے کا درجہ اختیار کر گیا، لیکن عبداللہ بن مسعود نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا اور قوت برداشت سے زیادہ طول کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصروفِ نماز رہے اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ اگر بندہ برائی کی طرف میلان کے باوجود اس پر عمل نہ کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھدی جاتی ہے، اس طرح عبداللہ بن مسعود نے شیطان کو ناکام کردیا۔

تشریحِ حدیثِ دوم دوسری روایت میں آیا کہ آپ تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو دہنِ مبارک کو مسواک سے ملتے تھے، اس روایت کا طولِ صلوٰۃ سے کیا تعلق ہے؟ ابن بطال کی رائے ہے کہ حضرت حذیفہ کی

روایت کا باب سے کوئی تعلق نہیں، وہ کہتے ہیں کہ یا تو کاتب کی غلطی سے روایت کی جگہ بدل گئی اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ انہی جگہوں میں سے ہے جن میں امام بخاری کا ارادہ تہذیب و تنقیح کا ہوگا لیکن اس سے پہلے ان کی وفات ہوگئی۔ کچھ شارحین کا خیال ہے کہ امام بخاری حضرت حذیفہ کی اس روایت سے، حضرت حذیفہ ہی کی اس دوسری روایت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو دوسری کتابوں میں مذکور ہے اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک رات میں نماز پڑھی ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، دوسری میں سورۂ آل عمران، تیسری میں سورۂ نساء اور چوتھی میں سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام پڑھی اور رکوع وسجود اور قومہ وغیرہ میں بھی قراءت کے بقدر وقت صرف فرمایا، امام بخاری اس روایت کو لا کر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ یشوص فاہ بالسواك والی رات انہی چار رکعت والی رات ہے یا یہ کہ وہ ایک روایت سے دوسری روایت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، اس طرح کے اشارات کو اگرچہ امام بخاری کے ذوق کے خلاف نہیں کہا جا سکتا مگر ظاہر ہے کہ یہ باتیں تکلف سے خالی نہیں ہیں۔

اس لیے ہمارے خیال میں بے تکلف بات یہ ہے کہ رات کو اٹھ کر مسواک کا اس درجہ اہتمام دلیل ہے کہ آپ کو دیر تک جاگنا تھا اور نماز کو طول دینا تھا اور مسواک چونکہ نیند کے اثرات کے ازالہ اور دماغ کے تنقیہ کے لیے مفید ہے اس لیے مسواک کا عمل، طولِ صلوۃ کے معاون کے طور پر کیا گیا، علامہ سندھی نے اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب مسواک کے لیے اتنا اہتمام کیا جا رہا ہے جو صرف ادب اور تمہید ہے تو نماز کے لیے یقیناً اس سے کہیں زیادہ اہتمام کیا جائے گا کہ وہ اصل مقصود ہے، حضرت شیخ الہندؒ نے اسی توجیہ کو پسند فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

[۱۰] بَابٌ كَيْفَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّىْ بِاللَّيْلِ

(۱۱۳۷) حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِىْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَيْفَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ قَالَ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَاَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ . (گذشتہ: ۴۷۲)

(۱۱۳۸) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبُوْ جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ صَلٰوةُ النَّبِيِّ ﷺ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَعْنِىْ بِاللَّيْلِ .

(۱۱۳۹) حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ قَالَ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِىْ اِسْرَائِيْلُ عَنْ اَبِىْ حَصِيْنٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَاِحْدٰى عَشْرَةَ سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ .

(۱۱۴۰) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّىْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ .

ترجمہ باب، صلوۃ اللیل کی کیفیت یعنی شان کیا تھی؟ اور حضور ﷺ رات کی نماز کس طرح پڑھا کرتے تھے
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! رات کی نماز کس طرح پڑھی جائے، آپ نے فرمایا، دو، دو رکعت پڑھا کرو، پھر جب صبح ہونے کا اندیشہ ہو تو شفعۂ آخر کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پوری نماز کو وتر یعنی طاق بنا دو۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی، مسروق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کبھی سات رکعتیں پڑھتے تھے، کبھی نو، اور کبھی گیارہ، فجر کی سنتوں کے علاوہ، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے، ان میں یعنی اس تعداد میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں شامل ہیں۔

مقصد ترجمہ ہندوستانی نسخہ میں دونوں سوالوں میں کیف ہی کا لفظ ہے کہ صلوۃ اللیل کی کیفیت کیا تھی، اور حضور ﷺ کی نماز کی کیفیت کیا تھی، لیکن بعض نسخوں میں اس طرح ہے کیف کان صلوۃ اللیل و کم کان النبی ﷺ یصلی باللیل کہ صلوۃ اللیل کی کیفیت اور شان کیا تھی اور حضور ﷺ صلوۃ اللیل میں کتنی رکعتیں پڑھا کرتے تھے، گویا کیف اور کم دونوں کا سوال ہے۔

باب ما جاء فی الوتر کے تحت بتایا جا چکا ہے کہ امام بخاریؒ کا رجحان یہ ہے کہ صلوۃ اللیل بھی مستقل نماز ہے، اور وتر بھی مستقل نماز ہے ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ شوافع کا خیال ہے۔ کہ ان دونوں نمازوں کی حقیقت ایک ہو اور اول لیل میں پڑھنے کی صورت میں اسی کا نام وتر اور آخر لیل میں پڑھنے کی صورت میں اس کا نام صلوۃ اللیل رکھ دیا گیا ہو اس حقیقت پر تنبیہ کے لیے امام بخاری نے ابواب الوتر میں باب ما جاء فی الوتر منعقد کیا تھا اور اب اسی حقیقت پر تنبیہ کے لیے ابواب التہجد میں کیف کان صلوۃ اللیل منعقد کر رہے ہیں کہ صلوۃ اللیل کی کیفیت اور شان کیا تھی، چنانچہ پہلی روایت سے اس کو بیان کیا، پھر اسی ترجمہ میں دوسری بات یہ تھی کہ جب یہ مستقل نماز ہے تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور ﷺ اس نماز کے لیے کتنی رکعتیں پڑھتے تھے، چنانچہ بقیہ تینوں روایات سے امام بخاری نے تعداد کو بیان کر دیا۔

تشریح حدیث اول یہ روایت باب ما جاء فی الوتر میں گذر چکی ہے اور مسلم کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے کہ سائل کا سوال تھا کیف اوتر صلوۃ اللیل؟ صلوۃ اللیل کو وتر بنانے یعنی صلوۃ اللیل کے ساتھ وتر پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ یہاں یہ روایت ترجمہ کے پہلے جز کیف کان صلوۃ اللیل سے متعلق ہے اور مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ صلوۃ اللیل کے ساتھ وتر کو کس طرح مربوط کیا جائے گا، مثلاً یہ کہ وتر کو صلوۃ اللیل سے پہلے پڑھا جائے گا یا صلوۃ اللیل سے فراغت کے بعد؟ روایت سے معلوم ہو گیا کہ وتر صلوۃ اللیل کے بعد پڑھے جائیں

گے، یہ بھی معلوم ہوا کہ صلوۃ اللیل میں دو، دو رکعت پر سلام ہوگا۔

تشریح روایتِ دوم پہلی روایت کیفیت سے متعلق تھی، بقیہ روایات کا تعلق ترجمہ کے دوسرے جز یعنی کیت سے ہے، ابن عباسؓ کی روایت میں آیا کہ صلوۃ اللیل کی تعداد تیرہ رکعات تھی ابواب الوتر میں ان تیرہ کی تفصیل اس طرح ہے ثم صلی رکعتین ثم رکعتین، ثم رکعتین، ثم رکعتین، ثم رکعتین، ثم رکعتین ثم اوتر، یعنی چھ مرتبہ رکعتین کا تکرار ہے اور آخر میں اوتر ہے اور وتر میں فصل بالتسلیم کی تصریح بھی نہیں ہے لیکن اس کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے امام بخاری کا رجحان وتر کی تین رکعتوں کے بارے میں فصل بالتسلیم کا ہے، اس لیے دس رکعتیں صلوۃ اللیل کی ہوئیں اور تین وتر کی، اور اگر ابتدائی دو رکعتوں کو۔ جنہیں راوی عام طور پر رکعتین خفیفتین کہہ کر الگ بیان کرتے ہیں۔ تجدید نشاط یا تحیۃ الوضوء کے لیے مانیں، تو صلوۃ اللیل کی تعداد آٹھ رہ جائے گی، روایت پر تفصیلی بحث ابواب الوتر میں گذر گئی ہے۔

تشریح روایتِ سوم و چہارم یہ دونوں روایتیں حضرت عائشہ کی ہیں، پہلی روایت میں آیا کہ صلوۃ اللیل کبھی سات رکعت، کبھی نو رکعت اور کبھی گیارہ رکعت پر مشتمل ہوتی تھی گویا وقت کی گنجائش اور تنگی، یا قوت وضعف، یا دیگر اعذار کی بنیاد پر تعداد رکعات میں یہ فرق ہو جاتا تھا، دوسری روایت میں آیا کہ حضور ﷺ کی صلوۃ اللیل کی تعداد تیرہ رکعات تھی، جن میں وتر اور فجر کی دو سنتیں شامل ہیں، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وتر کے سلسلے میں بخاری کا رجحان تین رکعت کا ہے جن میں فصل بالتسلیم ہے، اس لیے وتر کی تین اور فجر کی دو سنت کے علاوہ صلوۃ اللیل کی تعداد آٹھ رکعت ہوگئی، اور یہی حضور ﷺ کا عام معمول تھا۔ واللہ اعلم

[۱۱] بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ وَنَوْمِهِ وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ

وَقَوْلِهِ يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِصْفَهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ سَبْحًا طَوِيْلًا وَقَوْلِهٖ عَلِمَ اَنْ لَنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَشَأَ قَامَ بِالْحَبْشِيَّةِ، وَطَأً مُوَاطَاةً لِلْقُرْاٰنِ اَشَدُّ مُوَافَقَةً لِسَمْعِهٖ وَبَصَرِهٖ وَقَلْبِهٖ، لِيُوَاطِئُوا لِيُوَافِقُوْا.

(۱۱۴۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَا يَصُوْمَ مِنْهُ وَيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَكَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ، تَابَعَهٗ سُلَيْمَانُ وَاَبُوْ خَالِدِ الْاَحْمَرُ عَنْ حُمَيْدٍ. (آئندہ:۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۳۵۶۱)

ترجمہ | باب، حضور ﷺ کے رات کو قیام کرنے اور سونے کا بیان، اور قیامِ لیل میں جو حصہ منسوخ ہوا اس کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کے قول یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا ، نصفه سے سبحاً طویلا تک کی تفسیر کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کے قول علم ان لن تحصوه فتاب علیکم سے واستغفروا اللّٰه ان اللّٰه غفور رحیم تک کی تفسیر کا بیان۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نشأ (جو ناشئة اللیل کا مادہ ہے) کے معنی حبشی زبان میں قام کے ہیں، اور وطأ (جو اشد وطأ میں آیا ہے) کا مطلب ہے قرآن کی موافقت، یعنی کان، آنکھ اور دل کی تلاوتِ قرآن سے مکمل موافقت، اور اسی وطأ سے لیؤاطئوا ہے (جو سورۂ توبہ میں آیا ہے) اس کے معنی ہیں لیوافقوا موافقت کریں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کسی مہینے میں افطار (روزہ نہ رکھنا) فرماتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آپ اس مہینے میں بالکل روزہ نہیں رکھیں گے اور کسی مہینے میں روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آپ اس مہینے میں افطار نہیں کریں گے اور حضور ﷺ کی شان یہ تھی کہ تم نہیں چاہو گے کہ آپ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھو مگر دیکھ لو گے کہ آپ مشغولِ نماز ہیں اور نہ سوتے ہوئے دیکھنا چاہو گے مگر سوتے ہوئے دیکھ لو گے، سلیمان اور ابو خالد الاحمر نے حمید سے نقل کرنے میں محمد بن جعفر کی متابعت کی ہے۔

مقصد ترجمہ | پچھلے باب میں صلوۃ اللیل کی کیفیت اور کمیت بیان کی، اس سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ آپ نے رات کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا تھا، ایک حصہ نوم کے لیے تھا اور دوسرا حصہ صلوۃ اللیل کے لیے، اور یہ طریقہ رات کے قیامِ طویل کی فرضیت کے منسوخ ہو جانے کے بعد اختیار کیا گیا تھا، ابتداء اسلام یعنی مکی زندگی کے ابتدائی ایام میں قیامِ لیل کی نوعیت کے بارے میں مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے قالت افترض اللّٰه تعالٰی قیام اللیل فی اول هذه السورة یعنی یا ایها المزمل فقام نبی اللّٰه ﷺ واصحابه حولا حتی انزل اللّٰه فی اخر هذه السورة التخفیف فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضة ، یعنی سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامِ لیل کو فرض قرار دیا تھا، چنانچہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام ایک سال تک اس حکم کی تعمیل میں قیامِ لیل کرتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کے آخر میں علم ان لن تحصوه فتاب علیکم فاقرء وا ما تیسر نازل فرما کر حکم میں تخفیف کردی اور رات کا قیام فریضہ کے بعد تطوع میں تبدیل ہو گیا۔

مگر امام بخاری کے الفاظ ترجمہ اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامِ لیل کے کلی طور پر منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں کہتے ہیں وما نسخ من قیام اللیل، قیامِ لیل میں سے جو حصہ منسوخ ہوا اس کا بیان، چنانچہ اس کی تفصیل کے لیے انہوں نے سورۂ مزمل کی ان ابتدائی آیات کو پیش فرمایا جن میں قیامِ لیل کو فرض قرار دیا گیا ہے یعنی قم اللیل الا قلیلاً نصفه الآیه، پھر اسی سورت کی آخری آیات کو پیش کیا جن سے طولِ قیام کا نسخ ثابت ہوتا ہے یعنی علم ان لن تحصوه فتاب علیکم خلاصہ یہ ہوا کہ اصلِ قیام باقی ہے، البتہ طولِ قیام کو۔ جو تمام رات یا اکثر رات

میں رہتا تھا۔منسوخ کر دیا گیا ہے، بخاری کا رجحان یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیام لیل کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے اور وہ ہے وتر، اور اس کو ان اللہ امدکم بصلوۃ ھی خیر لکم من حمر النعم کہہ کر مستقل حیثیت دے دی گئی ہے اور باقی حصے کے قیام کی فرضیت کو منسوخ کر کے صرف تطوع کے طور پر باقی رکھا گیا ہے۔

قال ابن عباس الخ آیت میں ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ آیا ہے، بخاری، حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے ناشئة اور وطأ کے لغوی معنی بتا رہے ہیں کہ حبشی زبان میں نشأ کے معنی ہیں قام کھڑا ہونا اور وطأ کے معنی ہیں مواطاۃ القرآن یعنی قرآن کریم سے کان، آنکھ اور دل کی موافقت اور اسی معنی میں سورۂ توبہ میں لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اس تشریح کے مطابق ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ کا ترجمہ ہوگا، کہ بے شک رات کے اٹھنے میں، دل وزبان کی قرآن سے بہت زیادہ موافقت رہتی ہے، جب کہ کچھ مفسرین نے وطأ کو روندنے کے معنی میں لیا ہے، اور اس کے مطابق آیت کا ترجمہ ہوگا کہ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو بہت زیادہ روندنے والا عمل ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ پیغمبر علیہ السلام کسی مہینے میں روزہ نہ رکھتے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہونے لگتا کہ شاید اس مہینے میں روزہ نہیں رکھیں گے، اسی طرح کسی مہینے میں روزے رکھتے تو سلسلہ قائم ہو جاتا یہاں تک کہ دیکھنے والا سمجھتا کہ اس مہینے میں افطار نہیں کریں گے، اسی طرح رات کی نماز کے سلسلے میں حضرت انس نے فرمایا کہ نماز بھی تھی اور نوم بھی، اگر تم رات کے وقت نماز میں مشغول دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو اور نائم دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو، یعنی ایسا نہیں تھا کہ پوری رات عبادت میں گذار دیں یا پوری رات نوم میں، اسی مضمون کو علامہ طیبی اس طرح بیان کرتے ہیں **کان امرہ قصدا لا افراط ولا تفریط** ، آپ کا عمل اعتدال کے مطابق تھا، نہ اس میں افراط تھا نہ تفریط تھی۔

اور ممکن ہے کہ ان الفاظ سے حضرت انس، صلوۃ اللیل کے اس طریقے کی طرف اشارہ کر رہے ہوں جو ام سلمہ، ابن عباس اور بعض صحابہ سے منقول ہے، ام سلمہ کی روایت میں ہے مالکم وصلاتہ کان یصلی ثم ینام قدر ما صلی، ثم یصلی قدر ما نام ثم ینام قدر ما صلی حتی یصبح، ابن عباس کی مسلم کی روایت میں اسی طرح کی تفصیل کے بعد اجمال ہے ثم فعل ذالک ثلث مرات، ست رکعات، کل ذلک یستاک ویتوضا ، اس طرح رات کے مختلف حصوں میں بار بار نماز اور نوم کا عمل بڑا مشکل کام ہے اور ہر شخص کے بس کی بات نہیں، بہر حال مطلب جو بھی ہو امام بخاری کا مقصد ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے رات کے اوقات کو نماز اور نوم کے درمیان تقسیم کر رکھا تھا۔ واللہ اعلم

[۱۲] بَابُ عَقْدِ الشَّیْطَانِ عَلٰی قَافِیَةِ الرَّأسِ اِذَا لَمْ یُصَلِّ بِاللَّیْلِ

(۱۱۴۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلٰی قَافِیَةِ رَاْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ

ثَلٰثَ عُقَدٍ یَضْرِبُ عِنْدَ کُلِّ عُقْدَةٍ عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَکَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِیْطاً طَیِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ کَسْلَانَ. (آئندہ:۳۲۶۹)

(۱۱۴۳) حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ عُلَیَّةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِی الرُّؤْیَا قَالَ اَمَّا الَّذِیْ یُثْلَغُ رَاْسُهٗ بِالْحَجَرِ فَاِنَّهٗ یَاْخُذُ الْقُرْاٰنَ فَیَرْفُضُهٗ وَیَنَامُ عَنِ الصَّلٰوةِ الْمَکْتُوْبَةِ. (گذشتہ:۸۴۵)

ترجمہ باب، جب انسان رات کو نماز نہ پڑھے تو شیطان کے گدی پر گرہ لگانے کا بیان۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان سوتا ہے تو شیطان تم میں سے ہر کسی کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ پر علیك لیل طویل فارقد (تیری رات بہت لمبی ہے، سوجا) پڑھ کر دم کرتا ہے، پھر اگر انسان نے جاگنے کے بعد ذکر خداوندی کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، اور وہ نشاط کے ساتھ خوش دل ہو کر صبح کرتا ہے ورنہ صبح کے وقت دل کی خباثت اور سستی میں مبتلا رہتا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب نے خواب کی حدیث میں حضور ﷺ سے نقل فرمایا کہ البتہ وہ شخص جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا تو یہ وہ شخص تھا جس نے قرآن حاصل کیا تھا، پھر اس کو چھوڑ دیا اور وہ فرض نماز سے غافل ہو کر سوتا رہا۔

مقصد ترجمہ انسان جب رات کو سونے کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر بیٹھ کر منتر پڑھتا ہے اور گرہ لگاتا ہے، جادو اور منتر کرنے والوں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کلمات پڑھتے جاتے ہیں اور گرہ لگاتے جاتے ہیں، یہ طریقہ انہوں نے شیطان ہی سے سیکھا ہے، قرآن کریم میں بھی من شر النفثت فی العقد فرمایا گیا ہے کہ ان عورتوں کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں جو پھونک مار کر گرہ لگاتی ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ستر ہاتھ کی رسی لاتا ہے اور اس پر منتر پڑھتا ہے علیك لیل طویل فاقد (ابھی لمبی رات باقی ہے، سوتے رہو) اور گرہ لگاتا جاتا ہے، شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ سونے والا سوتا رہ جائے اور اس کو صلوۃ اللیل کی توفیق نہ ہوتا کہ اس کی لگائی ہوئی گرہیں باقی رہیں اور پھر وہ فجر کی نماز ترک کرنے کے سبب عذاب کا مستحق ہو جائے۔

تشریح حدیث اول پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ شیطان ہر سونے والے کی گدی پر بیٹھ کر منتر پڑھتا ہے اور گرہ لگاتا ہے، اس نے نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، لیکن امام بخاری نے ترجمہ میں قید لگائی اذا لم یصل باللیل، حافظ ابن حجر کا رجحان یہ ہے کہ اس سے مراد عشاء کی نماز ہے یعنی جس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو شیطان اس کی گردن پر بیٹھ کر گرہ لگاتا ہے، علامہ عینی اس رائے سے متفق نہیں، روایت میں بھی اس طرح کی کوئی قید نہیں، اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ گرہ تو وہ ہر سونے والے کی گدی پر لگاتا ہے لیکن جو صلوۃ اللیل نہیں پڑھتا اس کی گرہ باقی

رہتی ہے، اور شیطان کے اس تصرف سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تہجد کے وقت ہمت کر کے اٹھ جائے، روایت میں آرہا ہے کہ ذکر، وضو اور تہجد سے گرہیں کھل جائیں گی اور صبح کے وقت انسان کو اپنی طبیعت میں خوش دلی اور نشاط کا احساس ہوگا اور اگر سوتا رہ گیا تو صبح کے وقت بددلی اور سستی غالب رہے گی۔

تشریح حدیث دوم دوسری روایت میں حضور پاک ﷺ کے خواب کا ایک جز مذکور ہے، مفصل روایت کتاب الجنائز میں آئے گی کہ حضور ﷺ کو جبرئیل میکائیل نے سیر کرائی اور اس کا ایک جز یہ ہے کہ ایک شخص کو دکھایا گیا جو چت پڑا ہوا ہے اور ایک فرشتہ ہے جس کے ہاتھ میں پتھر ہے، فرشتہ پتھر مار کر اس لیٹے ہوئے انسان کے سر کو پاش پاش کر دیتا ہے، پتھر دور چلا جاتا ہے وہ اس کو اٹھانے کے لیے جاتا ہے اتنے میں سر درست ہو جاتا ہے، فرشتہ پھر پتھر مارتا ہے اور سر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، اسی طرح سر برابر توڑا جا رہا ہے، اور درست ہوتا رہتا ہے، جبرئیل و میکائیل نے واپسی میں بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس قرآن تھا مگر اس نے قرآن کو چھوڑ دیا یعنی نہ تلاوت کی نہ عمل کیا اور فرض نماز سے بھی غفلت برت کر سوتا رہا یعنی فرض نماز کی صورت میں بھی قرآن کا حق ادا نہ کیا، اس لیے اس کو یہ سزا دی جا رہی ہے، گویا قرآن کریم کا تعلق دماغ سے تھا اس لیے دماغ ہی کو پاش پاش کرنے کی سزا دی جا رہی ہے۔

ترجمہ اور احادیث کا ربط ترجمہ کے ذیل میں بخاری نے دو روایتیں پیش کی ہیں جن میں پہلی روایت ترجمہ سے بظاہر متعلق معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں بھی یہ اشکال ہے کہ ترجمہ میں امام بخاری نے اذا لم یصل باللیل کی قید لگائی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر انسان نماز نہ پڑھے تو شیطان گدی پر گرہ لگاتا ہے جب کہ روایت میں ایسی کوئی قید نہیں بلکہ عام فرمایا گیا ہے کہ سوتے وقت، شیطان ہر شخص کی گدی پر علیك لیل طویل فارقد کہہ کر گرہ دیتا ہے، اور دوسری روایت کا تو ترجمہ سے بظاہر تعلق ہی معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں گرہ لگانے کا ذکر ہی نہیں بلکہ قرآن سے غفلت اور فریضہ کے ترک پر عذاب کا ذکر ہے بلکہ یہاں ایک اور اشکال ہے کہ عذاب تو وجوب کی علامت ہے جب کہ بخاری پہلے باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل من غیر ایجاب کہہ کر صلوۃ اللیل کے واجب نہ ہونے کی تصریح کر چکے ہیں۔

تو اصل بات یہ ہے کہ شیطان گرہیں تو سب کی گدی پر لگاتا ہے اور وہ گرہیں ذکر، وضو اور صلوۃ اللیل سے کھل جاتی ہیں اور صلوۃ اللیل نہ پڑھنے کی صورت میں وہ گرہیں باقی رہتی ہیں، چنانچہ پہلی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ صلوۃ اللیل نہ پڑھنے کی صورت میں انسان صبح کے وقت خبیث النفس اور کسلان ہو کر اٹھتا ہے اور دوسری روایت سے مزید یہ معلوم ہوا کہ گرہیں باقی رہتی ہیں اور اگر ان کی وجہ سے نماز فجر بھی قضا ہو گئی تو قرآن سے غفلت اور ترک فریضہ کی وجہ سے انسان عذاب کا مستحق بھی ہو جاتا ہے، معلوم ہوا کہ صلوۃ اللیل اگرچہ واجب نہیں لیکن اس کے ترک کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ شیطان کی لگائی ہوئی گرہیں لگی رہ جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے فرض کے ترک کی نوبت آجاتی ہے اور انسان عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہی روایت کتاب الجنائز میں مفصل آئے گی تو اس میں نسام عن الصلوٰۃ المکتوبۃ نہیں بلکہ فوجل علمه القرآن فنام عنه باللیل ولم یعمل فیه بالنهار ہے کہ اس شخص نے رات میں صلوٰۃ اللیل ترک کر کے قرآن کا حق ادا نہ کیا اور شیطان کی لگائی ہوئی گرہیں باقی رہ گئیں اور اس کا نقصان یہ ہوا کہ دن میں بھی عمل سے محروم رہا اور ترک فریضہ کی نوبت آگئی اور اس طرح عذاب کا استحقاق پیدا ہوگیا۔ گویا سزا اور عذاب صلوٰۃ اللیل کے ترک پر نہیں بلکہ فریضہ کے ترک پر ہے ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ صلوٰۃ اللیل واجب ہے اور امام بخاری اس کے قائل نہیں۔

البتہ بخاری کے ذوق کے مطابق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ صلوٰۃ اللیل کے ایک حصہ یعنی وتر کو واجب کہتے ہیں اور جس شخص نے شیطان کی لگائی ہوئی گرہوں کو کھولنے کے لیے صلوٰۃ اللیل سے غفلت برتی اور وتر کے ذیل میں بھی قرآن کا حق ادا نہ کیا تو یہ وہ گناہ اور جرم ہے جس پر سزا کا استحقاق پیدا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

[۱۳] بَابُ اِذَا نَامَ وَلَمْ يُصَلِّ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ اُذُنِهٖ

(۱۱۴۴) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ رَجُلٌ فَقِيْلَ مَا زَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ اُذُنِهٖ . (آئندہ: ۳۲۷۰)

ترجمہ باب، جب انسان سو جائے اور نماز نہ پڑھے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے، حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس ایک شخص کا تذکرہ کیا گیا اور کہا گیا کہ وہ برابر سوتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی، وہ نماز کے لیے نہیں اٹھا تو فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں بتایا تھا کہ صلوٰۃ اللیل نہ پڑھنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ شیطان کی لگائی ہوئی گرہیں بعینہ باقی رہ جاتی ہیں، اب یہ بتلاتے ہیں کہ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ شیطان کان میں پیشاب کر دیتا ہے، حافظ ابن حجر نے ایک روایت کے الفاظ نقل کیے ہیں اصبحت العقد کلها کهیئتها وبال الشیطان فی اذنـه، معلوم ہوا کہ تہجد کا وقت گذرنے کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے تاکہ منتر کی گرہوں اور کانوں کے ثقل کے سبب سونے والے کو فریضہ یعنی نماز فجر سے محروم کر دیا جائے۔

تشریح حدیث روایت میں ہے کہ رسول پاک علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا کہ وہ رات سے صبح تک سوتا رہا، نماز نہیں پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا، امام بخاری یہ باب، ابواب التہجد میں ذکر کر رہے ہیں اس لیے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا یہ کام صلوٰۃ اللیل سے غفلت کے سبب ہوا، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی اس روایت کو قیام لیل کے ابواب میں ذکر کیا ہے، نسائی کی روایت کے الفاظ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں، ان فلانا نام عن الصلوة البارحة حتی اصبح ، بارحه شب گذشتہ کو کہتے ہیں، مطلب

یہ ہوا کہ فلاں شخص، گذشتہ رات میں نماز سے غافل ہو کر سوتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، ظاہر ہے کہ گذشتہ رات کی نماز تہجد ہی کی نماز ہے پھر یہ کہ حتی اصبح میں اگر غایت کو مغیا میں داخل نہ مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ صبح کی نماز کا اس میں ذکر نہیں، اور شیطان کا پیشاب کرنا صلوۃ اللیل کے ترک کا نتیجہ ہے، جب کہ بعض اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ رات بھر سوتا رہا، نہ صلوۃ اللیل ادا کی نہ فجر اور اس کی وجہ سے شیطان نے پیشاب کر دیا۔

تعبیر حقیقت ہے یا مجاز شیطان کے گرہ لگانے یا شیطان کے پیشاب کرنے کی بات کو اکثر حضرات حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور اس میں کوئی استبعاد نہیں، اس لیے کہ قرطبی اور دیگر اہل علم کے نزدیک شیطان کا کھانا، پینا، جنسی ملاقات کرنا وغیرہ ثابت ہے، تو کیا بعید ہے کہ وہ رسی لائے، اس میں گرہ لگائے اور پیشاب کردے، رہا یہ کہ اس کی گرہیں نظر آتی ہیں نہ پیشاب، تو جسطرح شیطان نظر نہیں آتا اسی طرح اس کے اعمال بھی ہیں۔

جب کہ بعض حضرات نے ان تعبیرات کو مجاز پر محمول کیا ہے، مثلاً گدی پر گرہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ سونے والے کے ساتھ شیطان کے عمل کو ساحر کے اس عمل سے تشبیہ دی جارہی ہے جو وہ مسحور کے ساتھ کرتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ وہ سونے والے کے احساسات کو معطل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ بیدار نہ ہوسکے، اسی طرح پیشاب کرنا بھی شیطان کے پوری طرح مسلط ہوجانے، یا احساسات کو معطل کرنے یا سونے والے کی توہین اور تحقیر وغیرہ سے کنایہ ہوسکتا ہے، واللہ اعلم

[۱۴] بَابُ الدُّعَاءِ وَالصَّلٰوةِ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ

وَقَالَ: كَانُوْ قَلِيْلاً مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ، يَنَامُوْنَ

(۱۱۴۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ وَاَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَغَرِّ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِىْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ، مَنْ يَسْأَلُنِىْ فَاُعْطِيَهٗ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِىْ فَاَغْفِرَ لَهٗ. (آئندہ: ۶۳۲۱، ۷۴۹۴)

ترجمہ باب، آخر شب میں دعا اور نماز کا بیان، اور اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے، یھجعون کے معنی ینامون ہیں، حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے آخری تہائی حصے میں ہمارا پروردگار (تبارک وتعالیٰ) آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کروں؟

مقصد ترجمہ صلوۃ اللیل سے غفلت کے نقصانات ذکر کرنے کے بعد، اب اس پر عمل کے فوائد اور برکات کا بیان کرتے ہیں، کہ رات کا یہ آخری حصہ دعا، مناجات اور نماز کے لیے نہایت موزوں ہے کہ اس میں

رحمتِ خداوندی بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اوراس کی وجہ سے دعاؤں کی قبولیت کی امید بڑھ جاتی ہے۔

وقال و کانوا الخ یہ سورۂ ذاریات کی آیت ہے، جس میں ان اہلِ تقویٰ کے اوصاف حمیدہ کا بیان ہے جنہیں اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا، ارشاد ہوا **انهم كانوا قبل ذلك محسنين** کہ یہ لوگ اس سے پہلے یعنی دنیوی زندگی میں نیک کام کرتے تھے نیز **و كانوا قليلا من الليل ما يهجعون** کہ وہ رات میں بہت کم سوتے تھے، اور **وبالاسحار هم يستغفرون** سحر کے وقت استغفار کرتے تھے کہ اے پروردگار! حق عبدیت کی تقصیرات کو معاف فرما۔ امام بخاری نے بتایا کہ اس مبارک وقت میں دعا واستغفار کو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے اوصاف حمیدہ میں بیان کیا ہے۔

يهجعون: ينامون، بخاری نے ہجوع کے لغوی معنی بتادئے کہ اس کا ترجمہ ہے سونا۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ رات کے ثلث آخر میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ جو دعا مانگے گا اس کی دعا قبول کی جائے گی جو سوال کرے گا اس کو عطا کیا جائے گا، اور جو گناہوں سے بخشش کا خواستگار ہوگا اس کے گناہوں کی مغفرت کی جائے گی۔

اہل کرم اس دنیا میں کسی کو دعوت دے کر بلاتے ہیں تو اس کو محروم واپس نہیں کرتے پھر اکرم الاکرمین جب نزول فرما کر اعلان کرے تو جو اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہوگا تو اس کو یقیناً نوازا جائے گا، اور آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت میں یہ عمل صالح خصوصی مدح کا سبب ہوگا۔

یہ اشکال نہ ہونا چاہیے کہ ترجمۃ الباب میں دعا اور نماز کا ذکر ہے اور روایت میں صرف دعا مذکور ہے اس لیے کہ نماز بھی دعا ہے، مسلم کی حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے **قسمت الصلوة بيني وبين عبدي نصفين ولعبدي ما سأل**۔

نزول کا مطلب نزول کے لغوی معنی ہیں اوپر سے نیچے اترنا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے معنی اللہ تعالیٰ کی شانِ تنزیہ کے منافی ہیں اور وہ معنی یقیناً مراد نہیں ہوسکتے، اس لیے یا تو اس لفظ کے معنی مرادی میں سلف کے اصول کے مطابق تفویض کا طریقہ اختیار کیا جائے ظاہری معنی بھی مراد نہ لیں اور تاویل کی راہ بھی اختیار نہ کریں اور ان کے معنی کو اللہ کے سپرد کرکے اس پر ایمان لے آئیں، یا پھر متاخرین اور متکلمین کے ذوق کے مطابق ایسی تاویل کریں جو مسلمات شرعیہ سے متعارض نہ ہو مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے بندوں کے حق میں جو رحمت کا اظہار، اور ان کی دعاؤں کو قبول کرنے کا جو کرم کر رہا ہے اس کو **ينزل ربنا تبارك وتعالى** کے الفاظ سے تعبیر کردیا گیا ہے، یا پھر نزول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو نازل فرماتا ہے، اور چونکہ فرشتوں کا نزول خدا کے حکم سے ہوتا ہے اس لیے اس کو خدا کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔ واللہ اعلم ☆☆☆

تم المجلد الخامس، ويتلوه السادس انشاء الله تعالى، واوله: "باب من نام اول الليل واحيى آخره"